عبداللہ فارانی
اسلامی جنگیں
قدم بہ قدم

دو باتیں

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ: یہ تو سنا تھا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں تھا، تاریخ اپنے آپ کو کیسے دہراتی ہے، یا کیوں دہراتی ہے، اسے کیا پڑی ہے خود کو دہرانے کی۔ اسے کیا ملتا ہے، اپنے آپ کو دہرانے سے۔ یہ باتیں میں اکثر سوچا کرتا تھا، لیکن اب نہیں سوچتا۔ میں جان گیا ہوں کہ تاریخ واقعی خود کو دہراتی ہے، وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے، یہ بات تاریخ کی فطرت میں موجود ہے۔ لہٰذا وہ ہر حال میں خود کو دہرا کر رہتی ہے۔

مجھے یہ تجربہ اس طرح ہوا کہ گزشتہ سال ہم نے اعلان کیا تھا کہ شمارہ نمبر 300 خاص شمارہ ہوگا۔ پھر جونہی خاص شمارے کی تیاری کا وقت آیا، مجھے بخار نے آلیا۔ میں نے مولانا محمد اسماعیل ریحان کو فون کیا کہ بھئی! ادھر تو بخار صاحب تشریف لے آئے ہیں، اب کیا ہوگا۔ میری بات سن کر وہ ہنسے اور کہنے لگے، اللہ مالک ہے۔ ان شاء اللہ بخار اتر جائے گا اور آپ وقت پر شمارہ تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

بخار نہ اترا اور مجھے بخار کی حالت میں شمارہ تیار کرنا پڑا اور اللہ کی مہربانی سے کام زیادہ لیٹ نہ ہوا۔ ہم سب نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ بھرم رہ گیا، ورنہ قارئین کیا کہتے۔ لو جی، چلے تھے خاص شمارہ شائع کرنے۔ پڑ گئے بیمار۔

اس بار پھر خاص شمارے کا اعلان کیا گیا... اور جونہی شمارے کی تیاری کا وقت آیا مجھے یک دم بخار نے آلیا... چونک اٹھا کہ یہ کیا، فوراً مولانا ریحان صاحب کو فون کیا کہ مولانا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے... کہنے لگے، کیا مطلب... یہ صبح صبح تاریخ کو کیا سوجھی... میں نے انھیں بتایا... مجھے بخار نے آلیا ہے... اور آپ کو یاد ہوگا کہ گزشتہ خاص شمارے کی باری میں بھی ایسا ہی ہوا تھا... ان کے منہ سے پھر فوراً نکلا... اللہ اپنا رحم فرمائے خیر... آپ فکر نہ کریں... ابھی ہمارے پاس وقت ہے... ان شاء اللہ ایک دو روز میں آپ کا بخار اتر جائے گا، اس وقت شمارہ شروع کر لیجیے گا...

انھوں نے تو یہ بات کہہ دی... لیکن ادھر بخار نے میری حالت ردی کر دی... چار روز مسلسل 104 بخار رہا... اس کے بعد شدید ترین کمزوری کی باری تھی...

کہنے کا مطلب یہ کہ اسی حالت میں یہ شمارہ... یعنی کہ خاص شمارہ تیاز کرنا پڑ رہا ہے... لہٰذا اس شمارے کی ایک خاص بات تو یہی ہے اور یہ کچھ کم خاص نہیں ہے...

دوسری خاص بات اس شمارے کی یہ ہے کہ اس میں غلام رسول زاہد ایس ایس پی صاحب کا انٹرویو شامل ہے... یہ انٹرویو ایک مثالی انٹرویو بن گیا ہے... کیونکہ ملک میں شاید پہلی بار محکمہ پولیس کے اتنے اعلیٰ عہدے دار نے نہایت بے تکلفی سے اور بغیر کسی بناوٹ کے بچوں کے سوالات کے جوابات دیے ہیں...

ایک خاص بات یہ کہ اسی شمارے سے عبداللہ فارانی کا نیا سلسلہ اسلامی جنگیں شروع ہو رہا ہے۔ ایک اور خاص بات یہ کہ غلام حسین میمن، ارشاد الٰہی، سرور مجذوب، اسماعیل ریحان، ذبیح اللہ عارفی، نادیہ حسن، حافظ عبدالرزاق، بینا رانی...... آپ کے سب ہی پسندیدہ قلم کاروں کی تحریریں شامل کی جا رہی ہیں۔ اس شمارے کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس میں جتنے خطوط شامل کیے گئے ہیں، ان سبھی خطوط کے نیچے میں نے جوابات لکھے ہیں...

خاص شمارے کی ایک اور خاص بات اس کے لیے بہت خاص کہانیوں کا خصوصیت سے انتخاب کیا گیا ہے...

ایک خاص بات یہ کہ یہ شمارہ آپ کو عید کے موقعے پر مل رہا ہے، اس طرح یہ ہماری طرف سے آپ کے لیے عید کا تحفہ ہے، اور آپ اسے دوسروں کو عید کے تحفے کے طور پر دے سکتے ہیں۔

ارے ہاں! اثر جون پوری صاحب نے آپ کے لیے ہکلی نظم لکھی ہے، ایسی نظم آپ نے کبھی نہیں پڑھی یا سنی ہوگی... لیکن یہ کیا... خاص نمبر کی خصوصیات گنوانے کی کیا ضرورت ہے... وہ تو آپ دیکھ ہی لیں گے اور دیکھنے کے ساتھ ساتھ پڑھ بھی لیں گے... لہٰذا میں دوسری خاص خاص باتیں کیوں نہ کر لوں... جی ہاں اور کیا... دھت تیرے کی، خاص خاص باتیں کرنے کا اب وقت ہی کہاں رہ گیا ہے، صفحہ تو پورا ہو چلا ہے... چلیے خیر خاص خاص باتیں تو اب آپ کریں گے... بلکہ کھری کھری سنائیں گے، میرے لیے تو پھر یہی بہتر ہے کہ اجازت لوں اور عافیت کا کوئی گوشہ تلاش کروں... اب دیکھیں... عافیت کا کوئی گوشہ میسر آتا بھی ہے یا نہیں... واللہ اعلم۔

والسلام

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

غزوہ ودان: مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ان کی جماعت چھوٹی سی تھی۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوگیا اور وہ ایک طاقت ور جماعت بن گئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں، باپ دادا، اپنی بیویوں اور بچوں سے زیادہ ہوگئی اور مشرکین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے پر اڑے رہے،

تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو مشرکوں سے جنگ کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ یہ حکم 2 ہجری ماہ صفر میں دیا گیا۔ شروع میں صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی جو مسلمانوں پر حملہ کریں اور جنگ میں پہل کریں۔ بعد میں حملہ نہ کرنے والوں پر بھی حملہ کرنے کی اجازت ہوگئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ:36 میں ارشاد فرمایا:

''اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔''

اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ ان سے کسی بھی زمانے میں جنگ کرو۔ ایسے لوگوں سے بھی جنگ کی اجازت ہوگئی جو خود سے جنگ کی پہل نہ کریں، مگر شرط یہ تھی کہ حرام مہینوں میں سے کوئی مہینا نہ ہو، پھر حرام مہینوں کی قید بھی ختم کر دی گئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لاالہ الااللہ نہ کہہ دیں۔''

یعنی جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور جب وہ یہ کلمے کہہ دیں گے تو پھر ان کی جانیں اور مال مجھ سے محفوظ ہوں گے۔ پھر ان کا حساب اللہ کے ذمے ہوگا، یعنی اس صورت میں ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی اجازت ملی تو آپ 12 ربیع الاول 2 ہجری کو پہلی بار جہاد کی غرض سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے روانہ ہو کر آپ ''ودان'' کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک بڑی بستی تھی۔ ابواء کے مقام سے چھ یا آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔ ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں تھا۔ اس مقام کا نام ابواء اس لیے پڑا کہ یہاں سیلاب بہت زیادہ آتے تھے۔ اسی بنیاد پر اس غزوہ کو غزوہ ابواء بھی کہا جاتا ہے، دراصل یہ دونوں بستیاں پاس پاس تھیں۔ بستی کا نام وُدّان اس لیے تھا کہ اس میں ایک پہاڑ واقع ہے۔ اس پہاڑ کا نام ودان ہے۔

غزوہ ودان میں آنحضرت اپنے ساتھ صرف مہاجرین ہی کو لے کر روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ کوئی انصاری نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں قریش کے ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے اور بنی ضمرہ کی سرکوبی کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ گئے تو تھے تجارتی قافلے کو روکنے، لیکن ساتھ میں بنی ضمرہ کی سرکوبی بھی ہوگئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 70 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ بنی ضمرہ نے لڑائی کے بغیر ہی صلح کر لی اور پرامن رہنے کا معاہدہ کرلیا۔ بنی ضمرہ کے سردار کا نام مجدی ابنِ عمرو تھا۔

آپ نے بنی ضمرہ سے ان شرائط پر صلح فرمائی:

''دونوں فریق ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حملہ کریں گے، نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے۔ یہ لوگ اللہ کے دین کے مقابلے پر نہ آئیں اور یہ کہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مدد کے لیے بلائیں، انھیں مدد کے لیے ضرور آنا ہوگا۔ اس عہدنامے کی ذمے داری اللہ اور اس کے رسول پر ہوگی، یعنی یہ امان اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دی گئی ہے۔''

اس غزوے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔ جھنڈا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنا جانشین حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ غرض معاہدے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ اس طرح یہ غزوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا، اس سفر میں آپ کو پندرہ دن لگے۔

غزوہ بواط: اسی سال یعنی 2 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے غزوے کے لیے تشریف لے گئے، یہ غزوہ 3 ربیع الاول کو پیش آیا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ربیع الثانی میں پیش آیا۔ اس غزوے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایک تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ تجارتی قافلے کا سردار امیہ بن خلف مشرک تھا۔ اس کے ساتھ قریش کے دو سو آدمی تھے۔ اس قافلے میں دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ ان پر تجارتی سامان لدا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ ان میں مہاجرین ہی شامل تھے۔ اس غزوے کا جھنڈا بھی سفید تھا۔ جھنڈے سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ لشکر کا امیر کس جگہ پر ہے۔ اس لشکر کا جھنڈا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ لشکر کے جھنڈے کو عربی میں لواء کہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے جنگی جھنڈا بنایا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ ایک قوم نے حضرت لوط علیہ السلام پر حملہ کر دیا ہے۔ آپ نے جھنڈا تیار کیا اور اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس طرح جھنڈے کی ابتدا ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے کے لیے روانہ ہوئے تو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر بواط کے مقام پر پہنچے۔ بواط ینبع کے پہاڑ کا نام ہے۔ اسی کے نام کی نسبت سے اس غزوے کا نام غزوہ بواط پڑا۔

بواط پہنچنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا دشمنوں سے نہیں ہوا۔ اس طرح آپ جنگ کے بغیر ہی واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ دراصل قریشی قافلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہنچنے سے پہلے ہی گزر چکا تھا۔

غزوۂ عشیرہ: یہ غزوہ جمادی الاول کے مہینے میں پیش آیا۔ اس مرتبہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایک تجارتی قافلے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہ قافلہ ملک شام جا رہا تھا۔ قریش نے اس قافلے میں اپنا تمام مال و دولت شامل کیا تھا۔ مکہ معظّمہ میں کوئی قریشی مرد و عورت ایسا نہیں تھا جس نے اس قافلے میں اپنا مال شامل نہ کیا ہو۔ صرف ایک حویطب ابن عبدالعزیٰ ایک ایسا شخص تھا جس کا کوئی مال اس قافلے میں نہیں تھا۔

اس قافلے کے ساتھ پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ اس قافلے کے امیر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مشرکوں کے سردار تھے۔ ان کے ساتھ 27 آدمی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلے کا راستہ روکنے کے لیے اس وقت روانہ ہوئے جب یہ شام سے واپس آ رہا تھا اور اسی قافلے کو روکنے کی خبر غزوہ بدر کا (باقی صفحہ 20 پر)

بقیہ :
اسلامی جنگیں

سبب بنی تھی۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ڈیڑھ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تھے، ایک قول دو سو صحابہ کا بھی ہے۔ ان میں بھی صرف مہاجرین ہی شامل تھے۔

غرض آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور عشیرہ تک پہنچ گئے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ابوسلمہ ابن عبدالاسد کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس غزوے میں بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔ جھنڈا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔

یہ اسلامی لشکر بیس اونٹوں پر روانہ ہوا۔ باری باری سب ان پر سوار ہوتے تھے۔ عشیرہ پہنچ کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو معلوم ہوا کہ تجارتی قافلہ چند دن پہلے گزر چکا ہے، چنانچہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم جنگ کے بغیر ہی واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ البتہ اس موقعے پر آپ نے قبیلہ بنی مدلج کے ساتھ امن اور سلامتی کا معاہدہ طے فرمایا۔

اسی سفر میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کا لقب عطا فرمایا۔ آپ نے انھیں زمین پر سوتا پایا، اس طرح کہ ان پر مٹی لگ گئی تھی۔ آپ نے مٹی لگی دیکھی تو آپ نے انھیں پاؤں مبارک سے حرکت دے کر اٹھایا اور فرمایا:

''اٹھو! اے ابوتراب۔'' (یعنی مٹی والے) (جاری ہے)

اِسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

2

عبداللہ فارانی

غزوہ سفوان

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم عشیرہ سے واپس تشریف لائے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منورہ میں چند راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرے، کیونکہ آپ کو پھر ایک مہم پیش آگئی تھی۔ اس مرتبہ آپ کرز بن جابر فہری کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی چراگاہوں اور مویشیوں پر حملہ کیا تھا۔ آپ اس کی تلاش میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک وادی میں پہنچے۔

اس وادی کا نام وادیٔ سفوان تھا۔ یہ وادی بدر کے نزدیک تھی۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ سفوان کے علاوہ غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کرز بن جابر فہری کو نہ پاسکے، کیونکہ وہ وہاں سے نکل چکے تھے۔

اس غزوے کے موقعے پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں اپنا جانشین حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس مرتبہ بھی اسلامی جھنڈے کا رنگ سفید تھا اور جھنڈا حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

غزوۂ بدر

آنحضرت غزوہ عشیرہ میں وادیٔ عشیرہ تک پہنچ گئے تھے۔ یہاں پہنچ کر آپ کو اطلاع ملی کہ کفار کا وہ قافلہ جس کے لیے آپ روانہ ہوئے تھے، کئی دن کے فاصلے پر آگے پہنچ چکا ہے، یعنی وہ ملک شام کی طرف آگے جاچکا ہے۔ اب آپ اس قافلے کی واپسی کا انتظار فرمانے لگے، کیونکہ قریش کا یہ تجارتی قافلہ شام میں اپنے مال کا لین دین کرنے اور تجارتی نفع حاصل کرنے گیا تھا اور اسے نفع کما کر واپس اسی طرف سے ہوتے ہوئے مکہ جانا تھا۔ آخر آپ کو اطلاع ملی کہ قافلہ تجارت کرنے کے بعد واپس آرہا ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قافلے پر حملے کی تیاری شروع کردی اور مسلمانوں سے فرمایا:

"قریش کا تجارتی قافلہ آرہا ہے۔ اس میں ان کا مال و دولت ہے، تم اس پر حملہ کرنے کے لیے بڑھو، ممکن ہے، اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے فائدہ پہنچائے۔"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مقام بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے تو ایک خاتون امِ ورقہ بنتِ نوفل نے آپ سے عرض کیا تھا:

"یارسول اللہ! مجھے بھی جہاد میں چلنے کی اجازت عطا فرمایئے۔ میں بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کروں گی اور ممکن ہے، اللہ مجھے بھی شہادت نصیب فرمادے۔"

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی بات سن کر ارشاد فرمایا:

"تم اپنے گھر میں بیٹھو! اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت نصیب فرمائے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک غلام اور ایک لونڈی نے ان پر حملہ کیا اور ایک موٹی چادر میں باندھ دیا۔ اس سے ان کا دم گھٹ گیا اور وہ شہید ہوگئیں۔ اس کے بعد قاتلوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے انھیں پھانسی دینے کا حکم دیا۔ انھیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ پہلے دو مجرم ہیں جنھیں مدینہ منورہ میں پھانسی پر لٹکایا گیا۔

ادھر حضرت ابوسفیان کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوچکے ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ جب کسی تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے آتے ہوئے حجاز کی سرزمین کے پاس پہنچتے تو جاسوسوں کے ذریعے راستے کی خبریں معلوم کیا کرتے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ڈر کی وجہ سے راہ میں جو بھی سوار ملتا، اس سے حالات معلوم کرتے رہتے تھے۔

اس طرح انھیں یہ اطلاع ملی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں ایک شخص ملا تھا۔ اس نے انھیں بتایا تھا:

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو شروع ہی میں اس قافلے کو روکنا چاہتے تھے۔ اب بھی وہ تمہارے قافلے کا انتظار کررہے ہیں۔"

یہ خبر سن کر ابوسفیان خوف زدہ ہوگئے۔ انھوں نے ایک شخص سے اجرت طے کی اور اسے مکہ کی طرف روانہ کیا۔ اس شخص کا نام ضمضم ابن عمرو غفاری تھا۔ ابوسفیان نے ضمضم سے کہا:

"تم فوراً مکہ کے لیے روانہ ہوجاؤ، اپنے اونٹ کے کان کاٹ دو، کجاوہ الٹ دو، اپنی قمیص کا اگلا اور پچھلا دامن پھاڑ دو۔ اس حالت میں مکہ میں داخل ہونا، قریش کو بتانا کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اپنے صحابہ کے ساتھ ان کے قافلے پر حملہ کرنے والے ہیں۔"

یہ شخص یہ پیغام لے کر چلا۔ اس نے بہت تیزی کے ساتھ سفر شروع کیا۔ ابھی یہ شخص مکہ سے تین دن کے فاصلے پر تھا کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی عاتکہ بنتِ عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا۔ خواب بہت ڈراؤنا تھا۔ یہ اس خواب کو دیکھ کر بہت گھبرائی۔ اس نے اپنے بھائی حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو بلوا بھیجا۔ وہ آئے تو ان سے بولی:

"بھائی اللہ کی قسم! میں نے رات ایک نہایت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ شاید ہماری قوم پر کوئی بڑی تباہی اور مصیبت آنے والی ہے، اس لیے جو کچھ میں بتاؤں، اسے پوشیدہ رکھنا بلکہ جب تک تم مجھ سے یہ عہد نہیں کرو گے کہ تم اس خواب کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے، اس وقت تک میں تمھیں نہیں بتاؤں گی، کیونکہ اگر قریش کے لوگوں نے یہ بات سن لی تو وہ ہمیں پریشان کریں گے۔"

اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے:

"اچھی بات ہے، میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا، تم بتاؤ، تم نے کیا دیکھا ہے۔"

اب عاتکہ نے بتایا: "میں نے دیکھا ہے، ایک شخص اونٹ پر سوار آرہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ابطح میں آکر ٹھہرا۔ وہاں رک کر اس نے پوری آواز کے ساتھ پکار پکار کر کہا ہے۔ 'اے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں میں چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔' پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے۔ اب یہ آنے والا شخص مسجدِ حرام یعنی حرم میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ ابھی لوگ اس کے گرد جمع ہورہے تھے کہ وہ شخص اچانک اپنے اونٹ سمیت کعبے کی چھت پر نظر آیا اور وہاں سے اس نے پوری طاقت سے پکارا۔ پھر وہ شخص ابوقبیس کے پہاڑ پر نظر آیا، وہاں سے بھی اس نے اسی طرح پکارا۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر لڑھکایا۔ پتھر وہاں سے لڑھکتا ہوا جب پہاڑ کے دامن میں آیا تو اچانک ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور مکہ کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ بچا، جس میں اس کے ٹکڑے نہ پہنچے ہوں۔"

خواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کی قسم! یہ خواب بہت عجیب ہے۔ تم خود بھی اسے پوشیدہ رکھو، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرو۔"

اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہاں سے نکلے۔ راستے میں انھیں ولید بن عتبہ ملا۔ یہ ان کا دوست تھا۔ حضرت عباس نے خواب اس سے بیان کردیا اور اس سے

وعدہ لیا کہ وہ کسی سے اس خواب کا ذکر نہیں کرے گا۔ ولید نے جا کر یہ ساری بات اپنے بیٹے عتبہ بن ولید سے بیان کر دی۔ اس طرح خواب ایک سے دوسرے تک پہنچنے لگا۔ یہاں تک کہ پورے مکہ میں یہ خواب مشہور ہو گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوسرے دن میں صبح کے وقت طواف کرنے لگا تو وہاں ابوجہل ابن ہشام قریشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا اسی خواب کو بیان کر رہا تھا۔ جونہی اس نے مجھے دیکھا تو بول اٹھا: ”اے عباس! طواف سے فارغ ہو کر تم ذرا میرے پاس آنا۔“

طواف سے فارغ ہو کر میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا:

”اے عبدالمطلب کی اولاد، تم آخر چاہتے کیا ہو، پہلے تمہارے مرد جھوٹ بولتے تھے، اب عورتیں بھی جھوٹ بولنے لگی ہیں۔ عاتکہ کہتی ہے کہ اس نے خواب میں نظر آنے والے شخص کو یہ کہتے سنا ہے کہ تین دن کے اندر اندر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اب ہم تین دن تک انتظار کریں گے۔ جو کچھ عاتکہ کہہ رہی ہے، اگر وہ سچ ثابت ہو گیا تو ٹھیک اور اگر تین دن گزرنے پر اس طرح کی کوئی بات پیش نہ آئی تو ہم تمہارے خلاف ایک تحریر لکھ کر لٹکا دیں گے کہ تمہارا گھرانہ عرب کا سب سے جھوٹا گھرانہ ہے۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ آخر عاتکہ کے خواب کا تیسرا دن آ گیا۔ اسی دن ضمضم ابن عمرو غفاری مکہ میں اسی حالت میں داخل ہوا جس حالت میں عاتکہ نے خواب میں دیکھا تھا اور وادیٔ مکہ کے درمیان میں کھڑے ہو کر وہ پکارا:

”اے گروہِ قریش! اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو۔ تمہارا جو مال ابوسفیان لیے آ رہے ہیں، اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ حملہ کرنے والے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ تم اسے نہیں پا سکو گے۔“

ایک روایت کے مطابق اس نے یہ الفاظ بھی کہے:

”اگر محمد اس مال و دولت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم برباد ہو جاؤ گے۔ مدد، مدد۔“

اس کے اونٹ کے ناک کان کٹے ہوئے تھے۔ اس کی قمیص آگے اور پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ یہ علامت ہوتی تھی فوری مدد طلب کرنے کی۔

یہ آواز سن کر سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر لوگوں نے جلدی جلدی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ وہ سب بری طرح گھبرا گئے تھے۔ عاتکہ کے خواب نے انھیں خوف زدہ کر دیا تھا۔

اس تجارتی قافلے میں تقریباً سبھی کا مال لگا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سب کے سب جنگ کی تیاری میں لگ گئے۔ مالی اعتبار سے جو لوگ طاقت ور تھے، انھوں نے کمزور اور غریب لوگوں کی مدد کر کے انھیں چلنے کے لیے تیار کیا۔ بڑے بڑے قریشی سردار لوگوں کو جنگ کے لیے اکسانے میں لگ گئے۔ سہیل ابن عمرو نے لوگوں کے سامنے یہ تقریر کی:

”اے لوگو! کیا تم اس بات کو برداشت کر لو گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے یثرب کے بے دین ساتھی تمہارے مال و دولت پر قبضہ کر لیں، لہٰذا تم میں سے جسے مال کی ضرورت ہو، تو میرا مال حاضر ہے اور جسے کھانے کی ضرورت ہو، تو میرا رزق حاضر ہے۔“

اس طرح ابولہب کے سوا تمام لوگ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ابولہب عاتکہ کے خواب کی وجہ سے بہت خوف زدہ تھا۔ وہ کہتا پھر رہا تھا:

”عاتکہ کا خواب بالکل سچا ہے اور اسی طرح ظاہر ہو گا۔“

اس نے اپنے بجائے عاص بن ہشام کو جنگ کے لیے بھیجا۔ یہ شخص ابولہب کا مقروض تھا، چنانچہ ابولہب نے اس سے کہا:

”میری جگہ تم لڑنے کے لیے چلے جاؤ۔ میں تمہیں قرض کی رقم معاف کر دوں گا۔“

اس کے علاوہ امیّہ بن خلف نے جانے سے انکار کیا، کیونکہ یہ بوڑھا تھا۔ اس کے علاوہ بے حد موٹا اور بھاری بدن کا تھا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ آپ امیہ کو قتل کریں گے۔ وہ اس پیش گوئی کی وجہ سے بھی بدحواس تھا، لیکن عتبہ اور ابوجہل کے شرم دلانے پر آخر کار یہ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ تاہم اس نے سوچا تھا کہ راستے سے لوٹ آؤں گا۔

ایک اور روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ پانچ قریش سرداروں نے قرعہ ڈالا تھا کہ جنگ کے لیے جائیں یا نہ جائیں۔ قرعہ ڈالنے کے لیے تیر پھینکے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ تیر نکلا جس پر لکھا تھا، مت کرو، مگر پھر ابوجہل کے کہنے پر یہ لوگ بھی جانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ قریشی سردار امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ، ربیعہ بن زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام تھے۔ ان لوگوں کے ایک غلام عداس نے (جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکا تھا) انھیں روکا تھا اور ان سے کہا تھا:

”خدا کی قسم! آپ جنگ میں نہیں اپنی قتل گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔“

عداس کی بات سن کر بھی انھوں نے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا، لیکن ابوجہل اڑ گیا اور انھیں لے جا کر رہا۔

آخر قریش کے لوگ تین دن میں تیار ہو گئے۔ اب انھوں نے کوچ کا فیصلہ کیا۔ لشکر کی تعداد ساڑھے نو سو تھی۔ ایک قوم کے مطابق ایک ہزار تھی۔ ان کے ساتھ سو گھوڑے تھے۔ ان کے سوار زرہ پوش تھے۔ ان کے علاوہ ایک سو پیدل زرہ پوش تھے۔ اس لشکر کے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں بھی تھیں جو دف بجا کر مسلمانوں کی برائی کر رہی تھیں۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے بیئر عتبہ نامی کنویں کے پاس لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کنویں سے پانی پینے کا حکم دیا اور خود بھی پیا۔

اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو گننے کا حکم دیا۔ مسلمانوں میں جو کم سن نوجوان تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس بھیج دیا۔ جن کم سنوں کو واپس کیا گیا، ان کے نام یہ ہیں، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، بَراء بن عازب، اُسید بن زہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت، ان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر بن وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی واپس جانے کا حکم دیا تو یہ رونے لگے۔ (جاری ہے)

اِسلامی جنگیں

3

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ان کے رونے کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس جنگ میں تین سو پانچ صحابہ تھے۔ (مشہور قول کے مطابق 313 تھے) ان میں 64 مہاجرین باقی انصاری مسلمان تھے۔ ایک قول کے مطابق مہاجرین 80 اور انصاری صحابہ 240 تھے۔

سیرت ابن ہشام میں ان بدری صحابہ کے نام بھی موجود ہیں۔ امام ودانی نے لکھا ہے کہ ان اصحابِ بدر کا نام لے کر ان کے طفیل جو دعا کی جاتی ہے، وہ مقبول ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں، میں نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے جو صحیح ثابت ہوا ہے۔

اس غزوہ کے لیے روانہ ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی شدید بیمار تھیں۔

ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنی زوجہ محترمہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں ٹھہریں۔ چونکہ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا تھا، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی غزوہ بدر میں شریک سمجھا گیا اور آپ کو ایک مجاہد کے برابر مالِ غنیمت کا حصہ بھی دیا گیا۔

ابو امامہ بن ثعلبہ کی والدہ بیمار تھیں، لیکن انھوں نے جنگ میں شرکت کا فیصلہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی حکم دیا کہ اپنی والدہ کے پاس ٹھہریں۔ انھیں بھی بدر میں شریک سمجھا گیا۔ ایسے چند صحابہ اور بھی ہیں جنھیں کسی وجہ سے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم ہوا۔

حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ٹانگ پر ایک پتھر لگنے سے چوٹ آ گئی تھی۔ لہٰذا انھیں بھی واپس بھیج دیا گیا۔ تاہم مالِ غنیمت میں سے انھیں بھی حصہ دیا گیا۔ اسی طرح حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کو بھی چوٹ لگ گئی، انھیں بھی واپس بھیجا گیا۔ طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنھما کو جاسوسی کی غرض سے پہلے ہی آگے روانہ کر دیا گیا تھا، تاکہ وہ تجارتی قافلے کی خبریں لا سکیں۔ اسی لیے یہ دونوں حضرات جنگ میں شرکت نہ کر سکے، کیونکہ خبریں معلوم کرنے کے بعد یہ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مدینہ منورہ میں ہی ہوں گے، لیکن مدینہ پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو روانہ ہو چکے ہیں تو یہ جنگ میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے۔ ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فارغ ہو کر لوٹ رہے تھے، چنانچہ ان دونوں کی ملاقات راستے میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔

روانہ ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ مدینہ سے باہر بیئر ابوعتبہ تک ساتھ رہے، وہاں سے آپ نے انھیں قائم مقام بنا کر واپس بھیجا۔ نماز پڑھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنِ امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ قبا والوں کا والی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

غزوہ بدر میں بھی جنگی پرچم سفید رنگ کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے دو سیاہ رنگ کے جھنڈے بھی تھے۔ ان میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس پرچم کا نام عقاب تھا۔ یہ پرچم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ دوسرا سیاہ پرچم ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ میں تھا۔ پرچموں کے بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صرف سفید پرچم تھا اور بس۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنی زرہ زیب تن فرمائی۔ اس ذرہ کا نام ذات الفضول تھا۔ اپنی تلوار گلے میں لٹکائی۔ اس تلوار کا نام عضب تھا۔ آپ بیوتِ سقیا (ایک مقام کا نام) سے آگے بڑھے تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! یہ مسلمان پیدل ہیں، انھیں سواریاں عطا فرما دے، یہ ننگے ہیں، انھیں لباس عطا فرما دے، یہ بھوکے ہیں، انھیں شکم سیری عطا فرما دے۔ یہ لوگ مسکین اور غریب ہیں، انھیں اپنے فضل و کرم سے غنی اور خوش حال بنا دے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔ غزوہ بدر سے واپس آنے والوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے پاس سواری نہ ہو، لباس نہ ہو، اسی طرح دشمن کا سامانِ رسد اتنا ملا کہ کھانے پینے کی کوئی تنگی نہ رہی۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں اتنا زبردست معاوضہ ملا کہ سب لوگ مال دار ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں ایک شخص حبیب ابن یساف بہت طاقت ور اور بہادر تھے، لیکن ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

انھوں نے جنگ میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہمارے ساتھ صرف وہی جنگ میں جائے گا جو ہمارے دین پر ہے۔''

ایک اور موقعے پر انھوں نے جنگ کی اجازت چاہی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انکار کر دیا۔ پھر جب انھوں نے ایک تیسرے موقعے پر یہ اجازت مانگی تو آپ نے ان سے فرمایا:

''کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔''

انھوں نے کہا: ''ہاں! میں ایمان لاتا ہوں۔''

اس طرح یہ مسلمان ہوئے اور پھر انھوں نے جنگوں میں شرکت کی، نہایت بہادری سے لڑے۔ ان کے بارے میں جو روایات ہیں، ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

جب اسلامی لشکر نے مدینہ منورہ سے کوچ کیا، اس وقت مسلمانوں کے پاس صرف 70 اونٹ تھے۔ اس لیے ایک ایک اونٹ پر تین تین چار چار آدمیوں کو سوار کرنا پڑا۔ مسلمان ان پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں جو اونٹ آیا، اس میں بھی آپ کے ساتھ دو ساتھی تھے۔ تینوں اپنی اپنی باری پر سوار ہوتے، یعنی ایک سوار ہوتا تو دو پیدل چلتے، مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو آپ کے ساتھی عرض کرتے۔

''اے اللہ کے رسول! آپ سوار رہیں، آپ کی باری میں بھی ہم پیدل چل لیں گے۔''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ارشاد فرماتے:

''تم دونوں پیدل چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں اس کے اجر سے بے نیاز ہوں۔''

ایک قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد رضی اللہ عنہ تھے۔

اسی طرح ایک اونٹ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنھم شریک تھے۔ رفاعہ، خلاد بن رافع اور عبید بن یزید انصاری رضی اللہ عنھم ایک اونٹ میں شریک تھے۔ ان کا اونٹ روحاء کے مقام پر تھک کر بیٹھ گیا۔ ایسے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''کیا ہوا؟''

انھوں نے بتایا: ''اللہ کے رسول! ہمارا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا ہے۔ اس کی ہمت جواب دے گئی۔''

آپ نے پانی منگوایا۔ اس میں سے منہ میں پانی لیا اور باقی پانی میں کلی کر دی۔ پھر ان سے فرمایا: ''اونٹ کا منہ کھولو۔''

اس کا منہ کھولا گیا۔ آپ نے کچھ پانی اس کے منہ میں ڈال دیا اور باقی اس کے جسم پر ڈال دیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

''اب اس پر سوار ہو جاؤ۔''

جونہی یہ حضرات اس پر سوار ہوئے، اونٹ تیزی سے روانہ ہوا اور لشکر سے جا ملا۔ اس پر تھکن کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔

مقام روحا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لشکر کا معائنہ کیا۔ لشکر کا شمار کرایا گیا۔ اس وقت تعداد 313 نکلی۔ آپ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: ''یہ وہی تعداد ہے جو حضرت طالوت کے ساتھیوں کی تھی۔ جو ان کے ساتھ نہر تک پہنچے تھے۔''

لشکر میں گھوڑوں کی تعداد صرف پانچ تھی۔ ان میں سے دو گھوڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ ایک گھوڑا حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس کا نام سیل تھا۔ ایک گھوڑا حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ان کے گھوڑے کا نام سبحہ تھا۔ پانچواں گھوڑا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس کا نام یعسوب تھا۔

اسلامی لشکر رواں دواں تھا کہ راستے میں عرقِ ظبیہ کے مقام پر ایک دیہاتی ملا۔ ان حضرات نے اس سے دشمن کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: ''مجھے کوئی خبر نہیں۔''

پھر اس نے پوچھا: ''کیا تم لوگوں میں اللہ کے رسول بھی ہیں۔''

اسے بتایا گیا: ''ہاں! موجود ہیں۔''

اور پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے آیا گیا۔ اس نے آپ کو سلام کیا۔

اب لشکر ذخران کے مقام پر پہنچا۔ یہ صفراء کے مقام کے قریب ایک وادی ہے۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی:

''مکہ کے کافر ایک لشکر لے کر اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے کوچ کر چکے ہیں۔'' (جاری ہے)

تلاشِ حق

خالد محمود ضیا، خان گڑھ

5 جولائی کی صبح ایک جوان، مدرسہ اسلامیہ دینی درس گاہ، خان گڑھ، ضلع مظفر گڑھ، دوڑتا آیا۔ سلام دعا کے بعد کہنے لگا ''مجھے اسلام کے بارے میں بتاؤ۔''

نوجوان سے کہا گیا: ''اسلام ایک عالمگیر قانون اور مکمل ضابطہ اخلاق و حیات ہے۔ آپ کس شعبے کی معلومات چاہتے ہیں؟ نظریات و عقائد، عبادات، معاملات یا پھر اخلاقیات؟''

اس نے کہا کہ مجھے آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِن رِّجَالِكُم (الاحزاب) کا تعارف کراؤ، چنانچہ نوجوان کو اس آیت میں ذکر شدہ حکمِ خداوندی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا بتایا گیا۔

بعدازاں اس نوجوان نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں ''قادیانی'' تھا اور اب اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔

نوجوان نے مرزائیت و احمدیت کے بنیادی عقیدے کی نشان دہی کرتے ہوئے بتایا کہ جہاں کہیں بھی ''محمد'' کا نام آتا ہے، تو ان کے ہاں مرزا غلام احمد قادیانی مراد ہوتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

نوجوان نے بتایا کہ مرزائی اسٹیٹ ہر مرزائی کو عمدہ قسم کی مراعات اور ماہانہ وظائف بھی دیتی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں نوجوان نے بتایا کہ بعض غیر ممالک مرزائیت کی بھرپور معاونت کرتے ہیں۔

نوجوان سے اسلام قبول کرنے کا سبب پوچھا گیا، تو اس نے کہا:

''مجھے اسلام کی دعوت بہت سے لوگوں نے دی، لیکن میرا ہر ایک سے یہی سوال رہا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دو، اسلام قبول کر لوں گا۔ اسی دوران میں نے ایک خواب دیکھا کہ ''مرزا قادیانی'' ایک گڑھے میں پڑا ہوا ہے اور اس کا سارا جسم گدھے جیسا ہے، صرف اس کا چہرہ انسانی ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایک حسین صورت والے عظیم الشان بزرگ ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ ان کے آس پاس 4 نورانی شکل والے دوسرے بزرگ بھی ہیں۔

اچانک وہ گویا ہوئے: ''کیا تم اب بھی نہیں مانو گے؟''

میں نے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟''

فرمایا: ''بروز محشر معلوم ہوگا؟''

فوراً میں سمجھ گیا کہ یہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اربعہ ہیں۔

تو اب مجھ پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اسلام سچا اور دائمی مذہب ہے اور مرزا قادیانی اور اس کا مذہب جھوٹا اور ابلیسیت کا علم بردار ہے۔

اس کی داستان سن کر اساتذہ کرام کے باہمی مشورے سے طے پایا کہ اس جوان کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے عمائدین مولانا اللہ وسایا صاحب اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب جالندھری کی خدمت میں بھیجا جائے، چنانچہ ایسا کیا گیا۔

قارئین! یہ آپ بیتی ایک جوان کی ہے۔ نہ جانے کتنے نوجوان دل میں حق کی جستجو لیے پھر رہے ہیں۔

قدم بڑھایئے اور قادیانیت کا مکروہ چہرہ اور ناپاک عزائم کا پردہ چاک کرنے کے لیے یکجا ہو جایئے۔ ابلیسیت کے شکار نوجوانوں کو قادیانیوں کے خلاف راہنمائی حاصل کرنے کے لیے یہ پتا بتایئے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت: حضوری باغ روڈ ملتان۔
061-4514122

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

4

عبداللہ فارانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے انھیں یہ خبر سنائی اور فرمایا:

''قریش کے لوگ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ کوچ کر چکے ہیں۔اب بتاؤ،تم کیا کہتے ہو؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے عرض کیا:''ہم ہر طرح تیار ہیں، آپ جو حکم فرمائیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا:''ہم آپ کے حکم پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

ان کے بعد حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اٹھے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حکم فرمایا ہے،اس کے مطابق عمل کریں۔ہم آپ کے ساتھ ہیں۔اللہ کی قسم! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں،ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک ہماری آنکھوں میں روشنی اور حرکت باقی ہیں، کیونکہ اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے،اگر آپ ہمیں برک غماد (ایک دور دراز علاقہ) بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور لڑیں گے، یعنی اپنی تلواروں سے لڑتے راستہ بناتے ہوئے وہیں تک چلیں گے اور ہم آپ کے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے آخر دم تک لڑیں گے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک یہ الفاظ سن کر چمکنے لگا۔آپ خوشی سے مسکرانے لگے۔آپ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی۔ان کے حق میں کلمہ خیر فرمایا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا:

''اے اللہ کے رسول! اگر آپ سمندروں کو عبور کریں گے تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں اتر جائیں گے۔اگر آپ پہاڑوں پر چڑھیں گے تو ہم وہاں بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔''

اس کے بعد اور صحابہ کرام نے بھی اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگ مجھے مشورہ دو۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہ قریشی لوگ ہیں۔انھیں عزت اور شہرت حاصل ہے۔اللہ کی قسم جب سے یہ لوگ عزت والے ہوئے ہیں،انھوں نے ذلت اور رسوائی کا سامنا نہیں کیا اور جب سے یہ لوگ گمراہ ہوئے ہیں (یعنی شرک میں مبتلا ہوئے ہیں) انھیں ایمان کی روشنی حاصل نہیں ہوئی۔آپ ضرور ان سے جنگ کریں اور اس کے لیے پوری تیاری فرمائیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کے بعد آپ نے پھر فرمایا:''مجھے مشورہ دو۔''

اب انصاری صحابہ سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ان کی طرف ہے۔آپ ان سے جانثاری کا اعلان سننا چاہتے ہیں، کیونکہ اسلامی لشکر میں انصاری صحابہ کی تعداد زیادہ تھی،لہٰذا آپ ان کا جذبہ دیکھنا چاہتے تھے۔

یہ بات محسوس کرتے ہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے۔یہ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کا اشارہ ہم انصاریوں کی طرف ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''بے شک۔''

اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ آپ جو کچھ دین وشریعت لے کر آئے ہیں، وہ حق اور سچ ہے اور اسی بنیاد پر ہم آپ کو عہد و پیمان دے چکے ہیں کہ ہم ہر حال میں آپ کے فرماں بردار رہیں گے اور اے اللہ کے رسول شاید آپ یہ بات محسوس کر رہے ہیں کہ کہیں انصاری حضرات یہ سوچ رہے ہوں کہ ہم تو صرف مدینہ منورہ میں آپ کی حفاظت کے ذمے دار ہیں،اس لیے میں تمام انصار کی طرف سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ جس طرف چاہیں تشریف لے چلیں جس کے ساتھ چاہیں نیک سلوک کریں جس کے ساتھ چاہیں بے تعلقی ظاہر فرمائیں، جسے چاہیں امن دیں اور جس سے چاہیں دشمنی رکھیں اور ہمارے مالوں میں سے جتنا چاہیں لے لیں، جو کچھ ہمارے مالوں میں سے آپ کی خدمت میں خرچ ہوگا، وہی ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہوگا۔ہم جو کچھ آپ کو پیش کریں گے، وہ ہمارے لیے زیادہ خوشی کا سبب ہوگا۔آپ جس معاملے میں بھی ہمیں کوئی حکم دیں گے، ہم اس حکم کو اپنے معاملات پر ترجیح دیں گے۔یعنی سب سے پہلے اس حکم پر عمل کریں گے۔اس لیے اللہ کے رسول! آپ نے جو ارادہ فرمایا ہے،اس کے مطابق چلیے۔ہم آپ کے ساتھ ہیں۔قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے،اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے لے جا کر اس میں اترنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم اس میں چھلانگیں لگا دیں گے۔ہم میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ہم دشمن سے ٹکرانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے، بلکہ ہم جنگوں میں ثابت قدم رہیں گے۔ بڑی جواں مردی سے دشمن کا مقابلہ کریں گے۔اللہ کرے، آپ ہمارے جوہر دیکھیں اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔اللہ کا نام لے کر آگے بڑھیں، ہم دائیں بائیں، آگے پیچھے آپ کے قدم بہ قدم رہیں گے۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ پرجوش اور پرخلوص تقریر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے انتہا خوش ہوئے۔آپ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور زیادہ تابناک ہوگیا، چنانچہ اس کے بعد آپ نے کوچ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''اب آگے بڑھو! تمہارے لیے خوش خبری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دو جماعتوں میں سے ایک پر مجھے فتح عطا فرمائے گا۔

یہاں دو جماعتوں سے مراد ایک تو وہ تجارتی قافلہ ہے اور دوسرا وہ قریش کا لشکر ہے جو مکہ معظمہ سے بڑی آن بان اور شان وشوکت سے روانہ ہوا تھا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں قریش کی قتل گاہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔'' یعنی مجھے نظر آ رہا ہے کہ کون کس جگہ قتل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ آپ کو قریش کے لشکر پر فتح عطا فرمائے گا اور اس کے بعد آپ کو قریش کے سرداروں کی قتل گاہیں دکھا دی تھیں، یعنی یہ بتا دیا تھا کہ بدر کے میدانِ جنگ میں کون کس جگہ قتل ہوگا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو پہلے ہی بتا دیا تھا۔

''تم لوگوں کو جنگ سے دو چار ہونا ہے، وہ تجارتی قافلہ تمہیں نہیں مل سکے گا جس کے لیے ہم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذخران کی وادی سے چل کر بدر

کے مقام کے قریب پہنچے اور آپ نے وہاں پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ یہاں پہنچ کر آپ سوار ہو کر ایک طرف کو چلے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ ایک بوڑھے عرب کے پاس رکے۔ اس کا نام سفیان تھا۔ آپ نے اس بوڑھے سے قریش کے بارے میں اور خود اپنے صحابہ کے بارے میں پوچھا کہ کیا اسے کچھ خبر ہے، بوڑھے نے جواب میں کہا:

''جب تک آپ دونوں اپنے بارے میں نہیں بتائیں گے کہ آپ کون ہیں، اس وقت تک میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''پہلے تم ہمیں بتاؤ، پھر ہم اپنے بارے میں بتائیں گے۔''

بوڑھا بولا: ''کیا آپ میری خبر کے بدلے ہی میں اپنے بارے میں بتائیں گے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں!''

اب اس بوڑھے نے کہا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ نے فلاں دن مدینہ منورہ سے کوچ کیا ہے۔ اب اگر بتانے والے نے مجھ سے سچ کہا ہے تو آج انھیں فلاں مقام پر ہونا چاہیے۔''

یہ اس نے بالکل وہ جگہ بتائی جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ پھر اس نے کہا: ''اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش کے لشکر نے فلاں دن کوچ کیا ہے۔ اب اگر بتانے والے نے درست بتایا ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے۔''

یہ جگہ بھی اس نے وہی بتائی جہاں قریشی لشکر اس وقت موجود تھا۔ جب وہ یہ باتیں بتا چکا تو اس نے کہا: ''اب آپ اپنے بارے میں بتائیں۔ آپ کون ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''ہم فلاں علاقے کے پانی سے تعلق رکھتے ہیں۔''

عرب میں اس وقت یہ طریقہ تھا کہ مختلف علاقوں میں جہاں لوگ رہتے تھے، وہاں کے چشمے یا تالاب وغیرہ کا نام لے کر ہی پتا بتایا کرتے تھے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان تشریف لائے۔

شام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو چند دوسرے صحابہ کے ساتھ میدانِ بدر کی طرف روانہ فرمایا، تاکہ وہاں کے بارے میں تازہ خبریں لے کر آئیں۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

5

عبداللہ فارانی

انھیں قریش کا ایک پانی ڈھونے والا جانور نظر آیا۔ اس کے ساتھ قبیلہ حجاج اور قبیلہ عاص کے دو غلام تھے۔ یہ صحابہ انھیں پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ صحابہ میں سے کسی نے ان سے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

انھوں نے بتایا:

''ہم قریش کے پانی ڈھونے والے ہیں، یعنی قریش کے لشکر میں شریک ہیں اور پانی ڈھوتے ہیں۔''

صحابہ نے خیال کیا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور دراصل تجارتی قافلے کے لوگ ہیں۔ لہٰذا صحابہ نے انھیں مارا۔ مار سے بچنے کے لیے انھوں نے کہہ دیا:

''ہاں! ہم تجارتی قافلے کے لوگ ہیں۔''

اس پر صحابہ نے مار پیٹ بند کر دی۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا:

''جب انھوں نے سچ بولا تو تم نے انھیں مارا اور جب جھوٹ بولا تو مارنا بند کر دیا۔ اللہ کی قسم! یہ قریش کے لشکر ہی کے آدمی ہیں اور مجھے قریش کے متعلق خبریں دیں گے۔'' یہ فرمانے کے بعد آپ نے ان سے قریشی لشکر کے بارے میں پوچھا۔

انھوں نے بتایا:

''قریش ریت کے اس ٹیلے کے دوسری طرف ہیں جو وادی کے بلند کنارے کی طرف ہے۔''

اب آپ نے پوچھا: ''ان کی تعداد کتنی ہے؟''

جواب میں انھوں نے کہا: ''ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور لشکر میں بہت بڑے بڑے بہادر لوگ ہیں۔''

آپ نے ان سے پھر پوچھا: ''ان کی تعداد بتاؤ۔''

اس پر وہ بولے: ''ہمیں تعداد معلوم نہیں۔''

آپ نے قریشی لشکر کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ان سے کئی بار پوچھا، لیکن وہ تعداد نہ بتا سکے۔ آخر آپ نے حکمت عملی کے ساتھ ان سے پوچھا:

''اچھا یہ بتاؤ، وہ لوگ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔''

اس پر انھوں نے بتایا: ''کبھی نو کبھی دس۔''

یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا:

''بس تو پھر ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔''

آپ کا مطلب تھا، ایک اونٹ کا گوشت سو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: ''قریش کے معزز لوگوں میں سے ان کے ساتھ کون کون ہے۔''

انھوں نے بتایا:

''عتبہ اور شیبہ ابنِ ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو عامری اور عمرو بن عبدود۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

''مکہ نے اپنا دل اور جگر نکال کر تمہارے مقابلے کے لیے بھیجا ہے۔''

اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اپنے تمام معزز اور بڑے بڑے لوگ بھیج دیے ہیں۔

قریش کو اس سفر میں دس راتیں لگی تھیں، یہاں تک کہ جحفہ کے مقام پر پہنچ گئے، قریشی لشکر یہاں شام کے وقت پہنچا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ناچنے گانے والی عورتیں بھی لائے تھے۔ اس مقام پر پہنچ کر ان لوگوں نے انھیں واپس بھیج دیا۔

قریشی لشکر میں ایک صاحب جہم بن صامت بھی تھے۔ رات کے وقت یہ سونے کے لیے لیٹے ہی تھے کہ اچانک ان کی آنکھ کھل گئی۔ یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے پوچھنے لگے:

''کیا تم نے وہ سوار دیکھا تھا جو ابھی میرے سامنے آ کر رکا تھا۔''

لوگوں نے انھیں بتایا: ''ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا۔''

اس پر انھوں نے کہا: ''تب پھر میں نے خواب دیکھا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار میرے پاس آ کر رکا اور اس نے کہا، ابوجہل، عتبہ، شیبہ، زمعہ، ابوالبختری، امیہ بن خلف اور فلاں فلاں قتل ہوں گے۔''

غرض جہم بن صامت نے ان تمام قریشی سرداروں کے نام گنوائے جو غزوہ بدر میں قتل ہوئے۔ پھر انھوں نے کہا:

''اس سوار نے یہ بھی کہا۔ سہیل بن عمرو اور فلاں فلاں گرفتار ہوں گے۔''

انھوں نے ان سب کے نام بھی گنوائے جو غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور قیدی بنائے گئے۔''

اس کے بعد جہم بن صامت نے کہا:

''پھر اس سوار نے اپنے اونٹ کے سینے پر ہتھیار مارا اور اسے قریشی لشکر کی طرف دوڑا لے گیا۔ وہاں کوئی خیمہ ایسا نہ بچا جس میں اس اونٹ کا خون نہ پہنچا ہو۔''

یہ عجیب و غریب خواب سن کر جہم بن صامت کے

ساتھیوں نے کہا:

''معلوم ہوتا ہے، شیطان تم سے کوئی دل لگی کر گیا ہے۔''

جلد ہی یہ خواب سارے لشکر میں مشہور ہو گیا۔ ابوجہل نے سنا تو اس نے کہا:

''یہ سب جھوٹ ہے، کل تم دیکھ ہی لو گے، کون قتل ہوتا ہے۔''

یہ جہم بن صامت غزوہ خیبر کے موقعے پر مسلمان ہو گئے تھے۔ انھیں خیبر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی ملا تھا۔

قریشی لشکر کے بدر کے مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی ابوسفیان نے قافلے کا راستہ تبدیل کر دیا تھا اور وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ دوسرے راستے سے نکلتے ہوئے بدر کے چشمے پر جا پہنچے۔ انھوں نے ایک شخص سے پوچھا:

''تم نے یہاں کسی کو آتے تو نہیں دیکھا۔''

اس نے انھیں بتایا:

''دو اونٹ سوار یہاں آئے تھے۔ انھوں نے اس ٹیلے کے پاس اپنا اونٹ بٹھایا تھا اور اپنے مشکیزے پانی سے بھرے تھے۔ اس کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہو گئے۔''

یہ سن کر ابوسفیان اس جگہ آئے جہاں انھوں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تھا۔ یہاں سے انھوں نے اونٹ کی مینگنیاں اٹھائیں اور انھیں توڑ کر دیکھا تو ایک مینگنی میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ یہ دیکھ کر ابوسفیان بول اٹھے:

''اللہ کی قسم! یہ مدینہ منورہ کی کھجور کی گٹھلی ہے۔''

اس کے بعد وہ تیزی سے اپنے قافلے کے پاس آئے اور قافلے کو ایک دوسرے راستے پر ڈال دیا۔ اس طرح بدر کے مقام کو وہ بائیں طرف چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ انھیں یقین ہو گیا کہ وہ اپنے قافلے کو بچانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب انھوں نے قریشی لشکر کی طرف ایک قاصد کو بھیجا۔ اس نے قریشیوں سے کہا:

''تم لوگ لشکر لے کر اسی لیے نکلے تھے کہ اپنے قافلے اور اپنے مال و دولت کو دشمن سے بچا سکو۔ ان سب کو اللہ نے بچا لیا ہے، اس لیے اب تم مکہ کی طرف لوٹ چلو۔''

یہ پیغام سن کر ابوجہل نے کہا:

''خدا کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں ہوں گے جب تک کہ بدر میں تین دن ٹھہر نہیں لیں۔ ہم تین دن تک اونٹ ذبح کریں گے۔ شراب اور کباب میں وقت گزاریں گے۔ ناچنے والیوں اور گانے بجانے سے دل بہلائیں گے۔ جب عرب کے لوگ ہماری آمد اور ہمارے لشکر کے بارے میں سنیں گے تو ان کے دلوں میں ہماری ہیبت بیٹھ جائے گی اور ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔''

جب ابوجہل کی یہ بات ابوسفیان تک پہنچی تو انھوں نے کہا:

''یہ سرکشی کی بات ہے اور سرکشی بدقسمتی کا نشان ہوتی ہے۔''

ابوسفیان کا پیغام ملنے پر بنی زہرہ کے لوگ اسی وقت لشکر سے نکل کر مکہ کی طرف چلے گئے۔ ان کی تعداد ایک سو کے قریب تھی۔

بنی ہاشم نے بھی یہیں سے واپس جانے کا ارادہ کیا، لیکن ابوجہل نے انھیں واپس نہ جانے دیا۔

اس کے بعد قریشی لشکر آگے بڑھا یہاں تک کہ عدوۃ القصویٰ کے مقام پر جا ٹھہرا۔ پانی اس جگہ سے قریب تھا۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا، پانی وہاں سے فاصلے پر تھا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پریشان ہو گئے، کیونکہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لیے مشکلات پیدا ہونے لگی تھیں۔ ایک پریشانی یہ تھی کہ اس مقام پر مٹی اور ریت بہت تھا۔ زمین نرم تھی۔ مسلمانوں کے پیر دھنستے تھے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اچانک وہاں بارش برسا دی۔ اس سے مٹی جم گئی۔ پانی ذخیرہ کر لیا گیا اور صحابہ کی تکلیف ختم ہو گئی، وہ بہت خوش نظر آنے لگے۔ سب نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اپنے جانوروں کو پلایا۔ اپنے خالی برتن پانی سے بھر لیے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال کی آیت گیارہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

ترجمہ: ''اور اس سے قبل تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تھا، تاکہ اس پانی کے ذریعے تمھیں پاک کر دے اور شیطانی وسوسے کو دور کر دے اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھارے پاؤں جما دے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر بارش کا پانی برسایا، تاکہ اس پانی کے ذریعے تمھیں بدن کی میل کچیل سے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسے کو دور کر دے اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھارے پاؤں جما دے۔ تمھارے دلوں کو طاقت اور حوصلہ عطا فرمائے۔

ادھر اسی بارش کی وجہ سے قریش سخت مصیبت میں پڑ گئے۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

6

عبداللہ فارانی

بارش کی وجہ سے وہ نہ تو اپنے پڑاؤ سے نکلنے کے قابل رہے اور نہ پانی کے چشمے تک پہنچنے کے۔ اس طرح یہ بارش جہاں ایک طرف مسلمانوں کے لیے نعمت اور قوت ثابت ہوئی، وہاں مشرکوں کے لیے مصیبت بن گئی۔

اس روز اچانک بارش ہوئی تھی۔ صحابہ کرام بارش سے بچنے کے لیے درختوں وغیرہ کے نیچے پہنچ گئے۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہوئے گزاری۔ غرض صبح ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

''لوگو! نماز کے لیے تیار ہوجاؤ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان سن کر سب لوگ درختوں وغیرہ کے نیچے سے نکل نکل کر آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نماز پڑھائی۔ پھر یہ خطبہ دیا:

''لوگو! میں تمھیں ایسی بات کے لیے ابھارتا ہوں جس کے لیے تمھیں اللہ تعالیٰ نے ابھارا ہے۔ تنگی اور سختی کے موقعوں پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ تمام تکالیف سے بچا لیتا ہے اور تمام غموں سے نجات دیتا ہے۔''

اس خطبے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ساتھ لے کر قریش سے پہلے پانی کی طرف بڑھے یہاں تک کہ پانی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ جو چشمہ قریب ترین تھا وہاں قیام فرمایا۔ اس وقت حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! جس منزل پر آپ اترے ہیں، کیا یہ ایسی منزل ہے جہاں قیام کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور کیا ہم یہاں سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ یا یہ صرف آپ کی رائے اور جنگی حکمت عملی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کے جواب میں فرمایا:

''نہیں! یہ صرف رائے اور جنگی چال ہے۔''

تب پھر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''تو پھر اے اللہ کے رسول! یہ جگہ مناسب نہیں، آپ لوگوں کو یہاں سے ہٹا لیجیے اور اس جگہ قیام کیجیے جو دشمن کے پانی کے نزدیک ترین ہو، یعنی جب دشمن پڑاؤ ڈالے تو وہ چشمہ وہاں سے قریب ترین ہے۔ میں اس چشمے سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس میں پانی کی کثرت کے بارے میں جانتا ہوں۔ یہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ ہم وہیں پڑاؤ ڈالیں گے۔ پھر اس کے جتنے گڑھے ہیں، انھیں پاٹ دیں گے۔''

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا یہ کہنے سے مطلب یہ تھا کہ دوسرے کچے کنویں ہیں ان کو مٹی سے بھر دیں گے اور اس چشمے پر حوض بنا کر اس میں پانی جمع کرلیں گے۔ اس طرح ہمارے پاس تو پینے کا پانی کافی مقدار میں ہوگا، لیکن ان لوگوں کو پانی نہیں ملے گا، کیونکہ دوسرے تمام گڑھے اس چشمے کے پیچھے ہوں گے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نے بہت اچھی رائے دی۔''

اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انھوں نے کہا: ''اللہ کے رسول! خباب نے جو رائے دی ہے، وہ بہت عمدہ اور مناسب ہے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام لوگ وہاں سے روانہ ہوئے اور اس چشمے پر آگئے جو اس جگہ سے قریب تھا جہاں قریش نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے یہاں قیام کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گڑھے بھرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد چشمے پر ایک حوض بنانے کا حکم فرمایا۔ حوض بن گیا تو اس میں پانی بھروا دیا اور اس میں ڈول ڈلوا دیے۔

اس طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا گیا۔ اسی وقت سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو ذی رائے کہا جانے لگا۔

حوض بن چکا اور اس میں ڈول ڈالے جاچکے، تب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے لیے ایک عریش نہ بنا دیں (جو کھجور کے پتوں کا ایک سائبان ہوتا ہے۔) آپ اس سائبان کے نیچے تشریف رکھیں، اس کے پاس آپ کی سواریاں تیار رہیں اور ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور دشمن پر غالب کردیا تو ہمارے دلوں کی مراد پوری ہوجائے گی اور اگر صورتِ حال اس کے الٹ نکلی تو آپ ان سواریوں پر سوار ہوکر مدینہ پہنچ سکیں گے، کیونکہ جن لوگوں کو ہم گھروں میں چھوڑ آئے ہیں، وہ ہم سے بھی زیادہ آپ سے محبت کرنے والے ہیں، ہم سے بھی زیادہ جاں نثار ہیں۔ وہ بھی جہاد کا جذبہ ہم سے کچھ کم نہیں رکھتے۔ اگر انھیں خیال ہوتا کہ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ لوگ ہرگز وہاں نہ رکتے۔ وہ تو بس یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ دشمن کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لیے جارہے ہیں، ورنہ شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کی حفاظت فرماتا اور وہ انتہائی خیرخواہی سے آپ کے شانہ بشانہ جہاد کرتے۔''

یہ مشورہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جذبے کی تعریف فرمائی، ان کے

لیے دعا فرمائی اور پھر ان سے فرمایا:

''اے سعد! ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز کا فیصلہ فرمالیا ہو۔''

یعنی ہماری فتح اور دشمن کی شکست کا فیصلہ فرمالیا ہو۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھپر بنایا گیا۔ یہ ایک اونچے ٹیلے پر بنایا گیا۔ اس مقام سے آپ پورے میدانِ جنگ کا جائزہ لے سکتے تھے۔ پھر آپ اس چھپر میں قیام فرما ہوئے۔

اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یا کسی اور صحابی نے پوچھا:

''اللہ کے رسول! یہاں آپ کے ساتھ کون ٹھہرے گا، تاکہ مشرکوں میں سے کوئی آپ کے قریب نہ آسکے۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً آگے بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر اپنی تلوار کا سایہ کیا اور کہنے لگے:

''جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کی جرأت کرے گا، اسے پہلے میری اس تلوار سے نبٹنا پڑے گا۔''

آپ کے ان الفاظ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ بہادر قرار دیا۔

یہ بات جنگ شروع ہونے سے پہلے کی ہے، کیونکہ جنگ شروع ہونے پر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چھپر کے دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے اور وہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور انصاری صحابہ کا ایک دستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔

اس چھپر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرا وعدہ مانگتا ہوں، جو تو نے مجھے دیا تھا۔ اے اللہ! اگر آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اگر مومنوں کی یہ جماعت شکست کھا گئی تو کفر اور شرک کا بول بالا ہوجائے گا اور تیرا دین باقی نہیں رہے گا۔''

یہ جملے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمائے کہ آپ آخری نبی ہیں، لہٰذا اگر آپ اور آپ کے ساتھی شہید ہوگئے تو اس شریعت پر چلنے اور عمل کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح قبلہ رو ہاتھ اٹھائے بیٹھے رہے اور دعا مانگتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کندھے سے سرک گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر کو سنبھالا اور اٹھا کر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈال دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہی بیٹھے رہے۔ اس کے بعد عرض کیا:

''اے اللہ کے نبی! آپ اپنے پروردگار سے بہت مانگ چکے۔ حق تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے ضرور پورا کرے گا۔ وہ آپ کی مدد ضرور فرمائے گا اور آپ کو سرخ رو کرے گا۔''

یہ الفاظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس لیے فرمائے تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت دیکھ کر بے قرار ہو رہے تھے۔ انہیں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجے کا عشق تھا۔

صبح ہوئی تو قریشی لشکر ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ایک روز پہلے ہی فرما چکے تھے:

''ان شاء اللہ! کل یہ جگہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہوگی، یہاں فلاں شخص قتل ہوگا اور یہاں فلاں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے نام لیے تھے، وہ بالکل انھی جگہوں پر قتل ہوئے تھے۔ اس جگہ سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہیں گرے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سازو سامان سے لدے قریش کے لشکر کو دیکھا تو دعا فرمائی:

''اے اللہ! یہ قریش کے لوگ اپنے تمام بہادر سرداروں کے ساتھ بڑے غرور سے، تجھ سے دشمنی کرنے، تیرے احکامات کی خلاف ورزی کرنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لیے آئے ہیں، اے اللہ! تو نے مجھ سے جس مدد اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، وہ بھیج دے۔''

ایک روایت میں دعا کے الفاظ یہ ہیں:

''اے اللہ! تو نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے ثابت قدم رہنے کا وعدہ فرمایا ہے اور قریش کی دو جماعتوں میں سے ایک پر غلبے کا وعدہ فرمایا ہے، ان دو جماعتوں میں سے ایک تو ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے (یعنی تجارتی قافلہ) تو اپنے وعدے کا سچا ہے، لہٰذا اس دوسری جماعت پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ اے اللہ! آج انھیں ہلاک کردے۔''

ایک اور روایت میں دعا کے یہ الفاظ آئے ہیں:

''اے اللہ! تو اس امت کے فرعون، ابوجہل کو کہیں پناہ اور ٹھکانہ نہ دے۔ اے اللہ زمعہ بن اسود بچ کر نہ جائے، اے اللہ ابوزمعہ کو اندھا کردے، اے اللہ سہیل بچ کر نہ جائے۔''

غرض جب قریشی لشکر آکر ٹھہر گیا تو انھوں نے جاسوسی کی غرض سے عمیر ابن وہب جمحی کو جاسوسی کے لیے بھیجا (یہ عمیر بن وہب جمحی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے اور نہایت اچھے مسلمان بنے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے)

قریش نے ان سے کہا:

''اے عمیر جاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر کی تعداد معلوم کرو اور ہمیں خبر دو۔'' (جاری ہے)

نہ بچ سکے گا

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داؤد گناہ گاروں کو بشارت سناؤ اور صدیقین کو ڈراؤ۔ عرض کیا: ''میں گناہ گاروں کو کیسے بشارت سناؤں اور صدیقین کو کیسے ڈراؤں۔''

ارشاد فرمایا: ''گناہ گاروں کو یوں خوش خبری دو کہ کوئی گناہ میری بخشش کے آگے بڑا نہیں اور صدیقین کو یوں ڈراؤ کہ اپنے اعمال پر دھوکا نہ کھاؤ کہ میرے عدل اور حساب کے آگے کوئی نہ بچ سکے گا۔'' (تنبیہ الغافلین) **ریحانہ کرن۔ کبیر والا**

اسلامی جنگیں

7

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

عمیر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ انھوں نے اسلامی لشکر کے گرد ایک چکر لگایا، پھر واپس اپنے لشکر میں آئے اور انھیں بتایا:

''وہ لوگ تین سو ہیں، ممکن ہے کچھ کم یا زیادہ ہوں ... مگر ٹھہرو! میں ذرا یہ دیکھ لوں کہ ان کی کچھ تعداد کہیں چھپی ہوئی ہے، یا انھیں کوئی مدد تو نہیں ملنے والی۔'' یہ کہہ کر وہ پھر روانہ ہوگئے۔ وادی میں دور تک گئے مگر انھیں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی ... آخر واپس آئے اور کہنے لگے:

''مجھے اور کچھ نظر نہیں آیا مگر اے قریش! میں نے دیکھا ہے، یہ لوگ موت کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ (مطلب یہ کہ یہ لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔) یہ قتل اور خون کا بازار گرم کرنے کے لیے آئے ہیں۔ انھیں اپنے گھروں میں لوٹ کر جانے کی کوئی تمنا نہیں، اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ تم میں سے کسی کو ہلاک نہیں کر لے گا۔ اس طرح اگر تمہارے آدمی بھی اتنے ہی مرے جتنے ان کے تو اس کے بعد زندگی کا کوئی مزا نہیں۔ اس لیے، میرا مشورہ ہے، اس بارے میں سوچ بچار کر لو۔''

حکیم بن حزام نے یہ باتیں سنیں تو اٹھ کر عتبہ بن ابی ربیعہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''ابو ولید! تم لشکر کے بڑے اور سردار ہو۔ لوگ تمہاری بات مانتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ رہتی دنیا تک تمہارا ذکر بھلائی کے ساتھ ہوتا رہے۔''

یہ سن کر عتبہ بولا: ''بات کیا ہے۔''

حکیم بن حزام بولے: ''بہتری اسی میں ہے، قریشی لشکر کو واپس لے چلو۔''

بات عتبہ کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے محسوس کر لیا کہ یہ خوں ریزی نقصان دہ ہے، چنانچہ اس نے قریشی لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی:

''اے قریش کے گروہ! اللہ کی قسم! تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ سے جنگ کر کے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ محمد کے ساتھی سب کے سب تمہارے عزیز اور رشتے دار ہیں۔ اگر تم نے انھیں مار ڈالا تو تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے کے رشتے دار کا قاتل ہوگا اور تم میں سے ہر ایک ہمیشہ دوسرے کو اس وجہ سے بری نظر سے اور نفرت سے دیکھے گا کہ ہر شخص دوسرے کے رشتے دار کا قاتل ہوگا۔ لہٰذا بہتری اس میں ہے کہ واپس لوٹ چلو اور محمد سے نبٹنے کے لیے تمام عربوں کو چھوڑ دو۔ اگر انھوں نے محمد کو نقصان پہنچایا تو یہ تمہارے دل کی مراد ہوگی اور اگر صورت دوسری ہوئی تو تمہارے اوپر کوئی ذمے داری نہیں۔ لہٰذا تم ان سے مت الجھو۔ اے قوم! آج اگر تمہیں اس طرح لوٹنے میں غیرت آتی ہے تو اس کی ذمے داری تم مجھ پر ڈال دو اور مجھے بزدل کہہ لو، حالانکہ میں بزدل نہیں ہوں۔''

اس کے بعد عتبہ اپنے اونٹ پر سوار ہوا، لشکر کی صفوں میں گھوما اور قریش کے سامنے اعلان کرتا گیا:

''اے قریش! میری بات مان لو۔''

ادھر یہ بات ہو رہی تھی، ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے ایک شخص کو سرخ اونٹ پر سوار قریشی لوگوں کو کچھ کہتے دیکھا تو فرمایا:

''اس وقت قریشی لشکر میں اگر کسی کے ساتھ خیر ہے تو وہ اس سرخ اونٹ والے کے ساتھ ہے، یعنی ان میں اگر کوئی خیر کی بات کرنے والا ہے تو وہ یہ شخص ہے۔''

یہ فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''حمزہ کو آواز دو۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت مشرکوں کی صفوں سے بہت قریب تھے۔ وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''یہ سرخ اونٹ والا کون ہے اور قریشی لشکر سے کیا کہہ رہا ہے۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بتایا:

''یہ عتبہ بن ربیعہ ہے اور لوگوں کو جنگ سے روک رہا ہے۔''

یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ آپ نے بہت دور سے ایک قریشی کو اونٹ پر سوار اپنے لشکر سے کچھ کہتے دیکھا اور یہ جانے بغیر کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، یہ فرما دیا کہ اس وقت اگر قریشی لشکر کے ساتھ خیر ہے تو اس سرخ اونٹ والے کے ساتھ ہے۔

دوسری طرف عتبہ نے حکیم بن حزام سے کہا:

''تم ذرا ابن حنظلہ (یعنی ابوجہل) کے پاس جاؤ کہ وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے۔''

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ابوجہل کے پاس پہنچے اور عتبہ کا پیغام دیا۔ ابوجہل یہ سن کر غضب ناک ہوگیا۔ فوراً عتبہ کے پاس آیا اور بولا:

''یہ بات تم نے کہی ہے، اللہ کی قسم! اگر تمہارے علاوہ کسی اور نے کہی ہوتی تو میں اسے بزدلی کا زبردست طعنہ دیتا۔ میں اس سے کہتا، تیرے دل میں دشمن کا خوف بیٹھ گیا۔ اللہ کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک اللہ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔''

ابوجہل نے یہ بھی کہا:

''میں سمجھتا ہوں ... تم نے یہ بات اپنے بیٹے کے لیے کہی ہے جو مسلمان ہو چکا ہے ... اور تم سوچ رہے ہو کہ جنگ کی صورت میں مسلمان مارے جائیں گے اور ان میں تمہارا بیٹا ابو حذیفہ بھی مارا جائے گا ... پس یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو۔''

پھر اس نے قریشی لشکر سے بھی یہ بات کہی ... اس پر عتبہ کو بھی غصہ آگیا اور وہ لگا ابوجہل کو برا بھلا کہنے اور یہ کہ تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ بزدل کون ہے ...

غرض ان باتوں کے باوجود جنگ ٹل نہ سکی ... ہو کر رہی ... جب تک جنگ شروع نہیں ہوئی تھی ... قریشیوں کو مسلمانوں کی تعداد بہت کم محسوس ہوتی رہی ... اس لیے وہ جنگ پر تلے رہے ... ان کے حوصلے بلند رہے، لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ کر دی ... یعنی جنگ کرتے وقت انھیں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ محسوس ہونے لگی تھی ... اور مسلمانوں کو کافروں کی تعداد کم نظر آنے لگی تھی ... اس طرح ان کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے ... اور یہ صرف اور صرف اللہ کی مدد تھی ...

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بعد میں بتایا کرتے تھے:

''جنگ بدر کے موقعے پر مشرکین ہمیں اتنے کم نظر آرہے تھے کہ میں نے ایک شخص سے کہا، یہ سب ملا کر ساٹھ آدمی ہیں۔ اس پر اس شخص نے کہا، نہیں، میرا خیال ہے، ان کی تعداد سو تک ہے۔''

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا:

''اور اس وقت کو یاد کرو جب تم (دشمن کے) مقابل ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی تعداد کم دکھا رہے تھے اور اس طرح (جنگ سے قبل) ان کی نگاہ میں تمہیں کم کر کے دکھا رہے تھے، تا کہ جو اللہ کو کرنا منظور تھا، اس کی تکمیل کر دے اور

سب مقدمے اللہ ہی کی طرف رجوع کیے جائیں گے۔"

جنگ شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر مشرکوں کی طرف بھیجا:

"تم لوگ واپس چلے جاؤ... کیونکہ تمہاری نسبت اگر میں دوسروں سے جنگ کروں تو یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہے... بہ نسبت اس کے کہ تمہارے ساتھ کروں۔"

یہ پیغام سن کر حکیم بن حزام بولے:

"اللہ کی قسم! یہ انصاف کی بات ہے، اس انصاف کے بعد تم لوگ ہرگز ان پر فتح نہیں پا سکتے۔"

یہ سن کر ابوجہل نے کہا: "یہ بات نہیں ہے، اللہ نے انھیں ہمارے قابو میں دے دیا تو ہم کیوں جنگ کے بغیر جائیں۔"

آخر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ مسلمانوں نے پانی کا جو حوض بنایا تھا، کافر اس پر بھی بہت طیش میں تھے۔

اسود مخزومی نے غصے میں آ کر اعلان کیا:

"میں عہد کرتا ہوں کہ یا تو مسلمانوں کے اس حوض سے پانی پیوں گا یا اسے توڑ دوں گا یا اس کوشش میں اپنی جان دے دوں گا۔"

یہ شخص بہت بدتمیز تھا۔ بہت بدفطرت تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ جنگ شروع ہونے پر یہ حوض کی طرف بڑھا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے راستے میں آ گئے اور اس پر وار کیا، ایک ہی وار میں اس کی پنڈلی کاٹ دی۔ پنڈلی کٹ کر دور جا گری۔ اس وقت یہ شخص حوض کے پاس پہنچ چکا تھا۔ یہ زخمی ہو کر گرا۔ ٹانگ سے خون کا فوارہ جاری تھا۔ اسی حالت میں حوض کی طرف سرکا، یہاں تک کہ اس نے حوض میں منہ ڈال دیا اور اس سے پانی پی لیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فوراً اس کے سر پر پہنچے اور دوسرا وار کر کے اسے جہنم رسید کر دیا۔

اس کے بعد قریش کے کچھ اور لوگ حوض کی طرف بڑھے۔ ان میں حضرت حکیم بن حزام بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حوض کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ سے فرمایا:

"انھیں آنے دو۔ آج کے دن ان میں سے جو شخص بھی اس حوض سے پانی پیے گا، وہ یہیں کفر کی حالت میں قتل ہو گا۔"

آپ کے یہ الفاظ سن کر حکیم بن حزام پیچھے ہٹ گئے اور انھوں نے پانی نہیں پیا۔ اس طرح اس روز یہ قتل ہونے سے بچ گئے۔ بعد میں اسلام لے آئے اور بہت بلند مرتبہ صحابی بنے۔

اب سب سے پہلے عتبہ مقابلے کے لیے نکلا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی شیبہ اپنے بیٹے ولید کے ساتھ آگے آیا۔ عتبہ دراصل سب سے پہلے اس لیے نکلا تھا کہ ابوجہل نے اسے بزدلی کا طعنہ جو دیا تھا۔

تینوں اپنی صفوں سے نکل کر دونوں لشکروں کے درمیانی جگہ میں آ گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ ان کی للکار پر مسلمانوں کے لشکر میں سے تین انصاری نوجوان میدان میں نکلے۔ (جاری ہے)

ناقابلِ اشاعت

غصے سے انٹرویو، منڈی صادق گنج۔ ایک عجیب واقعہ، منڈی صادق گنج۔ دنیا کی عظیم ہستی، کراچی۔ دھوپ چھاؤں، نوری چوک۔ مٹکے ٹوٹ گئے، گجرات۔ ندامت، ملیر کراچی۔ قابلِ افتخار ہو تم، ملیر کراچی۔ بیٹے کی بے توجہی، گجرات۔ کھاچڑی، نوشہرہ۔ عیب چھپانے پر اجر، تلمبہ۔ بچپن کی یاد میں، سوکڑ۔ دماغ، حضرو۔ بے آواز لاٹھی، اٹک۔ لوڈشیڈنگ، اوکاڑہ۔ گھر اور جن، ساہیوال۔ دادا جان ساہیوال۔ ریاکار، واہ کینٹ۔ حدبختی انارکاوٹ، واہ کینٹ بے فیض، واہ کینٹ۔ چھوٹی سی غلطی، سرگودھا۔ دنیا کے انوکھے رنگ، لانڈھی کراچی۔ دولت کی جحت، منڈی بہاؤالدین۔ دوستی ہو تو ایسی، شورکوٹ۔ سچی کہانی، شورکوٹ۔ بکرا کمپنی، شورکوٹ۔ کھوپرے والا، کورنگی کراچی عجیب واقعہ، لاہور۔ ایمان کی چوری، لاہور۔ نیا راستہ، سکھر۔ انوکھی شرارت، سانگھڑ۔

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

8

عبداللہ فارانی

یہ تینوں بھائی تھے۔ ان کے نام معوذ، معاذ اور عوف تھے۔ ان کی والدہ کا نام عفرا تھا۔ ان تینوں نوجوانوں کو دیکھ کر عتبہ، شیبہ اور ولید نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

انھوں نے جواب میں کہا: ''ہم انصاری مسلمان ہیں۔''

اب عتبہ شیبہ اور ولید نے کہا: ''ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں۔ مہاجرین میں سے ہمارے برابر کے لوگوں کو مقابلے کے لیے بھیجو۔ ہم اپنی قوم کے لوگوں سے مقابلہ کریں گے۔''

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں سے فرمایا:

''تم واپس آجاؤ۔''

یہ تینوں واپس اپنی صفوں میں آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جذبے کی تعریف فرمائی۔ ایسے میں مشرکوں میں سے کسی نے پکار کر کہا:

''اے محمد! ہمارے سامنے ہماری برادری اور قوم کے لوگوں کو بھیجو۔''

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عبیدہ بن حارث اٹھو! اے حمزہ اٹھو! اے علی اٹھو۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''اے بنی ہاشم اٹھو! یہ تمہارا اعزاز ہے کہ تم میں ایک نبی ظاہر ہوئے ہیں۔ اس اعزاز کی بنیاد پر مقابلہ کرو، کیونکہ یہ لوگ اسے جھٹلانے اور اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے آئے ہیں۔''

یہ تینوں جانباز فوراً اٹھے اور اپنی صفوں سے نکل کر ان تینوں کے قریب پہنچ گئے۔ جب یہ نزدیک پہنچ گئے تو عتبہ نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

مشرکین دراصل ان تینوں کو پہچان نہیں پائے تھے، کیونکہ انھوں نے چہرے ڈھانپ رکھے تھے۔ تینوں نے اپنے اپنے نام انھیں بتائے۔ نام سن کر وہ تینوں بول اٹھے:

''ہاں! تم تینوں ہمارے برابر کے ہو۔ اب ٹھیک ہے۔''

ان تینوں مسلمانوں میں عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ تھے۔ ان کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال زیادہ تھی۔ گویا اس وقت ان کی عمر 65 سال کے قریب تھی۔ ان کا مقابلہ عتبہ بن ربیعہ سے ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس تیزی سے شیبہ پر حملہ آور ہوئے کہ اسے حملے کا موقع تک نہ مل سکا۔ آپ کے ایک ہی وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی وار میں ولید کو ختم کر دیا۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عتبہ میں تلواروں کے وار شروع ہوگئے اور لڑائی کے دوران دونوں زخمی ہوگئے۔

اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے اپنے مدِ مقابل کو جہنم رسید کر چکے تھے۔ انھوں نے ان دونوں کی لڑائی دیکھی۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ بوڑھے تھے اور عتبہ ان کے مقابلے میں طاقت ور۔ یہ بات محسوس کر کے دونوں عتبہ پر جھپٹے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اب دونوں نے عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھایا اور اپنے لشکر میں لے آئے۔ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لٹایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھٹنا ان کے لیے پھیلا دیا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا گال آپ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور بولے:

''اے اللہ کے رسول! کیا میں شہید نہیں ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں، تم شہید ہو۔''

غزوہ بدر سے فارغ ہو کر جب مسلمان مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو صفرا کے مقام پر ان کا انتقال ہوگیا۔ انھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔

اس ابتدائی لڑائی کی تفصیل تاریخ کی دوسری کتب میں کچھ مختلف بھی آئی ہے۔ ایک روایت کے مطابق عتبہ کا مقابلہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ شیبہ سے عبیدہ رضی اللہ عنہ کا اور ولید کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔

شیبہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تلواروں کے وار ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں زخمی ہوگئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم آیا۔ اس سے ان کا ایک پیر کٹ گیا۔ پنڈلی سے خون بہنے لگا۔ ایسے میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر شیبہ کا کام تمام کر دیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ عبیدہ رضی اللہ عنہ کے وار سے شیبہ زمین پر گرا مگر فوراً ہی اٹھ کر اس نے وار کر دیا۔ ایسے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے پر آگئے۔ دونوں میں تلواروں کے وار ہونے لگے۔ دونوں کے وار خالی گئے اور آخر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا اکیلا اکیلی مقابلہ تھا۔

اس کے بعد دونوں لشکر آپس میں ٹکرا گئے۔ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی صفوں کو اپنے نیزے سے سیدھا کیا۔ صفوں کو سیدھا کرتے ہوئے آپ حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ یہ بنی نجار کے طرف دار تھے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے ہیں۔

مسکراہٹ کے پھول

☆ استاد: ناک میں دم کرنے کو جملے میں استعمال کرو
شاگرد: کاشف نے مولوی صاحب سے ناک میں دم کروایا

☆ ایک انگریز پاکستان میں اردو سیکھنے کے لیے آیا۔ جب وہ ایک سال بعد واپس گیا تو اس سے پوچھا گیا، کیا سیکھا۔ اس نے جواب دیا:
''بجلی چلی گئی، بجلی آ گئی، بجلی آنے والی ہے، بجلی جانے والی ہے۔'' (غلام مرتضیٰ انجم۔ دنیا پور)

☆ صبح سویرے بارش شروع ہوگئی۔ ایک چھوٹی بچی نے بارش شروع ہونے پر حیران ہو کر کہا:
''میں نے تو بارش کی دعا بھی نہیں مانگی تھی، بارش ایسے ہی شروع ہوگئی۔ (اسماء یعقوب۔ لاہور)

☆ ایک بچہ اسکول جاتے ہوئے زور شور سے رو رہا تھا۔ باپ نے اس سے کہا:
''بیٹا! شیر کے بچے روتے نہیں۔''
بیٹے نے جواب دیا: ''شیر کے بچے اسکول بھی تو نہیں جاتے۔'' (محمد عثمان حیدر، تنویر احمد، طلحہ، عمر۔ ہنگیرہ)

☆ ایک انگریز افریقہ کے کسی جنگلی قبیلے میں گیا اور ان کے سردار سے پوچھا:
''کیا اب بھی تمہارے قبیلے میں آدم خور موجود ہیں۔''
سردار نے جواب دیا:
''اب تو ایک بھی نہیں رہا، کچھ ہی دن پہلے ہم آخری آدم خور کو بھون کر ہڑپ کر چکے ہیں۔'' (محمد عمر فاروق۔ خانیوال)

☆ استاد: بلبل کا مذکر بتاؤ۔
شاگرد: جناب! بلبلہ۔
استاد: (ناراض ہو کر) اور اس کی جمع۔
شاگرد: ابابیل۔

☆ استاد: کل تم اسکول کیوں نہیں آئے۔
شاگرد: جی مجھے برڈ فلو ہو گیا تھا۔
(محمد حیدر علی افضل۔ چشتیاں)

آپ نے اپنے نیزے کا سرا ان کے پیٹ سے چھوا اور فرمایا:
''اے سواد! صف میں بالکل سیدھے کھڑے ہو۔''
اس پر حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''اللہ کے رسول! آپ نے اپنے نیزے سے مجھے تکلیف پہنچائی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے، لہٰذا مجھے موقع دیں کہ میں اپنا بدلہ لے لوں۔''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اپنے پیٹ پر سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا: ''لو! تم اپنا بدلہ لے لو۔''
حضرت سواد رضی اللہ عنہ فوراً آپ کے سینے سے لگ گئے۔ آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا:
''اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟''
حضرت سواد نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! آپ دیکھ رہے ہیں، جنگ سر پر ہے، ایسے میں میں نے خواہش محسوس کی کہ آپ کے ساتھ جو میرے آخری لمحے گزریں، وہ اس طرح گزریں کہ میرا جسم آپ کے جسم مبارک کو چھو رہا ہو۔''
اس پر آپ نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔ فتح خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو خیبر کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔
جب آپ ﷺ صفوں کو سیدھا کر چکے تو صحابہ سے فرمایا:
''تم اپنے تیروں کو اس وقت تک نہ چلانا جب تک کہ دشمن قریب نہ آ جائے، کیونکہ فاصلے سے تیر اندازی اکثر بے کار ثابت ہوتی ہے اور تیر ضائع جاتے ہیں۔ اسی طرح تلواریں بھی اس وقت تک نہ سونتنا جب تک دشمن بالکل قریب نہ آ جائے۔ دشمن نزدیک آ جائے تو پہلے انہیں تیر چلا کر پیچھے دھکیلنا۔''
اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ اس خطبے میں آپ نے جہاد کے بارے میں فرمایا، صبر کی تلقین کی اور فرمایا:
''مصیبت کے وقت صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور فرماتا ہے اور غموں سے نجات عطا فرماتا ہے۔''
اس خطبے کے بعد آپ ﷺ اپنے چھپر میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ چھپر کے دروازے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کچھ انصاری صحابہ کے ساتھ ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے، تاکہ دشمن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر سکیں۔
مسلمان صف بندی سے فارغ ہو گئے تو ابن عامر نے ایک پتھر اٹھا کر دو صفوں کے درمیان رکھ دیا اور کہا:
''اگر یہ پتھر یہاں سے بھاگ سکتا ہے تو میں بھی بھاگ جاؤں گا۔''
یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں ہرگز میدانِ جنگ سے نہیں بھاگوں گا۔ مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ کافروں کی طرف سے عامر بن حضرمی نے تیر چلایا۔ تیر مہجع رضی اللہ عنہ کو لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ پہلے مہاجر شخص ہیں جنہیں شہید کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:
''مہجع رضی اللہ عنہ اس امت کے شہیدوں کے سردار ہیں۔''
اب دونوں لشکر آگے بڑھے۔ اس وقت ابوجہل نے کہا:
''ہمارے ساتھ ہمارا معبود عُزیٰ ہے جب کہ تمہارے ساتھ عُزیٰ نہیں ہے۔''
اس پر مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص نے کہا:
''ہمارے ساتھ ہمارا معبود اللہ ہے جب کہ تمہارے ساتھ اللہ نہیں ہے اور ہمارے مقتولین شہید ہیں جب کہ تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے۔''
اِدھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی کامیابی کے لیے گڑگڑا رہے تھے۔ اللہ سے فتح و نصرت مانگ رہے تھے جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ دعا کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غنودگی طاری ہوگئی۔ پھر آپ نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

9

عبداللہ فارانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے ابوبکر! تمہیں خوش خبری ہو، تمہارے پاس اللہ کی مدد آگئی ہے۔ یہ جبرئیل اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں، یہ کہہ رہے ہیں، جو مدد تم نے مانگی تھی، اللہ کی وہ مدد تمہارے لیے آگئی ہے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھپر سے نکل کر صحابہ کے درمیان تشریف لائے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جو شخص بھی آج ان مشرکوں کے مقابلے میں صبر اور ہمت سے لڑے گا، ان کے سامنے سینہ تانے جما رہے گا اور پیٹھ نہیں پھیرے گا، اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔''

اس وقت جب آپ یہ الفاظ فرما رہے تھے، حضرت عمیر ابن حمام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سنتے ہی کہا:

''واہ واہ! تو میرے اور جنت کے دروازے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ ان میں سے کوئی مجھے قتل کر دے۔''

یہ کہتے ہی انھوں نے کھجوریں ہاتھ سے گرا دیں، تلوار سونت لی اور دشمنوں سے ٹکرا گئے۔ کافروں سے لڑتے ہوئے وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

ترجمہ: ''ہم اللہ تعالیٰ کی طرف اس حالت میں سفر کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی زادِ راہ نہیں ہے۔ سوائے اللہ کے خوف اور تھوڑے سے عمل کے۔ اس کے علاوہ اپنی کوشش اور اس جہاد میں ہمارے پاس اللہ کی راہ میں صبر کا سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ اور زادِ راہ ختم ہونے والی چیز ہے۔ سوائے اس زادِ راہ کے جو اللہ کے خوف، نیکی اور راستی کی شکل میں ہو۔''

یہ اشعار پڑھتے ہوئے اور دشمن سے جنگ کرتے ہوئے، آخر وہ شہید ہو گئے۔

انھی کے انداز میں حضرت عوف بن عفراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! بندے کے کس عمل پر اللہ تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔''

یعنی کس عمل پر اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا:

''جب مجاہد زرہ بکتر پہنے بغیر دشمن پر حملہ آور ہو تو اللہ تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔''

یہ سن کر حضرت عوف بن عفراء رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم پر سے زرہ بکتر اتار پھینکی اور تلوار سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت معبد بن وہب رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر لڑے۔ ان کی اہلیہ حضرت ہریرہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ اس طرح حضرت معبد رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے۔

عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ باریک کنکریاں تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھائی۔ پھر یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ کنکریاں یا مٹی کفار کی طرف اچھال دی: ''یہ چہرے خراب ہو جائیں۔''

''اے اللہ ان کے دلوں کو خوف سے بھر دے اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں ان کی طرف اچھال دیں۔ کفار میں سے ایک بھی نہ بچا جس کی آنکھوں میں وہ کنکریاں نہ جا گری ہوں۔ اس سے یہ ہوا کہ کفار بدحواس ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں اور کس طرح آنکھوں کو مٹی اور کنکریوں سے صاف کریں۔

اللہ تعالیٰ نے کنکریاں پھینکنے کے اس واقعے کا ذکر قرآن کریم میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جب آپ نے وہ مٹھی پھینکی تو دراصل وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔''

مطلب یہ کہ تمام کافروں کی آنکھوں میں ان کنکریوں کو ہم نے پہنچایا تھا۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ کافروں نے پہلے تیر اندازی شروع کی۔ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تیر اندازی میں پہل نہیں کی۔ دشمن کے نزدیک آنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب دشمن نزدیک آ گیا، تب تیر اندازی شروع کی اور جب دشمن اور نزدیک آ گیا تو تلواریں نکال کر ان پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی کافروں کے لشکر میں شامل تھے۔ اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ تھا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا۔ یہ بہت بہادر اور جنگ جو تھے۔ طاقت ور بھی بہت تھے۔ تیر اندازی میں بھی ماہر تھے۔ جنگ کے میدان میں کئی مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی زد پر آئے، لیکن انھوں نے باپ کا لحاظ کرتے ہوئے، ان پر وار نہ کیا۔ اس بات کا ذکر انھوں نے اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

"لیکن اگر تم میری زد پر آجاتے تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑتا۔"

بدر کے میدان میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا باپ کفار کی صفوں میں تھا۔ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے باپ نے خود ان پر وار کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے باپ کا خیال کرتے ہوئے، وار بچایا اور دوسری طرف نکل جانا چاہا مگر باپ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ پلٹ پڑے اور حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

ترجمہ: "جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی نہیں رکھتے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہیں۔ چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے ہی کیوں نہ ہوں۔" (سورۃ الممتحنہ)

جنگ کے میدان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سامنا امیہ بن خلف سے ہوگیا۔ امیہ بن خلف کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چند زرہیں تھیں۔ اسلام سے پہلے امیہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ جونہی اس نے انھیں دیکھا، پکارا اٹھا:

"اے عبدعمرو!"

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اسلام سے پہلے کا نام تھا۔ اپنا پرانا نام سن کر آپ نے مڑ کر نہ دیکھا۔ تب امیہ نے کہا:

"اگر میرا تم پر کچھ حق ہے تو میں تمہارے لیے ان زرہوں سے بہتر ہے جو تم اٹھائے ہوئے ہو۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے زرہیں نیچے گرا دیں اور امیہ اور اس کے بیٹے کو بازو سے پکڑ لیا اور ان دونوں کو لے کر چلے۔ بازو سے تھامنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ اب ان کی امان میں ہے۔ یہ انھیں لے کر چلے، لیکن راستے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھ لیا۔ امیہ ابن خلف مکہ معظمہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم ڈھایا کرتا تھا، تاکہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ ایسے دردناک عذاب دیتا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ اس پر نظر پڑتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وہ تمام مظالم یاد آگئے۔ وہ پکارا اٹھے:

"یہ رہا کافروں کا سردار امیہ بن خلف۔ اگر آج یہ میرے ہاتھوں بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جملہ سنتے ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بول اٹھے۔

"اے بلال! تم میرے قیدیوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کر سکتے۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پھر وہی الفاظ کہے:

"اگر آج امیہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ پکارا اٹھے:

"اے انصاریو! اے اللہ کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ بن خلف ہے۔ اگر یہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چونکہ امیہ کے دوست رہے تھے، اس لیے وہ چاہتے تھے، اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ گرفتار کر کے قیدی بنا لیا جائے، لہٰذا انھوں نے اسے بچانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پکار سن کر انصاری ان کی طرف دوڑ پڑے۔ انھوں نے چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا۔ اب صورتِ حال عجیب ہوگئی۔ وہ سب اسے قتل کرنا چاہتے تھے جب کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بچانا چاہتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی اور امیہ پر تلوار کا وار کیا۔ ایسے میں اس کا بیٹا آگے آگیا، تلوار اس پر پڑی اور وہ خون میں نہا گیا۔ امیہ نے بیٹے کو قتل ہوتے دیکھا تو مارے خوف کے بھیانک انداز میں چیخا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایسی بھیانک چیخ انھوں نے زندگی میں کبھی نہیں سنی تھی۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

"تم زمین پر لیٹ جاؤ۔"

وہ زمین پر لیٹ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اسے بچانے کے لیے اس کے اوپر لیٹ گئے۔ اسے اپنے نیچے چھپا لیا، تاکہ لوگ اس پر تلوار سے وار نہ کر سکیں مگر لوگوں نے ان کے نیچے ہاتھ ڈال کر تلواروں کے وار کیے اور اس کوشش میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایک پاؤں بھی زخمی ہوگیا اور آخرکار امیہ ان کی تلواروں سے نہ بچ سکا۔ مارا گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ کو بچانے کے لیے وہ زرہیں پھینک دی تھیں جو انھیں میدانِ جنگ سے ملی تھیں۔ آپ اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

"اللہ بلال پر رحم کرے، میری زرہیں بھی گئیں، قیدی بھی گئے اور زخم بھی کھایا۔"

یہ بات انھوں نے اس لیے کہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ ہر قیدی اسی شخص کا حق ہوگا جو اسے گرفتار کرے گا اور اگر قیدی کا کوئی عزیز یا دوست اس کی جان کی قیمت یعنی فدیہ دے کر اسے چھڑانا چاہے گا تو وہ فدیہ اسی شخص کا ہوگا، جس کا وہ قیدی ہے۔

جنگ جاری تھی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کسی کو نوفل بن خویلد کا بھی پتا ہے۔" (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

10

عبداللہ فارانی

حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''اللہ کے رسول! اسے میں قتل کر چکا ہوں۔''

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا:

''اس پروردگار کا شکر ہے جس نے اس شخص کے متعلق میری دعا قبول فرمائی۔''

یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آگئے تو نوفل بن خویلد نے کہا تھا:

''اے قریش! آج کا دن عزت اور سربلندی کا دن ہے۔''

اس کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اے اللہ! نوفل بن خویلد کا انجام مجھے دکھا دے۔''

اس وقت ابوجہل کو کچھ لوگوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، تاکہ مسلمانوں کے حملوں سے اسے بچا سکیں۔ وہ لوگ کہہ رہے تھے:

''ابوالحکم! (ابوجہل) کے نزدیک کوئی نہیں پہنچ پائے گا۔''

حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات سنی تو ابوجہل کی طرف بڑھے۔ یہ ابھی نوعمر تھے۔ انھوں نے تلوار سے ابوجہل پر وار کیا۔ ان کی تلوار ابوجہل کی پنڈلی پر لگی، اس کی پنڈلی کٹ گئی۔ ادھر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، باپ کو بچانے کے لیے حرکت میں آئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ ان کے حملے سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بازو کٹ گیا۔ بس ذرا سی کھال سے لٹکا رہ گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی جنگ میں مصروف رہے اور تمام دن لڑتے رہے۔ بازو اسی طرح لٹکتا رہا۔ اس کی وجہ سے ان سے اچھی طرح لڑا نہیں جا رہا تھا۔ آخر انھوں نے اس بازو کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور لگایا تو وہ کھال سے الگ ہو گیا۔ انھوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا۔

پنڈلی کے کٹ جانے کی وجہ سے ابوجہل شدید تکلیف میں تھا۔ ایسے میں معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ یہ بھی نوعمر تھے۔ انھوں نے اس پر وار کیا۔ اس وار سے وہ گھوڑے پر سے گر گیا۔ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ وہ مارا گیا، اس لیے اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، مگر ابوجہل ابھی زندہ تھا۔ اس حالت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے تو اسے پہچان لیا اور یہ بھی محسوس کر لیا کہ ابھی اس میں کچھ جان باقی ہے۔ انھوں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ دیا اور بولے:

''اے اللہ کے دشمن! اللہ نے تجھے رسوا کر دیا یا نہیں۔''

ابوجہل نے کہا:

''ہمیں فتح ہوئی ہے یا دشمن کو ہم پر فتح ہوئی ہے؟''

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ اور اس کے رسول کو فتح ہوئی ہے۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں نے اللہ کے دشمن کا نام تمام کر دیا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''برتری ہے اللہ کی ذات کے لیے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

یہ کلمہ آپ نے تین بار فرمایا۔ آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا:

''کیا واقعی تم نے اللہ کے دشمن کو قتل کر دیا ہے۔''

انھوں نے عرض کیا:

''ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کی قیمتی تلوار بھی اٹھا لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی تلوار انھی کو عطا فرما دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اور اس امت کا فرعون ابوجہل ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بری حالت میں قتل کروایا۔''

اب چونکہ ابوجہل کے قتل میں حضرت معاذ اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اس لیے آپ نے انھیں ابوجہل کے کپڑے اور زرہ بکتر دینے کا فیصلہ فرمایا۔

بدر کے دن مجاہدین کی مدد کے لیے جو فرشتے بھیجے گئے تھے، ان کے سروں پر سفید عمامے تھے۔ ان کے سرے انھوں نے اپنی کمر پر لٹکا رکھے تھے، البتہ جبرئیل علیہ السلام کے عمامے کا رنگ زرد تھا۔ فرشتوں کے گھوڑے سیاہ اور سفید تھے۔

غزوہ بدر کے دن حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بہت زبردست جنگ کی۔ جنگ کے دوران انھیں بہت زخم آئے۔

اس روز مجاہدین احد، احد کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔

بنی غفار کے ایک شخص اور اس کا چچا زاد بھائی مشرکوں میں شامل تھے۔ ایک پہاڑ کے سامنے پہنچے۔ پھر اس پر چڑھ گئے۔ یہ وہاں سے میدانِ جنگ کا نظارہ کرنے لگے۔ یہ دونوں اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں کسے فتح ہوتی ہے۔

دوڑ

ایاز علی عبداللہ۔ کراچی

امام شعبی رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ لنگڑی ہے۔ تو کیا اس کو اس کے والدین کے گھر واپس بھجوادوں؟ امام شعبی رحمہ اللہ فرمانے لگے، اگر تمہیں بیوی کے ساتھ دوڑ لگانی ہے، پھر تو تمہیں ضرور اسے چھوڑ دینا چاہیے اور اگر ایسا نہیں، تو پھر اسے رکھو۔

اچانک ایک بادل ان کے قریب آگیا۔ اس میں سے انھوں نے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ ساتھ ہی کسی نے کہا:

''اے حیزوم! آگے بڑھ۔''

یہ وحشت ناک آواز سن کر اس کے چچازاد بھائی کا سینہ پھٹ گیا اور اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ یہ خود بھی خوف زدہ ہوگیا۔

حیزوم جبرئیل علیہ السلام کے فرشتے کا نام ہے۔ یہ واقعہ بنی غفار کے آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو سنایا۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ صاحب مسلمان ہوگئے تھے یا نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہوگئے تھے۔

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے بھیجے تھے اور ان کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام بھی تھے۔

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سے زبردست جنگ کر رہے تھے۔ آخر لڑتے لڑتے ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ یہ اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا:

''اے اللہ کے رسول! میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک لکڑی عنایت فرمائی اور فرمایا: ''اے عکاشہ! اس سے لڑو۔''

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے وہ لکڑی آپ کے ہاتھ سے لے لی۔ جیسے ہی اس کو بلند کیا، وہ اسی وقت ایک بہت لمبی اور مضبوط تلوار بن گئی۔ وہ بہت سفید اور چمک دار تھی۔ آپ وہ تلوار لے کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ جان توڑ کر لڑے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس تلوار کا نام عون رکھا گیا۔ غزوہ بدر کے بعد بھی یہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہی۔ وہ تمام غزوات میں شریک رہے اور ہر غزوے میں اسی تلوار سے جنگ کی۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی اولاد کو مل گئی۔ اس طرح یہ تلوار آگے چلتی رہی۔

اس طرح حضرت سلمہ ابن اسلم رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کھجور کی ایک شاخ دی اور فرمایا کہ اس سے لڑو۔ انھوں نے جیسے ہی وہ شاخ ہاتھ میں لی، وہ تلوار بن گئی۔ غزوہ بدر کے بعد وہ تلوار ہمیشہ ان کے پاس رہی۔

حضرت خبیب بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے دادا غزوہ بدر میں شریک تھے۔ ایک مشرک نے ان پر وار کیا۔ اس وار سے ان کی ایک پسلی الگ ہوگئی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور پسلی دکھائی۔ آپ نے پسلی کو اس کی جگہ پر رکھ کر اس پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ پسلی اسی وقت وہاں جم گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انھیں کوئی زخم آیا ہی نہیں۔

حضرت رفاعہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک تیر آکر لگا۔ اس تیر سے ان کی آنکھ باہر نکل آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کو اس کی جگہ پر رکھا اور لعابِ دہن لگا دیا۔ آنکھ فوراً ٹھیک ہوگئی اور پھر زندگی بھر اس آنکھ میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

آخر جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل ہونے والے مشرکین کی لاشوں کو ایک کنوئیں میں ڈالنے کا حکم فرمایا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمادی تھی کہ فلاں مشرک اس جگہ قتل ہوگا اور فلاں مشرک اس جگہ قتل ہوگا۔ جب صحابہ کرام قتل ہونے والے مشرکین کی لاشوں کو اٹھانے کے لیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کو حرف بہ حرف درست پایا۔ مشرکین کی لاشیں بالکل انھی جگہوں پر ملیں۔ جنگ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ادا فرمائے تھے:

''کل ان شاء اللہ یہ جگہ عتبہ بن ربیعہ کی قتل گاہ ہوگی۔ یہ شیبہ بن ربیعہ کی قتل گاہ ہوگی۔ یہ امیہ بن خلف کی قتل گاہ ہوگی۔ یہ ابوجہل بن ہشام کی قتل گاہ ہوگی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے یہ نشان دہی فرماتے جاتے تھے۔

اب جب صحابہ کرام لاشیں جمع کرنے کے لیے نکلے تو ان مشرکوں کی لاشیں بالکل وہیں ملیں۔ جہاں جہاں آپ نے نشان لگائے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک انچ بھی ادھر سے اُدھر نہیں ملیں۔

صحابہ کرام نے ان سب لاشوں کو اٹھا اٹھا کر ایک کنویں میں ڈال دیا۔ وہ کنواں بنی نجار کا تھا۔ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی۔ صحابہ نے زرہ کو نکالنا چاہا تو اس کا جسم ٹکڑوں میں تبدیل ہوگیا۔ مسلمانوں نے اسے اسی حالت میں ایک گڑھے میں ڈال کر مٹی اور پتھر اس پر ڈال دیے، تاکہ لاش چھپ جائے۔

لاشیں چونکہ بہت زیادہ تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہ فرمایا کہ صحابہ انھیں الگ الگ دفن کریں۔ اس لیے آپ نے حکم فرمایا کہ تمام لاشوں کو اس کنویں میں ڈال دو۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے باپ عتبہ کو گڑھے میں ڈالا گیا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات محسوس کر لی اور پوچھا:

''شاید تمہیں اپنے باپ کا خیال آرہا ہے۔''

اس پر حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کی قسم نہیں! بلکہ بات یہ ہے کہ میں اپنے باپ کو عقل مند آدمی خیال کرتا تھا اور میری تمنا تھی کہ انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ بس اس بات کا رنج محسوس کر رہا ہوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

ان لاشوں کو کنویں میں ڈالے جانے کے تین دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں کے کنارے پر تشریف لائے۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

11

عبداللہ فارانی

وہ رات کا وقت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد تین دن تک وہیں قیام فرمایا تھا۔ تیسری رات آپ ﷺ اس کنویں کے کنارے پر تشریف لائے اور مشرکین کی لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے عتبہ، اے ربیعہ، اے شیبہ، اے امیہ بن خلف اور اے ابوجہل بن ہشام تم لوگ نبی کا خاندان ہوتے ہوئے بہت برے ثابت ہوئے۔ تم نے مجھے جھٹلایا جب کہ لوگ میری تصدیق کر رہے تھے۔ تم نے مجھے وطن سے نکالا جب کہ سروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی جب کہ سروں نے میری مدد کی۔"

آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

"اے اللہ کے رسول! آپ ان مردوں سے باتیں کر رہے ہیں جو بے روح لاشے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے تم لوگ اتنا نہیں سن رہے جتنا یہ سن رہے ہیں مگر یہ لوگ اب جواب نہیں دے سکتے۔"

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان مردوں میں جان ڈال دی تھی، تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سن لیں اور خود پر حسرت اور افسوس کر سکیں۔ (سیرت حلبیہ 36/4)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے عالیہ کے مقام کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مدینہ منورہ کے قریب ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سافلہ کے مقام کی طرف یہ خوش خبری سنانے کے لیے بھیجا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آپ نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر روانہ فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے ان مقامات پر جا کر ان الفاظ میں یہ خوش خبری سنائی:

"اے گروہ انصار! تمھیں خوش خبری ہو، رسول اللہ کی سلامتی اور مشرکوں کے قتل اور ان کی گرفتاری کی۔ قریشی سرداروں میں سے فلاں فلاں قتل ہوئے اور فلاں فلاں گرفتار ہو گئے ہیں۔"

یہ الفاظ سن کر اللہ کا دشمن یہودی کعب بن اشرف انھیں جھٹلانے لگا اور بولا: "اگر محمد نے ان بڑے بڑے سورماؤں کو مار ڈالا ہے تو اس دنیا میں زندہ رہنے سے مر جانا بہتر ہے۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فتح کی یہ خبر ہمیں اس وقت ملی جب ہم مدینہ منورہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے قبر کی مٹی کے برابر کر رہے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: "الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، شریف بیٹیوں کا دفن ہونا بھی عزت کی بات ہے۔"

یہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے:

حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بہت غمگین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"عثمان تم بہت غمگین نظر آ رہے ہو۔"

انھوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! کیا مجھ سے بڑا صدمہ بھی کسی کو پہنچا ہو گا۔ آپ کے اور میرے درمیان سسرالی رشتہ ختم ہو گیا۔"

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"یہ جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم سنا رہے ہیں کہ میں رقیہ کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کر دوں۔"

اس نکاح کے بعد ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

"بیٹی! تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا۔"

انھوں نے جواب دیا: "ابا جان! وہ بہت اچھے اور بہت بلند مرتبہ شوہر ثابت ہوئے ہیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"بیٹی! کیوں نہ ہو! وہ دنیا میں تمہارے دادا ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے باپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

"وہ میرے صحابہ میں سب سے زیادہ میرے اخلاق اور عادات سے مشابہ ہیں۔"

فتح کی خبر مدینہ منورہ کی طرف بھیجنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ صفراء کے مقام پر ٹھہرے اور آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ یہ مال غنیمت پچاس اونٹوں

دس گھوڑوں پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا سامان، ہتھیار، کپڑے اور بے شمار کھالیں اور اون وغیرہ تھی۔ یہ سامان مشرک اپنے ساتھ تجارت کے لیے لائے تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کروایا:

"جس شخص نے کسی کو قتل کیا، اس کے جسم کا سامان اسی کو ملے گا اور جس نے جس شخص کو گرفتار کیا، وہ اسی کا قیدی ہے۔"

مال غنیمت کی تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا:

"اور اس بات کو جان لیں کہ کفار سے بطور غنیمت تمہیں جو مال حاصل ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ اور اللہ کے رسول کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور ایک حصہ یتیموں کا ہے اور ایک حصہ غریبوں کا ہے اور ایک حصہ مسافروں کا ہے۔ (سورہ انفال: 41)

اس طرح یہ مال غنیمت اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت تھا اور یہی وہ غنیمت ہے جسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت میں سے ان لوگوں کے حصے بھی نکالے جو غزوہ بدر میں حاضر نہیں تھے، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جہاد میں شرکت کرنے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا کہ تم مدینہ میں ہی ٹھہرو اور حکم اس لیے فرمایا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا شدید بیمار تھیں۔ اسی طرح حضرت لبابہ اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنھما کو بھی مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم ہوا تھا۔ انھیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ جن صحابہ کو آپ نے جاسوسی کی غرض سے پہلے ہی روانہ کر دیا تھا اور وہ غزوہ بدر میں شرکت نہیں کر سکے تھے، انھیں بھی حصہ دیا گیا۔ یہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنھما تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم کے بعد آپ ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ جب اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ ﷺ کا استقبال کرنے اور اس عظیم الشان فتح کی مبارک باد دینے کے لیے شہر سے باہر امڈ آئے۔ یہ لوگ آپ ﷺ سے مقام روحا پر ملے اور خوب مبارک باد دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو شہر کی بچیوں نے استقبال کیا۔ آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن قیدی مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنے صحابہ میں تقسیم فرمایا۔ ساتھ میں آپ ﷺ نے ان کے بارے میں ہدایت فرمائی:

"ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔"

دوسری طرف مکہ مکرمہ میں قریش کی شکست کی خبر لے کر سب سے پہلے ابن عبد عمرو پہنچے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ انھوں نے چیخ چیخ کر لوگوں سے کہا:

"عتبہ اور شیبہ قتل ہو گئے۔ ابو جہل اور امیہ بھی قتل کر دیے گئے اور قریش کے سرداروں میں سے فلاں فلاں قتل ہو گئے۔"

انھوں نے گرفتار ہونے والوں کے بارے میں بھی بتایا۔ یہ خوفناک خبر صفوان بن امیہ نے سنی۔ اسے بطحا کا سردار کہا جاتا تھا۔ قریش کے نامور لوگوں میں سے تھا۔ اس وقت یہ حجر اسود کے پاس بیٹھا تھا۔ اسے اس خبر پر یقین نہ آیا۔ اس نے خیال کیا، یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔ اس لیے لوگوں سے کہنے لگا:

"اگر اس شخص کا دماغ درست ہے تو ذرا اس سے میرے بارے میں پوچھنا۔"

انھوں نے ابن عبد عمرو سے پوچھا:

"اور صفوان بن امیہ کی کیا خبر ہے۔"

ابن عبد عمرو نے فوراً کہا:

"وہ تو سامنے بیٹھا ہے، البتہ اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔"

غرض قریش کو اپنی شکست پر یقین آ ہی گیا۔ بس پھر کیا تھا، مکہ مکرمہ میں کہرام مچ گیا۔ عورتیں بین کرنے لگیں۔ انھوں نے اپنے بال بکھیر ڈالے۔

قیدیوں کی تقسیم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنھم سے مشورہ کیا کہ قیدیوں کا کیا کیا جائے۔ انھیں قتل کیا جائے یا ان کا فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے۔ (جاری ہے)

[illegible]

کلاس چہارم میں پہلی لائن کے دوسرے بینچ پر بیٹھے مبشر نے اپنے دوست عدنان سے کہا:

"تم نے کبھی سفید آسمان پر نیلے ستارے دیکھے ہیں؟"

عدنان نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کبھی ستارے بھی نیلے ہوئے ہیں، ہاں نیلے آسمان پر سفید ستارے تو دیکھے ہیں مگر تم شاید آج ناشتا کیے بغیر ہی اسکول آگئے۔"

"نہیں دوست، میں نے آج بہت ڈٹ کر ناشتا کیا ہے۔"

مبشر نے اپنے بڑے سے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

"اور ہاں تم نے نیلے ستارے کبھی نہیں دیکھے ناں تو یہ دیکھو۔"

یہ کہتے ہی مبشر نے اپنے پین کو اگلے بینچ پر بیٹھے حمزہ کی قمیص پر جھٹک دیا جس سے نیلی روشنائی کے ننھے منے قطرے اس کی قمیص پر جابجا پھیل گئے۔ نہ صرف حمزہ کی قمیص پر، بلکہ ساتھ بیٹھے باقی بچوں کی قمیصیں بھی اس کی زد میں آگئیں اور انھیں خبر ہی نہ ہو سکی:

"دیکھا دوست سفید آسمان پر نیلے ستارے کتنے خوب صورت دکھائی دیتے ہیں۔" یہ کہتے ہی مبشر دانت نکالنے لگا۔ تب عرفان نے اس سے کہا:

"بہت بری بات ہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اتنے میں حمزہ اور اس کے دوستوں کو بھی مبشر کی کارستانی کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر مبشر کو نیلے ستارے اتنے پسند ہیں تو ہم بھی آج اسے نیلی کہکشاں دکھائیں گے۔

چھٹی ہونے پر حمزہ اور اس کے دوستوں نے مبشر کو ایک گلی میں جا لیا اور اس کی قمیص پر خوب نقش و نگار بنائے۔

☆

"السلام علیکم امی جان۔" حمزہ گھر میں داخل ہوا تو حسب عادت ساری روداد امی کے گوش گزار کر دی۔

"بیٹا تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس نے زیادتی کی تھی تو تمہیں کلاس ٹیچر کو بتانا چاہیے تھا۔"

"امی جان کلاس ٹیچر خود اس سے تنگ ہیں۔ مجھے معلوم ہے، وہ اسے کچھ بھی نہ کہتے، اس لیے میں نے خود اسے سبق سکھا دیا۔ آیندہ وہ کبھی کسی کو تنگ نہیں کرے گا۔"

"نہیں بیٹا! جو بات غلط ہے، وہ غلط ہی ہے، کلاس ٹیچر نہ سہی پرنسپل صاحب کو بتا دیتے۔ اب ٹیچر تمہیں ہی ڈانٹیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں امی جان! مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی۔ آیندہ ایسا نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر حمزہ یونی فارم تبدیل کرنے چلا گیا۔

ادھر امی جان سوچنے لگیں کہ یہ تو ابھی بچہ ہے، اس لیے اس سے بھول ہو گئی، لیکن ہمارے ہاں بڑے جرائم کی وجہ بھی شاید یہی ہے، لوگ جب سوچتے ہیں کہ انھیں انصاف نہیں ملے گا تو وہ قانون ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں، خدا سب کو ہدایت دے اور ہمارے ملک کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

اسلامی جنگیں

12

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ لوگ آپ کے خاندان اور قوم کے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح عطا فرمائی ہے۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انھیں زندہ رہنے دیں اور ان لوگوں سے فدیہ لے لیں۔ ہم ان سے جو کچھ لیں گے اس سے کفار کے مقابلے میں ہماری طاقت میں اضافہ ہوگا۔ پھر اس بات کی بھی امید ہے کہ آپ کے اس احسان کے نتیجے میں ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت میسر ہو جائے اس طرح یہ لوگ ہمارے مددگار بن جائیں گے۔"

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"اے ابن خطاب! تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو وطن سے نکالا اور آپ سے جنگ کی، اس لیے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں میں جو میرے رشتے دار ہیں، انھیں میرے حوالے کر دیں، تاکہ میں ان کی گردن ماردوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل کو ان کے حوالے کر دیں، تاکہ وہ ان کی گردن ماردیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جو بھائی ہے، یعنی حضرت عباس، انھیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں کہ ان کی گردن وہ ماریں، تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے لیے کوئی محبت نہیں ہے۔ میری یہ رائے نہیں کہ آپ انھیں قیدی بنا کر رکھیں، بلکہ ان کی گردنیں ماردیجیے، کیونکہ یہ قریش کے سردار لوگ ہیں۔"

اس وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"کوئی ایسی وادی تلاش کی جائے جس میں بہت زیادہ لکڑیاں یعنی خشک درخت اور ٹہنیاں ہوں، انھیں وہاں ڈال کر ان درختوں کو آگ لگا دی جائے۔"

یہ مشورے سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا، بلکہ آپ گھر کے اندر چلے گئے۔ اب لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشورہ مانیں گے۔ کسی نے کہا، آپ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بات مانیں گے، لیکن یہ کسی نے نہ کہا کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات مانیں گے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کے دلوں کو اس قدر نرم بنا دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دل اس قدر سخت بنا دیتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! فرشتوں میں تمہاری مثال میکائیل علیہ السلام کی سی ہے جو رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں اور اے ابوبکر! پیغمبروں میں سے تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جو فرماتے ہیں کہ جس نے میری اطاعت کی، وہ مجھ سے وابستہ ہے اور جس نے میری مخالفت کی تو اے اللہ! اس کے لیے تو معاف فرمانے والا اور رحمت والا ہے۔ اور اے ابوبکر! پیغمبروں میں سے ہی تمہاری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اگر تو ان سرکشوں کو عذاب دیتا ہے تو بہر حال یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔ جسے چاہے، معاف کر دے، تیری معافی حکمت سے خالی نہیں۔" (سورہ مائدہ)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اور اے عمر! فرشتوں میں تمہاری مثال جبرئیل علیہ السلام کی سی ہے، وہ جب بھی زمین پر اترتے ہیں تو اللہ کے دشمنوں کے حق میں سختی، شدت اور مصیبت لے کر اترتے ہیں اور اے عمر! پیغمبروں میں تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا، اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ۔ اور نبیوں میں تمہاری مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا:

"اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو زیادہ سخت کر دے، جس سے یہ ہلاکت کے حق دار ہو جائیں، سو یہ ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کے حق دار ہو کر اسے دیکھ لیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی ان الفاظ میں تعریف کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر اتفاق کر لیتے تو میں تمہاری رائے کی مخالفت نہ کرتا اور ان میں سے کوئی بھی اس بات سے نہ بچ سکتا کہ یا تو یہ فدیہ دیتے یعنی اپنی جان کی قیمت ادا کرتے یا ان کی گردن ماردی جاتی۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی جان بخشی اور ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! آپ اور ابوبکر کس لیے رو رہے ہیں، تاکہ رونے کی کوئی بات ہے تو میں بھی آپ کے ساتھ رو دوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے عمر! تمہاری رائے نہ ماننے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضی کا اظہار ہوا ہے۔"

مطلب یہ تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے تھا، لیکن اب چونکہ فیصلہ ہو چکا تھا، اس لیے قیدیوں سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا گیا۔

یہ اس طرح ہوا کہ مکہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عزیزوں کے لیے فدیہ دینے کے سلسلے میں بات چیت کی۔ فدیہ ہر شخص کی مالی حیثیت کے مطابق طے کیا گیا۔ چنانچہ فدیے کی رقم چار ہزار سے تین ہزار درہم تک تھی۔ اس کے بعد دو ہزار اور ایک ہزار درہم تک تھی۔ کچھ قیدی ایسے بھی تھے جن کا فدیہ ادا کرنے والا کوئی نہیں تھا یا ان کے رشتے داروں کے پاس مال نہیں تھا، ایسے لوگوں کے لیے یہ شرط رکھی گئی کہ وہ اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے ہیں تو مدینہ منورہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ جب وہ پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں تو یہی ان کی طرف سے فدیہ ہو جائے گا اور وہ رہا کر دیے جائیں گے۔

ان قیدیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بھی تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا ہار فدیے کے طور پر بھیجا۔ یہ ہار دراصل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ انھوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقعے پر انھیں دے دیا تھا۔ جب یہ ہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے فرمایا:

"اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے شوہر کو رہا کر دو اور اس کا یہ ہار بھی واپس کر دو۔"

صحابہ نے عرض کیا: "ضرور اے اللہ کے رسول۔"

اس طرح ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار بھی لوٹا دیا گیا۔ ابوالعاص سے یہ وعدہ لیا گیا کہ وہ مکہ جاتے ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ

سنوا دیں گے۔ انھوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مکہ پہنچ کر
حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا:
"تم ابا جان کے پاس مدینہ چلی جاؤ۔"
قیدیوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے
بھائی ولید بن ولید بھی تھے۔ ان کے بھائیوں نے ان کا فدیہ
ادا کر کے رہا کرا لیا۔ جب یہ مکہ پہنچ گئے تو وہاں پہنچتے ہی اپنے
مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس پر ان کے بھائیوں نے
انھیں بہت برا بھلا کہا اور بولے:
"اگر مسلمان ہی ہونا تھا تو رہا ہونے سے پہلے ہی
کیوں اسلام قبول نہیں کر لیا؟"
ان کی بات کے جواب میں ولید بن ولید رضی اللہ عنہ
نے کہا:
"میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ لوگ میرے
بارے میں کہتے پھریں، یہ قید سے گھبرا کر مسلمان ہوا ہے۔"
مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے مدینہ منورہ ہجرت
کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے بھائیوں نے انھیں ہجرت
سے روک دیا اور وہیں قید کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان کی رہائی کے لیے دعا فرمائی، چنانچہ ایک روز مکہ سے نکل
بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے۔
ان قیدیوں میں حضرت سائب بھی تھے۔ انھوں نے
اپنا فدیہ خود ادا کیا، بعد میں مسلمان ہوئے۔ حضرت امام
شافعی رحمہ اللہ ان کی اولاد میں سے ہوئے۔
قیدیوں میں وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بھی
بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا باپ عمیر آپ صلی اللہ
علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مکے میں تکالیف پہنچایا کرتا تھا۔
بعد میں یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کو قتل کرنے کی نیت سے مکے سے روانہ ہوئے۔ زہر میں بجھی
تلوار لے کر چلے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد مسجد
نبوی کی طرف آئے۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند
دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے غزوہ بدر کی باتیں کر رہے
تھے۔ عمیر نے جونہی اپنی اونٹنی مسجد نبوی کے دروازے پر
بٹھائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ لیا۔ عمیر کے
ہاتھ میں اس وقت ننگی تلوار تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
انھیں دیکھتے ہی کہا:
"اللہ کا دشمن عمیر ضرور کسی برے ارادے سے آیا ہے۔"
یہ کہتے ہی آپ فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ
مبارک میں آئے اور بولے: "اے اللہ کے رسول! اللہ کا
دشمن عمیر بن وہب ننگی تلوار لیے آیا ہے۔"
آپ نے ارشاد فرمایا: "اسے میرے پاس لے آؤ۔"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً ان کے پاس آئے اور
انھیں اندر لے آئے۔ ساتھ ہی کچھ دوسرے مسلمانوں کو بھی
اندر لے آئے، تاکہ عمیر کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش
کریں تو وہ روک سکیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ، حضرت عمیر رضی اللہ
عنہ کو گردن سے پکڑ کر اندر لا
رہے ہیں، یہ دیکھتے ہی آپ
نے فرمایا: "عمر! اسے چھوڑ دو۔"
پھر حضرت عمیر رضی اللہ
عنہ سے فرمایا:
"عمیر! میرے قریب آؤ۔"
وہ قریب آئے اور بولے:
"صبح بخیر!"
اس پر آپ نے فرمایا:
"عمیر! ہمیں اسلام
نے تمہارے اس سلام سے
بہتر سلام عطا فرمایا ہے، جو
جنت والوں کا سلام ہے، تم
کیسے آئے ہو؟"
وہ بولے: "میں اپنے قیدی
بیٹے کے سلسلے میں آیا ہوں۔"
اس پر آپ نے فرمایا: "پھر
اس تلوار کا کیا مقصد ہے؟"
انھوں نے کہا:
"میں واقعی اپنے قیدی بیٹے کے سلسلے میں آیا ہوں۔"
ان کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"یہ بات نہیں، اصل بات میں تمہیں بتاتا ہوں، ایک
دن تم اور صفوان بن امیہ حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے، تم
دونوں اپنے قتل ہونے والے عزیزوں کے بارے میں باتیں
کر رہے تھے جنھیں جنگ بدر میں قتل کر کے کنویں میں ڈالا گیا
تھا۔ اس وقت تم نے صفوان سے کہا تھا، اگر مجھ پر ایک قرض
نہ ہوتا اور اپنے بیوی بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں جا کر محمد کو قتل کر
دیتا۔ صفوان نے میرے قتل کی شرط پر تمہارا قرض ادا کرنے
اور بیوی بچوں کی ذمے داری لے لی، مگر اللہ تعالیٰ تمہارے
اور اس کے ارادے کے درمیان رکاوٹ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ
تمہارے اس ارادے کو پورا نہیں ہونے دیں گے۔"
حضرت عمیر یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ جب یہ باتیں
ہوئی تھیں تو وہاں ان کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ
اچانک بول اٹھے:
"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اے
اللہ کے رسول! آپ کے پاس آسمان سے جو خبریں آیا کرتی
ہیں، آپ پر جو وحی نازل ہوتی ہیں، ہم اسے جھٹلایا کرتے تھے
اور جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے تو اس وقت حجر اسود کے
آس پاس میرے اور صفوان کے سوا کوئی نہیں تھا، نہ ہی کسی کو
ہماری اس گفتگو کی خبر ہے، کیونکہ ہم نے آپس میں رازداری کا
عہد کیا تھا۔ اس لیے اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کو کوئی
اس گفتگو کی خبر نہیں دے سکتا تھا۔ بس حمد و ثنا ہے اس ذات
باری تعالیٰ کے لیے جس نے اسلام کی طرف ہماری رہنمائی
اور ہدایت فرمائی اور مجھے اس راستے پر چلنے کی توفیق بخشی۔"
اس کے بعد حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت
پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:
"اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو، انھیں قرآن پاک
پڑھاؤ اور ان کے قیدی کو رہا کر دو۔" (جاری ہے)

اٹھالی جائے گی

حضرت غضیف بن حارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:
"جب بھی کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرے گی، ان میں
سے ایک سنت اٹھالی جائے گی۔ اس لیے سنت کو مضبوطی سے
پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔" (مشکوٰۃ)

صحابہ نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور ان کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:
"اے اللہ کے رسول! میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اللہ کے اس نور کو بجھا دوں اور جو لوگ اللہ کے دین کو قبول کر چکے تھے، انہیں زبردست تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیں، تاکہ میں مکہ والوں کو اللہ کی طرف بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں، ممکن ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ معظمہ جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ مکہ واپس پہنچ گئے۔ ان کے مکہ پہنچنے سے پہلے صفوان بن امیہ نے مکہ کے لوگوں کو کہہ رکھا تھا:
"بہت جلد میں تمہیں خوش خبری سنانے والا ہوں۔ اس خوش خبری کے نتیجے میں تم جنگ بدر کی شکست کو بھول جاؤ گے۔"

پھر جب مدینہ منورہ سے آنے والے کسی شخص نے وہاں پہنچ کر بتایا کہ عمیر مسلمان ہو چکے ہیں تو وہ صفوان بن امیہ کو بڑا صدمہ ہوا اور حلف اٹھایا کہ کبھی عمیر سے بات نہیں کروں گا اور نہ اپنی ذات سے انہیں کوئی نفع پہنچنے دوں گا۔

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو سیدھے اپنے گھر گئے۔ وہاں انہوں نے گھر والوں کے سامنے اپنے اسلام قبول کر لینے کا اعلان کیا اور انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ اس کے بعد وہ صفوان کے پاس گئے اور کہا:
"تم ہمارے سردار ہو، ہم پہلے پتھروں کو پوجا کرتے تھے، ان پتھروں کے نام کی قربانیاں دیا کرتے تھے۔ بھلا یہ بھی کوئی دین ہوا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

صفوان نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ (یہ صفوان فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے)

اسی طرح قیدیوں میں ابوعزیز بن عمیر بھی تھا۔ یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا سگا بھائی تھا۔ ابوعزیز کا بیان ہے:
"میرے پاس سے میرے بھائی مصعب بن عمیر گزرے تو اس شخص سے جس نے مجھے گرفتار کیا تھا کہنے لگے کہ اسے مضبوطی سے باندھ کر رکھو، کیونکہ اس کی ماں بہت دولت مند ہے، ہو سکتا ہے، وہ بہت زیادہ دولت دے کر اسے چھڑائے۔"

ابوعزیز کی والدہ نے چار ہزار درہم بھیج کر اسے رہا کرایا۔

ان جنگی قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لوگوں نے انہیں بہت سختی سے باندھ رکھا تھا۔ اس لیے حضرت عباس رات بھر کراہتے رہے۔ ان کی تکلیف کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رات بھر جاگتے رہے۔ کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا:
"اللہ کے رسول! آپ رات بھر کیوں جاگتے رہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"اپنے چچا کے کراہنے کی وجہ سے۔"

اسی وقت ایک شخص اٹھا، اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ ان

13 اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

کے ساتھ ہی دوسرے تمام قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دی گئیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ابو یسر رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا۔ وہ چھوٹے قد کے دبلے پتلے آدمی تھے جب کہ ان کے مقابلے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ لمبے قد کے اور طاقت ور جسم والے تھے۔ یہ بات محسوس کر کے کسی نے حضرت عباس سے پوچھا:

"آپ اتنے قد آور اور طاقت ور ہیں اور ایک دبلے پتلے اور چھوٹے قد کے آدمی کے ہاتھوں کیسے گرفتار ہو گئے۔"

اس کی بات کے جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:
"اصل بات یہ ہے کہ جب ابو یسر میرے سامنے آئے تو وہ مجھے پہاڑ جیسے نظر آئے تھے۔"

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابو یسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا:
"تم نے عباس کو کیسے گرفتار کر لیا۔"

انہوں نے جواب میں کہا:
"اے اللہ کے رسول! انہیں گرفتار کرنے میں ایک مبارک فرشتے نے میری مدد کی تھی۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا فدیہ خود ادا فرمایا۔ اپنے ساتھ انہوں نے اپنے بھتیجوں عقیل بن ابو طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی ادا کیا۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:
"یہ فدیہ ادا کرنے کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ میں بالکل تنگ دست ہو گیا ہوں۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اور اس مال کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہوتے وقت ام فضل یعنی اپنی بیوی کو دے آئے تھے اور آپ نے ان سے کہا تھا کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو یہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حیرت زدہ رہ گئے، کیونکہ اس بات کا علم انہیں اور ان کی بیوی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پکار اٹھے:
"خدا کی قسم! میں جان گیا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات جو آپ نے بتائی ہے، میرے اور ام فضل کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

نوٹ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اقوال کے مطابق وہ دلی طور پر پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ اعلان اس وقت کیا تھا۔)

جنگ بدر کے چند قیدی ایسے بھی تھے جنہیں فدیہ لیے بغیر ہی رہا کر دیا گیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان فرمایا۔ ان میں سے ایک ابوعزہ عمرو جمحی تھا۔ یہ شاعر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف اشعار لکھا کرتا تھا اور اس طرح آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ قید کی حالت میں اس نے کہا:
"اے اللہ کے رسول! میں ایک غریب اور بال بچوں والا آدمی ہوں، آپ جانتے ہیں، میں بہت ضرورت مند ہوں، فدیہ کہاں سے ادا کر سکوں۔ لہٰذا آپ مجھ پر احسان فرما دیجیے۔"

چنانچہ آپ نے اسے رہا کر دیا۔ رہا کرتے وقت آپ نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ کسی مسلمان کو نہیں ستائے گا۔ اس نے وعدہ کر لیا، لیکن جب یہ مکہ معظمہ پہنچا تو لوگوں سے کہنے لگا: "محمد نے مجھ پر جادو کر دیا تھا۔"

مطلب یہ کہ اس نے وعدہ خلافی کی۔ غزوہ احد کے موقع پر یہ پھر گرفتار ہوا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کی خبر شاہ حبشہ کو پہنچی تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابھی حبشہ ہی میں تھے۔ شاہ حبشہ نے انہیں بلایا اور کہا:
"میں نے تمہیں ایک خوش خبری سنانے کے لیے بلایا ہے۔ تم اس خوش خبری کو سن کر خوش ہو جاؤ گے۔ تمہارے علاقے سے میرا ایک آدمی آیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فتح عطا فرمائی ہے اور ان کے دشمنوں میں سے فلاں فلاں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے بہت سے مشرکوں کے نام بتائے ہیں۔ یہ جنگ جس میدان میں ہوئی ہے اس کا نام بدر ہے۔ وہاں پیلو کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔"

اس وقت شاہ نجاشی زمین پر بیٹھے تھے اور انھوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

"آپ آج پھٹے پرانے کپڑے پہنے زمین پر کیوں بیٹھے ہیں؟"

جواب میں نجاشی نے کہا:

"عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو کتاب اتاری اس میں ہم یہ لکھا پاتے ہیں کہ بندوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی نعمت اور خوش خبری حاصل ہو تو وہ تواضع اور انکساری کے اظہار میں مٹی پر بیٹھ کر اس نعمت کو بیان کریں۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔"

غزوہ بدر میں صرف 14 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جب کہ 70 کافر مارے گئے جن میں زیادہ تر بڑے بڑے سردار تھے۔ 70 کافروں کو قیدی بنایا گیا۔ ان میں سے کچھ بعد میں مسلمان ہوئے۔

بدر میں تین سو تیرہ مسلمان شریک ہوئے۔ تعداد کی روایات میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور روایت 313 والی ہی ہے۔ ان حضرات کی بہت فضیلت آئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا کہ تم جو چاہو کرو، جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی۔"

لیکن اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ بدر میں شریک ہونے والوں کو گناہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ نہیں۔ دراصل یہ تو ان کے فضائل کا بیان ہے۔ تاہم بشری تقاضے کے تحت اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا بھی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حضرات سے بڑھ کر توبہ کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔ ان کے درجات اس سے اور بلند ہوتے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات مزید بلند کرے۔ آمین۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے جنگ کی نیت سے نہیں نکلے تھے، بلکہ آپ کا مقصد تو صرف قریش کے قافلے کو روکنا تھا، جس کے سردار ابوسفیان تھے۔

ابن ابی حاتم نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مدینہ منورہ میں فرمایا:

"مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ آ رہا ہے۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تم اس تجارتی قافلے کے لیے نکلو۔ کیا خبر اللہ تعالیٰ اس قافلے کے اموال کو بطور غنیمت ہمیں عطا فرما دیں۔"

صحابہ نے عرض کیا:

"ہمیں یہ بات پسند ہے۔"

اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ ایک یا دو روز کی منزل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کفار مکہ کو ہماری روانگی کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ تیار ہو کر ہمارے مقابلے اور جنگ کے لیے آ رہے ہیں۔ تم بھی ان سے جہاد اور قتال کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! (ظاہر میں) ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ہم مٹھی بھر جماعت قریش کے اس مسلح لشکر جرار کا مقابلہ کر سکیں۔ ہم تو ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے۔ ہمیں تو اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ قریش سے اس طرح مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اگر معلوم ہوتا تو تیار ہو کر نکلتے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنی بات دہرائی تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم آپ کے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے، ہر طرف سے اور ہر طرح سے لڑیں گے۔" (فتح الباری)

معلوم ہوا، آپ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے جب کہ قریش مکہ اس قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے۔ لہٰذا جن لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ آپ جنگ کے ارادے سے نکلے تھے، وہ درست نہیں۔ تاہم صرف جنگ کی غرض سے نکلنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عین جائز تھا۔ کفار نے تیرہ سال تک ظلم ڈھایا تھا اور ہر طرح کا جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا اور مسلمانوں کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد بھی برابر دھمکیاں دے رہے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ لہٰذا ان کے خلاف نکلنے کو جائز نہ سمجھنا عقل کے خلاف ہے۔ (جاری ہے)

ہمارے اسلاف

محمد بن سماعہ رحمہ اللہ بہت بڑے عالم تھے۔ اپنے کام میں اس قدر ڈوبے رہتے تھے کہ آس پاس کی کوئی خبر نہیں رہتی تھی۔ ایک رات باندی کھانا لے کر آئی تو کہنے لگے:

"میں ابھی نہیں کھا سکتا۔"

یہ کہہ کر پھر کام میں مصروف ہو گئے۔ بے چاری باندی کافی دیر تک انتظار کرتی رہی۔ جب انتظار کرتے کرتے تھک گئی تو خود ہی تھوڑا تھوڑا کر کے منہ میں ڈالنے لگی۔ اسی حالت میں کھانا تمام ہو گیا اور صبح کی اذان ہوئی تو باندی سے بولے:

"ام مدام! آج رات میں بہت مشغول رہا، اب کھانے کو کچھ ہے تو لے آئیے۔"

ام مدام نے جواب دیا:

"حضور! کھانا تو میں نے آپ کو کھلا دیا تھا۔"

کہنے لگے:

"مجھے تو پتا بھی نہیں چلا۔"

یہ ہے ہمارے اسلاف کی شان جو اس امت کے لیے اس قدر فکر مند تھے۔ آج ہم اپنے اکابر کی باتیں سنتے ہیں، لیکن ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

اسلامی جنگیں 14

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ ان قبیلوں کے نام بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی نضیر تھے۔ یہ تینوں قبیلے دولت مند تھے۔ سود وغیرہ کا کام کیا کرتے تھے یعنی ساہوکار تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر رکھا تھا۔

جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو شاندار فتح ہوئی تو یہ مسلمانوں سے حسد کرنے لگے اور دشمنی پر اتر آئے۔ صلح کا معاہدہ ختم کر دیا۔ ان تین میں سے سب سے پہلے معاہدے کی خلاف ورزی بنی قینقاع نے کی۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک عرب عورت اپنا تجارتی سامان لے کر وہاں آئی۔ اس سامان میں اونٹ اور بکریاں بھی تھیں۔ اپنا یہ مال اس نے بنی قینقاع کے بازار میں فروخت کیا۔ اپنا مال فروخت کر کے وہ عورت ایک دکان پر بیٹھ گئی۔ چونکہ مسلمان تھی، اس لیے اپنا بدن اور چہرہ چھپائے ہوئے تھی۔ ایسے میں چند اوباش یہودیوں نے اسے چہرہ کھولنے کے لیے کہا۔ اس عورت نے چہرہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ دکان دار بھی یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس نے عورت کے نقاب کو پیچھے سے کھینچ دیا۔ اس طرح اس کا چہرہ اچانک کھل گیا۔ اس پر یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ عورت نے ان کی اس بے ہودگی پر چیخنا شروع کر دیا۔ ایسے میں ایک مسلمان وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے یہودیوں کی یہ بے ہودگی دیکھی تو اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ یہودی جوہری پر جھپٹا اور تلوار سے اس پر وار کیا۔ یہودی فوراً ڈھیر ہو گیا۔ اب باقی یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور اسے شہید کر دیا۔ جب یہ واقعہ ہو گیا تو مسلمانوں نے آوازیں دے کر دوسرے مسلمانوں کو جمع کر لیا۔

یہودیوں سے صلح کا معاہدہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ رونما ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

"اس قسم کی حرکتوں کے لیے ہمارا ان کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اب عبادہ بن صامت اس معاہدے سے بری ہو گئے۔"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کا ساتھی ہوں۔ ان کافروں سے جو معاہدہ ہوا تھا، اب میں اس سے بری ہوتا ہوں۔"

اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت 51،52 نازل فرمائی۔

"اے ایمان والو! تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو جمع کر کے فرمایا:

"اے یہودیوں کے گروہ! تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی چیز نازل ہونے سے بچنے کی کوشش کرو، جیسی بدر کے دن قریش کے اوپر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے مسلمان ہو جاؤ، کیونکہ تم جانتے ہو، میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو اور تم اس عہد کو بھی لکھا ہوا پاتے ہو جو اللہ نے تم سے لیا تھا۔"

اس پر یہودیوں نے کہا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم والوں کی طرح ہیں۔ اس دھوکے میں نہ رہیں، کیونکہ اب تک آپ کو ایسی قوموں سے واسطہ پڑا ہے جنھیں جنگ اور اس کے طریقے معلوم نہیں، اس لیے آپ نے انھیں آسانی سے شکست دے دی، لیکن اللہ کی قسم! اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا ہے۔ آپ نے اب تک ہم جیسوں سے جنگ نہیں کی۔"

ان کے ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں یہ لوگ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ تھے بھی تمام یہودیوں میں زیادہ دولت مند اور بہت سخت گیر، حد درجے کے سرکش تھے۔

اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی آیت 12 نازل فرمائی۔

ترجمہ: "آپ ان کافروں سے فرما دیجیے کہ عنقریب تم مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب کیے جاؤ گے (یعنی شکست کھاؤ گے) اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور وہ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔"

یہودی دھمکی دینے کے بعد اپنی حویلیوں کے اندر قلعہ بند ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کا پرچم سفید رنگ کا تھا۔ اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔

کوچ کرنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ پھر آپ روانہ ہوئے اور یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا۔ آپ نے شوال کی پندرہ تاریخ کو کوچ فرمایا تھا۔ ذی قعدہ کا چاند نظر آنے تک وہیں رہے۔ اس شدید محاصرے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے

یہودیوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری کردی۔

اس وقت چار سو یہودی اپنے قلعوں کی حفاظت پر مقرر تھے۔ ان کے علاوہ تین سو جنگجو اور تھے۔ یہ زرہ پوش تھے۔

آخر یہودی اس محاصرے سے تنگ آ گئے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔

جب بنی قینقاع اپنی حویلیوں سے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

"انھیں رسیوں سے جکڑ دیا جائے۔"

چنانچہ انھیں جکڑ دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا۔

اس وقت عبداللہ ابن ابی ابن سلول منافقوں کا سردار آڑے آگیا اور ان کی سفارش کرنے لگا۔ وہ یہودیوں کا بہت بڑا طرف دار تھا۔ اس نے گڑگڑا کر کہا:

"اے محمد! میرے ان غلاموں یعنی میرے دوستوں کے ساتھ اچھا معاملہ کریں۔"

آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا لیکن وہ برابر پیچھے پڑا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

"اچھا ٹھیک ہے۔"

آپ ان یہودیوں کو قتل کرنے سے رک گئے۔ تاہم آپ نے حکم فرمایا:

"ان یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے مدینہ منورہ سے نکال دیا جائے۔"

ان لوگوں کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کرنے کی ذمے داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ بن صامت کے سپرد فرمائی۔ یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکلنے کے لیے تین دن کی مہلت دی گئی۔ پھر تین دن بعد وہ سب نکل گئے اور ملک شام کی ایک بستی کے میدانوں میں جا بسے۔

ان کے چلے جانے سے پہلے عبداللہ ابن ابی ابن سلول ایک بار پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پھر کہا:

"آپ یہودیوں کو معاف کردیں اور انھیں پھر مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔ اس نے آپ کے پیچھے اندر جانا چاہا لیکن ایک صحابی نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اس کا منہ دیوار سے جا لگا۔ مطلب یہ کہ اس کی یہ کوشش بھی ناکام گئی۔

یہودیوں کے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مکانات سے بے شمار ہتھیار ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے تین کمانیں لیں۔ ان میں سے ایک کمان کو کتوم کہا جاتا تھا۔ کتوم کا مطلب ہے خاموش۔ اس کمان سے جب تیر چلایا جاتا تھا تو آواز نہیں نکلتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں اسی کمان سے تیر اندازی فرمائی تھی۔ اس میں سے تیر اندازی کے وقت چنگاریاں سی نکلتی تھیں۔ دوسری کمان کا نام روحا تھا اور تیسری کو بیضا کہا جاتا تھا۔ ان تین کمانوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں لیں۔ ان میں سے ایک کا نام سعدیہ تھا۔ اس زرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تھی۔ جب جالوت کو قتل کیا گیا تو اس وقت داؤد علیہ السلام یہی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ دوسری زرہ کا نام فضہ تھا۔ یہ آپ نے یہودیوں کے ہتھیاروں میں سے اپنے لیے منتخب فرمائی تھی۔

اس کے علاوہ آپ نے تین نیزے اور تین تلواریں بھی اپنے لیے پسند فرمائیں۔ ان میں سے ایک تلوار کا نام قلعی، دوسری کا بتار تھا۔ تیسری کا کوئی نام نہیں تھا۔ آپ نے خود اس کا نام صیف رکھا۔ (جاری ہے)

صدقہ

- صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کرتا ہے جیسے پانی آگ کو۔
- صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔
- صدقہ جہنم سے چھٹکارا ہے۔
- صدقہ آنے والی بلاؤں کو روکتا ہے۔
- صدقہ ستر بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔ اس میں کم درجہ جذام اور برص کا ہے۔

(**عذرا بشیر**۔ منڈی بہاؤالدین)

کیا چیز

لقمان حکیم رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے کہا:

"بیٹے کیا چیز سب سے کم ہے؟ کیا چیز سب سے زیادہ ہے؟ کیا چیز سب سے خوب صورت ہے؟ کیا چیز سب سے زیادہ ٹھنڈی ہے؟ کیا چیز سب سے زیادہ انسیت کا باعث ہے؟ کیا چیز سب سے تنہا ہے؟ کیا چیز سب سے زیادہ قریب ہے؟ کیا چیز سب سے زیادہ دور ہے؟"

ان کے بیٹے نے جواب دیا:

"سب سے کم چیز یقین ہے، سب سے زیادہ چیز شک ہے، سب سے خوب صورت چیز بندوں کے درمیان اللہ عزوجل کی مہربانی ہے جس کی وجہ سے لوگ آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ سب سے زیادہ ٹھنڈی چیز اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے عفو و درگزر اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کے لیے عفو و درگزر ہے۔ سب سے زیادہ انسیت و تسکین کا باعث تمہارا محبوب دوست ہے جو تمہارے ساتھ ایک ہی بند دروازے کے پیچھے ہو۔ سب سے زیادہ تنہا چیز مردہ جسم ہے کہ اس سے بڑھ کر تنہا کوئی نہیں ہوتا۔ سب سے زیادہ قریب آخرت ہے اور سب سے زیادہ دور دنیا ہے۔" (بحوالہ روضۃ العقلاء، ص 170)

15

اسلامی جنگیں

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

غزوہ احد شوال 3 ہجری میں پیش آیا۔ احد مدینے کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

"یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، جب تم لوگ اس کے پاس سے گزرو تو اس کے درختوں کا پھل تبرک کے طور پر کھا لیا کرو، چاہے تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو۔"

یہ آپ نے اس لیے فرمایا تاکہ کھانے کی رغبت ہو۔ اگر اس پر کھانے کی کوئی چیز نہ ہو تو برکت کے لیے ایک تنکا ہی منہ میں ڈال لیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

"احد پہاڑ جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ یعنی جنت کی سمتوں میں سے ایک بہت بڑی سمت ہے۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"احد پہاڑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔"

یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے تو اس کی تشریح علماء کرام نے یوں کی ہے کہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ میں محبت کا مادہ رکھ دیا ہو، جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کیا کرتے تھے اور جیسا کہ بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان میں اللہ کا خوف موجود ہے۔

قریش غزوہ بدر میں شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو ان کے چند بڑے بڑے لوگ جمع ہو کر ابوسفیان کے پاس آئے۔ یہ عبداللہ بن ابوربیعہ، عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ تھے۔ ابوسفیان اور یہ تینوں حضرات بعد میں مسلمان ہوئے۔ انھوں نے ابوسفیان سے کہا:

"بدر کی لڑائی میں ہمارے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان بہترین لوگوں کا خون تم سے فریاد کر رہا ہے، اس لیے اب مسلمانوں سے اگلی جنگ کی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔ تم جو تجارتی سامان لے کر واپس آئے تھے، وہ سامان ابھی جوں کا توں رکھا ہے۔ اس مال سے جنگ کا سامان خرید لیا جائے، تاکہ ہم اپنے مقتولین کا بدلہ مسلمانوں سے لے سکیں۔ ہم اس بات پر خوشی سے تیار ہیں کہ اس مال تجارت کے نفعے سے جنگ کی تیاری کی جائے۔"

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

"سب سے پہلے میں اس تجویز کو منظور کرتا ہوں اور بنی عبد مناف میرے ساتھ ہیں۔"

اس کے بعد سامان تجارت میں سے نفع الگ کر لیا گیا۔ اصل مال مالکوں کو دے دیا گیا۔ اس طرح پچاس ہزار دینار سے سامان جنگ خریدا گیا۔ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

اس سلسلے میں صفوان بن امیہ نے ابوعزہ سے کہا:

"اے ابوعزہ! تم ایک شاعر ہو۔ اپنے اشعار سے کام لو، اشعار پڑھ پڑھ کر لوگوں میں جوش پیدا کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ہم کامیاب رہے اور زندہ سلامت لوٹ آئے تو تمھیں مالا مال کر دوں گا اور اگر تم میدان جنگ میں مارے گئے تو تمھاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کی طرح رکھوں گا۔"

ابوعزہ بدر کی لڑائی میں قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اس کے پاس خود کو چھڑانے کے لیے فدیے کی رقم نہیں تھی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منت سماجت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو نہیں بھڑکائے گا۔ صفوان بن امیہ کی بات سن کر اس نے کہا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر احسان کیا تھا اور مجھے چھوڑتے وقت یہ عہد لیا تھا کہ میں مسلمانوں کے خلاف کسی کو نہیں بھڑکاؤں گا۔"

صفوان بن امیہ نے پھر لالچ دیا اور آخر وہ مسلمانوں کے خلاف اشعار پڑھ کر انھیں بھڑکانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شاعر مسافع بھی لوگوں کو جوش دلانے لگا۔

اسی طرح جنگ کی تیاریوں کے دوران جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی سے کہا:

"تم بھی ہمارے ساتھ جنگ پر چلو۔ بدر کی لڑائی میں میرے چچا کو حمزہ نے قتل کیا تھا۔ اگر تم نے حمزہ کو قتل کر دیا تو میں تمھیں آزاد کر دوں گا۔"

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ وحشی تیر اندازی کے بہت ماہر تھے اور ان کا نشانہ خطا نہیں جاتا تھا، چنانچہ یہ بھی جنگ پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس جنگ میں قریش نے اپنے ساتھ اپنی عورتوں کو بھی لے لیا تھا۔ یہ دف بجاتی ہوئی لشکر کے ساتھ چل رہی تھیں۔ مکہ کی ناچنے گانے والی عورتوں کو بھی ساتھ لے لیا گیا۔ قریش کی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی تھیں۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ ان میں ام حکیم بنت طارق بھی تھیں۔ یہ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھیں۔ بعد میں عکرمہ اور ان کی یہ بیوی بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک عورت سلافہ تھی۔ یہ اپنے شوہر طلحہ بن طلحہ کے ساتھ تھی۔ ایک اور عورت حضرت

مصعب بن عمیر کی والدہ تھیں۔

یہ سب عورتیں بدر میں قتل ہونے والے اپنے رشتے داروں پر بین کرتی چل رہی تھیں۔ اپنے مردوں کو جوش دلا رہی تھیں اور انھیں غیرت دلا رہی تھیں، تاکہ وہ میدان جنگ سے بھاگ نہ آئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی ان جنگی تیاریوں کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھیجی جو کہ مکہ معظمہ میں تھے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور قریش نے انھیں بھی جنگ میں ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ انھیں بدر میں قیدی بنا لیا گیا تھا تو کسی نے انھیں چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ اطلاع ایک خط کے ذریعے دی۔ خط انھوں نے بنی غفار کے ایک شخص کے ہاتھ بھیجا۔ اس سے خط لے جانے کا معاوضہ طے کیا اور کہا کہ وہ تین دن اور تین رات مسلسل سفر کرکے مدینہ منورہ پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط دے۔

اس شخص نے مسلسل تین دن اور رات سفر کیا اور خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قبا میں تھے۔ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو خط دیا تاکہ وہ پڑھ کر سنائیں۔ انھوں نے خط پڑھ کر سنایا۔

ادھر قریشی لشکر مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھا۔ اس لشکر میں تین ہزار آدمی تھے۔ ان میں کچھ حبشی بھی تھے۔

مکہ کے زیریں حصے میں ایک پہاڑ ہے۔ اس کا نام حبش ہے۔ اس جگہ رہنے والے لوگوں نے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ انھوں نے معاہدے میں یہ الفاظ لکھے تھے کہ یہ پہاڑ حبش جب تک باقی رہے گا، ہم لوگ ایک جان ہو کر قریش کے ساتھ رہیں گے اور ان کے مخالفوں کا مقابلہ کریں گے۔

مطلب یہ تھا کہ مرتے دم تک قریش مکہ کا ساتھ دیں گے، ان کے لیے جان کی بازی لگاتے رہیں گے۔ چونکہ یہ معاہدہ اس پہاڑ حبش کے دامن میں ہوا تھا، اس لیے ان لوگوں کو احابیش کہا جانے لگا۔ ان احابیش یعنی حبشیوں کے اس لشکر میں دو سو گھوڑ سوار، تین سو اونٹ سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ قریشی لشکر مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کے سامنے یعنی ذی حلیفہ کے مقام پر آکر ٹھہرا۔ ذی حلیفہ مدینہ والوں کا میقات ہے۔ اس جگہ سے وہ احرام باندھ کر جاتے ہیں۔ اس موقعے پر مدینہ منورہ کے منافقوں نے افواہوں کا بازار گرم کر دیا تاکہ مسلمان گھبرا جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کا حال معلوم کرنے کے لیے اپنے دو جاسوس روانہ کیے۔ انھوں نے واپس آکر قریشی لشکر کے بارے میں اطلاعات آپ کو دیں۔

ایک اور کام یہ ہوا کہ قریشی لشکر میں عمرو بن سالم خزاعی، بنی خزاعہ کے جوانوں کا ایک دستہ لے کر شامل ہو

توجہ فرمائیے

☆ شمارہ 387 میں کہانی "کتب خانے کا راز" سیدہ بنت قاری عارف حسن (ایبٹ آباد) کی تحریر کردہ تھی۔ غلطی سے اس پر دوسرا نام چھپ گیا تھا۔ قارئین نوٹ فرما لیں۔

☆ اس شمارے میں ص 5 کے شروع میں لکھا گیا "حیزوم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے فرشتے کا نام ہے۔" صحیح جملہ یہ ہے: "حیزوم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔" (مدیر)

تھا۔ ذی طول کے مقام پر پہنچ کر اچانک اس نے اپنے دستے سمیت قریش کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے قریشی لشکر کے بارے میں تمام تفصیلات سنا دیں۔ اس کے بعد واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔

قریشی لشکر نے مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف حال یہ تھا کہ حضرت سعد بن معاذ، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم مسلح ہو کر تمام رات مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام کو اپنا خواب سنایا:

"میں نے ایک گائے دیکھی جو ذبح کی جا رہی ہے، اپنی تلوار ذوالفقار کے ایک حصے میں ٹوٹ پھوٹ دیکھی۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بتایا: میں نے دیکھا کہ میری تلوار کا دستہ ٹوٹ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا، یہ دونوں باتیں کسی مصیبت کی طرف اشارہ ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ پہن رہا ہوں اور دشمن فوج کے سردار کے سر پر مسلط ہو گیا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

"آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر لی؟"

آپ نے فرمایا:

"جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے کچھ صحابہ شہید ہوں گے اور جہاں تک تلوار میں شگاف پڑنے کا تعلق ہے تو اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے گھر والوں یا خاندان والوں میں سے کوئی قتل ہوگا اور مضبوط زرہ کا مطلب مدینہ ہے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ خود آپ کی رائے یہ تھی کہ قریش پر حملہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر اپنا بچاؤ کیا جائے، چنانچہ فرمایا:

"اگر تمہاری رائے ہو تو مدینہ منورہ میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے۔ ان لوگوں کو وہیں رہنے دو جہاں وہ ہیں، اگر وہ وہاں پڑے رہتے ہیں تو وہ جگہ ان کے لیے بدترین ثابت ہوگی اور اگر ان لوگوں نے شہر میں آکر ہم پر حملہ کرنا چاہا تو ہم شہر میں رہ کر ان سے جنگ کریں گے اور شہر کے پیچ و خم کو ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ رائے دی تھی تو تمام بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ کی بھی یہی رائے تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ اس وقت ایک قلعے کی طرح تھا اور وہ ایسے کہ عمارتیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ملا کر بنائی گئی تھیں۔ (جاری ہے)

اس وقت لشکر میں نوجوان صحابہ بھی تھے۔ وہ اور کچھ پختہ عمر کے صحابہ یہ چاہتے تھے کہ شہر سے نکل کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔ ان میں زیادہ تر ایسے افراد تھے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور اس کا انھیں بہت افسوس تھا۔ اس مرتبہ وہ اپنے ارمان پورے کرنا چاہتے تھے۔ ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"ہمیں لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے باہر چلیے تا کہ وہ ہمیں کمزور اور بزدل خیال نہ کریں۔ اگر ہم باہر نہ نکلے تو ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔"

بعض انصاری صحابہ نے کہا:

"اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! جو دشمن بھی ہمارے مقابلے میں آیا، ہم سے شکست کھا کر گیا اور اب تو آپ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ دشمن ہم پر کیسے غالب آسکتا ہے۔ لہٰذا باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیجیے۔"

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ کے چچا تھے۔ انھوں نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن نازل کیا، میں اس وقت تک کوئی چیز نہیں کھاؤں گا جب تک کہ مدینے سے باہر دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کر لوں گا۔"

یہ حضرات یہ مشورہ دے رہے تھے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے، شہر میں رہ کر لڑا جائے۔ شہر سے باہر نہ نکلا جائے۔ جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو آخر آپ کو ان کی بات ماننا پڑی۔

آپ نے جمعے کی نماز پڑھائی اور لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا۔ انھیں حکم دیا:

"پوری تن دہی اور ہمت سے جنگ کریں۔ اگر تم لوگوں نے صبر سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔"

اس کے بعد آپ نے حکم فرمایا:

"دشمن کے سامنے جا کر لڑنے کی تیاریاں کی جائیں۔"

یہ سن کر لوگ خوش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ اس وقت تک وہ لوگ بھی جمع ہو گئے جو قرب و جوار سے آئے تھے۔ پھر آپ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گھر تشریف لے گئے۔ ان دونوں حضرات نے آپ کے سر مبارک پر عمامہ باندھا اور آپ کو جنگی لباس پہنایا۔ باہر لوگ آپ کے انتظار میں صف باندھے کھڑے تھے۔ اس وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا:

"تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کر دیا کہ باہر نکل کر لڑیں، حالانکہ آپ ﷺ شہر میں رہ کر لڑنا چاہتے تھے۔ اب بھی وقت ہے، یہ معاملہ آپ ﷺ پر چھوڑ دو۔ آپ جو حکم بھی کریں گے، اسی میں بہتری ہے۔ اس لیے آپ کی فرماں برداری کرو۔"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ نے جنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ آپ کے جسم پر دو زرہیں تھیں۔ ان میں سے ایک زرہ تو آپ کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر کے موقعے پر بھیجی تھی اور یہ وہی زرہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو یہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے چھڑایا تھا۔ یہ زرہیں بنی قینقاع کے مالِ غنیمت میں سے آپ نے لی تھیں۔

دونوں زرہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کے اوپر پہن رکھی تھیں۔ آپ نے اپنے پہلو میں تلوار لٹکا رکھی تھی۔ کمر پر ترکش تھا۔ اس لمحے لوگوں نے آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کی رائے کی مخالفت کریں یا آپ کو مجبور کریں۔ لہٰذا آپ جو مناسب سمجھیں کریں، شہر میں رہ کر لڑنا پسند فرماتے ہیں تو ایسا ہی کریں۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے تم سے یہیں شہر میں رہنے کے لیے کہا تھا مگر تم نے دوسری رائے دی۔ اب میں ہتھیار لگا چکا ہوں اور کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ہتھیار لگانے کے بعد دشمن سے مقابلہ کیے بغیر ان کو اتار دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعے پر تین پرچم تیار کرائے۔ ایک پرچم قبیلہ اوس کا تھا۔ یہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا پرچم مہاجرین کا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور ایک دوسری روایت کے مطابق یہ پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ تیسرا پرچم قبیلہ خزرج کا تھا۔ یہ حضرت حباب بن منظر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، یہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔

پھر آپ سکاب نامی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ تلوار کندھے سے لٹکائی۔ نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی، لیکن بعد میں یہ تعداد سات سو رہ گئی تھی، کیونکہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکر سے الگ ہو گیا تھا۔ اس طرح اس

نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔

آپ جب روانہ ہوئے تو آپ کے آگے آگے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما تھے۔ دونوں آپ کے دائیں بائیں تھے۔ ان دونوں کے جسموں پر بھی زرہیں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قائم مقام حضرت عبداللہ ابنِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ مدینہ منورہ سے کوچ فرما کر راستے میں آپ نے ایک بڑا فوجی دستہ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟''

لوگوں نے بتایا: ''اللہ کے رسول! یہ یہودی ہیں۔ ہمارے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہم مشرکوں سے لڑنے کے لیے کافروں کی مدد نہیں لیں گے۔''

(غور کا مقام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں سے لڑنے کے لیے کافروں کی مدد نہیں لی۔ آج کے مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑنے کے لیے کافروں سے مدد لے رہے ہیں)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے۔ آگے آپ نے شیخین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ شیخین دو پہاڑوں کا نام ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے لشکر کا معائنہ کیا۔ اس معائنے کے دوران آپ نے ان نوجوانوں کو لشکر سے الگ کر دیا جن کی عمریں چودہ اور پندرہ سال تھیں۔ ان حضرات میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت زید بن ارقم اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اسی طرح ان کم سن مجاہدوں میں حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انھیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس جانے کا حکم فرمایا تھا، مگر پھر رافع رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ان کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی تھی۔

جب ان کو اجازت مل گئی تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے کہا:

'' رافع کو تو جنگ کی اجازت مل گئی اور مجھے روک دیا گیا، حالانکہ میں رافع سے طاقت ور ہوں۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''اچھا! تم دونوں کی کشتی ہو جائے۔''

دونوں میں یہ کشتی شروع ہوئی۔ کشتی میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن حبشہ رضی اللہ عنہ کو بھی جنگ میں شرکت سے روک دیا تھا۔ حبشہ ان کی ماں کا نام تھا۔ یہ اپنی ماں کے نام سے ہی پکارے جاتے تھے۔ انھوں نے بعد میں غزوہ خندق میں شرکت کی تھی اور بہت سرفروشی سے لڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس بے جگری سے لڑتے دیکھا تو انھیں پاس بلایا، سر پر ہاتھ پھیرا۔ انھیں اور ان کی اولاد کو اور نسل میں برکت کی دعا دی۔ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ یہ چالیس بھتیجوں اور چالیس بھانجوں کے ماموں اور بیس بیٹوں کے باپ ہوئے۔ ان کی اولاد میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خاص شاگرد امام ابویوسف ؒ بھی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنھما کو بھی کم عمری کی وجہ سے واپس بھیجا۔ ان دونوں کو غزوہ بدر میں بھی واپس بھیجا گیا تھا۔

غرض آپ لشکر کے معائنے سے فارغ ہوگئے تو سورج غروب ہوگیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ کچھ دیر بعد عشا کی اذان ہوئی تو آپ ﷺ نے عشا پڑھائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ لشکر کی حفاظت کے لیے آپ نے اس رات محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو پچاس مجاہدوں کے ساتھ مقرر فرمایا۔ یہ حضرات تمام رات لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ جس جگہ آپ سو رہے تھے، وہاں ذکوان بن عبدقیس رضی اللہ عنہ نے پہرہ دیا۔ وہ آپ کے پاس سے ایک پل کے لیے بھی نہ ہٹے، کیونکہ سونے سے پہلے آپ نے فرمایا تھا:

''کون ہے جو آج رات صبح تک ہمارے پاس پہرہ دے۔''

اس پر ذکوان رضی اللہ عنہ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ صبح کے وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے رات خواب دیکھا ہے کہ فرشتے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے ہیں۔''

رات کے آخری حصے میں آپ نے شیخین سے آگے کوچ فرمایا۔ (جاری ہے)

چارقسمیں

غصّے کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

1 کچھ لوگوں کو جلدی غصہ آتا ہے اور جلدی زائل ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ نہ قابلِ تعریف ہیں نہ قابلِ مذمت۔
2 کچھ لوگوں کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے زائل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی نہ قابلِ تعریف ہیں نہ قابلِ مذمت۔
3 تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آتا ہے اور جلدی زائل ہو جاتا ہے۔
4 اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آتا ہے اور دیر سے زائل ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص 437)

ربّ کریم ہمیں بہترین انسان بنا دے۔ آمین۔

اسلامی جنگیں 17

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

مدینہ منورہ اور احد کے درمیان یعنی احد کے قریب صبح کا وقت ہوگیا۔ اس جگہ آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ اس جگہ کا نام شوط تھا۔ اس مقام پر منافق عبداللہ بن ابی ابن اپنے ساتھی منافقوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ [illegible] کا [illegible] چھوڑ کر [illegible] کے [illegible] تعداد تین سو تھی۔ واپس ہوتے ہوئے اس نے پھر بہانہ کیا:

"انھوں نے میری بات نہیں مانی۔ نوجوانوں کی رائے مان لی، جن کی رائے، کوئی رائے نہیں۔ اب خود ہی انھیں ہماری رائے کا پتا چل جائے گا۔ ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں کیوں دیں۔ اس لیے ساتھیو! واپس چلو۔"

واضح رہے کہ عبداللہ بن ابی کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ ہی میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ شہر سے نکل کر مقابلہ نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام بڑے بڑے صحابہ کی رائے بھی یہی تھی، مگر نوجوان صحابہ کی رائے یہ تھی کہ دشمن جب دروازے پر دستک دے رہا ہے تو اس کے اندر آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ باہر نکل کر تلواروں اور نیزوں سے اس کا استقبال کرنا چاہیے۔ نوجوانوں کا جوش اور جذبہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکل کر مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اسی کو عبداللہ بن ابی نے بھی بہانہ بنایا تھا، حالانکہ مسلمانوں کا ساتھ دینا تو اسے کسی طرح بھی منظور نہیں تھا۔

غرض یہ لوگ واپس چلے گئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو صحابہ کرام رہ گئے۔

اس موقعے پر مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ان میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور دوسرا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"کون ہے جو ہمیں قریب کے راستے سے دشمن کی طرف لے جائے۔"

آپ کا یہ فرمانے سے مطلب تھا کہ عام گزرگاہ کے بجائے کسی اور راستے سے لے جائے۔ اس پر حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! میں لے جاؤں گا۔"

چنانچہ حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کو بنی حارثہ کے محلے اور ان کی زمینوں میں سے نکالتے ہوئے ایک باغ میں لے آئے۔ یہ باغ ایک اندھے منافق کا تھا۔ وہ چیخنے چلانے لگا۔

"اگر تم خدا کے رسول ہو تو میں تمہیں اپنے باغ میں گھسنے کی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر مجھے معلوم ہو کہ میں مٹی پھینکوں اور وہ تمہارے منہ پر لگے گی تو میں اس مٹی کو ضرور تمہارے منہ پر مارتا۔"

اس کے یہ جملے سن کر حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹے اور انھوں نے اپنے کمان مار کر اس کا سر پھاڑ دیا۔ دوسرے مسلمان بھی غضب ناک ہو رہے تھے۔ انھوں نے اس شخص کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"اسے قتل نہ کرو، یہ اندھا دل کا بھی اندھا ہے۔"

آخر آپ احد کی گھاٹی تک پہنچ گئے۔ آپ نے یہاں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ پڑاؤ اس طرح ڈالا گیا کہ احد پہاڑ کو اپنی کمر پر رکھا گیا اور مدینہ منورہ کو اپنے سامنے رکھا گیا۔ اب مسلمانوں نے اپنی صفیں بنالیں۔ یہ صف بندی یہاں رات گزارنے کے بعد کی گئی۔ اس وقت صبح کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ اس مقام سے مسلمانوں کو مشرکوں کا پڑاؤ نظر آ رہا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور تکبیر کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بستہ صحابہ کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اس خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"میرے علم میں اب ایسا جو عمل بھی ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچانے والا ہو، وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں اور اس کا حکم دے چکا ہوں۔ اسی طرح میرے علم میں جو بھی ایسا عمل ہے جو تمہیں جہنم سے قریب کرنے والا ہے، وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں اور اس سے تمہیں روک چکا ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ وحی ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے حصے کے رزق کا ایک ایک دانہ نہیں حاصل کر لے گا، چاہے وہ کچھ دیر میں حاصل ہو مگر اس میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں نیک راستہ اختیار کرو، ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ رزق ملنے میں دیر لگنے کی وجہ سے تم اسے اللہ کی نافرمانی کر کے حاصل کرنے لگو، ایک مومن کا دوسرے مومن سے ایسا ہی رشتہ ہے جیسے سر اور بدن کا رشتہ ہوتا ہے کہ اگر سر میں تکلیف ہو تو سارا بدن درد سے کانپتا ہے اور بس تم پر سلام ہو۔"

غرض لشکر آمنے سامنے کھڑے ہوگئے۔ مشرک لشکر میں خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل لشکر کے دائیں اور بائیں تھے۔ یہ دونوں بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ دے کر روانہ فرمایا اور ان سے فرمایا:

"تم خالد بن ولید کی طرف رہنا۔"

پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس صحابہ کرام کے ساتھ پہاڑی درّے پر مقرر فرمایا اور ان سے فرمایا:

"تم مشرکوں کے گھوڑے سوار دستوں کو تیر اندازی کر کے روکنا، ایسا نہ ہو کہ وہ پیچھے کی طرف سے آ کر ہم پر حملہ کر دیں اور ہمیں چاہے فتح ہو یا شکست تم لوگ اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ جب تک کہ میں خود تمہیں نہ بلالوں۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمن پر فتح پا گئے ہیں، تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا جب تک کہ میں خود تمہیں نہ بلاؤں اور اگر تم دیکھو کہ ہم دشمن کو شکست دے کر ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گئے ہیں، تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے دیکھو تو بھی ہماری مدد کو نہ آنا اور نہ ہی دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لیے یہاں سے ہٹنا، بلکہ انھیں تیر اندازی سے ہی روکنا، کیونکہ گھوڑے سوار لشکر کو تیروں ہی کی بوچھاڑ سے روکا جا سکتا ہے جب تک تم اپنی جگہ پر جمے رہو گے، ہم دشمن پر غالب رہیں گے۔ اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک تلوار اٹھائی۔ اس تلوار پر یہ شعر لکھا تھا:

ترجمہ: "بزدلی شرم کی بات ہے اور روبرو ہونا عزت اور سربلندی کی علامت ہے۔ ایک بزدل شخص کی نہ کوئی عزت ہے، نہ قدر و منزلت۔"

یہ تلوار نکال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا۔"

اس پر کئی صحابہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی طرف بڑھے مگر آپ ﷺ نے وہ تلوار ان میں سے کسی کو نہ دی۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے ان

سے بھی فرمایا:

"بیٹھ جاؤ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اٹھے۔ آپ ﷺ نے تلوار انھیں بھی نہ دی۔ حضرت زبیر ﷺ نے بھی تین مرتبہ اٹھ کر تلوار لینا چاہی، مگر آپ نے ہر مرتبہ انکار کر دیا۔ آخر مجمعے میں سے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! اس تلوار کا حق کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"اس کا حق یہ ہے کہ اس سے دشمن کے منہ پر وار کر کے اسے کشتہ کیا جائے۔"

یہ سن کر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"میں اس کا حق ادا کروں گا۔"

آپ ﷺ نے وہ تلوار انھیں دے دی۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ بہت بہادر تھے۔ جنگ کے دوران اکڑ کر پرغرور انداز میں چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دونوں لشکروں کے درمیان اس طرح چلتے دیکھا تو فرمایا:

"یہ چال ایسی ہے جس سے اللہ نفرت کرتا ہے، سوائے اس قسم کے موقعوں کے۔"

یعنی جنگ کے دوران دشمن کے سامنے اس طرح اکڑ دکھانے کی اجازت ہے، کیونکہ دشمن کے سامنے اس قسم کی چال کا مطلب یہ ہے کہ ہم دشمن کی طاقت سے بالکل خوف زدہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کے جنگی سازوسامان کی کوئی پروا ہے۔

جب دونوں لشکر اپنی صفیں درست کرنے لگے تو ابوسفیان نے اپنے لشکر میں سے پکار کر انصاری مسلمانوں سے کہا:

"اے قبیلہ اوس! اے قبیلہ خزرج! تم لوگ ہمارے اور ہمارے ان خاندان والوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔"

اس پر انصاریوں نے حضرت ابوسفیان کو برا بھلا کہا۔ اس کے بعد مشرکوں میں سے ایک شخص اپنی صف سے نکل کر آگے آیا اور پکارا:

"میرے مقابلے پر تم میں سے کون آتا ہے۔"

کسی نے اس کی بات کا جواب نہ دیا۔ اس نے اپنے الفاظ پھر دہرائے۔ یہاں تک کہ جب اس نے تیسری بار کہے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اسلامی صفوں سے نکل کر اس کی طرف بڑھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیدل تھے۔ اس کے پاس پہنچ کر ایک دم زور سے اچھلے اور اس کے برابر پہنچ کر اس کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا۔ پھر اس سے لپٹ گئے۔ اب دونوں میں اونٹ کے اوپر ہی زور آزمائی ہونے لگی۔ ان کی زور آزمائی دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان میں سے جو پہلے زمین کو چھوئے گا، وہی قتل ہو جائے گا۔"

اس وقت وہ مشرک زور آزمائی کرتے کرتے زمین پر گرا۔ اس کے اوپر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گرے۔ انھوں نے فوراً ہی تلوار کے وار سے قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"ہر نبی کا حواری یعنی دوست ہوا کرتا ہے، میرے حواری زبیر ہیں۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر اس مشرک کے مقابلے پر زبیر نہ نکلتے تو میں خود نکلتا۔"

یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ آپ نے محسوس کیا تھا کہ اس مشرک کے للکارنے کے باوجود کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد مشرکوں کی صفوں سے ایک اور شخص نکلا۔ یہ طلحہ بن ابوطلحہ تھا۔ مشرکوں کا پرچم اسی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے آگے آ کر کہا:

"کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔"

اس نے بھی کئی بار للکارا مگر کوئی شخص اس کے مقابلے پر نہ آیا۔ اس پر اس نے کہا:

"محمد کے ساتھیو! تمہارا تو یہ خیال ہے کہ تمہارے مقتول یعنی شہید جنت میں جاتے ہیں اور ہمارے مقتول جہنم میں۔ تو تم میں سے کون ہے جو مجھے اپنی تلوار سے جہنم میں پہنچا دے یا میری تلوار کے ذریعے جنت میں پہنچ جائے۔ لات وعزیٰ (بتوں کے نام) کی قسم! تم جھوٹے ہو، اگر تمہیں اس پر یقین ہوتا تو تم میں سے کوئی نہ کوئی میرے مقابلے پر نکل آتا۔"

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلامی صفوں سے نکل کر مقابلہ کے لیے آئے۔ دونوں میں تلواروں کے وار شروع ہو گئے۔ ایسے میں اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار بلند کی۔ اس پر جھپٹے اور تلوار کے وار سے اس کی ایک ٹانگ کاٹ دی۔ ٹانگ کٹنے پر وہ اس طرح گرا کہ جسم کے پوشیدہ حصے کھل گئے۔ اس وقت اس نے کہا:

"میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور وہاں سے لوٹ آئے۔ اس پر مزید وار نہ کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"تم نے اسے قتل کیوں نہیں کیا۔"

"اس نے خدا کا واسطہ دے کر مجھ سے رحم کی بھیک مانگی تھی۔"

اس پر آپ نے فرمایا:

"جاؤ! اسے قتل کر آؤ۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے اور اسے قتل کر آئے۔ طلحہ کے قتل کے بعد مشرکوں کا پرچم اس کے بھائی عثمان بن ابوطلحہ نے اٹھا لیا۔ وہ آگے بڑھا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور کندھے پر سے اس کا بازو کاٹ ڈالا۔ ان کی تلوار عثمان کی ہنسلی کی ہڈی تک کاٹ گئی۔ حضرت حمزہ یہ کہتے ہوئے پلٹے:

"میں حاجیوں کے ساقی یعنی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔" (جاری ہے)

اس کے بعد مشرکوں کے پرچم کو عثمان اور طلحہ کے بھائی نے اٹھالیا۔ اس کا نام ابوسعید بن ابوطلحہ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا۔ تیر اس کے سینے میں لگا۔ وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد طلحہ بن طلحہ کے بیٹے نے پرچم اٹھایا۔ یعنی جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ اس پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا۔ وہ بھی مارا گیا۔ اس کا نام مسافع تھا۔ اس کے بعد مسافع کے بھائی حارث بن طلحہ نے پرچم اٹھایا۔ اس پر بھی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا، وہ بھی قتل ہوگیا۔

طلحہ کے دونوں بیٹوں مسافع اور حارث کی ماں بھی لشکر کے ساتھ آئی تھی:

اس عورت کا نام سلافہ تھا۔ اس کے یہ دونوں بیٹے اس کی گود میں سر رکھ کر مرے۔ جب پہلا بیٹا زخمی ہوکر سلافہ کے پاس آیا تو اس نے پوچھا:

"بیٹے تجھے کس نے زخمی کیا۔"

بیٹے نے جواب دیا:

"میں نے اس کی آواز سنی ہے جب اس نے مجھ پر تیر چلایا تو اس نے کہا تھا، لے اسے سنبھال۔ میں ابوافلح کا بیٹا ہوں۔"

دوسرے بیٹے نے بھی یہی بتایا۔

سلافہ سمجھ گئی کہ تیر انداز عاصم بن ثابت بن ابوافلح ہیں، چنانچہ اس نے منت مانی کہ اگر عاصم بن ثابت کا سر میرے ہاتھ لگا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ ساتھ ہی اس نے اعلان کیا کہ جو شخص عاصم بن ثابت کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا، میں اسے سو اونٹ انعام میں دوں گا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید نہیں ہوئے، بلکہ ان کے قتل کا واقعہ بعد میں پیش آیا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

غرض دونوں بھائیوں کے قتل کے بعد مسافع اور حارث کے بھائی نے وہ پرچم اٹھالیا۔ اس کا نام کلاب بن طلحہ تھا۔ اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا۔ اس کے بعد پرچم اس کے بھائی جلاس بن طلحہ نے اٹھایا۔ اسے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس طرح یہ چاروں بھائی وہیں قتل ہوگئے۔ ان کے ساتھ ان دونوں کے چچا یعنی عثمان اور ابوسعید بن ابو طلحہ بھی مارے گئے۔

ان کے قتل کے بعد کافروں کا پرچم ارطاۃ بن شرحبیل نے اٹھایا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس کے بعد قریشی پرچم شریح بن قارظ نے سنبھالا تو وہ بھی قتل

اسے حرمان ... حفص ... دیا۔ اس کے بعد شرحبیل بن ہاشم نے پرچم اٹھایا۔ وہ بھی مارا گیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے ایک غلام صواب نے پرچم اٹھایا۔ یہ ایک حبشی تھا۔ یہ لڑتا رہا، لڑتا رہا، یہاں تک کہ اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ یہ فوراً بیٹھ گیا اور اپنے سینے اور گردن کے سہارے پرچم کو اٹھائے رہا، یہاں تک کہ وہ بھی قتل ہوگیا۔

ابوسفیان نے قبیلہ عبدالدار کے لوگوں سے کہا تھا:

"اے بنی عبدالدار جنگِ بدر کے موقع پر تم نے ہمارا پرچم نہیں اٹھایا۔ اس کے نتیجے میں ہمیں جس تباہی سے دوچار ہونا پڑا، وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ جنگی پرچم اس خیال کے تحت ہاتھوں میں دیے جاتے ہیں کہ اگر پرچم گر گیا تو قوم کو شکست ہوجائے گی۔ اس لیے اے بنی عبدالدار! تم لوگ ہمارے پرچم کی ذمے داری سنبھال لو تو ٹھیک، ورنہ درمیان سے ہٹ جاؤ، ہم خود ہی یہ ذمے داری سنبھال لیں گے۔"

یہ سن کر بنی عبدالدار نے پرچم اٹھانے کا وعدہ کرلیا اور کہا:

"ہم یہ جھنڈا اٹھا رہے ہیں جب ہم دشمن سے ٹکرائیں گے تو آپ ہماری سرفروشی دیکھ لیں گے۔"

اب جب یہ لوگ ایک ایک کر کے قتل ہوگئے تو ان کا لشکر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گیا۔ مسلمانوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ان پر فیصلہ کن حملہ شروع کر دیا اور مشرکوں کو قتل کرنے لگے۔

ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن مشرکوں کے لشکر سے آگے آئے اور پکارے:

"کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔"

یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کی للکار سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت کر ان کے مقابلے میں نکلنا چاہا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اے ابوبکر! تم اس کے مقابلے پر نہ جاؤ۔ اپنی ذات سے ہمیں اور فائدے اٹھانے دو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رک گئے۔ مشرکوں کے گھوڑے سوار دستے نے تین بار حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی درّے پر جو پچاس تیرانداز مقرر کر رکھے تھے، ان کی زبردست تیراندازی کی وجہ سے یہ دستہ تینوں مرتبہ ناکام رہا۔ پچاس تیراندازوں نے ہر مرتبہ تیراندازی کر کے

کر لیا۔

یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ مشرکوں کو سخت نقصان پہنچا۔ لڑائی خوب زوروں پر تھی کہ کفار کے لشکر میں سے ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور دوسری عورتوں نے ہاتھوں میں دف سنبھال لیے۔ دف بجانے کے ساتھ ساتھ یہ عورتیں اپنے مردوں کو جوش دلانے کے لیے اشعار پڑھنے لگیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

''آگے بڑھو اے بنی عبدالدار! ہمت کرو، اپنی شگاف ڈال دینے والی تلواروں سے وار کرو۔ ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ غالیچوں پر چہل قدمی کرنے والیاں ہیں، اگر تم آگے بڑھو گے تو پھر ہم تمہاری ہیں اور اگر پیچھے ہٹو گے تو پھر تم ہمیں کبھی نہ پاسکو گے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کے یہ اشعار سنے تو فرمایا:

''اے اللہ! میں تجھ ہی سے طاقت چاہتا ہوں، تجھ ہی سے قدموں کا جمنا اور جواں مردی چاہتا ہوں اور تیرے ہی نام پر جنگ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے اور وہی سب سے بہتر سہارا اور ذمے دار ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو جو تلوار عنایت فرمائی تھی۔ انھوں نے واقعی اس کا حق ادا کیا۔ لوگوں میں ان کی تلوار بازی کے چرچے ہونے لگے:

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا تو میں نے تین مرتبہ یہ تلوار مانگی تھی، لیکن آپ نے تلوار مجھے نہیں دی تھی، حالانکہ میں آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہوں۔ آپ نے تلوار ابودجانہ کو دے دی تو مجھے اس وقت یہ بات ناگوار گزری تھی اور میں نے اپنے دل میں یہ کہا تھا کہ میں دیکھوں گا کہ یہ شخص یعنی ابودجانہ کیسے اس تلوار کا حق ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد میں ان کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہا، میں نے دیکھا کہ انھوں نے اپنے موزے میں اڑسی ہوئی ایک سرخ رنگ کی پٹی نکالی۔ اس پٹی کے ایک طرف لکھا تھا:

''اللہ کی مدد اور فتح قریب ہے۔''

اور دوسری طرف لکھا تھا:

''جنگ میں بزدلی شرم کی بات ہے۔ جو شخص میدان سے بھاگا، وہ جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتا۔''

ابودجانہ نے یہ پٹی نکال کر اپنے سر پر باندھ لی۔ جب انصاری مسلمانوں نے یہ دیکھا تو بول اٹھے:

''ابودجانہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے۔''

انصاریوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب ابودجانہ یہ پٹی سر پر باندھ لیتے ہیں تو پھر دشمن پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ جو بھی دشمن سامنے آجاتا ہے، وہ بچ کر نہیں جاسکتا۔

اس پٹی کے باندھنے کے بعد انھوں نے بہت شدید جنگ کی۔ بے شمار دشمنوں پر کاری وار کیے یہاں تک کہ انھوں نے اس تلوار کا حق اس طرح ادا کیا کہ وہ مڑ گئی اور خم کھا کر درانتی جیسی ہوگئی۔

اس وقت ایک مشرک زخمی مسلمانوں کو تلاش کر کے ان پر وار کر رہا تھا، اس نے سر سے پاؤں تک لوہے کی زرہ پہنی ہوئی تھی اور چیخ رہا تھا: ''دشمن کو باندھ باندھ کر مارو۔''

میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس شخص کا سامنا ابودجانہ سے ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی دعا قبول فرمالی۔ وہ ابودجانہ کے سامنے آگیا۔ دونوں میں تلواروں کے وار ہونے لگے۔ اچانک اس مشرک نے ابودجانہ پر تلوار بلند کی۔ انھوں نے اس کے وار کو چمڑے کی ڈھال پر روکا۔ مشرک کی تلوار ان کی ڈھال میں پھنس گئی۔ ابودجانہ نے فوراً ہی اپنی تلوار کا وار اس پر کیا اور وہ جہنم رسید ہوگیا۔ ایک اور موقعے پر میں نے دیکھا کہ ابودجانہ نے اپنی وہی تلوار حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو قتل کرنے کے لیے بلند کی، لیکن پھر فوراً ہی انھوں نے تلوار ہٹالی۔ انھوں نے عورت کو قتل کرنا پسند نہ کیا۔

ایک مرتبہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں خود کہا:

''میں نے پسند نہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کروں۔'' اس لیے میں اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی میدانِ جنگ میں زبردست جنگ کر رہے تھے۔ جنگ کے دوران سباع بن عبدالعزیٰ کا سامنا ان سے ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک عورت انمار تھی۔ یہ مشرک اس عورت کا بیٹا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو بولے:

''سامنے آ او انمار کے بیٹے! کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے آیا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی آپ نے تلوار کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ حضرت وحشی اس وقت مشرکوں کی فوج میں شامل تھے، ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بہت زبردست نشانہ باز تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حمزہ کو سباع بن عبدالعزیٰ کو قتل کرتے دیکھا۔ اسے قتل کرنے کے بعد وہ اس کی زرہ اتارنے لگے۔ میں انھیں دیکھ رہا تھا کہ ان کی تلوار بے تحاشہ لوگوں کو کاٹ رہی تھی۔ ایک جگہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیر پھسلا۔ اس سے ان کی زرہ ان کے پیٹ پر سے سرک گئی۔ میں نے جلدی سے کمان میں تیر چڑھایا اور نشانہ لے کر ان کے کھلے ہوئے پیٹ پر چلا دیا۔ تیر ان کی ناف کے نیچے پیوست ہوگیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نڈھال ہو کر گرے، میں جس جگہ چھپا ہوا تھا، وہاں سے نکلا اور ان کے پیروں کی طرف سے ان کی طرف بڑھا۔ اچانک انھوں نے اٹھ کر میری طرف رخ کیا مگر پھر تکلیف اور کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا کر گر گئے۔ میں پھر اپنی جگہ پر چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا جب یقین ہوگیا کہ ان کی روح پرواز کر چکی ہے تو ان کے قریب گیا۔ پھر میں نے اپنا تیر اٹھا لیا اور لشکر سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گیا، کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے سوا مجھے اس جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے کہ میں اس وقت جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور اس نے مجھے اس شرط پر آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ میں حضرت حمزہ کو شہید کر دوں اور یہ کام میں کر چکا تھا۔''

ایسے میں مشرکوں کا پرچم گر گیا، کوئی اسے اٹھانے کے لیے نہ آیا۔ مشرکوں نے جب دیکھا کہ ان کا پرچم گر گیا ہے تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور وہ بھاگنے لگے۔ (جاری ہے)

کچھ ہی دیر پہلے ان کی جو عورتیں خوش ہو رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں وہ دف پھینک پھینک کر پہاڑ کی طرف بھاگنے لگیں۔ یہ عورتیں چیختی چلاتی اور اپنے بال نوچتی بھاگ رہی تھیں۔ مسلمانوں نے کافروں کو یوں بدحواسی کے عالم میں بھاگتے دیکھا تو ان کا پیچھا کرنے لگے۔ ان کے ہتھیار اور مال جمع کرنے لگے۔ ایسے میں پچاس سواروں کا وہ دستہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی درّے پر مقرر فرمایا تھا اور انھیں یہ حکم فرمایا تھا کہ کسی بھی حال میں وہاں سے نہ ہٹیں، وہ بھی مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے میدان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ دیکھ کر اس دستے کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''خبردار! یہ جگہ نہ چھوڑو، ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی ہدایت ہے۔''

اس پر ان کے ماتحت سواروں نے کہا:

''مشرکوں کو شکست ہوگئی ہے۔ اب ہمیں یہاں ٹھہرنے کی کیا ضرورت رہ گئی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ چند دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم وہیں جمے رہے۔ انھوں نے مالِ غنیمت کے لیے دوڑ پڑنے والوں سے کہا:

''ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔''

اب اس درّے پر صرف دس آدمی رہ گئے ... ادھر مشرک بھاگ رہے تھے ... بھاگتے ہوئے مشرکین کے گھڑسوار دستے کے سالار خالد بن ولید کی نظر اس درّے پر پڑی ... جنگ کے دوران وہ اپنے دستے کے ساتھ اس طرف سے حملہ کرنے کی کوشش کر چکے تھے، لیکن پچاس تیراندازوں کی تیروں کی بوچھاڑ نے انھیں آگے بڑھنے نہیں دیا تھا ... اب انھوں نے دیکھا ... درّے پر اب صرف چند آدمی رہ گئے ہیں تو وہ اپنے دستے کے ساتھ چکر کاٹ کر آئے اور درّے پر موجود صحابہ پر حملہ آور ہوگئے ... ان کے ساتھ ہی عکرمہ بن ابوجہل بھی پلٹ کر ان سے آملے ... اس طرح ان کی طاقت میں اور اضافہ ہوگیا جب کہ ان کے مقابلے میں درّے پر اب صرف دس صحابہ رہ گئے تھے ... خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل زبردست جنگ جو تھے ... اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ... انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ زبردست حملہ کیا ... حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے آخری وقت تک مشرکوں کو روکنے کے لیے تیراندازی کی ... نہایت بہادری سے لڑے ... لیکن آخرکار انھوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا ... حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تو اتنے تیر لگے کہ ان کا جسم چھلنی ہوگیا ... ان مشرکوں نے ان کا مثلہ بھی کیا یعنی ان کے ہاتھ، پیر ناک، کان کاٹ ڈالے ... ان کے بدن پر نیزوں کے اتنے وار کیے کہ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں ...

اس کے بعد خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کے دستوں نے نیچے اتر کر ان مسلمانوں پر حملہ کر دیا جو مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے۔ وہ اپنی پشت کی طرف سے بالکل بے خبر تھے۔ مشرکوں کے گھوڑے سوار دستے اچانک ان کے سروں پر پہنچے اور ان لوگوں نے یا عزّیٰ یا ہبل کے نعرے لگاتے ہوئے انھیں اپنی تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔

اس اچانک حملے سے مسلمان بدحواس ہوگئے۔ بدحواسی کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اب تک انھوں نے جتنا مالِ غنیمت جمع کیا تھا یا جتنے مشرکوں کو قیدی بنایا تھا، وہ سب کچھ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ان کی صفیں بھی درہم برہم ہوگئیں۔ کوئی ترتیب نہ رہی۔ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔

اس وقت تک مشرکوں کا پرچم زمین پر گرا پڑا تھا۔ اس نئی صورتِ حال کو دیکھ کر ایک مشرک عورت عمرہ بن علقمہ نے اسے اٹھا کر بلند کر دیا۔ بھاگتے ہوئے مشرکوں نے اپنے پرچم کو بلند ہوتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ہے۔ چنانچہ بھاگتے مشرک رک گئے۔ پھر مسلمانوں کی طرف پلٹ پڑے اور ان پر حملہ آور ہوگئے۔ جو بھاگ کر دور چلے گئے تھے۔ وہ بھی جھنڈے کو دیکھ کر واپس آگئے اور جھنڈے کے گرد جمع ہوگئے۔

ایسے میں ایک مشرک ابن قمیہ نے یہ جھوٹا اعلان کر دیا:

''محمد قتل ہوگئے۔'' (نعوذ باللہ)

یہ اعلان کرنے کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ یہ روایت بھی آتی ہے کہ اعلان ابلیس نے کیا تھا۔ بہرحال اس ہولناک اعلان کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو شکست چند منٹ پہلے مشرکوں کو ہوئی تھی، وہ مسلمانوں پر لوٹ آئی۔ مسلمانوں میں بدحواسی کے ساتھ مایوسی بھی پھیل گئی۔ ان حالات میں کچھ لوگوں نے کہا:

''اب جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے ہیں تو تم اپنی قوم کے پاس لوٹ چلو، وہ تمھیں امان دیں گے۔''

جواب میں کچھ دوسرے مسلمانوں نے کہا:

''اگر اللہ کے رسول قتل ہوگئے ہیں تو کیا تم اپنے نبی کے دین کے لیے نہیں لڑو گے، یہاں تک کہ شہید ہو جاؤ اور اپنے اللہ کے سامنے حاضر ہو جاؤ۔''

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے انصاریوں سے کہا:

"اے گروہِ انصار! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے، اسے موت نہیں آسکتی، اپنے دین کے لیے لڑو، اللہ تمہیں فتح اور کامرانی عطا فرمانے والا ہے۔"

یہ سن کر انصاری مسلمانوں نے اپنے قدم روک لیے اور اس دستے پر حملہ کر دیا جس میں خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل شامل تھے۔ مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت کو حملہ کرتے دیکھ کر حضرت خالد بن ولید نے ان پر سخت جوابی حملہ کیا اور ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ اور ان کے انصاری ساتھیوں کو شہید کر دیا۔

مسلمانوں کی ایک جماعت پسپا ہو کر مدینہ کے قریب پہنچ چکی تھی کہ ان کے سامنے حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا آگئیں۔ وہ ان بھاگ کر آنے والوں کے چہروں پر خاک ڈالنے لگیں اور ان سے کہنے لگیں:

"لو! یہ تکلہ لو اور بیٹھ کر اون کاتو، تلوار مجھے دو، میں مشرکوں سے لڑوں گی۔"

یہ الفاظ سن کر وہ مسلمان واپس میدانِ جنگ کی طرف پلٹ گئے۔ بدحواسی اور افراتفری کے اس عالم میں مشرکوں کے ایک گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی مکمل ثابت قدمی دکھائی تھی۔ آپ ﷺ اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہٹے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر نکلتے دیکھا تو فرمانے لگے:

"اے فلاں میری طرف آؤ، اے فلاں میری طرف آؤ... میں اللہ کا رسول ہوں۔"

اِدھر مشرک آپ ﷺ پر تیر برسا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تیروں کا رخ پھیر رہے تھے۔ اس حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں اللہ کا رسول ہوں! اس میں جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

اس نازک موقعے پر صحابہ کرام کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمی رہی۔ یہ جماعت مشرکوں کے حملوں کو روک رہی تھی۔ یہ مسلمان پروانوں کی طرح آپ پر نثار ہو رہے تھے۔ ان حضرات میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جمے ہوئے تھے۔ دشمن کے وار اپنی ڈھال پر روک رہے تھے۔ یہ بہترین تیر انداز بھی تھے۔ ان کا نشانہ بہت پختہ تھا۔ انھوں نے اپنے تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکھیر دیے۔ وہ کہہ رہے تھے:

"اے اللہ کے رسول! میری جان آپ پر قربان! میرا چہرہ آپ کے لیے ڈھال بن جائے۔"

یہ کہتے جاتے تھے اور مسلسل تیر چلاتے جاتے تھے۔ کوئی مسلمان پاس سے گزرتا تو آپ اس سے فرماتے:

"اپنا ترکش ابوطلحہ کے سامنے الٹ دو۔"

مسلسل تیر اندازی کی وجہ سے اس روز حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے دو یا تین کمانیں ٹوٹیں۔ جس طرف سے تیر آتے، آپ ﷺ اس طرف رخ کر کے دیکھتے تو ابوطلحہ گھبرا کر کہتے:

"اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! دشمن کی طرف نہ دیکھیے، کہیں ان کا کوئی تیر آ کر نہ لگ جائے۔ آپ کے لیے میری گردن کٹ جائے۔"

عبداللہ فارانی

یہ الفاظ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت کہتے تھے جب آپ اوپر کو کھڑے ہو کر دشمن کی طرف دیکھنے لگتے تھے، یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ خود آپ ﷺ کے بالکل سامنے آجاتے تھے، تاکہ سامنے سے آنے والے تیر آپ ﷺ کو نہ لگیں۔

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی کمان سے تیر اندازی فرمائی۔ اس کمان کا نام مکتوم تھا۔ اس سے تیر اندازی کے وقت کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی تھی۔ آخر تیر اندازی کی وجہ سے اس کمان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ کمان کی بالشت بھر ڈوری رہ گئی۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے کمان کی ڈوری باندھنے کے لیے آپ ﷺ سے وہ لے لی، مگر وہ چھوٹی پڑ گئی۔ انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ ڈوری چھوٹی پڑ گئی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے کھینچو! پوری ہو جائے گی۔"

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں نے اس ذرا سی ڈوری کو کھینچا تو وہ کھنچ کر اتنی لمبی ہو گئی کہ کمان کے سرے پر کئی بل دے کر میں نے اسے مضبوطی سے باندھ دیا۔

آپ ﷺ کے اردگرد صحابہ کی جو جماعت تھی، وہ نہایت سرفروشی سے لڑ رہی تھی۔ ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بھی انھی تیر اندازوں میں سے تھے جنھوں نے آپ ﷺ کی کمان سے تیر اندازی کی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر مجھے دے رہے تھے، مجھے ایک ایسا تیر اٹھا کر دیا جس کی انی (نوک) نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے ساتھ میں فرمایا۔

"یہی تیر چلاؤ۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے آگے کر لیا۔ میں تیر چلاتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا:

"اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے، تو اسے اپنے دشمن کے جسم میں پیوست کر دے۔"

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے:

"اے اللہ کے رسول! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ اس کی تیر اندازی کو درست فرما۔ اس کی دعا کو قبولیت عطا فرما۔"

یہاں تک کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ترکش تیروں سے خالی ہو گیا تو آپ ﷺ نے اپنا ترکش ان کے سامنے الٹ دیا۔ اب وہ ان تیروں کو دشمن پر پھینکنے لگے۔

اس دعا کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو دعا مانگتے تھے وہ قبول ہو جاتی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار تیر چلائے اور ہر تیر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا:

"تیر اندازی کرو، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔"

(جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

20

عبداللہ فارانی

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے یہ جملہ کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، سوائے حضرت سعد کے اور کسی کے لیے استعمال کرتے ہوئے نہیں سنا۔''

اسی طرح حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ تیراندازی میں بہت ماہر تھے۔ لڑائی کے دوران اس نازک موقعے پر جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جمے رہے، ان میں یہ بھی شامل تھے۔ دشمن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بہت زیادہ دباؤ ڈال رہے تھے۔ اس دباؤ کے مقابلے میں حضرت سہیل رضی اللہ عنہ ثابت قدمی سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کا دباؤ کم ہوگیا اور اس کے قدم پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ برابر دشمنوں پر تیر برساتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں سے فرماتے جاتے تھے:

''سہیل کو تیر دیتے رہو۔''

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ غزوہ احد کے موقعے پر وہ یہ دیکھنے کے لیے نکلیں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں، ان کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ بھی تھا۔ یہ انھوں نے زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے ساتھ لے لیا تھا۔ جب یہ میدانِ جنگ میں پہنچیں، اس وقت مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا اور کافروں میں شکست کے آثار شروع تھے۔ پھر اچانک پانسہ پلٹ گیا۔ صحابہ کرام افراتفری کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگنے لگے تو مشرکوں نے چاروں طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور حملے کرنے لگے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچ گئیں اور تلوار کھینچ کر دشمنوں کو آگے بڑھنے سے روکنے لگیں۔ موقع ملتا تو دشمنوں پر تیر چلانے لگتیں، یہاں تک کہ یہ خود زخمی ہوگئیں۔ ان کے کندھے پر ایک گہرا زخم آیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کا کندھا کس نے زخمی کیا۔ جواب میں انھوں نے بتایا:

''ابن قمیہ نے۔''

یہ ابن قمیہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا تھا جب مسلمان تتر بتر ہوگئے۔ اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے: ''مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نشان دہی کردو، کیونکہ اگر آج وہ بچ گئے تو سمجھو میں نہیں بچا۔'' (یعنی آج یا تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا)۔''

جب وہ قریب آیا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا راستہ روکا۔ حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس پر کئی وار کیے، لیکن اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، اس لیے اس پر ان کا وار کارگر نہ ہوا۔ یہ حضرت امِ عمارہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں کہ اس جنگ میں ان کے خاوند زید بن عاصم رضی اللہ عنہ، ان کے دو بیٹے خبیب اور عبداللہ اور یہ خود، گویا گھر کے سب کے سب افراد شامل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے سب کو کمر بستہ دیکھ کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تم گھر والوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''اللہ تعالیٰ تمہارے گھرانے میں برکت عطا فرمائے۔''

اس پر امِ عمارہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

''ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ہم جنت میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

''اے اللہ انھیں جنت میں میرا رفیق اور ساتھی بنا۔''

اس پر حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا گزرتی ہے؟''

ان کا نام نسیبہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''احد کے دن میں دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا تھا، یہی نظر آتی تھیں۔ میرے بچاؤ کے لیے جان کی بازی لگا کر دشمنوں سے لڑ رہی تھیں۔'' غزوۂ احد میں حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا کے بارہ زخم آئے۔ ان میں نیزوں کے زخم بھی تھے اور تلواروں کے بھی۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن گئے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے سامنے منہ کر کے کھڑے ہوگئے تھے، یعنی کمر دشمنوں کی طرف کر لی تھی، تاکہ جو تیر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے، ان کی کمر پر آئے۔ اب جو تیر آتا، ان کی کمر پر لگتا۔ اس طرح ان کی کمر میں بے شمار تیر پیوست ہوگئے۔

حضرت زیاد بن عمارہ رضی اللہ عنہ بھی اس وقت آپ ﷺ کی حفاظت میں مردانہ وار لڑ رہے تھے۔ زخم پر زخم کھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے جسم پر اتنے زخم آئے کہ ان کی طاقت جواب دے گئی اور وہ گر پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انھیں میرے قریب لاؤ۔''

انھیں آپ ﷺ کے قریب لا کر لٹایا گیا تو انھوں نے اپنا منہ اور رخسار آپ ﷺ کے قدموں پر رکھ دیے اور اسی حالت میں شہید ہوگئے کہ رخسار آپ ﷺ کے قدموں پر تھے۔

یہ ہے وہ موت جو زندگی کا حاصل ہے۔ ایسی موت پر لاکھوں زندگیاں قربان۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنھوں نے جان دے کر موت کو زندگی سے بلند کر دیا۔

ادھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کرتے ہوئے ابن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ابن قمیہ نے خیال کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ انھیں شہید کرتے ہی واپس پلٹ گیا اور جاتے ہی قریش کو بتایا:

''میں نے محمد کو قتل کر دیا ہے۔'' (نعوذ باللہ)

اس حالت میں مشرک ابی بن خلف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

''محمد کہاں ہیں، آج یا تو وہ رہیں گے، یا میں۔''

اسے بہت سے مسلمانوں نے گھیر لیا اور آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے میری طرف آنے دو۔''

یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے اور اس سے فرمایا: ''اے جھوٹے! کہاں بھاگنا چاہتا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے ایک کے ہاتھ سے نیزہ لے لیا۔ یہ صحابی حضرت حارث بن صمہ یا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے نیزے کی نوک ابی بن خلف کی گردن سے بہت ہی آہستہ سے چھو دی۔ اس چھونے سے اس کی گردن سے خون بھی نہیں نکلا، بس خراش آ گئی تھی، لیکن اس خراش کے لگتے ہی وہ یہ چیختا ہوا وہاں سے بھاگا:

''خدا کی قسم! محمد نے مجھے مار ڈالا۔''

اس پر مشرکوں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور کہا:

''خدا کی قسم! تو بہت چھوٹے دل کا نکلا، تیری عقل جاتی رہی۔ ہے تو بڑا تیر انداز ہے اور ذرا سی خراش برداشت نہیں ہو رہی۔ اتنی سی خراش تو ہم میں سے کسی کی آنکھ میں بھی لگتی تو ہم اُف نہ کرتے۔''

یہ سن کر اس نے کہا:

''لات و عزیٰ کی قسم! اس وقت مجھے جتنی شدید تکلیف ہو رہی ہے، اگر وہ ذی المجاز کے میلے میں موجود لوگوں پر تقسیم کر دی جاتی تو سب کے سب مر جاتے۔''

ایک روایت میں اس کے الفاظ یوں آتے ہیں:

''اگر یہ تکلیف روئے زمین کے سارے انسانوں میں تقسیم کر دی جاتی تو وہ سب ختم ہو جاتے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک مرتبہ مکہ میں مجھ سے کہا تھا، میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ خدا کی قسم! زخم تو بڑی چیز ہے، اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو اسی لمحے ختم ہو جاتا۔''

اس مشرک نے ذی المجاز کے میلے میں شریک لوگوں کا ذکر اس لیے کیا کہ وہاں بہت ہجوم ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بلا وجہ نہیں فرمائی تھی۔ دراصل اس کے پاس ایک بہت بہترین گھوڑا تھا۔ یہ اسے ہر روز بہت سا چارہ کھلا کر موٹا کر رہا تھا اور کہا کرتا تھا:

''اے محمد! میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا۔''

اس کی بات کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''ان شاء اللہ! میں خود تجھے قتل کروں گا۔''

چنانچہ ایک مدت بعد آج وہ دن آ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بات کو پورا کر دکھایا۔

اس واقعے کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ غزوہ بدر میں ابی بن خلف گرفتار ہوا تھا۔ جب اس نے فدیہ ادا کر کے رہائی پائی تو اس نے اپنے گھوڑے کے بارے میں یہ باتیں کہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''نہیں! بلکہ میں ان شاء اللہ اسے قتل کروں گا۔''

غرض یہ ہلکا سا زخم کھا کر یہ مشرک چیختا چلاتا اور بلبلاتا واپس لوٹا۔ قریشِ مکہ اسے لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن راستے ہی میں سرف کے مقام پر ابی بن خلف نے دم توڑ دیا۔

حدیث میں ہے کہ اس شخص کو سب سے زیادہ عذاب ہوتا ہے جو کسی نبی کے ہاتھ سے قتل ہو۔

غرض مشرک بڑھ چڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کرتے رہے اور جانثار صحابہ آپ کا بچاؤ کرتے رہے۔

ابو عامر فاسق نے میدانِ احد میں بہت سے گڑھے کھود دیے تھے۔ یہ گڑھے جگہ جگہ تھے، تاکہ مسلمان ان میں گریں۔ یہ ابو عامر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ وہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جنھیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ انھی گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں پڑ گیا اور آپ ﷺ اس گڑھے میں گر گئے۔ ابو عامر کا نام عبد عمرو تھا۔ یہ کفر کی حالت میں سرزمین روم میں مرا، کیونکہ فتح مکہ کے بعد یہ وہاں سے فرار ہو کر روم چلا گیا تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے میں گرے تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ کے دونوں گھٹنے زخمی ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کو ہاتھوں میں لیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اوپر اٹھا کر باہر نکالا۔

آپ ﷺ کے گڑھے میں گرنے کا سبب بھی وہی بدبخت ابن قمیہ بنا تھا۔ اس نے جب آپ ﷺ پر تلوار کا وار کیا تو تلوار آپ ﷺ کی گردن پر لگی تھی، لیکن تلوار کے اس وار سے آپ ﷺ کی گردن پر کوئی زخم تو نہیں آیا تھا، البتہ جھٹکے سے گردن میں درد ایک ماہ تک رہا تھا۔ ادھر ساتھ ہی ابن قمیہ نے آپ ﷺ پر پتھر برسانے شروع کر دیے تھے۔ ان میں سے ایک پتھر آپ ﷺ کے پہلو میں لگا۔ اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ابی وقاص نے بھی آپ ﷺ پر ایک پتھر کھینچ مارا۔ یہ پتھر آپ ﷺ کے منہ پر لگا اور آپ ﷺ کے نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ ساتھ میں نچلا ہونٹ پھٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی:

''اے اللہ! ایک سال گزرنے سے پہلے اسے کفر کی حالت میں موت دے۔''

یہ عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور اسے اسی دن حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جب عتبہ کو آپ ﷺ پر حملہ کرتے دیکھا تو فوراً آپ ﷺ کی طرف آئے۔ اس وقت تک عتبہ وہاں سے ہٹ چکا تھا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! عتبہ کدھر گیا۔'' (جاری ہے)

21

اِسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سمت میں اشارہ فرمایا جس طرف وہ گیا تھا۔ میں فوراً اس کے تعاقب میں روانہ ہوا یہاں تک کہ ایک جگہ میں نے اسے جالیا۔ میں نے فوراً اس پر تلوار کا وار کیا۔ اس کی گردن کٹ کر دور جا گری۔ میں نے بڑھ کر اس کی تلوار اور گھوڑے پر قبضہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ نے اس کے مارے جانے کی خبر سن کر فرمایا:

''اللہ تم سے راضی ہوگیا، اللہ تم سے راضی ہوگیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر جو خود تھا وہ اس حملے میں ٹوٹ گیا تھا۔ دشمن کے مسلسل حملوں میں آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا اور کھال پھٹ گئی۔ آپ ﷺ کی طرف بڑھنے والوں میں عبداللہ بن شہاب زہری بھی تھے۔ یہ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ یہی عبداللہ امام زہریؒ کے دادا ہیں۔

انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچ کر دوسروں سے کہا تھا:

''بتاؤ! محمد کہاں ہیں آج یا تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا۔''

اس پر صفوان بن امیہ نے کہا:

''تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ہی کھڑے ہو اور پوچھ رہے ہو، وہ کہاں ہیں۔''

یہ سن کر عبداللہ بن شہاب زہری نے کہا:

''خدا کی قسم! میں نے انھیں نہیں دیکھا اور اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کی تو غیبی حفاظت کی جارہی ہے۔''

ابن قمیہ کے حملے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں رخسار بھی زخمی ہوگئے تھے اور زرہ کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں میں پیوست ہوگئی تھیں۔

ابن قمیہ نے جب آپ ﷺ پر وار کیا تو ساتھ ہی اس نے کہا:

''لو سنبھالو! میں ابن قمیہ ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تجھے ذلیل اور برباد کرے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں بددعا قبول فرمائی، چنانچہ اس جنگ کے بعد جب وہ اپنی بکریوں کے ریوڑ میں پہنچا تو انھیں لے کر پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اچانک ایک مینڈھے نے اس پر حملہ کر دیا۔ اسے اس زور سے سینگ مارا کہ یہ پہاڑ سے نیچے لڑھک گیا اور اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو آپ ﷺ خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جنھوں نے اپنے نبی کے چہرے کو اس کے لیے خون سے رنگین کر دیا کہ وہ انھیں ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے،

چنانچہ اسی واقعے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''آپ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یا تو ان پر متوجہ ہوجائیں اور یا انھیں کوئی سزا دے دیں، کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔'' (سورہ آل عمران:128)

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے کئی سرداروں کے نام لے کر لعنت فرمائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

جب آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا اور زخموں سے خون بہنے لگا تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو چوسا اور خون صاف کر دیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کا خون چوس کر تھوکا نہیں، بلکہ نگل گئے، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس کے خون میں میرا خون شامل ہوگیا، اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔''

آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کرکے یہ بھی فرمایا:

''جو شخص جنت کے باشندوں میں سے کسی کو دیکھنا چاہے، وہ انھیں دیکھ لے۔''

اس کے بعد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اسی لڑائی میں شہید ہوگئے۔ یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں جب خود کی دو کڑیاں پیوست ہوگئیں تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے خود کی کڑی کو پکڑ کر کھینچا۔ انھیں اس قدر زور لگانا پڑا کہ ان کا سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ پھر انھوں نے دوسری کڑی بھی دانت سے پکڑ کر کھینچی، اس کوشش میں ان کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

خود کی کڑیاں نکالنے والے صحابی حضرت عقبہ بن وہب بھی تھے۔ ایک روایت کے مطابق طلحہ بن عبیداللہ تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان تینوں حضرات نے باری باری کوشش کی ہو۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ سامنے کے دو دانت ٹوٹ جانے کے باوجود ان کی خوب صورتی میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا تھا۔

جنگ کے دوران جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور دشمنوں نے یہ افواہ اڑا دی کہ رسول اللہ قتل ہوگئے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کو زندہ سلامت دیکھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے آپ ﷺ کو آپ کی آنکھوں کی وجہ سے پہچانا جو خود کے نیچے سے روشن اور منور نظر آرہی تھیں، جونہی میں نے آپ کو پہچانا، میں پوری قوت سے چلا اٹھا:

''اے مسلمانو! تمھیں خوش خبری ہو، یہ اللہ کے رسول موجود ہیں۔''

جب سب مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور پہچان لیا تو سب پروانوں کی طرح آپ ﷺ کے گرد جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ ان سب کے ساتھ ایک گھاٹی کی طرف چلے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر

صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنھم تھے۔ اس روز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑی ثابت قدمی سے آپ کے ساتھ رہے۔ انھوں نے اس موقعے پر آپ ﷺ سے موت کی بیعت کی تھی، یعنی یہ عہد کیا تھا کہ آپ ﷺ کی محبت میں جان دے دیں گے مگر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

آپ ﷺ اس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے تو ایک مشرک عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ ایک سیاہ اور سفید گھوڑے پر آپ کی طرف بڑھا۔ وہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا، یعنی لوہے کی زرہیں اور خود وغیرہ پہنے ہوئے تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

''یا محمد زندہ رہیں گے یا میں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آواز سن کر ٹھہر گئے۔ اسی وقت عثمان بن عبداللہ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ ایک گھاٹی میں گر پڑا۔ اسی وقت حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف جھپٹے اور اس پر تلوار سے وار کیا۔ عثمان بن عبداللہ نے تلوار پر وار روک لیا۔ اب دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ اچانک حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے اس کے پاؤں پر وار کیا۔ اس کا پاؤں کٹ گیا۔ ساتھ ہی حضرت حارث نے دوسرا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ آپ ﷺ نے اسے قتل ہوتے دیکھا تو فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسے ہلاک کیا۔''

ادھر اسی وقت عبداللہ بن جابر عامری نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ اس کا یہ وار حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے کندھے پر لگا۔ وہ زخمی ہوگئے۔ اسی وقت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے لپک کر عبیداللہ پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی ساتھی حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو اٹھا لائے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ اس گھاٹی کے دہانے پر پہنچ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مشکیزے میں پانی لے آئے۔ پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے خون صاف کیا۔ ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے:

''ان لوگوں پر اللہ کا بہت سخت غضب ہوگا جنھوں نے اس کے نبی کو خون سے رنگین کر دیا۔''

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چٹان کے اوپر جانے کا ارادہ فرمایا جو گھاٹی کے اندر ابھری ہوئی تھی مگر جب آپ ﷺ چڑھنے لگے تو خون نکل جانے سے کمزوری کی وجہ سے چڑھ نہ سکے۔ کچھ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے جسم پر اس وقت دو زرہیں تھیں۔ ان کا بھی وزن تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے اس چٹان تک پہنچایا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

''طلحہ کے اس نیک عمل کی وجہ سے ان پر جنت واجب ہوگئی۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی ایک ٹانگ میں لنگڑاہٹ تھی، لنگڑا کر چلتے تھے، جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کاندھوں پر اٹھایا تو اس بات کی بہت کوشش کی کہ لنگڑاہٹ نہ ہو، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ اس خدمت پر اللہ کی طرف سے فوری طور پر یہ انعام ملا کہ ان کی لنگڑاہٹ ختم ہوگئی۔

اس موقعے پر آپ ﷺ نے پیاس محسوس کی۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے لیے ایک چشمے سے پانی لائے۔ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

صحابہ کرام کی خیریت معلوم کرنے کے لیے کچھ خواتین احد کی طرف آئیں۔ ان میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ انھوں نے اپنے والد، اللہ کے رسول ﷺ کو زخمی حالت میں دیکھا تو بے اختیار ہو کر آپ ﷺ سے لپٹ گئیں، پھر اپنی چادر کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے جلایا اور اس کی راکھ آپ ﷺ کے زخموں میں بھر دی۔ اس طرح آپ ﷺ کا خون رسنا بند ہوا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی اس جماعت کے ساتھ اس چٹان پر قیام فرما تھے تو اچانک قریش کی ایک جماعت پہاڑ کے اوپر پہنچ گئی۔ اس جماعت میں خالد بن ولید بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو دیکھ کر فرمایا:

''اے اللہ! ان کا غالب آجانا ہمارے لحاظ سے مناسب نہیں۔ اے اللہ ہماری طاقت اور قوت صرف آپ ہی کی ذات ہے۔''

اسی وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور انھیں پیچھے دھکیل کر پہاڑی سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر پورے مومن رہے۔'' (سورہ آل عمران: 139)

مشرکوں کی ایک اور جماعت پہاڑ پر نظر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''انھیں پسپا کرو۔''

انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں اکیلا اتنے لوگوں کو کیسے پسپا کروں۔''

آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

''انھیں پسپا کرو۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور نشانہ لے کر ان مشرکوں میں سے ایک پر چلایا... وہ تیر کھا کر گرا... حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دوسرا تیر نکالا، لیکن وہ دوسرا نہیں تھا... وہی تھا جو انھوں نے پہلے چلایا تھا... انھوں نے اسے کمان میں رکھا اور ایک اور مشرک کا نشانہ لے کر چلایا... وہ مشرک بھی تیر کھا کر گر پڑا... اب انھوں نے تیسرا تیر نکالا، یہ پھر پہلے والا تیر تھا... تیسری مرتبہ اسے چلایا تو تیسرے کو بھی قتل کر دیا... چوتھی مرتبہ انھوں نے پھر تیر نکالا... اب پھر وہی تیر نکلا... انھوں نے پھر تیر چلایا اور چوتھے کو ختم کر دیا... اس کے ساتھ ہی مشرکوں کی جماعت گھبرا کر واپس پلٹ گئی... اب جو انھوں نے دیکھا تو تیر پھر ترکش میں موجود تھا... انھوں نے سوچا، یہ تیر بہت مبارک ہے... اس کے بعد وہ تیر ہمیشہ ان کے پاس رہا... حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بعد یہ تیر ان کی اولاد کے پاس نسل در نسل رہا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں 22

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نمازِ ظہر پڑھائی، کیونکہ آپ ﷺ زخموں کی وجہ سے نڈھال تھے۔ آپ ﷺ کے پیچھے صحابہ نے بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھی۔ غالباً یہ نماز دشمن کے جانے کے بعد پڑھی گئی اور ایسا زخمی ہونے کی وجہ سے کیا گیا، کیونکہ زیادہ تر صحابہ بھی زخمی تھے۔ صحابہ کے زخموں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر کم و بیش 70 زخم آئے تھے۔ ان میں کچھ تو نیزوں اور برچھوں کے تھے اور کچھ تلواروں اور تیروں کے۔ ان کی انگلیاں بھی کٹ گئی تھیں۔

ان کی حالت بخاری کی ایک روایت میں یوں آئی ہے کہ یہ جس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرما رہے تھے، وہ لڑتے لڑتے زخمی ہو کر بیکار ہوگیا تھا۔ اس میں ایک تیر آ کر پیوست ہوگیا تھا۔ اس سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ یہاں تک کہ کمزوری کی وجہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے منہ پر چھینٹے مارنے لگے۔ اس سے انھیں ہوش آگیا۔ ہوش آتے ہی انھوں نے پوچھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا:

"خیریت سے ہیں اور مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

اس پر انھوں نے کہا:

"اللہ کا شکر ہے، ہر مصیبت کے بعد آسانی ہوتی ہے۔"

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے منہ پر اس لڑائی میں ضرب آئی۔ اس ضرب سے ان کے دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے علاوہ ان کے جسم پر بیس سے زاید زخم آئے تھے۔ ایک زخم ایک پیر پر بھی آیا تھا۔ اس زخم سے وہ لنگڑے ہوگئے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے جسم پر بیس زخم آئے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ میں سے اکثر حضرات بہت زیادہ زخمی تھے۔

غزوہ احد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بن ابو عامر فاسق بھی شہید ہوئے۔ ان کا باپ ابو عامر راہب کہلاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا لقب راہب کے بجائے فاسق رکھ دیا تھا۔ اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پکے سچے مسلمان تھے۔ جنگ کے دوران انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں۔ میں اپنے باپ کو قتل کردوں۔"

آپ نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ جنگ کے دوران حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے نزدیک پہنچ گئے۔ ابوسفیان گھوڑے پر تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ان کے گھوڑے پر وار کرکے اسے زخمی کردیا۔ اس پر ابوسفیان گھوڑے سے گر پڑے۔ ابوسفیان نیچے گرتے ہی چلانے لگے۔ ادھر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ان پر وار کرنے کے لیے تلوار بلند کی مگر اسی وقت شداد بن اسود نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پر وار کرکے انھیں شہید کردیا۔

ان کے شہید ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارے ساتھی یعنی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔"

ایک روایت میں الفاظ یوں آتے ہیں:

"میں فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان چاندی کے برتنوں میں صاف و شفاف پانی لیے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔"

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو بتایا کہ وہ ناپاکی کی حالت ہی میں میدانِ جنگ میں آگئے تھے، یعنی انھیں غسل کی ضرورت تھی۔ ایک دن پہلے ہی ان کی شادی ہوئی تھی۔ جس صبح وہ شہید ہوئے، اسی صبح کی رات ان کی شادی کی پہلی رات تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کی بات سن کر فرمایا:

"اب معلوم ہوا، فرشتے کیوں انھیں غسل دے رہے ہیں۔"

دراصل جنگ کے لیے روانہ ہونے کا اعلان صبح سویرے ہوا تھا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل کا وقت نہ مل سکا اور یہ اسی حالت میں میدانِ جنگ میں آگئے۔

اس جنگ میں جو مسلمان شہید ہوئے تھے، کافروں نے ان سب کی لاشوں کا مثلہ کیا تھا، یعنی ان کے ناک کان کاٹ ڈالے تھے۔ البتہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے ناک کان نہیں کاٹے گئے تھے۔ ان کا باپ ابو عامر فاسق کفار کے سرداروں میں سے ایک تھا۔ اس کی سرداری کا لحاظ کرتے ہوئے انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

ادھر جب حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے تمام شہیدوں کے ناک کان کٹے دیکھے تو انھیں بہت غصہ آیا۔ انھوں نے بھی کافروں کی لاشوں کے ناک کان کاٹنے کا ارادہ کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روک دیا۔

اس پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے اس وقت جو غصہ آیا تھا، وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر آیا تھا۔"

ان کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم نے سچ کہا، یہ لوگ اپنے نبی کے لیے بہت بری قوم ثابت ہوئے۔"

حضرت ابوسعید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم لوگ حضرت حنظلہ کے پاس پہنچے تو ان کے پاؤں سے پانی ٹپک رہا تھا۔"

جنگ کے دوران ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے:

"اے اللہ کے رسول! اگر میں اس جنگ میں قتل کردیا جاؤں تو مجھے کیا ملے گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جنت!"

اس وقت یہ صحابی کھجوریں کھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنتے ہی انھوں نے کھجوریں پھینک دیں اور جنگ کی آگ میں کود گئے۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔

جنگ کے دوران ایک مشرک صفوں میں سے نکل کر

سامنے آیا۔ وہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا۔ اس نے مقابلے کے لیے للکارا:

"میں ابن عویف ہوں۔ کون میرے مقابلے پر آتا ہے۔"

اس کی للکار کا جواب دینے کے لیے ایک صحابی حضرت رشید انصاری فارسی رضی اللہ عنہ آگے آئے۔ انھوں نے ابن عویف کی گردن پر وار کیا۔ اس وار سے اس کی زرہ کٹ گئی۔ انھوں نے اس کے جواب میں کہا:

"لے سنبھال میرا وار۔ میں ایک فارسی غلام ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ آپ نے ان دونوں کے جملے بھی سنے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"تم نے اس سے یہ کیوں نہ کہا، لے سنبھال میرا وار! میں ایک انصاری غلام ہوں۔"

ابن عویف کے قتل ہو جانے کے بعد اس کا بھائی میدان میں نکلا:

"وہ بھی یہی کہتا ہوا آیا۔"

"میں ابن عویف ہوں۔ آؤ مجھ سے مقابلہ کرو۔"

یہ بھی اپنے سر پر لوہے کا خود اوڑھے ہوئے تھا۔ حضرت رشید رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر وار کیا۔ ان کی تلوار اس کے خود کو کاٹتی ہوئی اس کی گردن تک جا پہنچی۔ اس وقت انھوں نے کہا:

"لے سنبھال میرا وار! میں ایک انصاری غلام ہوں۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

"اے ابوعبداللہ! تم نے خوب کہا۔"

آپ نے اس موقعے پر حضرت رشید رضی اللہ عنہ کو ابو عبداللہ کہا، یعنی عبداللہ کا باپ، لیکن اس وقت ان کے کوئی بیٹا نہیں تھا، یعنی یہ کنیت آپ ﷺ نے انھیں پہلے ہی دے دی۔

اس جنگ میں حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ ان کی ایک ٹانگ میں شدید لنگڑاہٹ تھی۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ چاروں شیر کی طرح بہادر اور جنگ جو تھے۔ یہ ہر غزوے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ غزوہ احد کے موقع پر ان چاروں نے اپنے والد سے کہا:

"ہم جہاد میں شرکت کے لیے جا ہی رہے ہیں۔ آپ کی ٹانگ میں لنگ ہے، لہٰذا آپ نہ جائیں۔"

بیٹوں کی بات سن کر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے:

"میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت سے روکنا چاہتے ہیں، مگر اللہ کی قسم! میری تمنا ہے کہ میں اپنے اس لنگ کے ساتھ ہی جنت میں جاؤں۔"

ان کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جہاں تک تمہارا تعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور کر دیا ہے، اس لیے جہاد تم پر فرض نہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے ان کے بیٹوں سے فرمایا:

"تم لوگوں کو انھیں جہاد میں شرکت سے روکنا نہیں چاہیے۔ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ انھیں شہادت نصیب فرما دے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ پھر ان الفاظ میں دعا کی:

"اے اللہ! مجھے شہادت کی نعمت عطا فرما اور گھر والوں کے پاس واپس آنے سے بچا۔"

چنانچہ یہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ یہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ جاہلیت کے زمانے میں بتوں کے خادم اور دربان تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اپنے ذمے جو خدمت لی، وہ یہ تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نکاح ہوتا تو یہ ولیمے کی دعوت کا انتظام کرتے تھے۔

یہ خود بھی غزوہ احد میں شہید ہوئے اور ان کے ایک بیٹے بھی شہید ہوئے۔ ان کی بیوی کے ایک بھائی بھی شہید ہوئے۔ ان کی بیوی ہندہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر، بیٹے اور بھائی کی لاشیں ایک اونٹ پر رکھوا کر مدینہ کی طرف چلیں، تاکہ انھیں مدینہ منورہ میں دفن کیا جاسکے۔ راستے میں ان کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی جو کچھ اور عورتوں کے ساتھ جنگ کے حالات معلوم کرنے نکلی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا:

"میدانِ جنگ کی کیا خبر ہے۔"

حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو آپ ﷺ خیریت سے ہیں اور آپ ﷺ کی خیریت کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد اب ہر مصیبت بے حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اونٹ پر لاشیں دیکھ کر پوچھا:

"یہ کون لوگ ہیں؟"

"یہ میرے شوہر، میرے بیٹے اور میرے بھائی کی لاشیں ہیں۔"

اسی وقت وہ اونٹ زمین پر بیٹھ گیا جس پر لاشیں لادی گئی تھیں۔ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے اسے اٹھانے کی بہت کوشش کی، وہ اٹھ تو گیا، لیکن مدینے کی طرف چلانے کی کوشش کی گئی تو پھر بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر اسے اٹھایا گیا تو احد کی طرف چل پڑا۔ اسے موڑ کر مدینے کی طرف چلانے کی کوشش کی گئی تو پھر بیٹھ گیا۔

جب اونٹ کسی طرح مدینہ منورہ کی طرف نہ چلا تو حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور سارا ماجرہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ساری بات سن کر فرمایا:

"اے ہندہ! یہ اونٹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ یہ مدینے کی طرف نہیں جائے گا۔ کیا عمرو نے مدینہ سے روانہ ہوتے وقت کچھ کہا تھا؟"

حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے بتایا:

"جی ہاں! انھوں نے دعا مانگی تھی کہ اللہ مجھے شہادت نصیب فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ لوٹا۔"

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

"بس اسی وجہ سے اونٹ نہیں چل رہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، البتہ تم میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کرے گا، ان میں سے عمرو بن جموح بھی ہیں اور میں نے انھیں اپنے اسی لنگ کے ساتھ جنت میں چلتے ہوئے دیکھا ہے۔" (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

23

عبداللہ فارانی

چنانچہ انھیں وہیں دفن کیا گیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں حضرت حذیفہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ اور ثابت ابن وقش رضی اللہ عنہ عورتوں کے خیموں کی نگرانی پر مقرر تھے۔ یہ دونوں بوڑھے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عورتوں کے خیموں پر مقرر فرمایا تھا۔ جب مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

''آخر ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس عمر کو پہنچنے کے بعد اب ہم میں سے کسی کے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہی، کیوں نہ ہم اپنی تلواریں اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائیں۔ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت کی موت عطا فرما دیں۔''

یہ کہ کر دونوں نے اپنی تلواریں سنبھال لیں اور مسلمانوں کے ساتھ آملے۔ مسلمانوں کو ان دونوں کے آنے کا حال معلوم نہیں تھا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ تو کافروں کے ہاتھوں شہید ہوگئے اور حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو مسلمان پہچان نہ سکے اور وہ غلط فہمی میں مارے گئے۔

غرض جب غزوہ احد میں اچانک مسلمانوں کو شکست ہوگئی اور وہ ادھر ادھر منتشر ہوگئے تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور وہ قریشی عورتیں جو اپنے لشکر کے ساتھ آئی تھیں، میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی لاشیں تلاش کرنے لگیں اور ان کا مثلہ کرنے لگی، یعنی ناک کان کاٹنے لگیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھی مثلہ کیا گیا۔

پھر جب قریشی لشکر میدانِ احد سے واپس روانہ ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو یا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

''ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑوں کو اپنے ساتھ ہانکتے ہوئے لے جارہے ہوں تو سمجھ لو، وہ مکہ کی طرف جارہے ہیں، لیکن اگر یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو اپنے ساتھ ہانک رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مدینہ منورہ کی طرف جارہے ہیں۔ مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر انھوں نے مدینہ منورہ کا رخ کیا تو میں ہر قیمت پر مدینہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو ہانک کر لے جارہے ہیں، لیکن اس سے پہلے کفار نے مشورہ ضرور کیا تھا۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ موقع اچھا ہے، مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی جائے اور وہاں لوٹ مار کی جائے، مگر صفوان بن امیہ نے کہا:

''ہم وہاں کسی مشکل میں نہ پھنس جائیں۔ اپنے مقتولوں کی وجہ سے ہم پہلے ہی پریشان ہیں۔ اس لیے مکہ چلے چلو۔''

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوجانے والے صحابہ کے لیے پریشان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی ہے، جو سعد بن ربیع کا حال معلوم کر آئے۔ وہ زندہ ہیں یا شہید ہوچکے ہیں، کیونکہ میں نے ان کے اوپر تلواریں چمکتی دیکھی تھیں۔''

اس پر ایک انصاری مسلمان نے عرض کیا:

''میں جا کر دیکھتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اگر تم سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو زندہ پاؤ تو ان سے میرا اسلام کہنا اور کہنا رسول اللہ تمھیں پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں ہو۔''

یہ انصاری حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ ایک جگہ انھوں نے انھیں زخموں سے چور حالت میں پایا۔ اس وقت ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ انھوں نے فوراً حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا:

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ میں آپ کا حال معلوم کروں، آیا آپ زندہ ہیں یا شہید ہوچکے ہیں۔''

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں اب مردوں ہی میں ہوں، میرے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے بارہ زخم ہیں۔ میں اس وقت تک لڑتا رہا ہوں جس وقت تک میرے جسم میں سکت باقی تھی۔ اب تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہنا اور کہنا: ابن ربیع آپ سے عرض کرتا ہے، اللہ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے جو ایک امت کی طرف سے اس کے نبی کو مل سکتی ہے۔ نیز اپنی قوم کو بھی میرا اسلام پہنچا دینا اور ان سے کہنا، سعد ابن ربیع تم سے کہتا ہے کہ اگر ایسی صورت میں تم نے دشمن کو اللہ کے نبی تک پہنچنے دیا کہ تم میں جھپکنے والی ایک آنکھ اور ہلنے والا ایک ہونٹ بھی موجود ہے، یعنی ایک شخص بھی زندہ ہے تو اس جرم کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''

یہ کہنے کے چند لمحے بعد ہی ان کی روح پرواز کرگئی۔ یہ انصاری صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا حال بیان کیا۔ ان کے بارے میں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ انھوں نے صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں نصیحتیں کیں۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ اسی وقت ایک شخص نے عرض کیا:

''میں نے انھیں چٹانوں کے قریب دیکھا تھا۔ اس وقت وہ یہ کہ رہے تھے کہ میں اللہ کا شیر ہوں، میں اس کے رسول کا شیر ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چٹانوں کی طرف چلے جہاں اس شخص نے انھیں دیکھا تھا۔ آخر وادی کے عین درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی لاش اس حالت میں ملی کہ ان کا پیٹ چاک کیا تھا۔ ناک کان کاٹ ڈالے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ منظر اس قدر درد ناک تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہ ربیع الاول میں ہوئی اور وہ پیر کا دن تھا۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی۔

مغازی ابن اسحاق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ ایک روایت کے مطابق زوال کے وقت وصال ہوا۔ مشہور قول کے مطابق وفات 12 ربیع الاول کو ہوئی۔ بعض نے یکم ربیع الاول اور بعض نے 2 ربیع الاول بھی لکھا ہے۔

انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔

ڈاکٹر اویس احمد۔ جام شورو

"اس سے زیادہ دردناک حادثہ کسی کو پیش نہیں آیا۔ اس جیسا تکلیف دہ منظر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آپ پر حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔ میں نے آپ کو ہمیشہ نیکوکار اور رشتے داروں کی خبر گیری کرنے والا پایا۔ اللہ کی قسم میں آپ کے بدلے میں ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجے غمگین پایا تو انھوں نے بھی کہا:

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں قریش پر غلبہ عطا فرمایا تو بے شک ہم لوگ ان کی لاشوں کو اس طرح مثلہ کریں گے کہ سرزمین عرب میں آج تک کبھی کسی نے اس طرح کسی لاش کا مثلہ نہیں کیا ہوگا۔"

جب ان الفاظ میں ارادہ ظاہر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: "اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے اور صبر کیجیے اور آپ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجیے اور جو کچھ یہ تدبیریں کرتے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہوں۔" (سورۃ النحل: آیت 126)

اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کو معاف کر دیا اور صبر فرمایا۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی جو قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائی تھی، اس کا کفارہ ادا کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر جتنا روئے، اتنا کسی اور موقعے پر آپ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاش کو قبلہ رخ کر کے دیکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر روئے کہ آپ پر غشی سی طاری ہونے لگی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھنے دیں۔ وہ ان کی بہن تھیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ لاش کی حالت بے حد خراب تھی اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دیکھ لیتیں تو خود پر قابو نہ رکھ سکتیں، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے پاس جا کر کہا:

"اماں جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں۔"

اس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا نے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

"آخر کیوں! مجھے معلوم ہے، میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے، مگر یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہوا ہے، میں راضی برضا ہوں۔ ان شاء اللہ صبر کا دامن نہیں چھوڑوں گی۔ میں اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مل لوں۔"

پھر جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچیں تو بولیں:

"اے اللہ کے رسول! میرا بھائی کہاں ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ لوگوں کے درمیان ہیں۔"

اس پر وہ بولیں:

"میں انھیں ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں اور بس۔"

آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انھیں جا کر دیکھ آنے دو۔"

اجازت ملنے پر وہ سیدھی لاش کے پاس آئیں۔ لاش پر نظر پڑی تو بے اختیار رو پڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر سے لاش کو ڈھانپنے کا حکم دیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان کے لیے کوئی کفن ہے؟"

• ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور انھوں نے اپنی چادر لاش پر ڈال دی۔ پھر ایک اور صحابی نے اپنی چادر لاش پر ڈال دی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"جابر! ان میں سے ایک چادر تمہارے والد کے لیے ہوگی اور دوسری میرے چچا کے لیے۔"

ایک روایت کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک دھاری دار چادر میں کفن دیا گیا۔ وہ کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر چادر سے سر ڈھانپا گیا اور پیروں پر گھاس ڈال دی گئی۔

اس روز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ ان کے کفن کے لیے اتنا چھوٹا کپڑا میسر آیا کہ سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس چادر سے ان کا سر ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔"

یہ مصعب بن عمیر اسلام لانے سے پہلے بہت دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور بہت شوقین مزاج نوجوان تھے۔ اس قدر عمدہ لباس پہنتے تھے کہ پورا لباس خوشبوؤں سے مہکتا تھا۔ جب مسلمان ہو گئے تو نہایت سادہ رہنے لگے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا کی نماز جنازہ کچھ مدت بعد پڑھی۔ دفن کے بارے میں یہ تفصیل آتی ہے کہ دو دو یا تین تین لاشوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا اور اسی طرح دو دو یا تین تین کو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ دفن کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے رہے:

"ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد تھا۔"

جسے قرآن زیادہ یاد تھا، اسے قبر میں قبلہ رخ آگے رکھتے اور ارشاد فرماتے:

"قیامت کے دن میں ان لوگوں کے حق میں گواہی دوں گا۔" (جاری ہے)

بندگی

[illegible] ۔ لاہور

ایک دن ایک غریب کسان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا:

"حاکم نے میرے کھیتوں کی پیداوار روک لی ہے، کہتا ہے، جب تک شاہی فرمان نہیں لاؤ گے، پیداوار میں سے دانہ نہیں ملے گا، حضرت میری زندگی کا ذریعہ یہی پیداوار ہے۔ پیداوار رک گئی تو میرے بچے بھوکے مر جائیں گے۔"

حضرت نے فرمایا: "فرمان مل جانے پر تو پیداوار نہیں رکے گی ناں۔"

کسان نے عرض کیا: "شاہی فرمان کے بعد کیا مجال ہے کہ کوئی چوں بھی کر سکے۔"

حضرت نے فرمایا:

"ایسا فرمان کیوں نہ لے لیا جائے کہ جب تک زمین رہے، حاکم پیداوار نہ روک سکے۔"

کسان نے خوش ہو کر کہا: "پھر تو کیا کہنا، آپ اپنے مرید خواجہ قطب الدین کو سفارش نامہ لکھ دیں، بادشاہ ان کا مرید ہے، بس ساری مشکل آسان ہو جائے گی۔"

حضرت نے فرمایا:

"میں تیرے ساتھ چلوں گا اور تجھے فرمان مل جائے گا۔"

دلی میں کسی کو اطلاع بھی نہیں تھی کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ اتفاق سے کسی نے راستے میں دیکھ لیا اور خواجہ قطب الدین رحمہ اللہ کو خبر پہنچا دی۔ خواجہ قطب الدین رحمہ اللہ نے بادشاہ سے ذکر کر دیا۔ بادشاہ نے فوجوں سمیت حضرت کو خوش آمدید کہا۔ خواجہ قطب الدین نے پوچھا: "آپ اچانک کیوں تشریف لائے ہیں؟ کوئی کام تھا تو مجھ ناچیز کو تحریر فرما دیتے۔"

حضرت نے فرمایا:

"قطب الدین! جب یہ کسان میرے پاس آیا تو اپنی بے کسی کے سبب خدا سے اتنا قریب تھا کہ اس کام میں شریک ہونا خدا کی عین بندگی تھی۔ میں حق تعالیٰ کی بندگی حاصل کرنے آیا ہوں۔"

غریب کسان کا کام ہو گیا اور حضرت خوش ہو گئے۔

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

24

عبداللہ فارانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہداء کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

''میں ان سب کا گواہ ہوں۔ جو زخم بھی کسی کو اللہ کے راستے میں لگا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس زخم کو دوبارہ اس حالت میں پیدا فرمائے گا کہ اس کا رنگ خون کی طرح سرخ ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''تمہارے جو بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں ڈال دی ہیں جو جنت کی نہروں پر آ کر اترتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں، سونے کی ایسی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں جو عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں اور جب یہ شہید اپنے بہترین مشروبات اور بہترین کھانے اور بہترین کلام دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

''کاش ہمارے بھائی (یعنی دنیا والے) جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیسے کیسے انعامات فرمائے ہیں، تا کہ وہ جہاد سے جی نہ چرائیں اور جنگ سے نہ بھاگیں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں تمہاری طرف سے یہ بات ان تک پہنچا دوں گا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی:

''ترجمہ: اور اے مخاطب! جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوگئے، انھیں مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے مقرب ہیں اور انھیں رزق ملتا ہے۔'' (آل عمران:169)

غزوہ احد میں شہید ہونے والے صحابہ میں حضرت ابو جابر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اس موقعے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے جابر! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتا دوں۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی شہید سے کلام فرماتا ہے تو حجاب یعنی پردوں میں سے کلام فرماتا ہے مگر اس پروردگار نے تمہارے باپ سے روبرو کلام کیا اور فرمایا:

'مجھ سے کچھ سوال کر! میں عطا کروں گا۔'

انھوں نے عرض کیا:

'میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے، تا کہ وہاں پہنچ کر میں ایک بار پھر تیری راہ میں قتل ہو سکوں۔'

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

'یہ میری عادت کے خلاف ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹاؤں۔'

انھوں نے عرض کیا:

'اے پروردگار! تو جو لوگ میرے پیچھے دنیا میں باقی ہیں، ان تک یہ بات پہنچا دے کہ یہاں کیسے کیسے انعامات سے نوازا جا رہا ہے۔'

اس پر اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی یہ آیت نازل فرمائی جو ابھی گزر چکی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد شہید ہوئے تو میں رو رہا تھا اور بار بار ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ان کی صورت دیکھتا تھا۔ صحابہ مجھے روکنے اور منع کرنے لگے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع نہیں کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''چاہے تم روؤ یا نہ روؤ، جب تک ان کی لاش یہاں رکھی ہے، فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کیے رہیں گے۔''

غزوہ احد میں ایک عورت کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹا شہید ہوئے۔ کسی نے اسے بتایا:

''تمہارے شوہر، والد، بھائی اور بیٹا شہید ہوگئے ہیں۔''

یہ سن کر اس نے کہا:

''یہ بتاؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔''

لوگوں نے بتایا:

''تمہارے سامنے آ رہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر کہنے لگی:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ جب ہر طرح محفوظ ہیں، تو اب مجھے کسی بات کی پروا نہیں۔''

احد کی لڑائی میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ آنکھ ڈھیلے میں سے نکل کر باہر آ گئی تھی۔ لوگوں نے اسے کاٹ ڈالنا چاہا اور اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کاٹو نہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا۔ ان کی آنکھ کو اپنی ہتھیلی پر لیا اور اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر یہ دعا پڑھی:

''اے اللہ! اس آنکھ کو ان کے حسن اور خوب صورتی کا ذریعہ بنا دے۔''

اس دعا کی برکت سے وہ آنکھ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہوگئی۔ اس کی بینائی بھی دوسری آنکھ سے زیادہ ہوگئی۔ اس کے بعد جب کبھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ دکھنے آئی تو دوسری آنکھ میں تکلیف ہوتی تھی۔ اس آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آیا۔ وہ اسے جانتے نہیں تھے، لہٰذا پوچھا:

''آپ کون ہیں۔''

اس نے کہا:

''میں اس شخص کی اولاد میں سے ہوں کہ جس کی آنکھ اس کے رخسار پر لٹک آئی تھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے پہلے سے بھی بہتر حالت میں اپنی اصل جگہ پر آ گئی تھی۔''

یہ سنا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کا بہت اکرام کیا اور اس کا مقصد پورا کر دیا۔

احد کی لڑائی میں حضرت کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کی گردن میں ایک تیر آ کر پیوست ہوگیا۔ وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا تو وہ زخم فوراً ٹھیک ہوگیا۔

غرض جنگ ختم ہونے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ بھی ساتھ تھے۔ ان میں سے زیادہ تو زخمی تھے۔ لشکر کے ساتھ چودہ عورتیں بھی تھیں۔ جب یہ لشکر احد کے دامن میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صفیں باندھ کر کھڑے ہوجاؤ، تا کہ میں اپنے پروردگار کے سامنے اس کی حمد و ثنا کر سکوں۔''

حکم ملنے پر تمام صحابہ صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوگئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی:

"اے اللہ! تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے ہیں۔ آپ کشادگی عطا فرمائیں تو کوئی تنگی پیدا کرنے والا نہیں اور آپ تنگی میں ڈالیں تو کوئی کشادگی پیدا کرنے والا نہیں۔ جسے آپ گمراہی میں ڈال دیں، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے آپ ہدایت فرما دیں، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جن نعمتوں سے آپ محروم فرما دیں، وہ نعمتیں کوئی عطا نہیں کر سکتا اور جن نعمتوں کو آپ عطا فرما دیں، انھیں کوئی روکنے والا نہیں، جس چیز کو آپ دور فرما دیں، اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جسے آپ قریب فرما دیں، اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔"

یہ دعا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا ملیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام المومنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنھا کی بہن تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"(اپنے عزیزوں کو کھو دینے پر) ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔"

انھوں نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! کس کی وجہ سے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے ماموں حمزہ کی وجہ سے۔"

حضرت حمنہ رضی اللہ عنھا نے کہا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور شہادت کی اس نعمت کو ان کے لیے مبارک فرمائے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے فرمایا:

"ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔"

انھوں نے پوچھا:

"کس لیے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کے لیے۔"

حضرت حمنہ نے ان کے لیے بھی وہی کلمات کہے جو حضرت حمزہ کے لیے کہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

"ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔"

انھوں نے پوچھا:

"کس کے لیے اے اللہ کے رسول!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اپنے شوہر مصعب بن عمیر کی وجہ سے۔"

حضرت حمنہ رضی اللہ عنھا یہ سنتے ہی رونے لگیں اور بولیں:

"آہ! ان کا صدمہ بہت سخت ہے۔"

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی اور ماموں کی موت پر صبر اور ضبط کا ثبوت دیا، لیکن شوہر کی شہادت کا سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عورت کے لیے شوہر کا درجہ ایسا ہوتا ہے کہ اس جیسا اور کسی کا نہیں ہوتا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"تم نے اپنے شوہر کی شہادت کی خبر سن کر ایسا کیوں کیا؟"

انھوں نے کہا:

"مجھے ان کے بچوں کی یتیمی کا خیال آگیا جس سے میں بے تاب ہوگئی۔"

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کے بچوں کے لیے دعا فرمائی۔

ایسے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر کہا:

"اے اللہ کے رسول! یہ میری والدہ ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وجہ سے گھوڑا روک لیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"انھیں خوش آمدید کہو۔"

وہ قریب آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے بیٹے حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی تو وہ بولیں:

"جب میں نے آپ کو صحیح سلامت دیکھ لیا تو بس اب میری مصیبت اور غم ختم ہوگیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اے ام سعد! تمھیں خوش خبری ہو اور سب شہیدوں کے گھر والوں کو بھی خوش خبری ہو کہ ان سب کے مقتولین جنت میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور سب نے اپنے اپنے گھر والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے شفاعت اور سفارش کی ہے۔"

اس پر ام سعد رضی اللہ عنھا نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! ہم سب راضی برضا ہیں اور اس خوش خبری کے بعد بھلا کون رو سکتا ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ سب شہیدوں کے پس ماندگان کے لیے دعا فرمائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہداء کے گھر والوں کے لیے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! ان کے دلوں سے رنج و غم کو مٹا دے۔ ان کی مصیبت کو دور فرما دے اور جو شہداء کے جانشین ہیں، انھیں ان کا بہترین جانشین بنا دے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں 25

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت شدید زخمی تھے، اس لیے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر گھوڑے سے اتارا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سہارا لیے ہوئے اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مغرب کی اذان کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح باہر تشریف لائے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز ادا فرمائی اور مسجد سے واپس تشریف لے جانے لگے، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رونے کی آواز آئی۔ پوچھا:

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

کسی نے بتایا: "انصاری عورتیں حضرت حمزہ پر رو رہی ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین کو دعا دی اور انھیں اپنے گھروں کو جانے کی ہدایت فرمائی۔ اس روز جب حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر آئے تو اپنی خون آلود تلوار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیتے ہوئے بولے:

"اس کی نوک چھوڑ کر باقی تلوار کو دھو دو۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خون آلود تلوار دیکھی تو فرمایا:

"اے علی! اگر تم نے جنگ کا حق ادا کیا ہے تو سہل بن حنیف، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت اور حارث ابن صمہ نے بھی حق ادا کیا ہے۔"

غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں چار مہاجرین ہیں اور باقی انصاری ہیں۔ شہید ہونے والوں کی تعداد 80 بھی آئی ہے۔

مشرکوں میں مرنے والوں کی تعداد 23 تھی۔

غزوہ احد سے واپس تشریف لانے کے بعد اگلے ہی دن صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد مدینہ منورہ میں یہ اعلان کر رہا تھا۔

"مسلمان قریش کا پیچھا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور صرف وہی لوگ چلیں جو احد کی لڑائی میں شریک تھے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان اس لیے کرایا کہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی طاقت باقی ہے، احد کی شکست کے بعد وہ دشمن کے مقابلے میں کمزور نہیں ہو گئے۔

اس اعلان کی ایک وجہ مؤرخوں نے یہ لکھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ ابوسفیان قریشی لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں، تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی بچ گئے ہیں، انھیں بھی شہید کر دیں۔ ان کے اس ارادے میں قریش کے کچھ اور سردار بھی شریک تھے۔

اس بارے میں روایت اس طرح ہے کہ قریش میدانِ احد سے واپس ہونے کے بعد کچھ دور ہی چلے ہوں گے کہ وہ لوگ رک گئے اور ان میں سے کچھ کہنے لگے:

"ہم نے کیا ہی حماقت کا کام کیا ہے، پہلے تو انھیں قتل کرنا شروع کیا اور جب ان کی تھوڑی سی تعداد رہ گئی تو انھیں چھوڑ کر چلے آئے۔ لہٰذا واپس چلو اور اس سے پہلے کہ مسلمان دوبارہ اپنی طاقت جمع کر لیں، ان سب کو نیست و نابود کر دو۔"

قریش کے زیادہ تر لوگوں نے یہ بات نہیں مانی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف پیدا کر دیا۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس مدینہ پہنچے، اس کی صبح کو حضرت عبداللہ ابن عوف رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے۔ انھوں نے بتایا:

"اے اللہ کے رسول! میں اپنے گھر والوں کے پاس سے آ رہا تھا، جب میں فلاں مقام پر پہنچا تو میں نے دیکھا، قریش وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو لشکر سے یہ کہتے سنا، تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ لڑائی درمیان میں چھوڑ کر چلے آئے۔ مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے سردار تو زندہ ہیں، وہ پھر تمہارے خلاف لشکر جمع کر لیں گے۔ آؤ پھر واپس چلو، تا کہ ہم ان کا صفایا کر سکیں۔

اس پر اے اللہ کے رسول صفوان بن امیہ (یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے ان کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا، لوگو! ایسا نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے، کہیں وہ مسلمان جو لشکر کے ساتھ نہیں تھے، تم پر حملہ آور نہ ہو جائیں، اس لیے واپس لوٹ چلو۔ ابھی تک تو فتح اور کامیابی تمہارے ساتھ ہے مگر ڈر ہے، اگر تم نے مدینہ منورہ کا رخ کیا تو یہ کامیابی الٹی نہ پڑ جائے۔"

حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صفوان نے ان لوگوں کو صحیح راستہ دکھایا، حالانکہ وہ خود صحیح راستہ نہیں دیکھتا۔"

آپ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایمان نہیں لایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ انھیں حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی خبر سنائی۔ دونوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! دشمن کا پیچھا کیجیے تا کہ وہ ہماری عورتوں اور بچوں پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد لوگوں کو جوش دلایا۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا:

"رسول اللہ! تمہیں دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ کہ صرف وہی لوگ تعاقب میں چلیں گے جو کل جنگ میں شریک تھے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ ہونے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ ایسے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں غزوہ احد میں اس لیے شریک نہیں ہو سکا تھا کہ میری سات بہنیں ہیں اور میرے والد نے مجھے ان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم عورتوں کو اس حال میں چھوڑ جائیں کہ ان کے پاس کوئی مرد نہ ہو اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے اپنے مقابلے میں تمہیں ترجیح نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی دولت عطا فرما دیں۔ لہٰذا تم اپنی بہنوں کے پاس رہو۔ اس طرح بہنوں کی نگرانی کے لیے رہ گیا تھا۔ انھوں نے شہادت کے لیے اپنے آپ کو مجھ پر ترجیح دی۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول، مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے سوا اس غزوے میں کوئی ایسا نہیں تھا جو غزوہ احد میں شریک نہ ہوا ہو۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں نے بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی، جو احد کی لڑائی میں نہیں گئے تھے۔ انھی میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا۔ اس نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم سے عرض کیا:

''میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ساتھ لے جانے سے انکار فرما دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا منگایا جو ابھی تک جوں کا توں رکھا تھا، یعنی وہ کپڑا کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا۔ مدینہ منورہ میں اپنا جانشین حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مسکب نامی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ صحابہ میں سے کسی اور کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ سوائے آنکھوں کے چہرہ مبارک کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ سب صحابہ تھے جو غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ سب حضرات زخمی تھے، لیکن کسی نے اپنے زخموں کے علاج کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کیا تھا کہ کپڑا اجلا کر اس کی راکھ زخموں میں بھر لی تھی اور بس۔ اس سے زیادہ زخموں کا کچھ علاج نہیں کیا گیا اور حالت یہ تھی کہ بعض صحابہ کے جسموں پر نو نو اور دس دس زخم تھے۔ ایک صحابی کے جسم پر تو ستر زخم تھے۔ یہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی تو ایک انگلی بھی کٹ گئی تھی۔ اس کی وجہ سے اس ہاتھ کی باقی انگلیاں بھی شل ہوگئی تھیں۔

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے جسم پر بیس زخم تھے۔ بنی سلمہ میں سے چالیس آدمی زخمی ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انھیں دیکھا تو فرمایا:

''اے اللہ! بنی سلمہ پر رحمت نازل فرما۔''

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شدید زخمی تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک زرہ کی کڑیاں گڑ جانے کی وجہ سے زخمی تھا۔ چہرہ مبارک پر ایک زخم پتھر لگنے سے بھی آیا تھا۔ اوپر کا ہونٹ پھٹ گیا تھا۔ نچلا ہونٹ اندر کی طرف سے زخمی تھا۔ دایاں کندھا زخمی تھا۔ اس جگہ ابن قمیہ نے وار کیا تھا۔ پھر یہ کہ گڑھے میں گر جانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنے بھی زخمی ہوگئے تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر نو زخم تھے اور پورے جسم پر کل ملا کر ستر سے اوپر زخم تھے۔ اس حالت میں بھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''طلحہ تمہارے ہتھیار کہاں ہیں؟''

تو انھوں نے فوراً عرض کیا:

''قریب ہی ہیں۔''

یہ کہا اور جلدی سے ہتھیار اٹھا لائے۔ حضرت طلحہ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے زخموں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میں خود زخم کھا کر آپ کا بچاؤ کرتا رہا تھا۔''

اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آیندہ کبھی قریش ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کر پائیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ ہمارے ہاتھوں پر فتح کردے گا۔ ہم فاتح کی حیثیت سے حرم میں داخل ہو کر حجرِ اسود کو بوسہ دیں گے۔''

یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرما دی کہ احد میں تو ایسا ہوگیا۔ اب آیندہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ مکہ فتح ہوجائے گا۔

اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راہبر ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلامی لشکر مشرکوں کے تعاقب میں آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ حمراءِ اسد کے مقام پر پہنچ گیا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ میل یا دس میل کے فاصلے پر ہے۔

دو انصاری بھائی لشکر کے ساتھ روانہ نہیں ہوسکے تھے، وہ زخموں سے چور تھے اور ان کے پاس سواری بھی نہیں تھی، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوگئے تو ایک نے اپنے بھائی سے کہا:

''کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوے میں شریک ہونے کی سعادت حاصل نہیں کرسکیں گے۔ یہ تو بہت بری بات ہوگی۔''

اس پر دونوں روانہ ہوگئے۔ ایک بھائی زیادہ ہی زخمی تھا۔ جب اس سے چلا نہ جاتا تو دوسرا اسے اپنی پیٹھ پر سوار کر لیتا۔ آخر اس طرح چلتے چلتے یہ دونوں حمراءِ اسد پہنچ گئے۔

یہ عشاء کا وقت تھا۔ مسلمان پڑاؤ میں آگ جلا رہے تھے۔ دونوں بھائی لشکر کے نزدیک پہنچے تو پہرے داروں نے انھیں ٹوکا۔ پہرے پر اس وقت حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ایک دستے کے ساتھ مقرر تھے۔ حضرت عباد رضی اللہ عنہ ان دونوں کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے بارے میں بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''تم لوگ کوچ کے وقت کیوں رک گئے تھے۔''

انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے چلنا مشکل ہو رہا تھا اور سواری کا جانور ہمارے پاس تھا نہیں، گرتے پڑتے یہاں پہنچے ہیں۔''

عبداللہ فارانی

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ یہ دونوں انصاری بھائی حضرت عبداللہ اور حضرت رافع بن سہیل رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا:

''اگرچہ تم دیر سے آئے، لیکن تم دونوں کو سواری کے جانور ملیں گے۔ اگرچہ وہ تمہارے لیے اس سے بہتر چیز نہیں ہیں۔''

اس مقام پر مسلمانوں نے تین رات قیام کیا۔ ہر رات صحابہ اپنے پڑاؤ میں پانچ سو جگہ آگ روشن کرتے، تاکہ بہت دور سے روشنی نظر آتی رہے۔ مسلمانوں کے پڑاؤ سے مختلف آوازیں اور آگ کی روشنی دور دور تک پہنچتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھ گیا۔ اس وقت دشمن کے جاسوس ہر قسم کی خبریں اپنے آقاؤں کو پہنچا رہے تھے۔ (جاری ہے)

اِسلامی جنگیں

26

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم
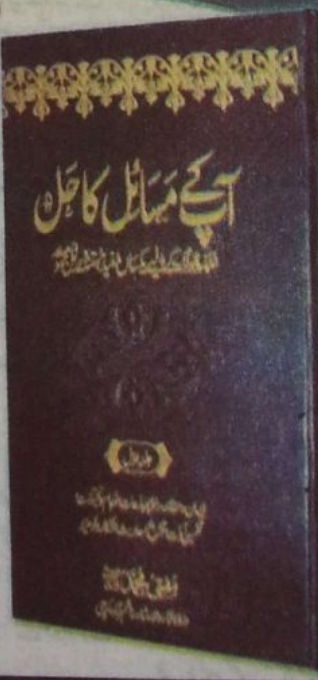
اس غزوے میں مسلمانوں کے پاس کھانے کے لیے صرف کھجوریں تھیں یا پھر اونٹ تھے۔ ان میں سے کسی دن دو اور کسی دن تین ذبح کیے جاتے۔

ادھر مشرکوں کا لشکر جب احد سے واپس روانہ ہوا تھا تو اسے راستے میں معبد خزاعی ملے جو اس وقت تک کافر تھے۔ قریش سے ان کی ملاقات روحاء کے مقام پر ہوئی۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب قریش نے احد سے واپسی میں اچانک مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو معبد خزاعی نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ان کا پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔ یہ سن کر قریشی لشکر خوف زدہ ہو گیا اور انھوں نے اپنی بھلائی اس میں سمجھی کہ واپس مکہ چلے جائیں۔

معبد خزاعی نے جب مشرکوں کے لشکر کو مکے کا رخ کرتے دیکھ لیا تو انھوں نے ایک شخص کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا:

''ابوسفیان اپنے لشکر کے ساتھ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے ہیں۔''

اس خبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں سے واپس مدینہ منورہ لوٹ گئے۔ اسی موقعے پر مشرکوں کے شاعر ابوعزہ کو گرفتار کیا گیا۔ یہ وہ ابوعزہ تھا جو غزوہ بدر کے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا۔ پھر اس کی گریہ وزاری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر احسان فرمایا تھا۔ اسے بغیر فدیہ لیے رہا کر دیا تھا۔

دراصل اس نے بہت منت سماجت کی تھی اور کہا تھا کہ کئی بیٹیاں ہیں، غریب آدمی ہوں، فدیے کی رقم ادا نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ عہد لیا کہ آیندہ وہ نہ تو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آئے گا، نہ ان کے خلاف لشکر اکٹھے کرے گا اور نہ اپنی شاعری سے ان کے خلاف کسی کو اکسائے گا۔ اس نے ان باتوں کا وعدہ کر لیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے :سے رہا کر دیا مگر اس کے بعد اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور غزوہ احد میں پھر مشرکوں کے ساتھ آ گیا۔ یہ لوگوں کو اپنے اشعار کے ذریعے جوش دلاتا تھا۔ انھیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ مشرکوں سے کہتا تھا کہ جان کی بازی لگا کر مسلمانوں سے جنگ کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بددعا فرمائی تھی کہ اس مرتبہ یہ بچ کر نہ جانے پائے، چنانچہ یہ گرفتار ہو گیا۔ اصل میں اسے نیند آ گئی تھی۔ مشرکوں کا لشکر روانہ ہو گیا اور یہ سوتا رہ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کے قابو میں آ گیا۔ اسے گرفتار کرنے والے شخص حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ گرفتاری کے بعد اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس نے کہا:

''اے محمد! مجھے چھوڑ دیجیے۔ مجھ پر احسان فرمائیے، میری بیٹیوں کی خاطر مجھے رہا کر دیجیے، میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی اس قسم کی حرکت نہیں کروں گا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! اللہ کی قسم! اب تیرے چہرے کو مکہ دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔ تو اب حجرِ اسود کے پاس بیٹھ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں محمد کو دھوکا دے آیا ہوں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

''اس کی گردن مار دو۔''

ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا۔''

یعنی جس شخص سے پہلے دھوکا کھایا، مومن اس سے دوبارہ دھوکا نہیں کھا سکتا۔''

اس کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

☆

غزوہ بنونضیر

مدینہ منورہ میں ایک یہودی خاندان بنی نضیر آباد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ انھوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس کے قریب صحابہ کو لے کر وہاں تشریف لے گئے۔ ان سے معاہدے کی بات کی تو وہ کہنے لگے:

''ہاں ہاں! ابوالقاسم آپ تشریف رکھیے۔ پہلے کھانا کھائیے، پھر بات کرتے ہیں۔''

اس طرح یہودی بظاہر بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے، لیکن دوسری طرف وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیوار کے ساتھ سائے میں بٹھایا۔ پھر ایک طرف ہو کر بات کرنے لگے۔ ایک نے کہا:

''اس سے بہتر موقع پھر نہیں ملے گا۔ ہم میں سے کوئی چھت پر چڑھ کر ان کے اوپر پتھر گرا دے، تاکہ ہمیں ان سے نجات مل جائے۔''

اس پر یہودیوں کا ایک سردار عمرو بن حجاش بولا:

''میں اس کام کے لیے تیار ہوں۔''

اس پر ایک یہودی سلام بن مشکم نے کہا:

Scanned by CamScanner

''ایسا ہرگز نہ کرنا، اس منصوبے کی انھیں خبر ہو جائے گی اور یہ بات ہے بھی بدعہدی کی۔ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ موجود ہے۔''

یہودیوں نے سلام بن مشکم کی بات نہ مانی۔ عمرو بن جحاش چھت پر چڑھ گیا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاری پتھر گرا دے۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی سازش سے باخبر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انداز ایسا اختیار فرمایا جیسے اچانک کوئی کام یاد آ گیا ہو۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر نہ گرایا جا سکا۔ ان لوگوں کی اس سازش کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنی نضیر کی طرف بھیجا اور یہ پیغام دیا:

''میرے شہر مدینہ منورہ سے نکل جاؤ۔ تم لوگ اب میرے شہر میں نہیں رہ سکتے، اس لیے کہ تم نے جو منصوبہ بنایا تھا، وہ غداری تھی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سازش کی تفصیل بھی بتا دی کہ کس طرح انھوں نے آپ پر پتھر گرانے کا پروگرام ترتیب دیا تھا جب کہ اس سازش کا علم صرف ان یہودیوں کو تھا اور کسی کو نہیں تھا۔

یہ تفصیل سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سنتے ہی بنی نضیر کے یہودیوں نے مدینہ منورہ سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔ اونٹوں وغیرہ کا انتظام کرنے لگے۔ ایسے میں منافقین نے انھیں یہ پیغام بھیجا:

''تم لوگ اپنے وطن اور گھر بار کو چھوڑ کر ہرگز کہیں مت جاؤ، ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم سے جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے اور اگر تمھیں یہاں سے نکلنا پڑا تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ تم سے پیچھے نہیں رہیں گے۔''

یہودیوں کو روکنے میں سب سے پیش پیش منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی سلول تھا۔ اس نے یہودیوں کو پیغام بھیجا:

''اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہرگز کہیں نہ جاؤ۔ اپنی حویلیوں میں جمے رہو۔ میرے ساتھ دو ہزار جانباز ہیں۔ ان میں میری قوم کے لوگ بھی موجود ہیں اور عرب کے دوسرے قبائل بھی۔ یہ لوگ وقت پڑنے پر تم سے آملیں گے۔ آخر دم تک تمہارے لیے لڑیں گے۔ تم پر آنچ آنے سے پہلے وہ اپنی جانیں دے دیں گے اور ہماری طرح بنی قریظہ اور قبیلہ غطفان میں ان کے ساتھی بھی تمہاری طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔''

ان پیغامات کے ملنے پر یہودیوں نے مدینہ منورہ سے نکلنے کا پروگرام ترک کر دیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھجوا دیا:

''ہم اپنا وطن ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کا جو دل چاہے، کیجیے۔''

ان یہودیوں کا سردار حیی بن اخطب تھا۔ بنی نضیر کے ایک دوسرے سردار سلام بن مشکم نے حیی کو ایسا کرنے سے روکا اور کہا:

''حیی! خدا کی قسم! اپنے اس ارادے سے باز رہو، کیونکہ عبداللہ بن ابی سلول کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تمھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا کر ہلاکت میں ڈال دے اور خود گھر بیٹھ کر تماشہ دیکھے۔ یہ اس سے پہلے بھی وعدہ خلافیاں کرتا رہا ہے۔''

اس کی بات سن کر حیی بن اخطب نے کہا:

''ہمارے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی ہے، لہٰذا ان سے جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''

اس پر سلام بن مشکم بولا:

''تو پھر سن لو! اس کا نتیجہ صرف یہ نکلے گا کہ ہم اپنے وطن سے بے وطن کر دیے جائیں گے۔ ہمارے مال جاتے رہیں گے اور عزت خاک میں مل جائے گی۔''

یہ سن کر بھی حیی بن اخطب نے سلام بن مشکم کی بات نہ مانی، ضد پر اڑا رہا۔ ادھر بنی نضیر کے یہودیوں نے اس سے کہا:

''ہم پوری طرح تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم کسی حال میں تمہاری مخالفت نہیں کریں گے۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کا پیغام مل گیا تو مسلمان جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کوچ کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعے پر حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ جنگی پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے لشکر کے ساتھ آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ شام کے وقت بنی نضیر کی بستی میں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر لشکر کو پڑاؤ کا حکم فرمایا۔ بنی نضیر کی بستی کے چوک میں عصر کی نماز ادا فرمائی۔

یہودی مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنی حویلیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ انھوں نے حویلیوں کی چھتوں سے تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر ان سے فرمایا:

''تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔ مدینہ خالی کر دو۔''

جواب میں یہودیوں نے کہا:

''ہمارے لیے اس سے زیادہ آسان یہ ہے کہ ہم اپنی جانیں دے دیں۔''

اس کے بعد یہودیوں نے جنگ شروع کر دی۔ پھر رات ہو گئی۔ مسلمانوں نے رات اس حالت میں گزاری کہ وہ یہودیوں کا محاصرہ کیے رہے۔ بار بار نعرہ تکبیر بلند کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح کا اجالا ہونے لگا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات گزارنے کے لیے گھر چلے گئے تھے اور صبح کی نماز سے پہلے واپس تشریف لا چکے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

''میرے لیے ایک قبہ بنا دو۔''

آپ کے لیے لکڑی کا قبہ بنایا گیا اور اس پر اونی کپڑا ڈال دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبے میں قیام فرما ہوئے۔ یہودی تیر برسا رہے تھے اور پتھر بھی پھینک رہے تھے۔ ان میں سے ایک یہودی کا نام غزول تھا۔ یہ بہت زبردست نشانے باز تھا۔ اس کا پھینکا ہوا تیر دوسروں سے کہیں دور جاتا تھا۔ اس نے حویلی کی چھت سے ایک تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبے کی طرف چلایا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

27

عبداللہ فارانی

اس کا پھینکا ہوا تیر قبے تک پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

''قبے کو یہاں سے ہٹا کر کچھ دور نصب کر دو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

اسی دوران ایک رات حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکر سے غائب پائے گئے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! علی کہیں نظر نہیں آ رہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان کی فکر نہ کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے ایک کام سے گئے ہیں۔''

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک شخص کا سر تھا۔ یہ اسی شخص کا سر تھا جس کا تیر قبے تک پہنچا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دراصل اسی وقت اس شخص کی گھات میں لگ گئے تھے۔ وہ مسلمانوں کے کسی بڑے کو قتل کرنے کی فکر میں تھا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس آدمیوں کی ایک جماعت ان لوگوں کے تعاقب میں روانہ فرمائی جو عزول کو قتل ہوتے دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ان حضرات میں حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنھما بھی تھے۔ یہ ان تک پہنچ گئے اور ان سب کو قتل کر دیا۔

مسلمانوں کا محاصرہ جاری رہا یہاں تک کہ چھ دن گزر گئے۔ ادھر منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی برابر بنی نضیر کے پاس پیغام بھیج رہا تھا کہ ''تم لوگ اپنی جگہ پر ڈٹے رہو اور مقابلہ کرتے رہو۔ اگر تم نے جنگ جاری رکھی تو ہم بھی تمہاری جماعت میں لڑیں گے اور اگر تم یہاں سے نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔''

یہودی اس کے وعدے پر اپنی حویلیوں میں ڈٹے رہے، اس کی مدد کا انتظار کرتے رہے، لیکن عبداللہ بن ابی ان کی مدد کو نہ آیا۔ اس نے ان سے دھوکا کیا۔ ادھر یہودیوں میں سے سلام بن مشکم اور کنانہ بن صوریا پہلے ہی اس پر بھروسہ کرنے کے خلاف تھے۔ اب وہ حیی بن اخطب سے کہنے لگے:

''عبداللہ بن ابی کی وہ مدد کہاں گئی جس کی تم آس لگائے بیٹھے ہو۔''

حیی بن اخطب نے جل بھن کر کہا:

''کیا کریں! یہ مصیبت اور ذلت ہمارے مقدر میں لکھی تھی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے ان کا محاصرہ کیے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف بٹھا دیا۔ آخر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی:

''ہمیں جلاوطن ہونے کی اجازت دے دی جائے، ہم صرف وہ سامان ساتھ لے جائیں گے جو اونٹوں پر لادا جا سکتا ہے، اپنے ہتھیار بھی ساتھ نہیں لے جائیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات منظور فرما لی۔ اب یہودیوں نے اپنے اونٹوں پر عورتوں اور بچوں کے علاوہ وہ سامان لادا جو اونٹ لے جا سکتے تھے۔ ان کے ساتھ تقریباً چھ سو اونٹ تھے۔ جاتے وقت وہ اپنے گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں تک اکھاڑ کر لے گئے۔

تاریخ کی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے کہ وہ لوگ اپنے مکانوں کے ستون اور چھتیں تک لے گئے اور جاتے ہوئے مارے حسد کے اپنی دیواریں تک گرا گئے، تا کہ ان کے چلے جانے کے بعد وہ مسلمانوں کے کام نہ آ سکیں۔

بنی نضیر کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں جا بسے۔ ان میں یہودیوں کے بڑے سردار حیی بن اخطب، سلام بن ابوحقیق اور کنانہ بن ربیع شامل تھے جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے انھیں خوش آمدید کہا۔ ہر طرح ان کی مدد کی۔

بنی نضیر کے کچھ لوگ ملک شام کی طرف نکل گئے۔ وہ لوگ جو ہتھیار چھوڑ گئے تھے، ان میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو تلواریں تھیں۔

یہودیوں سے جو مال ملا، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری مسلمانوں سے فرمایا:

''تم لوگوں نے مہاجرین کے لیے قربانیاں دی ہیں... انھیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا، ان کے لیے اپنا مال و دولت قربان کیا... تمہارے مہاجرین بھائیوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے پاس کسی قسم کا مال و اسباب نہیں ہے۔ یہ مال جو یہودیوں سے ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے بطور مال فئی کے عطا فرمایا ہے (فئی وہ مال غنیمت ہوتا ہے جو جنگ کے بغیر حاصل ہو اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہوتا ہے) اور اس مال کو میرے لیے خاص فرمایا ہے۔ تمہارے پاس مال و دولت ہے، اس کے ہوتے ہوئے، اگر تم پسند کرو تو میں یہ مال میں تم میں تقسیم کر دوں اور اگر تم راضی ہو تو اپنا مال تم اپنے پاس رکھو، یہ مال میں مہاجر مسلمانوں میں تقسیم کر دوں، چاہو تو تم میں اور مہاجرین میں برابر برابر تقسیم کر دوں، کیونکہ مہاجرین کی رہائش کا بھی مسئلہ ہے۔''

جواب میں انصاری مسلمانوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ یہ مال مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیں اور ہمارے مال میں سے بھی جتنا چاہیں، انھیں عنایت فرما دیں۔''

یہ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمائی تھیں کہ مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان کے پاس نہ مال و دولت تھا نہ رہائش کے لیے ٹھکانا تھا۔ وہ بالکل بے سروسامان تھے جب کہ انصاری مدینہ منورہ ہی کے رہنے والے تھے۔ ان کے پاس زمینیں تھیں، جائیدادیں تھیں اور دوسرا ساز و سامان تھا۔ اس وقت انصاری مسلمانوں نے اپنے باغات اور درختوں کے ذریعے مہاجرین کی مدد کی تھی۔ اب بھی انھوں نے ایسا ہی جواب دیا، بلکہ یہاں تک کہا:

"آپ یہ مال مہاجرین میں ہی تقسیم کر دیں اور وہ ہمارے ساتھ ہمارے گھروں ہی میں رہتے رہیں، بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے مکانات، زمینیں اور دوسرے مال بھی ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دیں، کیونکہ یہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنے گھر بار، مال و متاع اور اپنے خاندانوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ آپ تمام مالِ غنیمت بھی انھی کو دے دیں۔ ہم اس میں اپنا کوئی حصہ نہیں چاہتے۔"

یہ الفاظ انصاری مسلمانوں کی طرف سے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے کہے تھے۔ ان کے لیے یہ الفاظ کہتے ہی انصاری مسلمان ایک زبان ہو کر بول اٹھے:

"اے اللہ کے رسول! ہم اس بات پر راضی ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں کے جذبے پر ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! انصاریوں اور ان کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

"اور ان کی اولاد پر بھی رحمت نازل فرما۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی انصاریوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

"اے انصاریو! اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس موقعے پر انصار کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

"اور مہاجرین کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ ان پر فاقہ ہو اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے گا، ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں

(سورۃ الحشر آیت 9)

غرض اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔

☆

غزوہ بنی نضیر سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں تک مدینہ طیبہ میں قیام فرما رہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے علاقے کی طرف کوچ کیا تاکہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ کو سزا دیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ ان دونوں قبیلوں نے قبیلہ بنی غطفان میں بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس موقعے پر تقریباً سات سو صحابہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

اس غزوے کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں، چونکہ اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاؤں چلتے چلتے زخمی ہو گئے تھے اور ان پر کپڑے کے چیتھڑے لپیٹے گئے تھے، اس لیے اس غزوے کا نام غزوہ ذات الرقاع پڑا۔ رقاع چیتھڑوں کو کہتے ہیں۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ خندق کی لڑائی سے پہلے پیش آیا یا بعد میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر نجد کے علاقے میں پہنچے مگر وہاں آپ کو دشمنوں میں سے کوئی بھی نہ ملا۔ اس کے بعد ایک لشکر نظر آیا۔ وہ لشکر مسلمانوں کے لشکر پر کسی وقت بھی حملہ کر سکتا تھا، اس لیے جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو مشرکوں کے ارادے کی خبر دی۔ آپ نے ان کے حملے کے خوف سے نمازِ خوف ادا فرمائی۔

جب دشمن کے حملے کا خطرہ ہو تو نمازِ خوف پڑھی جاتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ پہلے ایک حصہ میدانِ جنگ سے ہٹ کر نماز ادا کرتا ہے۔ پھر جب وہ میدان میں آجاتا ہے تو دوسرا حصہ جا کر نماز ادا کرتا ہے۔ پہلی امتوں میں کسی پر نمازِ خوف کا حکم نہیں ہوا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خصوصیت ہے۔

اسی موقعے پر ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ اس وقت ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور آپ ایک گھاٹی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

"کون ہے جو آج رات میرے لیے پہرہ دے گا۔"

اس پر حضرت عبادہ بن بشر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! ہم پہرہ دیں گے۔"

اس کے بعد دونوں گھاٹی کے درّے پر بیٹھ گئے۔ ایسے میں حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"رات کے ابتدائی حصے میں میں پہرہ دوں گا، تم رات کے بعد والے حصے میں پہرہ دینا۔"

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ٹھیک ہے۔"

اب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سو گئے اور حضرت عبادہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ ادھر ایک کافر اس طرف آیا۔ وہ اس درّے تک پہنچ گیا، جہاں حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ پہرہ دے رہے تھے۔ اس وقت وہ نماز شروع کر چکے تھے۔ کافر نے انھیں دیکھ لیا۔ اس نے کمان میں تیر چڑھایا اور ان پر چلایا۔ تیر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ تیر لگنے پر بھی انھوں نے نماز نہ توڑی۔ البتہ اسی حالت میں تیر نکال کر پھینک دیا۔ اس آدمی نے دوسرا تیر چلایا، وہ بھی انھیں لگا۔ انھوں نے اس تیر کو بھی نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی۔ اب اس نے تیسرا تیر چلایا۔ وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ اس وقت تک کافی خون بہہ گیا تھا۔ اس لیے انھوں نے جلدی جلدی نماز پوری کی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو جگا دیا اور ان سے کہا:

"اٹھو! میں زخمی ہو گیا ہوں۔"
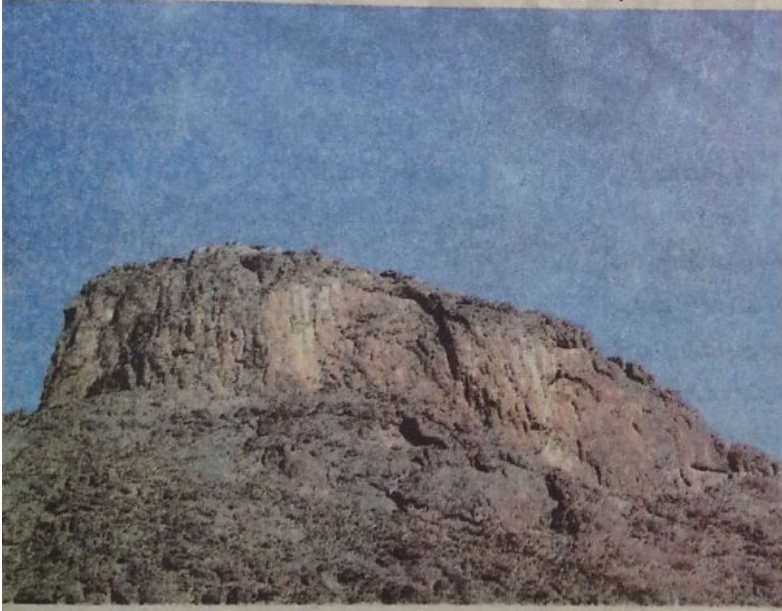
حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کی حالت دیکھ کر کہا:

"میرے بھائی! تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہ جگایا جب تمھیں پہلا تیر لگا تھا۔"

انھوں نے جواب دیا: "میں اس وقت نماز میں مشغول تھا اور میں نے سورۃ کہف شروع کر رکھی تھی۔ مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ اس سورۃ کو درمیان میں چھوڑ دوں۔"

ادھر وہ آدمی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اٹھتے دیکھ کر وہاں سے نکل بھاگا۔ اس واقعے کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا۔ دشمنوں میں سے ایک کا نام غورث تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے دکھاؤں۔"

ان لوگوں نے کہا: "ضرور کر دو، لیکن کیا تم ایسا کر سکو گے؟"

غورث بولا:

"میں بے خبری میں اچانک ان کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔"

چنانچہ یہ شخص غورث عین ایسے وقت آپ کے سامنے پہنچا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار آپ کے پاس رکھی تھی۔ اس نے نزدیک پہنچتے ہی تلوار اٹھا لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سونت کر بولا:

"اے محمد! تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟" (جاری ہے)

اسلامی جنگیں 28

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ بچائے گا۔''

غورث نے تلوار آپ کو واپس دے دی۔ اب آپ نے اس سے فرمایا: ''اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔''

غورث بولا: ''آپ کو تلوار لے کر نیک سلوک کرنا چاہیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

اس نے جواب میں کہا:

''میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہیں کروں گا اور نہ کبھی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ کے خلاف صف آرا ہوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ وہاں سے سیدھا اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا:

''میں اس وقت سب سے بہترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں۔''

بعد میں غورث نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ اسی غزوے سے واپسی پر پیش آیا۔

اس غزوے کے سلسلے میں آپ پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

راستے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھک کر چور ہو گیا اور اس سے چلنا دوبھر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک ڈنڈے سے ٹہوکا دیا۔ اس سے وہ یک دم اتنا تیز چلنے لگا کہ سارے قافلے سے آگے ہو گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب میں اسے روک رہا تھا تو بھی رک نہیں رہا تھا... اور روک اس لیے رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے چلتے ہوئے مجھے شرم آرہی تھی... ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

''کیا تم یہ اونٹ مجھے فروخت کر سکتے ہو؟''

میں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! یہ اونٹ آپ ہی کا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! مجھے فروخت کر دو، بس میں نے اسے چار دینار میں خرید لیا۔ مدینہ منورہ تک اس پر سواری کرنے کی اجازت ہے۔''

مدینہ پہنچنے پر آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اونٹ کی قیمت ادا کر دی اور اونٹ بھی انہی کو ہبہ کر دیا۔

اسی غزوے کے موقعے پر ایک عورت اپنے بیٹے کو لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے، اس پر شیطان کا غلبہ ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا:

''رسوا ہوا ے اللہ کے دشمن! میں اللہ کا رسول ہوں۔''

پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا:

''تمہارا بیٹا! ٹھیک ہو گیا ہے، اسے جو کچھ روگ تھا، اب کبھی نہیں ہوگا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ لڑکا بالکل ٹھیک ہو گیا۔

اسی غزوے میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک صحابی ایک چڑیا کے چھوٹے سے بچے کو پکڑ لائے۔ اسی وقت چڑیا وہاں آپہنچی اور اس شخص کے سامنے گر گئی۔ لوگوں کو اس بات پر بہت حیرت ہوئی۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تمہیں اس پرندے پر حیرت ہو رہی ہے... تم نے اس کے بچے کو پکڑ لیا... اس لیے یہ اپنے بچے کی محبت میں یہاں آئی اور خود کو یہاں گرا دیا... اللہ کی قسم! تمہارا پروردگار تم پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنا یہ پرندہ اپنے بچے پر ہے۔''

ان صحابی نے فوراً پرندے کے بچے کو چھوڑ دیا...

اس غزوے کے دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک اونٹ جھومتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سر جھکا کر بلبلانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جانتے ہو، یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے۔ یہ اپنے مالک سے میری پناہ مانگ رہا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کا مالک برسوں سے اس سے کھیتی باڑی کے سلسلے میں سخت مشقت لے رہا ہے اور اب اسے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ جابر جاؤ اور اس کے مالک کو بلا کر لاؤ۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں تو اس کے مالک کو نہیں جانتا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اونٹ کو ساتھ لے جاؤ... یہ تمہیں اپنے مالک تک لے جائے گا۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

پھر وہ اونٹ میرے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ اپنے مالک کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ میں نے اس کے مالک کو آنحضرت کا پیغام دیا۔ وہ میرے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی شکایت اس سے بیان کر دی۔ اس نے کہا:

"جی ہاں! اے اللہ کے رسول! بات یہی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مگر آقا کی طرف سے ایک نیک اور وفادار خادم کو یہ صلہ تو نہیں ملنا چاہیے۔"

اس نے وعدہ کیا کہ وہ اسے ذبح نہیں کرے گا۔

غزوہ ذات الرقاع سے واپس تشریف لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمادی الاول کے باقی دنوں سے رجب کے آخر تک مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے۔ پھر شعبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس غزوے کو غزوہ بدر ثانی کہتے ہیں۔ اس روانگی کی وجہ یہ تھی کہ غزوہ احد کے بعد جب کفار کا لشکر واپس جا رہا تھا تو ابوسفیان نے کہا تھا:

"آئندہ بدر کے میلے کے زمانے میں ہمارا تمہارا ملنے کا وعدہ رہا۔ یعنی مقابلے کا وعدہ رہا۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا، عمر، جواب میں کہہ دو:

"ہاں انشاء اللہ!" یعنی ہم بھی آجائیں گے۔

روانہ ہونے کی تاریخوں میں اختلاف ہے... اس زمانے میں ہر سال بدر کا میلہ لگتا تھا... اس میں شرکت کے لیے بہت لوگ آتے تھے... آٹھ دن تک وہاں قیام کرتے تھے... وہ وہاں سیر و تفریح اور تجارت کرتے تھے... مدینہ منورہ میں اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا... آپ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار صحابہ کا لشکر تھا۔ اس لشکر میں دس گھوڑے تھے...

ایک شخص نعیم بن مسعود نے ابوسفیان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریوں کی خبر دی۔ وہ مقابلے کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے انھوں نے نعیم بن مسعود سے کہا:

"اگر تم واپس مدینہ جا کر مسلمانوں کو اس کوچ سے روک دو تو میں تمھیں بیس اونٹ دوں گا۔"

پھر نعیم بن مسعود کو اونٹ پر سوار کرا کے کہا:

"میں اس وقت لشکر لے کر جانا مناسب نہیں سمجھتا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے آئیں اور ہم نہ جائیں تو اس سے ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ لہٰذا تم مدینہ منورہ جاؤ اور یہ خبر دو کہ ابوسفیان ایک بڑا لشکر لے کر آرہا ہے، جس کا وہ کسی صورت مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم ہمارا یہ کام کر دو تو تمھیں اتنے اونٹ دوں گا اور یہ اونٹ میں تمھیں سہیل بن عمرو کے ہاتھ سے دلواؤں گا۔"

یہ سن کر نعیم بن مسعود سہیل بن عمرو کے پاس آیا اور بولا:

"تم مجھے اونٹوں کی ضمانت دو۔ میں محمد کے پاس جا رہا ہوں، تاکہ انھیں کوچ کرنے سے روک دوں۔"

سہیل نے اونٹ دینے کا اقرار کر لیا۔ اب نعیم بن مسعود مدینہ منورہ آیا۔ یہاں اس نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا کہ ابوسفیان ایک بہت زبردست لشکر لے کر آرہا ہے۔ تم اس کا مقابلہ کسی صورت نہیں کر سکو گے (یہ نعیم بن مسعود بعد میں مسلمان ہوئے) جب یہ باتیں یہودیوں تک پہنچیں تو انھوں نے اس خبر کو اور زیادہ پھیلایا۔ اس پر مسلمان فکر مند ہو گئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنھما نے بھی یہ باتیں سنیں۔ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

"اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا بول بالا کرنے والا ہے۔ وہی اپنے دین کو سربلند فرمانے والا ہے۔ ہم سے دشمن نے مقابلے کے لیے آنے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے اب ہم رکنا پسند نہیں کرتے، کیونکہ وہ اسے ہماری بزدلی سمجھیں گے، لہٰذا وعدے کے مطابق چلیے، اللہ کی قسم اسی میں خیر ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشورہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں مقابلے کے لیے ضرور جاؤں گا، چاہے میرے ساتھ کوئی نہ چلے۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں سے مشرکوں کا خوف دور کر دیا۔ سب کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھایا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے میدان میں پہنچ گئے۔

ادھر نعیم بن مسعود کو بھیجنے کے بعد ابوسفیان نے قریش سے کہا:

"ہم نے نعیم کو بھیج دیا ہے، تاکہ وہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو کوچ سے روک سکے مگر ہمیں بھی وعدے کے مطابق کوچ کرنا چاہیے... لیکن ہم ایک یا دو رات کا فاصلہ طے کر کے واپس آجائیں گے... اس طرح یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے تو کوچ کیا تھا، لیکن جب ہمیں پتا چلا کہ مسلمان روانہ نہیں ہوئے تو ہم لوٹ آئے... اس طرح ہمارا نام اونچا اور ان کا نیچا ہو جائے گا... اور اگر وہ بھی مقابلے کے لیے نکل پڑے تو ہم کہہ دیں گے کہ یہ قحط سالی کا سال ہے... خوش حالی کے سال کے علاوہ کسی وقت جنگ کے لیے کوچ کرنا ہمارے لیے مناسب نہیں۔"

لوگوں نے ابوسفیان کی رائے کو پسند کیا اور وہ دو ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں پچاس گھوڑے سوار تھے۔ پھر اپنے فیصلے کے مطابق ایک یا دو رات کے سفر کے بعد واپس چلے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام پر پہنچ کر قریشی لشکر کا انتظار کرتے رہے، کیونکہ ابوسفیان نے بدر کے میلے کے دنوں میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام پر ذی قعدہ کے مہینے کی چاندرات کو پہنچے تھے... مسلمانوں نے وہاں آٹھ دن تک قیام کیا۔ مسلمان مکہ کی طرف سے آنے والوں سے جب قریشی لشکر کے بارے میں پوچھتے تو جواب ملتا۔

"قریش نے تم لوگوں کے خلاف بہت زبردست لشکر تیار کیا ہے۔"

مسلمان جواب میں کہتے:

"ہمارے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہی سب سے بہترین کارساز ہے۔"

غرض بدر کے میدان میں مشرکوں کا انتظار کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔

قریش کو مسلمانوں کے بدر میں آنے اور وہاں موجود رہنے کی اطلاعات ملیں تو صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا:

"میں نے تمھیں اسی دن کہا تھا کہ دشمن کو یوں چھوڑ کر مت جاؤ۔ اب ان کا حوصلہ بڑھ گیا ہے اور وہ ہم پر شیر ہو گئے ہیں۔ انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ ہم مقابلے پر آنے سے جان چرا گئے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ ہم اپنی کمزوری کی بنیاد پر لڑائی سے دامن بچا گئے ہیں۔"

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے سے لڑے بغیر واپس تشریف لائے، لیکن اس سے احد میں ہونے والی شکست کا بدلہ مل گیا۔ (جاری ہے)

راہِ جنت

راہ جنت ہے دکھلاتی
پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنت
سنت ہے فطرت کا تقاضا
سنت میں ہے پنہاں راحت
سنت اپناؤ بے تکلف
بن جائے گی پھر وہ عادت
عصیاں سے ہو جائے نفرت
نیکی کی ہو جائے رغبت
لب پر ورد درودوں کا ہو
دل میں ہو آقا ﷺ کی الفت
استادوں کا کہنا مانو
چاہتے ہو گر علم کی دولت
خاک پائے آقا ﷺ بننا
سچ ہے غلاموں کی ہے سعادت
بسم اللہ پڑھو گر پہلے
ہو گی پھر ہر کام میں برکت
موت سے مت گھبراؤ پیارو
مانگو اپنے رب سے شہادت
سنت کے سانچے میں ڈھالو
ظاہر باطن صورت سیرت
ہو گی پھر ملاقات اثر سے
اچھا بچو اب دو اجازت

اثر جون پوری

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

29

عبداللہ فارانی

دُومۃ الجندل شام کا ایک علاقہ ہے۔ اس بستی کے اور دمشق کے درمیان پیدل پانچ رات کا فاصلہ ہے۔ (اہل عرب گرمی کی وجہ سے رات کو سفر کیا کرتے تھے)۔ ملک شام کی بستیوں میں مدینہ منورہ سے قریب ترین بستی یہی ہے۔ اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان پندرہ یا سولہ رات کے سفر کا فاصلہ ہے۔ یہ جگہ تبوک کے مقام سے قریب ہے۔

غزوہ دومۃ الجندل :

4 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مشرکوں نے دُومۃ الجندل میں ایک بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔

یہ اطلاع ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور تیاری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کے لشکر کے ساتھ دُومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ واقعہ 4 ہجری کے آخر کا ہے۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ دُومۃ الجندل ربیع الاول 5 ہجری کو پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو سفر کرتے اور دن میں پڑاؤ ڈالتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو مشرکوں کو آپ کی آمد کی خبر ہو گئی، وہ وہاں سے بھاگ نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مویشیوں اور چرواہوں کو گھیر لیا۔ ان میں سے کچھ ہاتھ آ گئے، کچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بستی کے میدان میں قیام فرمایا۔ دشمنوں میں سے کوئی سامنے نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی تلاش میں مختلف سمتوں میں فوجی دستے روانہ فرمائے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی کوئی دشمن نہ مل سکا۔ تاہم یہ تمام دستے اونٹ وغیرہ کا مالِ غنیمت ضرور ساتھ لائے، صرف حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک شخص مل سکا۔ وہ اسے پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس روانہ ہوئے۔

غزوہ بنو مصطلق :

شعبان 5 ہجری میں غزوہ بن مصطلق پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث ابنِ ضرار مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر جمع کر رہا ہے۔ اس لشکر میں اس کی قوم کے لوگ بھی شامل ہیں اور دوسرے عرب بھی۔ ان پر حارث کا اثر رسوخ بہت ہے۔

یہ حارث بن ضرار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

اس لشکر کے خلاف نکلنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ چلنے سے پہلے انھوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! اگر کہیں میرا سامنا دشمن سے ہو جائے تو جان بچانے کے لیے جو کچھ وقت پر سوجھ جائے، کہہ کر ان سے اپنا پیچھا چھڑا سکتا ہوں۔ چاہے وہ بات حقیقت نہ ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہوئے اور بنی مصطلق پہنچے۔ وہاں انھیں ایک بڑا لشکر نظر آیا۔ ان لوگوں نے بھی انھیں دیکھ لیا۔ انھوں نے پوچھا:

"تم کون ہو اور تمہارا کس قوم سے تعلق ہے۔"

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا:

"میں تمہاری ہی قوم کا ایک شخص ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم لوگ اس شخص سے جنگ کرنے کے لیے لشکر تیار کر رہے ہو۔ اس لیے میں بھی چلا آیا۔ اب میں اپنی قوم اور اپنے قریبی لوگوں میں گھوموں پھروں گا، تاکہ ہم سب ایک جان ہو جائیں اور اس طرح اس شخص سے نجات حاصل کر لیں۔"

یہ سن کر بنی مصطلق کے سردار حارث نے کہا:

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں، اس لیے جو کچھ کرنا ہے، جلد از جلد کر ڈالو۔"

اس پر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں ابھی جاتا ہوں اور ایک بڑا لشکر لے کر تمہارے پاس پہنچتا ہوں۔"

یہ سن کر وہ سب بہت خوش ہوئے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تمام صورتِ حال بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی جنگ کی تیاری اور کوچ کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں نے بہت جلدی سے تیاری کی اور کوچ کیا۔

اسلامی لشکر کی روانگی 2 شعبان 5 ہجری کو ہوئی۔ مسلمانوں کے لشکر میں گھوڑے سوار بھی تھے۔ ان کی تعداد 30 تھی۔ ان میں دس گھوڑے مہاجرین کے تھے۔ ان میں دو گھوڑے زار اور ظرب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور بیس گھوڑے انصاری صحابہ کے تھے۔ اس موقعے پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

اس غزوے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امہات المومنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ لشکر میں منافقوں کی بھی اتنی بڑی تعداد شامل ہو گئی تھی کہ اتنی تعداد میں منافق پہلے کبھی شریک نہیں ہوئے تھے۔ ان منافقین میں عبداللہ بن ابی سلول اور زید بن سلت شامل تھے۔ ان لوگوں کو دراصل جہاد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ لوگ تو دنیاوی مال و دولت کے لالچ میں ساتھ ہوئے تھے، فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ ان کا خیال تھا، لڑنے کی نوبت تو آئے گی نہیں، بغیر محنت مشقت کے مال ہاتھ آ جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منزل بہ منزل چلتے ہوئے ایک جگہ پہنچے۔ پھر ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں قبیلہ عبد قیس کا ایک شخص آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔

"تمہارے گھر والے کہاں ہیں؟"

اس نے بتایا: "وہ روحا کے مقام پر رہتے ہیں۔"

آپ نے پوچھا: "کہاں کا ارادہ ہے۔"

جواب میں اس نے عرض کیا:

"آپ ہی کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ پر ایمان لاؤں اور شہادت دوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں، وہ حق ہے اور پھر آپ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمن سے جنگ کروں۔"

وقت

- ☆ وقت کسی کی میراث نہیں۔
- ☆ پابندیٔ وقت بیدار قوموں کا نشان ہے۔
- ☆ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔
- ☆ لوگ کہتے ہیں، وقت گزر جاتا ہے، جی نہیں ہم گزر جاتے ہیں۔
- ☆ وقت کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ اسے دنیا کی کوئی تیز رفتار شے نہیں پکڑ سکتی۔
- ☆ وقت مہلتِ عمل کا نام ہے۔

وجیہہ غلام رسول۔ کراچی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمام تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے تمہیں اسلام کا راستہ دکھایا۔''

اب اس نے پوچھا:

''کون سا عمل سب سے زیادہ اچھا عمل ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اول وقت میں نماز پڑھنا۔''

یہ صحابی آپ کے اس فرمان کے بعد ہمیشہ اول وقت ہی پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔

بنی مصطلق کے سردار حارث نے اسی دوران ایک مشرک کو جاسوسی کے لیے بھیجا۔ یہ شخص مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دشمن کا حال جاننے کے لیے سوالات کیے مگر اس نے کچھ بتانے سے انکار کردیا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام کی دعوت قبول کرنے سے بھی انکار کردیا۔ آخر آپ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا اور اسے قتل کردیا گیا۔

حارث کو یہ اطلاع ملی کہ اس کے جاسوس کو قتل کردیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں تو وہ گھبرا گیا۔ اس کے اردگرد جمع ہونے والوں پر بھی گھبراہٹ سوار ہوگئی۔ ان میں سے بہت سے تو اس کا ساتھ چھوڑ کر ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس کی طرف بڑھ رہے تھے یہاں تک کہ آپ مریسیع کے چشمے پر پہنچ گئے۔

یہاں آپ کے لیے ایک چمڑے کا قبہ نصب کیا گیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہا قیام پذیر ہوئیں۔

اب مسلمانوں نے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجروں کا پرچم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور انصاریوں کا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کافروں سے یوں کہیں:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اس کے ذریعے اپنی جان و مال کو محفوظ کرلو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جا کر مشرکوں سے یہ الفاظ کہے۔ انھوں نے ماننے سے انکار کیا۔ اس کے بعد جنگ کا آغاز ہوگیا۔ دونوں لشکروں نے پہلے ایک دوسرے پر تیراندازی کی، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم فرمایا:

''ایک ساتھ ان پر عام حملہ کرو۔''

تمام مسلمانوں نے مل کر کافروں پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ مشرکوں میں سے ایک شخص بھی مسلمانوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ان میں سے دس تو مارے گئے۔ باقی تمام گرفتار ہوگئے۔ ان میں مرد، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

مسلمانوں نے دشمنوں کے اونٹوں اور بکریوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ یہ اونٹ دو ہزار تھے اور بکریاں پانچ ہزار تھیں۔ ان سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام شقران کے حوالے کردیا۔ ان کا نام صالح تھا اور یہ حبشی تھے۔

قیدیوں کی تعداد دو سو گھرانوں پر مشتمل تھی۔ انھیں باندھ لیا گیا۔ ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوثعلبہ طائی رضی اللہ عنہ کو مریسیع کے مقام سے فتح کی خوش خبری دے کر مدینہ منورہ بھیجا۔

دشمن کے پڑاؤ سے جو مال، ہتھیار، ساز و سامان اور مویشی حاصل ہوئے تھے، ان سب کو جمع کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کو بیس بکریوں کے برابر قرار دیا۔

اس جنگ میں بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی بَرّہ بھی قیدی بنائی گئی تھیں۔ جب مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو بَرّہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور ان کے چچازاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا زاد بھائی کو بَرّہ کے حصے کے مطابق اپنی کھجوروں کے پیڑ دے دیے۔ اس طرح اب بَرّہ تنہا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آگئیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بَرّہ بنتِ حارث سے مکاتبت کرلی۔ مکاتبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ غلام سے کہہ دیا جائے کہ اس کی اتنی قیمت ہے، اگر یہ رقم ادا کردو تو تم آزاد ہو۔ اب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے بَرّہ کے لیے نو اوقیہ سونا مقرر کیا۔ یہ طے پانے کے بعد بَرّہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کرنے لگیں:

''اے اللہ کے رسول! میں ایک مسلمان عورت ہوں ... یعنی اسلام قبول کرچکی ہوں، کیونکہ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ... اور گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ... میں قوم کے سردار حارث کی بیٹی ہوں ... ہمارے ساتھ جو پیش آیا ہے، آپ جانتے ہی ہیں ... اب میں ثابت بن قیس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصے میں آئی ہوں ... ثابت بن قیس نے اپنے چچازاد بھائی کو کھجوروں کے درخت دے کر مجھے ان سے چھٹکارا دلا دیا ہے ... اب مجھ سے اتنی بڑی رقم پر مکاتبت کی ہے کہ میں ادا نہیں کرسکتی ... میری آپ سے درخواست ہے کہ یہ رقم ادا کرنے کے سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا:

''کیا میں تمہیں اس سے بہتر راستہ نہ بتادوں۔''

انھوں نے پوچھا:

''اور وہ کیا؟'' (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

30

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں یہ رقم خود ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں۔''

انھوں نے جواب دیا:

''اے اللہ کے رسول! میں تیار ہوں۔''

اس پر آپ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور اس بارے میں ان سے بات کی، انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکاتبت کی رقم ادا کردی، پھر ان سے نکاح کرلیا۔ اس وقت ان کی عمر 20 سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلامی نام جویریہ رکھا۔ اس طرح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ام المومنین بن گئیں۔

ادھر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث اپنی بیٹی کو فدیے میں دینے کے لیے بہت سے اونٹ لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا سکیں۔ عقیق کے مقام پر جب انھوں نے اونٹوں پر نظر ڈالی تو ان میں دو اونٹ بہت عمدہ لگے۔ انھوں نے ان دونوں اونٹوں کو ایک گھاٹی میں چھپا دیا۔ باقی اونٹ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی:

''اے محمد! تم نے میری بیٹی کو پکڑ لیا ہے ... میں اس کا فدیہ لے کر آیا ہوں . . . مہربانی فرما کر یہ اونٹ لے لیں اور اسے چھوڑ دیں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اور وہ دو اونٹ ... جنھیں تم عقیق کی وادی میں چھپا آئے ہو۔''

حارث یہ سنتے ہی حیرت زدہ رہ گئے، کیونکہ انھیں ایسا کرتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ فوراً پکار اٹھے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، کیونکہ اس بات کی خبر میرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔''

یہ کہہ کر وہ مسلمان ہوگئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے ملوایا تو انھوں نے اپنے والد سے کہا:

''میں نے اپنے لیے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرلیا ہے۔''

جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تو انھوں نے بنی مصطلق کے قیدیوں کو چھوڑ دیا، کیونکہ اب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتے دار بن گئے تھے۔ اس طرح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنے قبیلے کے لیے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ ان کی وجہ سے وہ سب آزاد ہوگئے۔ اس پر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ رہائی پانے کے بعد یہ سب لوگ مسلمان ہوگئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں یہ الفاظ فرمائے:

''میرے علم میں اپنی قوم کے لیے جویریہ سے زیادہ بابرکت عورت کوئی ثابت نہیں ہوئی کہ ان سے شادی کرلینے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو گھرانوں کو آزاد فرمایا''

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے قبیلے پر چڑھائی فرمائی تو اس سے تین دن پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یثرب سے چاند طلوع ہوا اور چلتے چلتے میری گود میں آگیا۔ میں نے کسی سے اس خواب کا ذکر نہیں کیا۔ پھر جب ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیدی بن گئے تو میں نے خواب پورا ہونے کی آرزو کی اور اللہ نے میرا خواب پورا کردیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کرلیا۔''

غزوہ خندق:

غزوہ بنی مصطلق کے بعد غزوہ خندق پیش آیا۔ اس غزوے کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جب بنی نضیر کے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تو ان کے بڑے بڑے سردار مکے میں قریش کے پاس گئے۔ ان سرداروں میں ایک حیی بن اخطب تھا جو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ دوسرا ان کا عالم سلام بن مشکم تھا۔ ان کے علاوہ ان کا ایک سردار کنانہ بن ابوحقیق تھا، ان کے ساتھ ہوذ بن قیس اور ابوعامر فاسق بھی تھے۔ ان لوگوں نے مکہ پہنچ کر قریش سے کہا:

''آپ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے میدان میں نکلیں۔ ہم جنگ کی صورت میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ یہاں تک کہ ہم مسلمانوں کی جماعت کو نیست و نابود کردیں گے۔ ان سے دشمنی میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

ابوسفیان یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے:

''مرحبا! خوش آمدید! ہمارے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ہمارا مددگار ہو، لیکن ہم اس وقت تک تم پر بھروسہ نہیں کرسکتے جب

تک کہ تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہیں کر لیتے۔ اس طرح ہمارے دل مطمئن ہو جائیں گے۔

یہودیوں نے فوراً ہی بتوں کو سجدہ کر ڈالا۔ اس کے بعد قریش نے ان سے کہا:

"اے گروہِ یہود! تم اہلِ کتاب ہو اور تمہاری کتاب سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس لیے تمہارا علم بھی زیادہ ہے، لہٰذا اس جھگڑے کے بارے میں بتاؤ جو ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اختلاف کا سبب ہے۔ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہمارے دین سے اچھا ہے۔"

اس پر یہودی بولے:

"نہیں! تمہارا ہی دین بہتر ہے۔ حق وصداقت میں تم ان سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہو۔ تمہارا راستہ ہی ہدایت کا راستہ ہے، اس لیے کہ تم لوگ بیت اللہ کی تعظیم کرتے ہو، حاجیوں کو پانی پلاتے ہو، قربانیاں کرتے ہو اور انھی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا ہر لحاظ سے حق وصداقت اور سچائی تمہارے ساتھ ہے۔"

یہودیوں کا جواب سن کر قریش بہت خوش ہوئے اور ان کے مشورے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے راضی ہوگئے، چنانچہ اسی وقت قریش کے مختلف خاندانوں سے پچاس جوان نکلے۔ انھوں نے کعبے کا غلاف پکڑ کر عہد کیا کہ وقت پڑ ایک دوسرے کو دغا نہیں دیں گے اور جب تک ان میں سے ایک بھی شخص باقی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑیں گے۔"

اس طرح قریش اور ان کے ماتحت قبیلوں اور قبیلہ غطفان اور اس کے ماتحت قبیلوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قریشیوں کے سالار ابوسفیان تھے۔ انھوں نے چار ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر میں تین سو گھوڑے سوار تھے۔ ایک ہزار یا پندرہ سو اونٹ تھے۔ ان لوگوں نے دارالندوہ میں جنگی پرچم تیار کیا۔ پرچم عثمان بن ابوطلحہ کو سونپا گیا۔ عثمان بن ابوطلحہ کا باپ جنگِ احد میں قتل ہوا تھا۔ اس کے دونوں چچا بھی غزوہ احد میں مارے گئے تھے۔ ان کے نام عثمان بن ابو طلحہ اور ابوسعید بن ابوطلحہ تھے۔ اسے ابوشیبہ بھی کہا جاتا تھا۔

عثمان بن ابوطلحہ کے چاروں بھائی بھی قتل ہو چکے تھے (یہ عثمان بن طلحہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) انھیں حجبی کہا جاتا تھا۔ ان کا خاندان کعبے کا خادم اور محافظ تھا۔

قبیلہ غطفان کے لشکر کے سردار کا نام عیینہ بن حصن فزاری تھا۔ یہ بنی فزارہ میں سے اس کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ یہ شخص بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، لیکن مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو گیا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور دوبارہ مسلمان ہوا۔ اسلام لانے سے پہلے دس ہزار آدمی اس کے ساتھی تھے۔ اس کا مزاج بے حد سخت تھا۔

اسی طرح قبیلہ بنی مرہ کا لشکر تھا۔ اس کی تعداد چار سو تھی۔ بنی اشجع کے لشکر کا سالار ابو مسعود بن رخیلہ تھا (یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) اسی طرح بنی سلیم کا لشکر تھا۔ اس کی تعداد سات سو تھی۔ اس لشکر کا سالار سفیان ابن عبد شمس تھا۔ پھر بنی اسد کا لشکر تھا۔ اس کا سالار طلیحہ بن خویلد اسوی تھا۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہوا، لیکن پھر اسلام سے پھر گیا اور مرتد ہو گیا تھا، مگر دوسری مرتبہ پھر مسلمان ہوا۔ اس مرتبہ سچے دل سے اسلام لایا تھا۔ بنی اشجع اور بنی اسد قبیلوں کی شرکت کی وجہ سے کفار کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

اس لشکر کو لشکرِ احزاب اسی لیے کہا گیا کہ اس میں کفار کے تمام قبائل اور خاندان شریک ہوئے تھے۔ احزاب حزب کی جمع ہے اور حزب، جماعت یا گروہ کو کہتے ہیں۔

اس پورے لشکر کے سردار ابوسفیان تھے۔ جب جنگ کی تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں اور اتحادی لشکر کوچ کے لیے تیار ہو گیا تو دوسری طرف بنی خزاعہ کا ایک وفد مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قبیلہ مسلمانوں کا دوست تھا۔ اس وفد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر قریش کی جنگی تیاریوں کے لشکر کی تفصیلات بتائیں۔ آپ ﷺ نے اتنے لشکروں کے آپس میں مل جانے اور ان کی جنگی تیاریوں کی تفصیل سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو جمع فرمایا۔ صورتِ حال بیان فرما کر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:

"تم لوگ کیا کہتے ہو، ہم مدینہ منورہ میں رہ کر اس بڑے لشکر کا مقابلہ کریں یا باہر نکل کر اسے روکیں۔"

اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہم لوگ اپنے ملک فارس میں دشمن کی زیادہ تعداد کا مقابلہ اس طرح بھی کرتے تھے کہ شہر کے گرد خندق کھود لیا کرتے تھے۔"

دراصل یہ طریقہ فارسیوں ہی کا ایجاد کردہ تھا۔ فارس کے جس بادشاہ نے سب سے پہلے یہ طریقہ ایجاد کیا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا بادشاہ تھا۔ غرض مسلمانوں کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے۔ آپ ﷺ کے ساتھ مہاجر اور انصاری مسلمان بھی تھے۔ آپ ﷺ کے لیے وہاں ایک مناسب سی جگہ تلاش کی گئی۔ وہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی زرہ کو کمر کے پیچھے کر لیا اور صحابہ کرام سے فرمایا:

"اگر ہم نے صبر اور استقلال سے کام لیا تو فتح حاصل ہوگی۔"

پھر آپ ﷺ خود ہی صحابہ کرام کے ساتھ کام میں شریک ہو گئے۔ آپ ﷺ اپنی کمر پر مٹی ڈھونے لگے۔ یہ خندق کی کھدائی کا آغاز تھا۔ مسلمانوں نے بہت تیزی اور محنت سے کام شروع کیا۔ انھیں یہ خوف تھا کہ خندق کی کھدائی مکمل ہونے سے پہلے کہیں دشمن نہ پہنچ جائے۔ اس لیے انھیں بہت زیادہ جان فشانی سے کام کرنا پڑا۔

خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرام کو بھوک نے بھی پریشان کیا۔ وہ زمانہ تنگ دستی اور قحط سالی کا تھا۔ جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام پر بھوک کا بہت زیادہ اثر دیکھا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھا:

"اے اللہ! عیش وآرام اور زندگی اگر ہے تو صرف آخرت کی ہے۔ بس تو انصاریوں اور مہاجروں کو اپنی رحمتوں سے نواز دے۔"

اس شعر کے علاوہ بھی چند شعر پڑھے۔ خندق کھودنے والوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

"تمہیں باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی۔"

(جاری ہے)

اسلامی جنگیں 31

قدم بہ قدم

کھدائی کے دوران کسی صحابی کو شدید ضرورت (استنجے وغیرہ) کے لیے جانا پڑتا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر جاتے اور جلد لوٹ آتے، پھر پہلے سے بھی زیادہ تن دہی سے کھدائی شروع کر دیتے، تاکہ زیادہ سے زیادہ خیر و برکت حاصل ہو۔

اس کھدائی میں منافق بھی شامل تھے، لیکن وہ نہایت بے دلی سے اور سستی سے کام کر رہے تھے۔ جب ان میں سے کوئی اکتا جاتا تو خاموشی سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے بغیر اپنے گھر کو لوٹ جاتا۔

خندق کھودنے والوں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، بڑا اچھا لڑکا ہے۔ کھدائی کے دوران انھیں نیند آنے لگی تو وہیں خندق کے اندر سو گئے۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ نے انھیں سوتے دیکھا تو ان کے اوزار اٹھا لے گئے۔ ان کی آنکھ کھلی تو اپنے اوزار نہ پا کر گھبرائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پریشان دیکھ کر فرمایا:

"لڑکے! تم ایسے سوئے کہ اوزار اٹھ جانے کی بھی خبر نہ ہوئی۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس لڑکے کے اوزاروں کے بارے میں کسی کو خبر ہے۔"

حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے خبر ہے۔ وہ میرے پاس ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان کے اوزار واپس کر دو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

"کوئی کسی کے اوزار وغیرہ نہ اٹھائے، اس طرح دوسرے کو پریشانی ہوتی ہے۔"

خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت پتھر درمیان میں آ گیا۔ صحابہ سخت کوشش کے باوجود اسے نہ توڑ سکے اور تنگ آ گئے۔ آخر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اس کے بارے میں بتایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال اپنے دستِ مبارک میں لی اور اس پتھر پر ماری۔ وہ ریت کی طرح بھربھرا گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی منگوایا۔ اس پانی میں اپنا لعاب دہن شامل کیا۔ اس کے بعد وہ پانی اس پتھر پر چھڑکا۔ اس پر وہ پتھر ریت کی طرح نرم ہو گیا جسے کھودنے کے لیے کدال کی بھی ضرورت نہ رہی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنے کپڑے میں بھر بھر کر مٹی ڈھو رہے تھے۔ جلدی میں وہ کوئی ٹوکرا ساتھ نہیں لا سکے تھے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جس جگہ کھدائی کر رہے تھے، وہاں بھی ایک پتھر راستے میں آ گیا۔ انھوں نے اس پر کدال ماری تو وہ نہ ٹوٹا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ان کے قریب ہی تھے۔ آپ نے انھیں پریشان دیکھا تو کدال ان کے ہاتھ سے لے لی اور پتھر پر ضرب لگائی تو ایک بجلی کا جھما کا سا ہوا۔ دوسری ضرب لگائی تو پھر روشنی چمکی۔ تیسری بار ضرب لگائی تو تیسری بار پھر جھما کا ہوا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! یہ روشن جھماکے کیسے تھے جو کدال مارتے نظر آئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"سلمان! کیا تم نے جھماکے دیکھے تھے۔"

انھوں نے عرض کیا:

"جی ہاں!"

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جہاں تک پہلے جھماکے کا تعلق ہے تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن کی فتح نصیب فرمائی۔ دوسرے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور مغرب پر غلبہ عطا فرمایا اور تیسرے جھماکے کے ذریعے حق تعالیٰ نے مشرق کو میرے لیے فتح فرما دیا اور ان پر غلبہ عطا فرمایا۔"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جھماکوں کے ذریعے یہ خوش خبریاں سنائی گئیں۔ غرض جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی کھدائی سے فارغ ہو گئے تو اسی وقت قریش اور ان کے حامیوں کا لشکر مدینے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی۔ کفار کے لشکر نے پانی کے بہاؤ کی جگہ پڑاؤ ڈالا۔

ان کے مقابلے میں مسلم لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کے ساتھ سلع پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالا۔ اس طرح یہ پہاڑ مسلمانوں کی کمر کی طرف آ گیا اور مسلمان کمر کی طرف سے محفوظ ہو گئے۔ اس طرف سے دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں رہ گیا۔ سامنے کی طرف کافروں اور مسلمانوں کے درمیان خندق تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس خیمے میں ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جحش رضی اللہ عنہا تھیں۔

خندق کی کھدائی میں تقریباً بیس پچیس دن لگے تھے۔

کھدائی کرنے کے لیے بالغوں کے ساتھ نابالغ لڑکے بھی شریک ہو گئے تھے۔ کھدائی مکمل ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابالغ لڑکوں کو واپس بھیج دیا۔ ان کی عمریں ابھی پندرہ سال سے کم تھیں۔ ان میں جو پندرہ سال کے ہو چکے تھے، انھیں لشکر میں شرکت کی اجازت دے دی۔ جنھیں اجازت ملی، ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم۔

مدینہ منورہ میں مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ اس طرح پورا شہر ایک قلعے جیسا تھا۔ شہر کی طرف ایک سمت کھلی تھی۔ باقی اطراف میں مکانات یا باغات تھے۔ دشمن اس طرف سے حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ جو سمت کھلی تھی، خندق اسی طرف بنائی گئی تھی۔

اپنی غیر موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قائم مقام حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیط اور حضرت سفیان بن عوف رضی اللہ عنہما کو کفار کے لشکر کی معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ مشرکین نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور شہید کر دیا۔ ان دونوں کی لاشیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح یہ دونوں جڑواں شہید کہلائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا پرچم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور انصار کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔ اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اسلم کو دو سو آدمی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمی دے کر مدینہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔ یہ دونوں دستے بلند آواز سے تکبیر کہتے رہتے تھے، کیونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ مدینہ کے یہودی، مسلمان بچوں اور عورتوں پر حملہ نہ کر دیں اور اس کی

وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں اور ان کے درمیان جو معاہدہ تھا، وہ انھوں نے توڑ دیا تھا۔

ادھر جب مشرکوں کا لشکر مدینہ منورہ کے سامنے پہنچا اور انھیں خندق نظر آئی تو وہ حیران رہ گئے، کہنے لگے:

''خدا کی قسم! یہ تو بڑی سخت چال ہے۔ ہمیں تو اس کا پتا تک نہیں تھا۔''

اب مشرکین کے سردار باری باری اپنے دستوں کو لے کر خندق کی طرف آتے۔ ادھر اُدھر گھومتے پھرتے اور واپس پڑاؤ کی طرف لوٹ جاتے۔

ایک دن ابوسفیان اپنا دستہ لے کر آئے اور خندق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگا کر لوٹ گئے۔ دوسرے دن خالد بن ولید اپنا دستہ لے آئے، ناکام لوٹ گئے۔ اسی طرح تیسرے دن عمرو بن حامل نے چکر لگایا۔ ایک دن ہبیرہ بن وہب اپنے دستے کو لے کر گیا۔ ایک دن عکرمہ بن ابوجہل نکلے تو ایک دن ضرار بن خطاب نے اپنے دستے کے ساتھ خندق کے ساتھ ساتھ چکر لگایا۔

یہ لوگ اسی طرح اپنے گھوڑے سوار دستوں کو گھماتے پھراتے رہے، کبھی اکٹھے ہو جاتے تو کبھی الگ الگ۔ مگر کسی طرف انھیں کوئی کامیابی نہ ہوتی۔

دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کسی وقت اچانک آگے بڑھتے اور اپنے دستوں کو مشرکین پر تیر اندازی کا حکم دیتے۔ اس طرح یہ چھیڑ چھاڑ ایک مدت تک جاری رہی۔ اس دوران تیر اندازی کے سوا کوئی جنگ نہ ہو سکی۔ کبھی کبھی ایک دوسرے پر پتھر بھی پھینکے جاتے تھے۔

ایسے میں ایک دن نوفل بن عبداللہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو خوب تیز دوڑایا تا کہ وہ چھلانگ لگا کر خندق کو پار کر جائے، لیکن گھوڑا خندق کو پار نہ کر سکا اور سوار سمیت خندق میں گر گیا۔ خندق میں گرتے ہی اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ ہلاک ہو گیا۔

اس بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ جب وہ خندق میں گرا تو مسلمان اس پر پتھر برسانے لگے۔ اس پر اس نے کہا:

''اس سے بہتر تو یہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالو۔

اس کی بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ خندق میں اترے اور تلوار کا وار کر کے اسے دو ٹکڑے کر دیا۔

مشرکین کو نوفل کی ہلاکت پر بہت رنج ہوا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا:

''آپ ہمیں اس کی لاش دے دیں تا کہ ہم اسے دفن کر سکیں۔ ہم اس کی دیت آپ کو دے دیتے ہیں۔'' (یعنی لاش کی قیمت)

جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھجوایا:

''وہ مردار تھا، اس پر اللہ کی لعنت ہوئی، اس کی دیت (قیمت) پر بھی اللہ کی لعنت۔ تم اس کی لاش لے جا سکتے ہو۔''

مشرکین نے اس کی لاش کے بدلے دس ہزار کی پیش کش کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہلوایا:

''نہ اس کی لاش میں کوئی خیر ہے، نہ اس کی دیت میں۔''

بنی نضیر کے یہودیوں کا سردار حییٔ بن اخطب قریش کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لیے لایا تھا۔ راستے میں اس نے کہا تھا:

''میری قوم تو تمہارے ساتھ ہے ہی، ہم بنی قریظہ کو بھی ساتھ ملا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ہتھیار بہت بڑی تعداد میں ہیں، قبیلے میں سات سو جانباز ہیں۔''

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

عبداللہ فارانی

''تم ان لوگوں کے پاس جاؤ، ان سے کہو، وہ امن کے اس معاہدے کو توڑ دیں جو انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رکھا ہے اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔''

حییٔ بن اخطب اسی وقت روانہ ہو گیا۔ وہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی کے پاس آیا۔ یہی شخص اس معاہدے کا ذمے دار تھا جو ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ غرض کعب کے مکان پر پہنچ کر حییٔ نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ کعب نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حییٔ نے اصرار کیا تو کعب نے کہا:

''دور جاؤ! تیرا ناس ہو حییٔ ... تو بہت ہی منحوس آدمی ہے ... میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جو معاہدہ کر چکا ہوں، اسے ہرگز نہیں توڑوں گا ... میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وفا اور سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔''

اس پر حییٔ نے کہا:

''کم بخت! دروازہ تو کھول، میں تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

جواب میں کعب نے کہا:

''میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔''

یہ کہا اور اسے برا بھلا کہنے لگا۔ ادھر حییٔ نے بھی اسے برا بھلا کہا، آخر تنگ آ کر کعب نے دروازہ کھول دیا۔ اندر آنے پر حییٔ نے کہا:

''خدا کی مار کعب! میں تو تیرے لیے دنیا جہاں کی سربلندی اور عزت لے کر آیا ہوں اور تو بات کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میں قریشِ مکہ کو تمہارے گھروں تک لے آیا ہوں۔ ان لوگوں نے عہد کیا ہے کہ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو نیست و نابود نہیں کر دیں گے۔''

اس پر بھی کعب نے کہا:

''خدا کی قسم! تو میرے لیے دنیا جہان کی ذلت اور رسوائی لے کر آیا ہے اور وہ بات پیش کر رہا ہے جس سے ڈر لگ رہا ہے، کیونکہ میرے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائے ایمان داری اور وفا کے کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ حییٔ! تو میرا پیچھا چھوڑ دے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔''

حییٔ بن اخطب اس پر بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس نے کعب کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر کعب نے کہا:

''اچھا ٹھیک ہے! میں تمہارا ساتھ دوں گا اور اگر قریش اور قبیلہ غطفان کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیے بغیر لوٹ گئے تو بھی میں تمہارے ساتھ تمہاری حویلی میں قلعہ بند رہوں گا اور جتنا نقصان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا سکا، پہنچاؤں گا۔''

اس طرح کعب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ اس نے معاہدے کی تحریر بھی پھاڑ دی۔

(جاری ہے)

اس کے بعد کعب نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا۔
کعب نے ان سرداروں سے کہا:
''میں معاہدہ توڑ چکا ہوں۔ وہ پرامن سمجھوتہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا، اسے چاک کر چکا ہوں۔''
اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت کا ارادہ فرمایا، یعنی اس ہلاکت کا راستہ انھوں نے خود صاف کر دیا۔ یہودیوں میں حیی بن اخطب اپنی حرکتوں کی بنیاد پر ایسا ہی تھا جیسے قریش کا ابوجہل تھا۔

اسلامی جنگیں 32

قدم بہ قدم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بدعہدی کی اطلاع ہوئی۔ آپ کو یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دی۔ انھوں نے آ کر کہا:
''اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی قریظہ نے عہد شکنی کر دی ہے۔ اب وہ ہم سے لڑیں گے۔''
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر سے بہت پریشان ہوئے، کیونکہ وہ ایسا نازک وقت تھا جب ایک طاقت ور دشمن شہر کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ ان حالات میں گھر کے اندر یہودیوں کا دشمنی کرنا سخت تکلیف دہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورتِ حال جاننے کے لیے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ ان کے ساتھ آپ نے حضرت ابن رواحہ اور حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہما کو بھی بھیجا اور ایک روایت کے مطابق حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:
''جاؤ اور دیکھو، بنو قریظہ کے یہودیوں کی غداری کے بارے میں ہمیں جو بات معلوم ہوئی ہے، کیا وہ درست ہے۔ اگر خبر درست ہو تو واپس آ کر مجھے اشاروں میں خبر دینا تاکہ میں سمجھ جاؤں اور دوسرے مسلمانوں کو پتا نہ چلے۔ اس طرح لوگوں میں بے حوصلگی اور کمزوری نہیں ہوگی اور اگر یہ خبر غلط ہو تو پھر سب کے سامنے بتا دینا، کیونکہ اس صورت میں لوگوں پر برا اثر نہیں پڑے گا۔''
یہ حضرات روانہ ہوئے اور بنی قریظہ میں پہنچے۔ انھیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ بدعہدی کر چکے ہیں اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے پر آمادہ ہیں۔ ان حضرات نے یہودیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ یاد دلایا تو وہ بولے:
''کون رسول اللہ! ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔''
بنی قریظہ کے یہ یہودی، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قبیلے اوس کے حلیف تھے (یعنی طرف دار تھے) اسی لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:
''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''
اس پر یہودیوں نے بھی انھیں سخت سست کہا۔ اس پر یہ حضرات واپس لوٹ آئے اور اشاروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ یہ خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''مسلمانو! تمھیں اللہ کی مدد اور نصرت کے لیے خوش خبری ہو۔''
اس واقعے سے مسلمانوں کو اندازہ ہو گیا کہ یہودی کتنے دھوکے باز ہیں۔ اس نازک موقعے پر منافقوں کا نفاق بھی نظر آنے لگا تھا۔ وہ کہتے پھرتے تھے:
''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے کہ ہمیں قیصر و کسریٰ کے خزانے حاصل ہوں گے جب کہ آج ہماری حالت یہ ہو رہی ہے کہ استنجے کے لیے جاتے ہوئے بھی ہمیں جان کا خوف ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول نے ہمارے ساتھ صرف دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔''
اب مشرکوں کی طرف سے کوشش ہونے لگی کہ وہ کسی طرح خندق پار کر لیں۔ ان میں سے چند آگے آئے۔ انھوں نے خندق عبور کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو خوب دوڑایا اور جس جگہ خندق کی چوڑائی کچھ کم تھی، اس جگہ سے اسے عبور کرنے کی کوشش کی اور چند آدمی خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں حضرت عکرمہ بن ابوجہل، ہبیرہ بن ابووہب، ضرار بن خطاب (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی) اور عمرو بن عبدِ وُدّ بھی تھے۔ ہبیرہ بن ابووہب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن امِ ہانی کا شوہر تھا۔ یہ شخص کفر کی حالت میں مرا تھا۔
خندق عبور کرنے والوں میں عمرو بن عبدِ وُدّ کی عمر 90 سال تھی، لیکن یہ شخص بہت زیادہ طاقت ور تھا، اسے ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ کر کہا:
''کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔''
اس کی للکار سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:
''اے اللہ کے رسول! میں اس سے مقابلے کے لیے جاتا ہوں۔''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ! یہ عمرو بن عبدِ وُدّ ہے۔''
عمرو نے پھر للکارا:
''میرے مقابلے میں کیوں نہیں آتے، تمھاری وہ

جنت کہاں گئی جس کے بارے میں تم لوگ کہتے ہو، تم میں سے جو قتل ہوگا، وہ اس میں داخل ہوگا۔ کیا تم میں سے کوئی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

ساتھ ہی وہ یہ شعر پڑھنے لگا:

"میں تمہاری جماعت کے سامنے مسلسل اعلان کر رہا ہوں، ہے کوئی مقابلے میں آنے والا۔"

اب پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کرنے لگے:

"اللہ کے رسول! مجھے اس کے مقابلے میں جانے کی اجازت دیجیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

"بیٹھ جاؤ! یہ عمرو بن عبدِ وَد ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"تو کیا ہوا! آپ مجھے اجازت دے دیں۔"

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھی بات ہے! جاؤ! اور اس سے مقابلہ کرو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اس وقت آپ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

"جلدی نہ کر، تیری للکار کو قبول کرنے والا تیرے سامنے آگیا، جو تجھ سے کسی طرح عاجز اور کمزور نہیں۔"

ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے مقابلے میں بھیجتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ذوالفقار عطا فرمائی تھی۔ اپنی لوہے کی زرہ انھیں پہنائی تھی، اپنا عمامہ بھی ان کے سر پر باندھا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔

"اے اللہ! اس کی مدد فرما۔"

ایک اور روایت میں دعا کے الفاظ یہ آئے ہیں:

"اے اللہ! یہ میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے۔ پس تو اسے تنہا نہ چھوڑ۔ تو ہی سب سے بہترین سہارا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ عمرو بن عبد وَد کی طرف بڑھے اور اس کے نزدیک پہنچ کر عمرو سے کہنے لگے:

"اے عمرو! تم نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ قریش میں سے جو شخص بھی تمہیں دو میں سے ایک بات کی دعوت دے گا، تم اسے فوراً قبول کرلوگے۔"

یہ سن کر عمرو نے کہا:

"ہاں! میں نے یہ عہد کیا تھا۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تو میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔"

اس نے کہا:

"مجھے ان میں سے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں۔"

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تب میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

عمرو بن عبد وَد نے غزوہ بدر میں شکست کے موقعے پر یہ قسم کھائی تھی کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہیں کر لوں گا، اس وقت تک سر میں تیل نہیں لگاؤں گا۔"

مقابلے کا فیصلہ ہوتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ وہ پوری طرح لوہے میں غرق کھڑا تھا، یعنی سر سے پیر تک زرہ اور خود میں چھپا تھا۔ چہرہ بھی خود سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ آپ نے اس کا وار روکنے کے لیے ڈھال سامنے کر دی۔ عمرو کی تلوار ڈھال پر لگی اور اسے پھاڑتی ہوئی آپ کی پیشانی تک پہنچ گئی۔ آپ کی پیشانی پر زخم آیا۔ زخم سے خون بہنے لگا۔ آپ نے فوراً جوابی حملہ کیا اور اس کی گردن کے نچلے حصے یعنی ہنسلی پر تلوار ماری۔ تلوار اس کی گردن کو کاٹ گئی۔ وہ فوراً گرا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے علاوہ جو لوگ خندق عبور کر آئے تھے، وہ اسے قتل ہوتے دیکھ کر بھاگ نکلے۔ جب آپ اسے ختم کر کے واپس لوٹے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"اے علی! تم اس کے مقابلے پر خود کو کیسا محسوس کر رہے تھے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں خود کو اس کے مقابلے میں اس قدر بھاری بھرکم محسوس کر رہا تھا کہ وہ تمام لوگ ایک طرف ہوں اور تنہا میں ایک طرف ہوں تو میں ان سب پر غالب آجاؤں گا۔"

عمرو بن عبد وَد کی لاش حاصل کرنے کے لیے مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا:

"آپ ہمیں اس کی لاش اٹھا لینے دیں، ہم آپ کو لاش کے دس ہزار دے دیتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہلا بھیجا:

"تم اس کی لاش لے جاسکتے ہو، ہم مُردوں کی قیمت نہیں لیا کرتے۔"

ادھر جب باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا کیا اور بھاگتے ہوئے ایک مشرک پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار سے اس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ ان کی تلوار اس کے سر پر لگی تھی اور کاٹتی ہوئی کولہوں تک پہنچ گئی اور کولہوں سے نیچے اس کے گھوڑے کی کمر تک پہنچ گئی۔ اس پر مسلمانوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے ابوعبداللہ! ہم نے تمہاری تلوار جیسی کاٹ نہیں دیکھی۔"

جواب میں انہوں نے کہا:

"اللہ کی قسم! یہ تلوار کا نہیں، تلوار چلانے والے بازو کا کمال ہے۔"

عبداللہ فارانی

اس مشرک کے دو ٹکڑے کرتے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے باقی مشرکوں کا تعاقب کیا، لیکن وہ نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔

اب مشرک خندق کے کنارے آ جمع ہوئے۔ مسلمان بھی خندق کے دوسری طرف پہنچ گئے اور جنگ ہونے لگی، ظاہر ہے، اس جنگ میں تیر چلائے گئے ہوں گے، کیونکہ خندق درمیان میں تھی یا پھر پتھر پھینکے گئے ہوں گے۔ یہ سلسلہ تمام دن جاری رہا۔ جنگ کی شدت کی وجہ سے اس روز کوئی مسلمان ظہر سے عشا تک کوئی سی نماز نہ پڑھ سکا۔ مسلمان بار بار یہ کہتے تھے، ہم نماز نہیں پڑھ سکے۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے:

"اور نہ میں پڑھ سکا۔"

آخر جنگ رکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قبے پر تشریف لائے اور بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ پھر ظہر کی تکبیر کہی گئی اور ظہر کی نماز ادا کی گئی، پھر عصر کی نماز کی تکبیر کہی گئی، پھر مغرب کی نماز کی تکبیر کہی گئی، اس طرح تین نمازیں باجماعت قضا پڑھی گئیں۔ پھر عشاء کی نماز ادا کی گئی۔

رات کے وقت کچھ مسلمان اپنے مقتولوں کو دفنانے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں انھیں بیس اونٹ مل گئے۔ ان پر گندم اور کھجوریں لدی ہوئی تھیں۔ رسد کا یہ سامان، حیی بن اخطب نے قریش کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ مسلمان ان اونٹوں کو ہانک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ یہ مال ملنے پر مسلمانوں کو خوشی ہوئی۔

دوسری طرف ابوسفیان کو اس نقصان کا پتا چلا تو اس نے کہا:

"یہ حیی بڑا منحوس ہے۔"

اس کے ایک یا دو دن بعد خالد بن ولید مشرکوں کے ایک دستے کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے نکلے۔

(جاری ہے)

حضرت عائشہ کا خط

رضی اللہ عنہا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، لیکن بات مختصر اور جامع ہو، زیادہ نہ ہو، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں یہ خط لکھا، جو مختصر اور جامع تھا:

"سلام ہو تم پر! امابعد! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص لوگوں کو خفا کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی فکر اور بار برداری سے بے فکر کردے گا اور اس کے لیے کافی ہوجائے گا اور جو کوئی اللہ کو ناراض کر کے بندوں کو راضی کرنا چاہے گا تو اللہ اسے انھی لوگوں کے حوالے کردے گا۔" (بکھرے موتی)

حافظہ ام حبیبہ بنت رشید احمد صدیقی

اسلامی جنگیں 33

قدم بہ قدم

ان کے مقابلے میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو مسلمانوں کے ساتھ نکلے۔ کچھ دیر تک ان میں جنگ ہوتی رہی۔ ان مشرکوں میں اس وقت حضرت وحشی بھی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں ان کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔ حضرت طفیل بن نعمان پر انھوں نے نیزے سے وار کیا اور انھیں شہید کر دیا۔ اس روز زیادہ دیر تک جنگ جاری نہ رہ سکی اور دونوں گروہ واپس لوٹ گئے:

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

''لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرو، لیکن اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر کرو اور ثابت قدم رہو۔ اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو جنت میں پہنچانے کا جو سبب ہے، وہ اللہ کے راستے میں کیا جانے والا تلوار کا وار ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

''اے مصیبت زدوں کی فریاد رسی کرنے والے، اے پریشان حالوں اور ستم کے ماروں کی سننے والے، میرے غم و الم دور فرما دے، کیونکہ تو خوب دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر اور میرے اصحاب پر کیسی پریشانی آئی ہے۔''

صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

''کیا کوئی ایسی دعا ہے جو ہم اس وقت پڑھیں، کیونکہ ہم خوف محسوس کر رہے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ دعا پڑھو! اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا

''اے اللہ! ہمارے ستر کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں ڈر اور خوف سے محفوظ فرما۔''

اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اور خوش خبری سنائی:

''اللہ تعالیٰ دشمنوں پر ہوا کا طوفان نازل فرمائے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ خوش خبری سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے خلاف یہ دعائیں پیر، منگل اور بدھ کے دن فرمائیں۔ بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں قبول ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت دی گئی۔

خندق کی دیوار میں ایک جگہ شگاف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شگاف کی وجہ سے فکر مند رہتے تھے، کیونکہ اس طرف سے دشمن کے حملے کا خطرہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں فرمایا کرتے تھے:

''مجھے اس شگاف سے مسلمانوں پر حملے کا خطرہ ہے۔''

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کاش آج کوئی نیک آدمی اس شگاف کی نگرانی کرے۔''

اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''یہاں کون ہے؟''

وہاں اس وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں یہاں آپ کی حفاظت کے لیے کھڑا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اس شگاف کی حفاظت کرو۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اپنے قبے میں نماز ادا کرنے لگے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی بات کا رنج ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو جاتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

''مشرکوں کا گھڑ سوار دستہ خندق کے قریب گھوم رہا ہے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا:

''اے عباد بن بشر!''

انھوں نے کہا: ''حاضر ہوں اے اللہ کے رسول!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟''

انھوں نے عرض کیا:

''ہاں! اے اللہ کے رسول! میں ایک جماعت کے ساتھ قبے کے قریب موجود ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا:

''خندق کے قریب مشرکوں کا گھوڑے سوار دستہ گھوم رہا ہے۔''

ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور فرما دے۔ ہماری مدد فرما اور ان دشمنوں کو مغلوب فرما، تیرے سوا انھیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔''

اب مسلمان خندق کے قریب پہنچے۔ انھوں نے دیکھا،

عبداللہ فارانی

ابوسفیان گھوڑے سوار دستے کے ساتھ خندق کے تنگ حصے کے آس پاس موجود ہیں۔ مسلمانوں نے انھیں دیکھتے ہی تیر اندازی شروع کردی۔ اس سے ڈر کر مشرکوں کا دستہ وہاں سے پسپا ہو کر لوٹ گیا۔

مشرکوں کے لشکر میں سے ایک دن حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے:

"اے اللہ کے رسول! میں اسلام قبول کر چکا ہوں مگر میری قوم کو میرے اسلام کا حال معلوم نہیں، لہٰذا آپ مجھ سے جو کام لینا چاہیں، اس کا مجھے حکم فرمائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگرچہ تم تنہا آدمی ہو، لیکن ان لوگوں کو ناکام و نامراد کرنے کے لیے تم جو کچھ کر سکتے ہو، کرو، کیونکہ جنگ دھوکا اور فریب ہی کا نام ہے۔" (یعنی جنگی معاملات میں دشمن کو دھوکا اور فریب دیا جا سکتا ہے)

اس پر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! کیا میں کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہوں جو موقعے کے مناسب ہو، چاہے واقعہ اس طرح نہ ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مناسب سمجھو، وہ کرو۔ اس بارے میں تمہیں آزادی ہے۔"

اس کے بعد نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں سے روانہ ہوئے اور بنی قریظہ میں آئے۔ یہ ان یہودیوں کے دوست تھے اور ان میں اٹھا بیٹھا کرتے تھے۔ یہودیوں نے انھیں دیکھا تو خوش آمدید کہا اور کھانے کی دعوت دی۔ اس پر وہ بولے:

"میں کھانے دانے کے لیے نہیں آیا، بلکہ میں تو تمہارے بارے میں فکر مند ہو کر آیا ہوں۔ اے بنو قریظہ کے لوگو! میں تمہیں کچھ رائے اور مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ تم جانتے ہو، مجھے تم سے کتنی محبت ہے اور میرے تم سے کس قدر دوستانہ تعلقات ہیں۔"

اس پر بنی قریظہ کہنے لگے:

"تم ٹھیک کہتے ہو، ہمارے نزدیک تم مخلص آدمی ہو۔"

یہ سن کر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بولے:

"بس تو پھر میری یہاں آمد کو پوشیدہ رکھنا۔"

یہودی بولے:

"ہم ایسا ہی کریں گے۔"

اب حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم دیکھ ہی چکے ہو بنی قینقاع اور بنی نظیر کے یہودیوں کا کیا انجام ہوا۔ انھیں جلاوطن کیا گیا، ان کا سارا مال چھین لیا گیا۔ اب قریش کا معاملہ تم سے مختلف ہے۔ یہ شہر تمہارا وطن ہے۔ یہاں تمہاری عورتیں اور بچے ہیں، تمہارے گھر بار ہیں، تمہارے لیے یہ ممکن نہیں کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ۔ جب کہ قریش کے لوگ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ تم نے کھلے عام جنگ میں ان کی مدد شروع کر دی ہے۔ جب کہ ان کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا وطن، ان کا مال، ان کے بیوی بچے مدینہ منورہ سے دوسرے شہر میں ہیں۔ ان میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ اگر انھیں موقع مل گیا تو وہ فائدہ اٹھائیں گے اور ایسا نہ ہو سکا تو اپنے وطن کو لوٹ جائیں گے اور تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ جائیں گے۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو یہیں اسی شہر میں ہیں۔ قریش کے لشکر کے چلے جانے کے بعد اگر انھوں نے تم پر حملہ کیا تو مسلمانوں کے مقابلے میں تمہاری کوئی پیش نہیں جائے گی۔ اس واسطے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم قریش کو اس جنگ میں اس وقت تک کوئی مدد نہ دو جب تک کہ ان کے 70 بڑے بڑے آدمی بطور امین اور یرغمال تم اپنے پاس نہ رکھ لو، یعنی وہ 70 آدمی تمہارے قبضے میں رہیں اور اس شرط پر رہیں کہ جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرو تو وہ تمہارے ساتھ شریک رہیں۔ یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام ہو جائے۔"

یہودیوں کو حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات بہت پسند آئی۔ انھوں نے کہا:

"تم نے بڑی اچھی رائے دی۔ نیک مشورہ دیا۔ ہم ایسا ہی کریں گے۔"

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پھر کہا:

"میری یہاں آمد کو پوشیدہ رکھنا۔"

اب نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے رخصت ہوئے اور مشرکین کے پاس آئے۔ یہاں ابوسفیان اور ان کے ساتھ بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ اب انھوں نے ان لوگوں سے کہا:

"آپ لوگ جانتے ہیں، مجھے آپ سے کس قدر محبت ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر اختلاف ہے۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ مجھے ایک بات معلوم ہوئی ہے۔ میں نے ضروری خیال کیا کہ آپ کو وہ بات بتا دوں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ بات کو راز ہی رکھیں گے۔"

قریش بولے:

"ٹھیک ہے، ہم راز رکھیں گے۔"

اب انھوں نے کہا:

"آپ لوگوں کو شاید معلوم نہیں، بنی قریظہ کے لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑنے پر کتنی شرمندگی ہو رہی ہے۔ چنانچہ اب انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا ہے، اس وقت میں بھی ان لوگوں کے پاس موجود تھا۔ اس پیغام میں انھوں نے کہلوایا ہے کہ ہمیں اپنے کیے پر سخت ندامت ہے۔ اب آپ کی ناراضی دور کرنے کے لیے ہم نے سوچا ہے کہ قریش کے 70 بڑے بڑے سرداروں کو اپنے پاس بلائیں اور انھیں آپ کے حوالے کر دیں، تا کہ آپ انھیں قتل کر دیں۔ تو کیا اس طرح آپ ہم سے راضی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم قریش سے جنگ میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ اس پیغام کے جواب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ اب اگر آپ کے پاس یہودیوں کا کوئی ایسا پیغام آئے جس میں قریش کے 70 بڑے آدمیوں کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ ہو تو آپ ایک آدمی کو بھی ان کے حوالے نہ کیجیے گا، بلکہ آپ اپنے تمام معاملات کو راز میں رکھیں۔ میرے بارے میں ان سے ایک حرف بھی نہ کہیں۔"

قریش نے ان سب باتوں کا وعدہ کر لیا اور کہا:

"ہم ہرگز ان باتوں کا ذکر نہیں کریں گے۔"

یہاں سے فارغ ہو کر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قبیلہ غطفان کے لشکر میں پہنچے، جو قریش کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں 34

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ان کے پاس پہنچ کر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے گروہِ غطفان! تم لوگ میرے اپنے خاندان کے ہو... تم لوگ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو... مجھے یقین ہے کہ تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو۔''

غطفانیوں نے ان کی بات سن کر کہا:

''ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو... ہمارے نزدیک تم قابلِ اعتماد آدمی ہو۔''

اس پر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بولے:

''بس تو پھر میری یہاں آمد کو راز رکھنا اور جو میں کہوں، اسے بھی راز میں رکھنا۔''

جب غطفانیوں نے وعدہ کر لیا تو نعیم رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے وہی سب کچھ کہا، جو قریش سے کہا تھا... اور انھیں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا:

اس کے بعد ہفتے کی رات کو ابوسفیان اور غطفانی سرداروں نے عکرمہ بن ابوجہل کو قریشی اور غطفانی جوانوں کے ساتھ بنی قریظہ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے یہودیوں سے کہا:

''ہم بہت مشکل صورتِ حال سے دوچار ہیں، ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ اب جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تاکہ ہم اس معاملے کو ختم کر دیں۔''

جواب میں یہودیوں نے کہا:

''صبح ہفتہ ہے، آپ کو معلوم ہے کہ ہفتے کے دن ہم لوگ خوں ریزی نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ ہم لوگ آپ کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہیں ہوں گے جب تک آپ کم از کم 70 آدمی ہمارے پاس بطور رہن اور یرغمال نہیں رکھوا دیتے۔''

جب قریش اور غطفان کو یہودیوں کی یہ شرط معلوم ہوئی تو آپس میں کہنے لگے:

''خدا کی قسم! نعیم نے ٹھیک کہا تھا کہ یہودیوں کی نیت خراب ہو رہی ہے۔''

ادھر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ پھر بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

''جس وقت تمہارا پیغام پہنچا تو میں ابوسفیان کے پاس موجود تھا۔ اس پیغام پر اس نے یہ کہا تھا کہ اگر یہودیوں نے مجھ سے ایک بکری کا بچہ بھی مانگا تو میں تو وہ بھی نہیں دوں گا۔''

اس طرح مشرکوں اور ان کے اتحادی لشکروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ان کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ ادھر یہودیوں کی ہچکچاہٹ دیکھ کر حُیَی بن اخطب ان کے پاس آیا اور قریش کی حمایت کرنے لگا مگر بنی قریظہ میں سے کسی نے اس کی بات نہ سنی، وہ یہی کہتے رہے کہ ہم قریش کا اس وقت تک ساتھ نہیں دیں گے جب تک وہ اپنے 70 معزز آدمی رہن کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کر دیتے۔

ادھر تو مشرکوں اور یہودیوں کی صفوں میں یہ اختلافات پیدا ہوئے، ادھر اللہ تعالیٰ نے شدید آندھی کا طوفان بھیج دیا۔ وہ انتہائی سرد راتیں تھیں۔ اس پر شدید طوفان نے انھیں آ لیا۔ ان کے خیمے الٹ گئے، طنابیں ٹوٹ گئیں، برتن الٹ گئے۔ ہوا کے تھپیڑے اس قدر زبردست تھے کہ ان کے لیے اپنے پیروں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر یا اپنے سامان پر گر گئے۔

ہوا سے اس قدر ریت اڑی کہ بہت سے تو اس ریت میں دفن ہو گئے۔ ان لوگوں نے جو آگ جلا رکھی تھی، وہ بجھ گئی۔ اس سے گھپ اندھیرا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں پر طوفانی فرشتے نازل کیے۔ ان فرشتوں نے انھیں ہلا ڈالا۔

اس وقت کو یاد دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تمھیں دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب)

روایات کے مطابق فرشتوں نے خود جنگ نہیں کی تھی بلکہ مشرکوں کے دلوں پر ان کی آمد سے خوف طاری ہو گیا تھا اور وہ جو ہوا چلی تھی، اسے صبا کہتے ہیں۔ صبا سخت سردی کی رات میں چلتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''صبا کے ذریعے میری مدد کی گئی۔''

اس ہوا سے مشرکوں کی آنکھوں میں اس قدر گرد و غبار پڑا کہ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ یہ طوفان بہت دیر تک مسلسل جاری رہا۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں میں پھوٹ پڑ جانے کا بھی پتا چلا۔

اس طوفان کی عجیب ترین بات یہ تھی، یہ صرف مشرکوں کے لشکر پر مسلط رہا، ادھر اُدھر نہیں گیا، نہ آگے بڑھا نہ پیچھے ہٹا۔ ان کی لشکر گاہ پر ہی تباہی مچاتا رہا اور تاریکی اس قدر تھی کہ آدمی اپنا ہاتھ پھیلاتا تو انگلیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ محاورے کی زبان میں اسے ''ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینا'' کہا جاتا ہے۔

منافقوں نے اس طوفان کو واپسی کا بہانا بنایا، کہنے لگے:

''ہمیں تو اجازت دیجیے! ہمارے گھر اکیلے ہیں... اور دشمنی کا خوف ہے، ہمارے مکانات مدینہ منورہ سے باہر ہیں... دیواریں نیچی ہیں، چوری کا خطرہ ہے، لہٰذا ہمیں تو اجازت دیجیے۔''

آپ ﷺ انھیں اجازت دیتے رہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف صحابہ رہ گئے۔ ایسے میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

''کون ہے جو ہمیں دشمن کی کچھ خبر لا دے۔''

اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اٹھے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں یہ خدمت انجام دوں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال تین بار دہرایا، تینوں مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے جواب دیا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر نبی کے حواری (یعنی مددگار) ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے یہ الفاظ ایک بار پہلے بھی فرمائے تھے اور اس کے بعد غزوہ خیبر کے موقعے پر بھی یہی الفاظ فرمائے تھے۔ ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے:

''مردوں میں میرے حواری زبیر ہیں اور عورتوں میں عائشہ ہیں۔''

دراصل اس وقت سب پر بھوک، خوف اور سردی کی شدت کی کیفیت طاری تھی۔ اس لیے کوئی کھڑا نہیں ہوا اور صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اس بنا پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ وہ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''تم جاؤ، دشمن کی صفوں میں گھس جاؤ۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اس حکم سے پہلے مجھ میں ذرا بھی ہمت اور طاقت نہیں تھی، لیکن حکم ملتے پر میں نے اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کی۔''

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''میرا حکم بجالانے کے علاوہ تم اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کرو گے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ

نے ان کے لیے دعا فرمائی:

''اے اللہ! اس کی دائیں سے، بائیں سے، آگے سے پیچھے سے، اوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب میں روانہ ہوا تو سردی کا احساس بالکل جاتا رہا، یوں لگتا تھا جیسے گرم حمام میں چل رہا ہوں۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ قریشی لشکر کی طرف چلے۔ یہاں تک کہ وہ ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گئے:

اس وقت انھوں نے ابوسفیان کو کہتے سنا:

''اے قریش! تم میں سے ہر ایک اپنے پاس کے لوگوں سے ہوشیار رہے۔ جاسوسوں سے پوری طرح خبردار رہے۔''

یہ سنتے ہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فوراً اپنے دائیں بائیں بیٹھے افراد کے بازو پکڑ کر ان سے پوچھنے لگے: ''تم کون ہو؟''

اس طرح حضرت حذیفہ نے خود کو شک سے بچالیا... دائیں بائیں والوں نے ان سے پھر پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی... ایسے میں ابوسفیان نے اعلان کیا:

''اے گروہِ قریش! ہم بہت برے حالات میں گھر گئے ہیں، جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ بنی قریظہ کے یہودیوں نے ہم سے غداری کی ہے اور ان کی طرف سے ناخوش گوار باتیں سننے میں آئی ہیں۔ اوپر سے اس طوفانی ہوا نے جو تباہی مچائی ہے، وہ تم دیکھ ہی رہے ہو، اس لیے واپس لوٹ چلو۔ میں بھی واپس ہو رہا ہوں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی ابوسفیان اپنے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اونٹ کا بندھا ہوا پاؤں بھی نہ کھولا۔ جب اس بات کا خیال آیا تو نیچے اترے اور اونٹ کا پیر کھولا۔ اس وقت حضرت عکرمہ نے ان سے کہا:

''تم تو قوم کے سردار ہو، لیکن لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہو۔''

اس پر انھیں شرم محسوس ہوئی۔ اونٹ کی مہار پکڑ کر پیدل لوگوں کے درمیان گھومنے لگے اور کہنے لگے:

''واپس چلو! واپس چلو۔''

اب سب لوگ کوچ کی تیاری کرنے لگے، لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

واضح رہے کہ حضرت ابوسفیان، اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفار کے لشکر میں شامل تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ نہ فرمایا ہوتا کہ اپنی طرف سے کوئی کام نہ کرنا تو میں اس وقت تک ایک ہی تیر مار کر ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا۔

وہاں سے کوچ کرتے وقت حضرت ابوسفیان نے قبیلہ غطفان کے لوگوں کو خبردار نہ کیا۔ ایسے ہی چلے گئے۔ جب غطفانیوں کو اس بات کا پتا چلا تو وہ بھی انتہائی تیز رفتاری سے اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ سارا معاملہ دیکھ لینے کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں سے نکل آئے۔ جب یہ واپس اپنے لشکر میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں 35

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے قریب بلایا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہو کر بتایا کہ دشمن بھاگ گیا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدار کہا جاتا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدابیر سے واقف رہا کرتے تھے جب کہ دوسروں کو ان کا علم نہیں ہوتا تھا۔ خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باتیں بھی بتائیں جو ہو چکی ہیں اور وہ بھی بتائیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں۔''

ان کی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رازدارِ رسول تھے۔

اس جنگ میں کفار پر جو طوفان آیا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا:

''اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا انعام یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے۔ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔''

(سورۃ الاحزاب آیت ۹)

کفار کے اس لشکر کے بھاگنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اب ہم ان لوگوں سے جنگ کریں گے، آئندہ یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔''

ذی قعد کی 7 تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے۔ غزوہ خندق شوال 5 ہجری میں پیش آیا۔

اب اس غزوہ میں پیش آنے والے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ خندق کی کھدائی کے دوران تمام لوگ بھوک سے بری طرح بے تاب تھے۔ بعض صحابہ نے تو تین دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر بھوک محسوس ہو رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ ایک روز حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی اپنے باپ اور ماموں کے لیے ایک پیالے میں کھجوریں لائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا: ''اِدھر لاؤ۔''

بنتِ بشیر نے وہ پیالہ آپ کے ہاتھوں پر الٹ دیا۔ کھجوریں اتنی نہیں تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ بھر جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا منگایا۔ اسے پھیلا دیا۔ اس کے بعد اپنے نزدیک کھڑے صحابی سے فرمایا:

''اعلان کرو! کھانے کے لیے دوڑ آئیں۔''

چنانچہ جلدی ہی سب لوگ آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے کھجوریں اس کپڑے پر ڈالنے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں ڈالتے رہے، لوگ کھاتے رہے، یہاں تک کہ تمام اہلِ خندق نے کھجوروں سے اپنے پیٹ بھر لیے اور کھجوریں اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے اِدھر اُدھر گر رہی تھیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہوا کہ فاقہ ہے۔ انھوں نے ایک چھوٹی سی بکری ذبح کی اور ایک صاع گندم کی روٹیاں تیار کرائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ وہ چاہتے تھے، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ چلیں، کیونکہ کھانا زیادہ نہیں تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے فرمایا:

''لوگوں کو بلاؤ، سب لوگ جابر کے گھر پہنچ جائیں۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ اعلان سن کر اناللہ وانا الیہ راجعون کہا۔ اِدھر سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ گئے۔ جب سب بیٹھ گئے تو کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارک اللہ فرمایا۔ پھر بسم اللہ پڑھی اور اس کے بعد کھانا شروع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی سب نے کھانا شروع کر دیا۔ لوگ کھا کھا کر اٹھتے رہے اور دوسرے آتے رہے۔ یعنی ایک جماعت کھا کر فارغ ہو جاتی تو واپس خندق پر چلی جاتی اور وہاں سے دوسری جماعت آ کر کھانے لگتی۔ یہاں تک کہ تمام اہلِ خندق اسی کھانے سے سیر ہو گئے۔ ان حضرات کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ ان سب نے کھانا کھایا اور کھانا پھر بھی بچا رہا۔ سب کے جانے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، سالن بھی جوں کا توں موجود تھا اور روٹیاں بھی۔

اسی طرح ایک روز حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی والدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حیس کا بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا۔ حیس ایک عربی کھانا، کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قبے میں تھے اور آپ کے پاس حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہا نے پیالے میں سے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پیالہ لے کر باہر آئے اور ایک صحابی کو اعلان کرنے کے لیے فرمایا کہ رات کا کھانا کھانے کے لیے دوڑ آؤ۔ سب اہلِ خندق نے اس پیالے میں سے کھایا۔ اس کے باوجود کھانا پیالے میں جوں کا توں باقی رہا۔

خندق کے میدان سے فرار ہوتے ہوئے ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا۔ اس نے اس خط میں لکھا:

''میں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے مقابلے میں ایک زبردست لشکر لے کر آیا تھا اور یہ سوچ کر آیا تھا کہ اب میں اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ تمہیں نیست و نابود نہ کرلوں مگر میں نے دیکھا کہ تم نے ہمارے مقابلے میں آنا پسند ہی نہیں کیا بلکہ خندق کے ذریعے اپنا بچاؤ کر کے بیٹھ گئے۔ یہ ایک ایسی جنگی چال تھی جس کے بارے میں عرب کے لوگ اب سے پہلے جانتے بھی نہیں تھے۔ چونکہ تم عربوں کے نیزوں کی تیزی اور ان کی تلواروں کی دھار سے واقف ہو، اس لیے ہماری تلواروں سے بچنے کے لیے تم نے یہ خندق والی چال چلی۔ اب میں تمہیں احد جیسے ایک دن کی مانند مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط کے جواب میں یہ خط لکھوایا:

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صخر بن حرب کے نام اما بعد! مجھ تک تمہارا خط پہنچا۔ تمہیں شیطان نے بہت پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ تم ہمارے مقابلے پر آتے اور یہ چاہتے تھے کہ اس وقت تک واپس نہیں جاؤ گے جب تک ہمیں نیست ونابود نہیں کر لو گے۔ تو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور اپنے درمیان راز ہی رکھا ہے اور اس کا انجام ہمارے حق میں ظاہر فرمائے گا۔ تم پر وہ دن ضرور آئے گا جب میں لات وعزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل (بتوں کے نام) کے سر ضرور توڑوں گا۔''

O

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو وہ دوپہر کا وقت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوگئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور غسل شروع کیا۔ ابھی سر کے ایک حصے پر پانی ڈالا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے تشریف لائے۔ وہ اپنی زرہ اور خود پہنے ہوئے تھے۔ سفید رنگ کے خچر پر سوار تھے۔ انھوں نے آتے ہی پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔''

جواب میں آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: میں نے اور اللہ کے فرشتوں نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔

اس کے بعد انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کے مقابلے کے لیے کوچ کریں۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ کچھ دوسرے فرشتے بھی ہیں۔ ہم ان کے قلعوں کو ہلا ڈالیں گے۔''

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے اصحاب بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اس لیے انھیں کچھ دن کی مہلت دے دی جائے۔''

جبرئیل علیہ السلام نے جواب میں کہا:

''آپ فوراً ان کی طرف بڑھیے، اللہ کی قسم! میں انھیں پیس ڈالوں گا۔''

یہ کہہ کر جبرئیل علیہ السلام لوٹ گئے اور اپنے پیچھے اٹھنے والے غبار میں غائب ہوگئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے:

''گویا میں اب بھی اس غبار کو دیکھ رہا ہوں۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جاتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام میں یہ اعلان کروا دیا۔

''ہر اطاعت گزار شخص عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھے۔''

اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہتھیار لگائے، ان میں زرہ بکتر اور گلوبند بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک میں نیزہ لیا۔ تلوار گلے میں ڈالی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ صحابہ کرام بھی تیار ہوگئے۔ صحابہ کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں 36 گھڑسوار تھے۔ ان میں تین گھوڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچم لیے بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بنی قریظہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں سزا دینے کا ارادہ فرمایا۔ یہ لوگ مدینہ منورہ میں رہنے والے یہودی تھے۔ قبیلہ اوس کے طرف دار تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے روانہ ہو چکے تھے۔ جب یہ مہاجرین اور انصار کے ساتھ بنی قریظہ کے قلعے کے سامنے پہنچے اور قلعے کی دیوار کے نیچے انھوں نے پرچم نصب کیا تو پتا چلا کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں انتہائی بے ہودہ کلمات کہہ رہے ہیں۔ یہ بات معلوم ہوتے ہی مسلمانوں نے ان سے کہا:

''اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا تو پرچم کی نگرانی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے:

''اے اللہ کے رسول! ان خبیثوں اور بدبختوں کے قریب بالکل نہ جائیں۔'' (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

36

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شاید تم نے میرے بارے میں ان کی زبان سے برے کلمات سنے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا:

''ہاں یارسول اللہ! لیکن اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو اس قسم کی باتیں ہرگز نہ کہہ سکتے۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قلعے کے نزدیک پہنچ گئے اور ان سے فرمایا:

''اے خنزیروں اور بندروں کے بھائیو! اور اے غیر اللہ کو پوچھنے والو! کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسوا کر کے تم پر بربادی نازل نہیں فرما دی کہ تم لوگ مجھے برا کہتے ہو اور گالیاں دیتے ہو۔''

اس پر وہ لوگ حلف اٹھانے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے تو کوئی بات نہیں کہی۔

اس موقعے پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خنزیر اور بندروں کے بھائی کہا تو یہ اس لیے کہ جب ماضی میں یہودیوں نے ہفتے کے دن شکار نہ کھیلنے کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صورتیں مسخ کر دی تھیں۔ وہ خنزیر اور بندر بن گئے تھے۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے معاہدے کو توڑ کر بھی یہود نے ویسی ہی حرکت کی تھی۔

یاد رہے کہ جن یہودیوں کی شکلیں تبدیل ہو گئی تھیں، وہ اپنی بستی سے نکل کر تین دن تک بھٹکتے رہے تھے اور پھر اسی حالت میں مر گئے تھے۔ ان کی نسل نہیں چلی تھی، آج جو بندر پائے جاتے ہیں یہ ان کی اولاد نہیں۔

بنی قریظہ کے قلعے کا محاصرہ پندرہ دن اور ایک روایت کے مطابق 25 دن تک جاری رہا۔ صحابہ نے اس دوران صرف کھجوریں کھا کر گزارا کیا۔ یہ کھجوریں بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انھیں بھیجتے تھے۔ انھی دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بہترین کھانا کھجور ہے۔''

آخر محاصرے کی تنگی سے یہودی پریشان ہو گئے۔ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ وہ خوف زدہ ہو گئے۔ ادھر جب قریش کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا تو حیی بن اخطب بنی قریظہ کے پاس ان کے قلعے میں آ گیا، کیونکہ اس نے کعب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کا ساتھ دے گا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

پھر جب بنو قریظہ کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں سزا دیے بغیر واپس نہیں جائیں گے تو بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسید نے ان سے کہا:

''اے گروہ! یہود! تم پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے، اس سے نجات کے لیے میں تمہارے سامنے تین صورتیں رکھتا ہوں۔ ان میں سے جو تم پر آسان ہو، وہ اختیار کر لو۔''

ان لوگوں نے اس سے پوچھا:

''وہ کیا ہیں؟''

جواب میں کعب نے کہا:

''پہلی صورت یہ ہے کہ ہم اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کر لیں اور ان کی نبوت کی تصدیق کریں، کیونکہ خدا کی قسم! تم یہ بات اچھی طرح جان چکے ہو کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ یہ وہی ہیں، جن کا ذکر تمہاری کتابوں میں موجود ہے۔ اس طرح تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری عورتیں، بچے سب محفوظ ہو جائیں گے اور سچ یہ ہے کہ ہم نے آج تک انھیں اللہ کا رسول، عربوں سے حسد کی وجہ سے نہیں مانا، کیونکہ یہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں ... میں بدعہدی کو خود ناپسند کرتا تھا، لیکن یہ ساری بربادی اس شخص کی لائی ہوئی ہے جو یہاں بیٹھا ہے ... یعنی حیی بن اخطب ... کیا تمہیں یاد نہیں، ایک مرتبہ ابن خراش (ایک یہودی عالم) یہاں آیا تھا۔ اس نے کہا تھا، اس بستی سے ایک نبی ظاہر ہوگا، اس کی اطاعت کرنا، اس کے مددگار بننا، اور پہلی کتاب توریت اور آخری کتاب یعنی قرآن کو ماننے والوں میں سے بننا (یعنی توریت کو تو تم مانتے ہی ہو، قرآن کی بھی تصدیق کرنا) اس لیے میں کہتا ہوں، تم ان پر ایمان لے آؤ۔''

بنی قریظہ کے یہودی اپنی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کو اور اپنے بچوں کو سنایا کرتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور چال ڈھال بتایا کرتے تھے، یعنی ان کا حلیہ ایسا ہوگا، چال ڈھال ایسی ہوگی، عادات ایسی ہوں گی وغیرہ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ مدینہ ہوگی۔

اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بنی قریظہ، بنی نضیر، اور فدک اور خیبر کے یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے بھی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور آپ کی چال ڈھال کو جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ کی ہجرت گاہ مدینہ

ہوگی، یعنی آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں گے۔

غرض جب کعب نے یہ پہلی صورت قوم کے سامنے رکھی تو لوگوں نے کہا:

"ہم توریت کے مذہب کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس کی جگہ کسی دوسری کتاب کو نہیں مانیں گے۔"

اس پر کعب نے کہا:

"اگر تم اس بات کو نہیں مانتے تو آؤ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو خود قتل کر دیں اور ایسا کرنے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے مقابلہ کرنے کے لیے تلواریں سونت کر قلعے سے باہر نکل آئیں۔ اس طرح ہمارے ذہنوں میں عورتوں اور بچوں کا خوف نہیں ہوگا اور ہم اطمینان سے لڑیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اگر ہم ہلاک ہو گئے تو ہو جائیں۔ ہمارے پیچھے ہمارے بیوی بچے تو ہوں گے نہیں۔ جن کا خیال ہمیں ستائے گا اور اگر ہم فتح یاب ہو گئے تو خدا کی قسم عورتیں اور بچے ہمیں اور بہت مل جائیں گے۔"

اس تجویز کے جواب میں لوگوں نے کہا:

"ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو کیوں مار ڈالیں، ان کے بعد زندگی کا کیا مزہ رہ جائے گا۔"

اب کعب نے کہا:

"اگر تم اس سے بھی انکار کرتے ہو تو تیسری بات یہ ہے کہ صبح یوم سبت ہے (یعنی ہماری عبادت کا دن ہے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ ہم یہودی لوگ ہفتے کے دن کوئی خونریزی نہیں کرتے۔ اس لیے ہماری طرف سے انھیں حملے کی کوئی امید نہیں ہوگی۔ اس لیے فوراً قلعے سے نکلو اور ان پر حملہ کر دو۔ ممکن ہے، غفلت کی حالت میں ہم انھیں شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں۔"

اس پر یہودیوں نے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہم اپنی عبادت کے دن خونریزی کریں۔ ایسی حرکت کریں جو ہم سے پہلے ہمارے بڑوں نے کبھی نہیں کی۔ سوائے ایک گروہ کے جسے سبھی جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس حرکت کے نتیجے میں ان کی شکلیں بندروں کی ہو گئی تھیں۔"

اس طرح یہودی کوئی بات طے نہ کر سکے۔ پھر انھوں نے بناش بن قیس کو قاصد بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور پیغام دیا:

"جس شرط پر آپ نے بنی نضیر کو جانے کی اجازت دی تھی، اسی شرط پر ہمیں جانے کی اجازت دیں، یعنی اپنے اونٹوں پر ہم جو سامان لاد سکیں، بس وہ لے جائیں اور ہتھیار نہ لے کر جائیں۔"

ان کے اس پیغام کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے دوسرا پیغام یہ بھیجا:

"اچھا نہ ہم مال و اسباب لے جائیں گے اور نہ ہتھیار لے کر جائیں گے۔ مطلب یہ کہ کوئی چیز بھی نہیں لے جائیں گے۔ صرف ہمیں اپنی جانیں بچا کر لے جانے دیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی انکار کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ قلعے سے باہر نکل آئیں۔ بناش یہ جواب لے کر یہودیوں کے پاس آیا۔ اب یہودیوں نے پیغام بھیجا:

"آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں ہم اپنے معاملے میں ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس اور بنی قریظہ کے زمانہ جاہلیت سے دوست اور حلیف تھے۔ ان کا نام رفاعہ ابن منذر ہے۔ یہ بنی قریظہ کے ہمدرد تھے، کیونکہ ان کا مال و دولت، اولاد اور خاندان کے لوگ بنی قریظہ میں تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ جونہی یہودیوں نے انھیں دیکھا، وہ چاروں طرف سے ان کے گرد جمع ہو گئے۔ عورتیں اور بچے روتے ہوئے ان کی طرف دوڑے، کیونکہ وہ اس محاصرے کی تنگی سے پریشان ہو چکے تھے۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کی حالت دیکھ کر ان پر ترس آیا۔ ان لوگوں نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے ابولبابہ! تمہاری کیا رائے ہے، آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قلعے سے نکل کر ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔"

انھوں نے جواب میں کہا:

"ہاں!"

لیکن ہاں کہنے کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر اشارہ کیا کہ تم ذبح کیے جاؤ گے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمھیں قتل کرنے کا ہے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اس اشارے کے بعد ابھی اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں تھے کہ انھیں احساس ہوا، میں نے یہ اشارہ کر کے خیانت کی ہے۔ انھوں نے اناللہ پڑھی۔ کعب نے ان کی حالت دیکھ کر پوچھا:

"ابولبابہ کیا بات ہے۔"

اس پر انھوں نے جواب دیا:

"میں نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔"

وہ وہاں سے واپس ہوئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہاں سے پلٹ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے، سیدھے مسجد نبوی میں چلے گئے۔ وہاں انھوں نے مسجد کے ایک ستون سے خود کو باندھ لیا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

37

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

انھوں نے خود کو ایک بھاری زنجیر سے باندھا اور خود سے بولے:

"اللہ کی قسم! اس وقت تک کوئی چیز کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک یا تو مجھے موت نہ آجائے یا میرے گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف نہ کردیں۔"

ساتھ ہی انھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اب نہ کبھی بنی قریظہ کے محلے میں جاؤں گا اور نہ اس شہر کو دیکھوں گا جس میں میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے۔ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اگر میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا، لیکن اب جب کہ وہ خود کو سزا دینے کے لیے ایسا کر گزرے ہیں تو میں انھیں اس وقت تک اپنے ہاتھ سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ کرلے۔"

ادھر بنی قریظہ کے لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم پر آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوگئے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم پر ان کی مشکیں کس دی گئیں (یعنی انھیں باندھ دیا گیا)۔ ان سب کو ایک طرف جمع کردیا گیا۔ ان کی تعداد سات سو کے قریب تھی۔ یہ سب لڑنے والے تھے۔ اس کے بعد یہودی عورتوں اور بچوں کو حویلیوں سے نکال کر ایک طرف جمع کیا گیا۔ ان بچوں اور عورتوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان پر عبداللہ بن سلام کو ان لوگوں پر ترس آیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ لوگ ہمارے رحم و کرم پر ہیں اور ہمارے حلیف ہیں (یعنی ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا ان کا اور ہمارا معاہدہ ہے) لہٰذا آپ ان پر رحم کریں۔"

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"کیا تمہیں یہ بات منظور ہے کہ ان یہودیوں کا فیصلہ تمہارے قبیلے ہی کا کوئی آدمی کردے۔"

قبیلہ اوس کے لوگوں نے کہا:

"ہم اس پر راضی ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو یہ فیصلہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کرا لیتے ہیں، (یعنی جو قبیلہ اوس کے سردار ہیں) وہ ان یہودیوں کے بارے میں جو بھی فیصلہ چاہیں، کردیں۔"

ایک روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا:

"تم میرے صحابہ میں سے جس سے چاہو، فیصلہ کرالو۔"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ ان کے قبیلہ اوس کے تھے، اس لیے انھوں نے ان سے فیصلہ کرانا منظور کرلیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوگئے تھے اور وہ اس وقت ایک خیمے میں تھے۔ اب قبیلہ اوس کے لوگ ان کے پاس آئے۔ انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ایک گدھے پر سوار کیا اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے آئے۔ راستے میں وہ ان سے یہ کہتے ہوئے آئے تھے:

"اے سعد! ہم سے نیک سلوک کرنا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فیصلے کا اختیار آپ کو دیا ہے۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں اس وقت آپ ﷺ کے گرد صحابہ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اپنے سردار کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔"

صحابہ کرام کھڑے ہو گئے۔ انھیں گدھے سے اتارا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بٹھایا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

"سعد! ان لوگوں کے متعلق فیصلہ کرو۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"فیصلے کا حق تو اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں حکم دیا ہے کہ یہود کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے پوچھا:

"کیا تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے۔"

جواب میں ان لوگوں نے کہا:

"ہاں!"

اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنایا:

"میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ ان کا مال و دولت مالِ غنیمت کے طور پر لے لیا جائے۔ ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے۔"

حضرت سعد کا فیصلہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم نے ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ سنایا ہے۔ سحر کے وقت فرشتے نے آ کر مجھے اس فیصلے کی خبر دے دی تھی۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بنی قریظہ کی حویلیوں میں جو مال، دولت اور ہتھیار وغیرہ موجود ہیں وہ سب جمع کر لو۔"

چنانچہ سارا مال نکال کر ایک جگہ جمع کر لیا گیا۔ اس مال میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے، پانچ سو ترکش اور کمانیں تھیں۔ اس کے علاوہ بے شمار مال و دولت، برتن، پانی ڈھونے کے اونٹ اور کثیر تعداد میں بکریاں تھیں۔ یہ مال مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اس غزوہ میں جو عورتیں شریک ہوئی تھیں انھیں بھی کچھ حصہ دیا گیا۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ چونکہ آپ ﷺ کا حق ہے، اس لیے وہ آپ ﷺ کو ملا۔

بنی قریظہ کی حویلیوں سے شراب کے مٹکے بھی نکلے تھے۔ ان کو توڑ کر شراب بہا دی گئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

"مردوں کو اسامہ بن زید کے مکان میں پہنچا دیا جائے اور عورتوں کو حارث نجاری کی بیٹی کے مکان میں رکھا جائے۔"

اب یہودیوں کو قتل کرنے کا پروگرام شروع ہوا۔ اس کام کے لیے گڑھے کھودے گئے، تاکہ ان کی لاشوں کو ان میں دبا دیا جائے۔ بنی قریظہ کے سردار حیی بن اخطب کو بھی لایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا:

"اے خدا کے دشمن! کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہمارے قابو میں نہیں دے دیا۔"

جواب میں حیی نے کہا:

"بے شک! اللہ کو یہی منظور تھا کہ میں آپ کے قابو میں آ جاؤں۔ مگر خدا کی قسم! میں اپنے آپ کو آپ کی دشمنی کے لیے ملامت نہیں کرتا (یعنی میں اس پر شرمندہ نہیں ہوں) البتہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے رسوا کرنا چاہے، وہ خوار ہو کر رہتا ہے۔"

عبداللہ فارانی

اس کے بعد حیی نے اپنی قوم کے لوگوں کی طرف منہ کر کے کہا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے جو سزا مقرر فرمائی تھی اور جو تباہی اس کا مقدر بن چکی تھی، وہ پوری ہو گئی۔"

اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔ بنی قریظہ کے دوسرے سردار کعب بن اسید کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "اے کعب!"

اس نے کہا: "کیا ہے ابو قاسم۔"

آپ نے فرمایا: "تم نے ابن خراش کی نصیحتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جو میری تصدیق کیا کرتا تھا۔ اس نے تمہیں نصیحت کی تھی کہ میری اطاعت اور پیروی کرنا اور اگر تم میرا زمانہ پاؤ تو مجھ سے اس کا سلام کہنا۔"

اس پر کعب نے کہا:

"بے شک توریت کی قسم! ابو القاسم! وہ مجھ سے یہی کہا کرتا تھا اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہود کے لوگ مجھے شرم دلائیں گے کہ میں سر پر تلوار دیکھ کر ڈر گیا تو میں آپ کی اطاعت کر لیتا۔ اس لیے اب میں یہودی مذہب پر ہی مر رہا ہوں۔"

اس کے بعد اسے آگے لایا گیا اور گردن مار دی گئی۔

یہودی عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا۔ اس نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ گرا کر انھیں شہید کیا تھا۔ چنانچہ ان کے بدلے میں اسے قتل کیا گیا۔

یہودیوں میں سے ایک بوڑھا قتل سے بچ بھی گیا۔ اس بوڑھے کا نام زبیر بن بطاء تھا۔ اس نے جاہلیت کے زمانے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر ایک احسان کیا تھا۔ اس موقع پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اس کے احسان کا بدلہ چکانا چاہا۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! زبیر کا مجھ پر ایک احسان ہے، میں اس کے احسان کا بدلہ دینا چاہتا ہوں، لہٰذا آپ اس کا خون مجھے ہبہ کر دیجیے (یعنی زبیر کو میرے حوالے کر دیجیے۔ چاہے میں اسے قتل کروں یا چھوڑ دوں)۔"

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ تمہارا ہو گیا۔"

اب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ زبیر کے پاس آئے اور بولے:

"اللہ کے رسول نے تمہاری جان ہبہ کر دی ہے اور میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔"

اس پر زبیر نے کہا:

"مجھ جیسا بوڑھا آدمی بیوی بچوں کے بغیر رہ کر کیا کرے گا۔"

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ یہ سن کر پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

"اللہ کے رسول! اس کے بیوی بچوں کو بھی چھوڑ دیجیے۔"

آپ نے فرمایا: "وہ بھی تمہیں دیے۔"

اس کے بعد حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پھر زبیر کے پاس آئے اور اسے بتایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بیوی بچوں کو بھی مجھے ہبہ کر دیا ہے اور میں انھیں تمہیں دیتا ہوں۔"

اب اس نے کہا:

"ہمارے پاس اگر ہمارا مال و دولت نہ رہے تو ایسی زندگی سے کیا فائدہ۔"

اب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے:

"اللہ کے رسول! اس کا مال و دولت بھی دے دیجیے۔"

آپ نے فرمایا: "وہ بھی تمہیں دے دیا اور وہ اب تمہارا ہے۔"

جب زبیر کو یہ بات معلوم ہوئی تب اس نے کہا:

"اے ثابت! تم نے میرے احسان کا بدلہ اتار دیا اور اب میرا کوئی اخلاقی قرض تم پر باقی نہیں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ بنی قریظہ کے سرداروں کا کیا بنا۔"

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا:

"وہ سب قتل کیے جا چکے ہیں۔"

اس پر اس نے کہا:

"تب پھر ان کے بغیر جینے کا کیا مزہ۔ مجھے بھی قتل کر دیا جائے۔ مجھے بھی میرے ان دوستوں کے پاس پہنچا دو۔"

آخر اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

38

عبداللہ فارانی

اس طرح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، کیونکہ غزوہ خندق کے دوران جب وہ ایک تیر سے زخمی ہوئے تھے تو انھوں نے اللہ سے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا:

''اے اللہ! مجھے اس وقت تک نہ اٹھایئے جب تک بنی قریظہ کے انجام سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔''

اس غزوے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

''آیندہ کبھی قریش تم سے لڑنے کے لیے نہیں نکلیں گے، بلکہ تم ہی ان کی سرکوبی کے لیے نکلا کرو گے۔''

چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا۔ غزوہ خندق کے موقعے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو زخم آیا تھا، وہ خراب ہو گیا اور بڑھتا چلا گیا۔ اس سے پھر خون نکلنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے زخم سے خون نکل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اسی حالت میں انھیں سینے سے لگایا تو خون آپ ﷺ کو بھی لگ گیا۔ آخر ایک روز اسی زخم کی بنا پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا ابھی پتا نہیں چلا تھا کہ رات کے آخری حصے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ریشمی موتیوں کا عمامہ باندھے آپ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کس کی میت ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور جس کی آمد کی خوشی میں عرش الٰہی ہلنے لگا ہے۔''

جونہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ سنا، آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

حضرت سلمہ بن حریش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے مکان میں داخل ہوئے تو وہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ حجرے میں بس ان کی لاش تھی مگر میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پنجوں کے بل (اس طرح) چل رہے ہیں (جیسے بڑے مجمعے اور بھیڑ میں آدمی چلتا ہے) ساتھ ہی آپ ﷺ نے مجھے اشارہ کیا کہ ٹھہر جاؤ، چنانچہ میں ٹھہر گیا۔ آنحضرت ﷺ کچھ دیر لاش کے پاس بیٹھے، اس کے بعد باہر نکل آئے۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! مجھے تو یہاں اور کوئی نظر نہیں آیا، لیکن آپ پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا، وہاں فرشتے موجود تھے۔ میرے لیے تو وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ایک فرشتے نے اپنے پر سے مجھے پکڑ کر بٹھایا۔''

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نعش کو اٹھایا گیا تو وہ بہت ہلکی پھلکی ہو گئی۔ اگرچہ وہ بھاری بھرکم جسم کے تھے۔ یہ بات جان کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس وقت انھیں اٹھانے والے تمہارے علاوہ اور لوگ بھی ہیں۔ (یعنی فرشتے بھی انھیں اٹھانے والوں میں شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے جنازے میں تو فرشتوں نے بھی شرکت کی) اور ان فرشتوں میں بہت سے فرشتے وہ تھے جو اس دن سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔''

پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے قبر کھودی گئی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سعد کی قبر کھودنے والوں میں میں بھی موجود تھا۔ ہم جب بھی قبر کی مٹی کھود کر ہٹاتے تو ہمیں مشک کی سی خوشبو آتی۔''

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دفن کیا جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیحات پڑھیں۔ آپ ﷺ کے صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ پڑھیں۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر فرمایا۔ سب نے آپ ﷺ کے ساتھ اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ نے تسبیح کیوں پڑھی اور تکبیر کیوں کہی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس نیک بندے کو اس کی قبر نے زور سے بھینچنا شروع کیا تھا یہاں تک کہ میں نے تکبیر پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے چھٹکارا عنایت فرما دیا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے قبر بھینچنے کا ذکر سنا ہے مگر یہ بات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عائشہ مومن کے لیے قبر کے بھینچنے کی کیفیت ایسی ہو گی جیسے ایک شفیق ماں اپنے بچے کے سر کو اپنے ہاتھوں سے دباتی ہے جو سر درد کی شکایت کر رہا ہو مگر اے عائشہ! مشرکوں کو قبر اس طرح بھینچے گی جیسے پتھروں سے کچلا جاتا ہے۔''

پھر جب قبر کی مٹی برابر کر دی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی چھڑکا۔ اس کے بعد وہاں کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور وہاں سے روانہ ہوئے۔

قدم بہ قدم

اسی دوران حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی اور اس سلسلے میں وحی نازل ہوئی۔ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے صبح ہی صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے دیکھا تو عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنس رہے ہیں، اللہ آپ کو ہمیشہ ہنستا رکھے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔''

یہ سن کر انھوں نے پوچھا:

''تو کیا میں یہ خوش خبری انھیں سنادوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو ضرور سنادو۔''

چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئیں اور بولیں:

''اے ابولبابہ! تمھیں خوش خبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول فرمائی ہے۔''

یہ سنتے ہی لوگ ان کی زنجیر کھولنے کے لیے ان کی طرف بڑھے مگر انھوں نے ان حضرات کو روک دیا اور کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے کھولیں گے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے انھیں کھولا:

اس دوران حضرت ابولبابہ کی بیوی یا بیٹی انھیں نماز کے لیے کھول دیا کرتی تھیں۔ اسی طرح طبعی تقاضوں وغیرہ کے لیے کھول دیتی تھیں اور فارغ ہونے پر پھر باندھ دیتی تھیں۔ اس طرح وہ تقریباً سات دن تک زنجیر سے بندھے رہے۔ توبہ قبول ہونے کی خوشی میں انھوں نے مال کا تیسرا حصہ صدقہ کیا۔

بنی قریظہ کے غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت کیا گیا تھا۔ اس طرح جو رقم موصول ہوئی، اس سے گھوڑے اور ہتھیار خریدے گئے۔ کچھ باندیوں کو صحابہ کرام نے بھی خریدا۔ بدلے میں جو گھوڑے خریدے گئے، ان کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔

باندیوں کو فروخت کرنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

''جو باندیاں بچوں والی ہیں، ان کے بچوں کو ان سے جدا نہ کیا جائے۔''

ان یہودی باندیوں میں آپ ﷺ نے اپنے لیے ریحانہ بنتِ عمرو کو منتخب فرمایا، آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے انکار کر دیا۔ یہ بات آپ ﷺ کو ناگوار گزری۔ اس سے بولنا چھوڑ دیا۔ آخر وہ مسلمان ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر دیا اور یہ اختیار دیا کہ وہ کسی سے نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں، لیکن انھوں نے آپ ﷺ کی غلامی میں رہنا پسند کیا۔

غزوہ ذی قرد:

مدینہ منورہ سے باہر ایک چراگاہ تھی۔ اس چراگاہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرا کرتے تھے۔ اونٹوں کی نگرانی کے لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے مقرر تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی بھی بیٹے کے ساتھ وہیں چراگاہ کے پاس رہتے تھے۔ مغرب کے وقت ان کا بیٹا دودھ لے کر مدینہ منورہ جایا کرتا تھا۔ یہ چراگاہ مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔

ایک رات یہ حضرات سوئے ہوئے تھے کہ عیینہ بن حصن چالیس سواروں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا۔ یہ لوگ قبیلہ غطفان کے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میرے بیٹے نے ان کا مقابلہ شروع کیا۔ ہمارے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ جنگ کے دوران میرا بیٹا شہید ہوگیا، لیکن میں اور میرے تینوں ساتھی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ حملہ آور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں اور میری بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔''

اس واقعے کا علم سب سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو ہوا۔ یہ ابھی لڑکے تھے۔ عمر تیرہ سال تھی۔ تیراندازی کی مشق کرنے کے بہت شوقین تھے۔ تیر کمان لیے صبح سویرے مدینہ منورہ سے باہر نکلے تو راستے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس نے انھیں بتایا کہ عیینہ بن حصن نے غطفان کے چالیس سواروں کے ساتھ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چراگاہ پر حملہ کیا ہے اور اونٹ وغیرہ لے گیا ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت ایک غلام رباح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بات سنتے ہی انھوں نے ان سے کہا:

''اے رباح! اس گھوڑے پر بیٹھو اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دو کہ آپ کے مویشیوں کو لوٹ لیا گیا ہے۔''

یہ غلام یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے یا پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے۔

اس کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر، مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے پکارا:

''یاصبا! یاصباحاہ۔''

یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب دشمن سے چوکنا اور ہوشیار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

تین بار یہ پکار کر حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تنِ تنہا دشمن کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ (جاری ہے)

اِسلامی جنگیں

39

قدم بہ قدم

وہ مسلسل دوڑتے رہے... دوڑتے رہے...
یہاں تک کہ حملہ آوروں کے پیچھے پہنچ گئے... جونہی انھیں حملہ آور نظر آئے، انھوں نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیے... وہ جب بھی تیر چلاتے تو ساتھ میں کہتے:
''لے سنبھال! میں ابن اکوع ہوں... اور آج کا دن ہلاکت اور بربادی کا دن ہے...''
جب گھڑسوار دشمن مڑ کر ان کی طرف رخ کرتے تو یہ وہاں سے بھاگ کر ادھر اُدھر ہو جاتے... ان کی نظروں سے چھپ جاتے... اسی طرح یہ دشمن کے پیچھے لگے رہے... ان پر تیر برساتے رہے... اور دشمن ان کی طرف مڑتے تو فوراً کسی درخت یا ٹیلے کی اوٹ لے لیتے...

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: ''میں بھاگ کر ان میں سے کسی کے سر پر اچانک پہنچ جاتا اور اس کے پیر میں تیر مارتا۔ اس سے وہ سخت زخمی ہو جاتا۔ پھر جب ان میں سے کوئی سوار میرا رخ کرتا تو میں کسی درخت کے پیچھے پہنچ کر اس کی جڑ میں بیٹھ جاتا اور پھر تیر اندازی کر کے حملہ آور کو زخمی کر دیتا، یہاں تک کہ وہ میرے سامنے سے بھاگ جاتا، پھر جب حملہ آوروں کا دستہ کسی درّے میں گھس کر خود کو محفوظ سمجھنے لگتا تو میں پہاڑ کے اوپر پہنچ کر ان لوگوں پر پتھر برسانا شروع کر دیتا۔ اس سے وہ لوگ تنگ آ جاتے۔

میں اسی طرح ان لوگوں پر تیر برساتا رہا، یہاں تک کہ ان میں سے زخمی ہو کر بھاگنے والوں نے تیس سے زیادہ نیزے، اتنی ہی چادریں راستے میں پھینک دیں۔ اس طرح وہ اپنا بوجھ کم کر رہے تھے۔ وہ جو چیزیں بھی گراتے جا رہے تھے، میں ان پر پتھر رکھ کر آگے بڑھتا جاتا تھا۔ غرض میں اسی طرح ان کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اونٹ چھوڑ کر آگے نکل گئے۔ میں بھی ان اونٹوں کو پیچھے چھوڑتا، ان دشمنوں کے تعاقب میں آگے نکل گیا۔''

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں لگے رہے۔ ایک جگہ دشمن کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی سامنے کی ایک چوٹی پر چڑھ گئے۔ اس وقت ایک اور کافر سردار آ گیا، اس نے بھاگنے والوں سے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔

سب نے کہا:
''اس نوجوان نے ہمیں سخت پریشان کیا ہے... جو کچھ بھی ہمارے پاس تھا، وہ سب کھینچ لیا ہے۔''
اب اس سردار نے کہا:
''تو چلو اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھو۔''
چنانچہ وہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے، اس پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:
''کیا تم مجھے جانتے ہو، میں سلمہ بن اکوع ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت و سر بلندی عطا فرمائی کہ میں نے تم میں سے جس کا پیچھا کیا، اسے جا پکڑا اور جس نے میرا پیچھا کیا، وہ مجھے نہیں پکڑ سکا۔''

اس طرح وہ کافر گھبرا کر واپس لوٹ گئے... ان کی طرف آنے کا خیال چھوڑ دیا... دراصل حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے دوڑنے کی رفتار انتہائی تیز تھی...

اس کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو آتے دیکھا، کیونکہ انھوں نے جب ٹیلے پر چڑھ کر یا صباحاہ کہا تھا تو ان کی آواز مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تھی اور مدینہ منورہ میں اعلان کرا دیا تھا کہ جہاد کے لیے تیار ہو جاؤ، اور سوار ہو کر چلو۔

غرض اس اعلان کے بعد گھڑسواروں میں سب سے پہلے تیار ہو کر جو صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک آئے، وہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ آئے۔ ان کے بعد باقی گھڑسوار صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور اپنے نیزے میں پرچم باندھ کر ان کو دیتے ہوئے فرمایا:
''دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤ، یہاں تک کہ میں باقی لوگوں کے ساتھ تم سے آملوں۔''
چنانچہ یہ گھڑسوار دستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا، یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انھوں نے گھڑسواروں میں حضرت خرم اسدی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پہچان لیا۔ فوراً پہاڑی سے نیچے اتر آئے اور ان کے گھوڑے کی لگام تھام کر بولے:
''آپ دشمن سے بچ کر رہیں، جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی نہ پہنچ جائیں، یہ لوگ آپ کو نقصان نہ پہنچانے پائیں۔''
یہ سن کر حضرت خرم اسدی رضی اللہ عنہ نے کہا:
''سلمہ! اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ جنت بھی برحق ہے اور دوزخ بھی تو میرے اور شہادت کے درمیان مت آؤ۔''
یہ سن کر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خرم اسدی رضی اللہ عنہ کا راستہ چھوڑ دیا۔ حضرت خرم اسدی رضی اللہ عنہ کا اصل نام محرز بن فضلہ تھا۔ انہوں نے کچھ دن پہلے خواب دیکھا تھا کہ اچانک آسمان دنیا پھٹا اور اس میں سے دوسرا آسمان نظر آیا۔ پھر اس کے بعد ہر آسمان پھٹتا چلا گیا، یہاں تک کہ ساتواں آسمان نظر آیا اور اس کے بعد اس میں سے ان کی نظر گزر کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئی۔ اسی وقت کسی نے ان سے کہا:
''آپ کی منزل یہی ہے۔''
انہوں نے اپنا یہ خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنایا، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں خواب کی تعبیر بتانے کے بہت بڑے ماہر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب سن کر فرمایا:
''تمھیں خوش خبری ہو! تمھیں شہادت پیش آنے والی ہے۔''

اب اس جنگ کے موقع پر وہ اپنے گھوڑے پر آگے بڑھے اور دشمنوں کے سامنے پہنچ کر فرمایا:
''اے گروہِ ملعونین! ٹھہر جاؤ! مہاجرین اور انصار تم تک پہنچنے والے ہیں۔''

ابھی وہ یہاں تک ہی کہہ پائے تھے کہ ایک دشمن عبدالرحمٰن بن عیینہ نے ان پر وار کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔

اتنے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن نے ان کے گھوڑے پر وار کیا۔ ان کا گھوڑا زخمی ہو گیا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے خود ہی اس پر جوابی حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے مقتول کی لاش کو (باقی صفحہ پر)

ہے، لیکن بڑوں سے رہنمائی لے کر کریں۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان سے رابطہ کریں۔

س: آپ کے خبرنامے کے نمایندے کتنے ہیں۔ (ابا سہیل صفدر آباد۔)

ج: میں اکیلا آپ کو کافی نہیں لگتا؟

س: بڑے ہو کر کیا بننے کا ارادہ ہے۔ موجودہ دور میں آپ کی پسندیدہ شخصیت کون سی ہے۔ (فہد طاہر کراچی)

ج: بڑا ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔ پسندیدہ شخصیت کا نام راز میں رہنے دیں تو بہتر ہے۔

س: بچوں کا اسلام میں آپ کی پہلی تحریر کون سی شائع ہوئی؟

(تنویر احمد دریا خان۔ صائمہ بصیر تھل)

ج: شمارہ 356 میں" چیلا بن گھوگھو نہ بن"۔

س: پہلی کہانی کتنی عمر میں لکھی؟

(عبدالحسیب محمد عاصم ملتان۔)

ج: پندرہ سال کی عمر میں، میں اس وقت میٹرک کا طالب علم تھا۔ کہانی کا نام تھا" مچھر کا انٹرویو"۔ ماہنامہ کلیاں میں شائع ہوئی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا، 31 سال بعد خود میرا انٹرویو لیا جائے گا۔

س: آپ کی سب سے بڑی خواہش۔

(ہاجرہ اقبال معلمہ اقرا روضۃ الاطفال کراچی)

ج: اسلام کا غلبہ۔

س: کیا آپ کو شہادت کی تمنا ہے۔

(خالد محمود ضیاء خان پور۔)

ج: جی تو بہت چاہتا ہے کہ شہید ہو جاؤں

س: زندگی کا اصل مقصد؟

(عائشہ زریں راولپنڈی)

ج:

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے ہوں غازی

س: آصف مجید صاحب، آپ اپنا مکمل بائیو ڈیٹا بتائیں۔ (بنتِ تنویر مدرسہ عثمانیہ کراچی)

ج: مدرسے کا گن مین رکھنے کا ارادہ ہے کیا

س: آپ نے اب تک کتنی کہانیاں لکھی ہیں۔ (حافظ عمر شہزاد دوہ خان پور)

ج: گن کر نہیں لکھیں۔

س: آپ عطریات کا کاروبار کرتے ہیں، کیا ہر موسم کی خوشبو الگ ہوتی ہے۔ (محسن بن ابرار)

ج: جی ہاں! خوشبو کو موسم کے مطابق ہی استعمال کرنا چاہیے۔ اس سے طبیعت پر اچھے اثرات پڑتے ہیں۔

س: آپ نے کبھی کوئی ناول یا افسانہ لکھا ہے۔ (نور سعید کراچی۔)

ج: جی نہیں۔

س: میں کہانی لکھنا چاہتا ہوں، لکھ نہیں پاتا، کیا کروں۔ (محمد بلال، حاجی اسلم چنیوٹ)

ج: قلم اور کاغذ کا ادب کیا کریں۔

س: بچوں کا اسلام میں کس کی تحریر سب سے زیادہ پسند ہے۔ (ثابت اللہ ڈی سلوا ٹاؤن)

ج: سبھی اچھا لکھ رہے ہیں۔

س: انٹرویو میں کون سا سوال بار بار پوچھا گیا۔ (ثنا اسلام آباد)

ج: آپ کی تعلیم، عمر، بچے، کیا کرتے ہیں، خبرنامہ لکھنے کا خیال کیسے آیا۔ اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ۔ یہ سوالات بہت زیادہ پوچھے گئے۔

س: خبرنامہ پہلے بہت اچھا تھا۔ اب بور ہونے لگا ہے۔ کیوں؟ (زکریا طلحہ، اسلام آباد)

ج: کچھ آپ عادی ہو گئے کچھ میں تنقید سے بے حال۔

س: آپ کے پسندیدہ استاد کا نام کیا ہے (عثمان طالب جلال پور جٹاں)

ج: ماسٹر اللہ بخش، انھی کی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج انجینئر ہوں۔

س: میٹرک اور ایف ایس سی میں آپ کو کون سا مضمون تنگ کرتا تھا۔

(طیب امین قیصرانی تونسہ۔)

ج: کیمسٹری تنگ کرتی تھی۔

س: دنیا میں کل کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

ج: میں انسائیکلوپیڈیا تو نہیں۔

(ندیم، سوات۔)

س: آپ کے پاس کار کون سی ہے۔

(طلحہ نعیم لاہور۔)

ج: بے کار۔

س: خبرنامہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ کہاں سے لکھتے ہیں۔ (سردار علی آئی جی سی تحصیل پشاور)

ج: بچوں کا اسلام ہی میں سے لکھتا ہوں۔

س: فارغ اوقات میں آپ کا مشغلہ؟

(لالہ رخ)

ج: مطالعہ کرتا ہوں یا بچوں کا اسلام کے لیے لکھتا۔

☆☆☆

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

اپنی چادر سے ڈھانپ دیا اور اس کے گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے دستے کی طرف لوٹ آئے۔

اُدھر اس گھڑ سوار دستے کی روانگی کے بعد خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ کوچ فرما دیا تھا۔ مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا اور شہر کی حفاظت کی ذمے داری حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو سونپی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو راستے میں آپ کو ایک لاش نظر آئی۔ لاش پر چادر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ صحابہ سمجھے یہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی لاش ہے۔ انھوں نے فوراً کہا:

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابو قتادہ خود قتل نہیں ہوئے بلکہ جس شخص کی یہ لاش ہے، اسے ابو قتادہ نے قتل کیا ہے اور انھوں نے اس کی لاش پر اپنی چادر اس لیے ڈالی ہے کہ ہمیں معلوم ہو جائے، اسے انھوں نے قتل کیا ہے۔''

اب جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چادر الٹی تو واقعی وہ لاش ابو قتادہ کی نہیں تھی۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

''اللہ اکبر! اللہ اور اس کا رسول بے شک سچے ہیں۔''

(جاری ہے)

عمدہ گر

حیا ایمان

کچھ لوگوں کو ہمیشہ دوسروں سے شکوہ ہوتا ہے کہ کوئی ان سے محبت نہیں کرتا۔ ان کا خیال نہیں کرتا۔ ان کے خیالات سنیں تو لگتا ہے کہ بہت دکھی ہیں۔

کہیں آپ کے بھی کچھ ایسے ہی احساسات تو نہیں تو کیوں نا آج ہم آپ کو ایک عمدہ گر سکھائیں۔ ایک کام کریں۔ وہ یہ کہ جو لوگ آپ سے محبت نہیں کرتے، آپ ان سے محبت کرنے لگیں۔ ان کا خیال رکھیں۔

ان کی خواہشات کا احترام کریں۔ ان کی باتوں کو خاص توجہ سے سنیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے کام کر دیں۔ اگر وہ آپ سے کوئی کام کرنے کو کہیں تو بخوشی کر دیں، ناک منہ نہ چڑھائیں۔ بس! انھیں اپنی ذات پر فوقیت دیں۔ اپنی خواہشات کہیں دفن کر دیں۔ اپنا آپ ختم کر دیں۔ بس ان کی خوشیوں کا خیال رکھیں۔ انھیں یہ احساس دلا دیں کہ:

''آپ میرے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔''

نتیجہ آپ کی توقعات سے بھی کہیں بڑھ کر خوش گوار ہوگا۔ وہی لوگ جن کے بارے میں آپ کا خیال تھا کہ وہ آپ سے محبت نہیں کرتے، ان کی آنکھوں میں آپ کے لیے محبت کے ننھے منے دیے جلنے لگیں گے۔ ان دیوں کو کبھی بجھنے مت دینا۔

ہاں! تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ بس ابھی سے کوشش شروع کر دیں۔ پر خلوص محبتیں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔

اسلامی جنگیں

عبداللہ فارانی

41

قدم بہ قدم

اس کے بعد حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے ابو قتادہ! تمہارا چہرہ روشن ہو۔''

انھوں نے کہا: ''اور آپ کا بھی اے اللہ کے رسول!''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوقتادہ گھوڑے سواروں کا سردار ہے۔ ابوقتادہ اللہ تم میں اور تمہاری اولاد میں اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرمائے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو زخمی دیکھ کر پوچھا:

''یہ تمہاری پیشانی پر زخم کیسا ہے۔''

انھوں نے عرض کیا: ''میری پیشانی پر ایک تیر آ کر لگا تھا۔''

آپ نے فرمایا: ''میرے قریب آؤ۔''

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ قریب آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت آہستگی سے تیر کی نوک ان کی پیشانی سے نکال دی۔ اس کے بعد زخم میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور اپنی ہتھیلی زخم پر رکھ دی۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا، ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھے کوئی تکلیف نہ رہی، نہ درد رہا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر تھا کہ جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت اگرچہ ان کی عمر 70 سال کے قریب تھی، لیکن صحت کے لحاظ سے وہ جوان معلوم ہوتے تھے۔ ان کے جسم پر بڑھاپے کا کوئی اثر نہیں تھا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قرد کے ایک پہاڑ کے دامن میں قیام فرمایا۔ یہ جگہ خیبر سے نزدیک تھی۔ یہیں باقی لوگ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گئے۔ ایسے میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! دشمن اس وقت پیاس سے پریشان ہے، اگر آپ مجھے ایک سو آدمیوں کے ساتھ جانے کا حکم دے دیں تو جو اونٹ ان لوگوں کے پاس باقی رہ گئے ہیں، میں انھیں بھی چھڑا لاؤں گا اور دشمن کے کچھ بڑے لوگوں کو بھی پکڑ لاؤں گا۔''

ان کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا:

''جب تم دشمن پر قابو پا لو تو اس کے ساتھ نرمی کرو۔''

دشمن اس وقت پیاس سے پریشان تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے سورج غروب ہونے تک ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ وہ بھاگتے بھاگتے ایک گھاٹی کی طرف آ گئے۔ یہاں پانی کا ایک چشمہ تھا، مگر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں پانی تک پہنچنے نہ دیا۔ آخر وہ لوگ دو گھوڑے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ان گھوڑوں کو ہانک کر لے آئے۔

اس مقام پر نمازِ خوف ادا کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی ایک جماعت پیچھے صف باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ اس سمت میں رخ کر کے کھڑا ہو گیا جس کی طرف سے دشمن حملہ آور ہو سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر یہ لوگ ایک رکعت پڑھ کر پیچھے ہٹ گئے اور اپنے ساتھیوں کی جگہ جا کھڑے ہوئے۔ اب باقی رہ جانے والوں نے ایک رکعت ادا کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا۔ بعد میں صحابہ نے ایک ایک رکعت پوری کی۔ یہ نمازِ خوف تھی۔

صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سواروں میں سے بہترین سوار ابوقتادہ ہیں اور بہترین پیدل سوار سلمہ ہیں۔''

اس غزوے میں صحابہ کی تعداد پانچ سو اور ایک روایت کے مطابق سات سو تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سو آدمیوں پر ایک ایک اونٹ ذبح کرنے کے لیے تقسیم فرمایا۔ اس موقعے پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کھجوریں صحابہ میں تقسیم کیں اور دس جانور بھی ذبح کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ، سعد اور ان کی اولاد پر رحمتیں نازل فرما۔ سعد نہایت بہترین شخص ہیں۔''

اس پر انصاریوں نے عرض کیا:

''اور ہمارے سردار ابن سردار ہیں، ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جو لوگوں کی میزبانی اور مہمان نوازی کرتے ہیں۔ دوسروں کے لیے تکالیف اٹھاتے ہیں اور سارے خاندان کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دین کی سمجھ حاصل کر لینے کے بعد اسلام کے بہترین لوگ وہی ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں بہترین لوگ تھے۔''

یہ لٹیرے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بھی اغواء کر کے لے گئے تھے۔ انہوں نے ان خاتون کو رسی سے باندھا ہوا تھا۔ ایک رات وہ رسی کھولنے میں کامیاب ہوگئیں اور دبے پاؤں اونٹوں کے درمیان میں آئیں۔ اب یہ جس اونٹ کے پاس جاتیں، وہ بلبلانے لگتا۔ انھیں اونٹوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بھی موجود تھی۔ یہ اس کے پاس گئیں تو وہ نہ بلبلائی۔ یہ اس پر سوار ہوگئیں اور چپکے سے ان اونٹوں کے درمیان سے نکل آئیں۔ اسی وقت ان لٹیروں کو ان کے نکل جانے کا پتا چل گیا۔ وہ ان کے تعاقب میں دوڑ پڑے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ اس اونٹنی کا نام عضباء تھا۔ اس طرح یہ اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوئیں۔

اس غزوے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچ راتیں مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت میں سے سوار کا حصہ بھی دیا اور پیدل کا حصہ بھی دیا، یعنی انھیں دو حصے دیے، اگرچہ وہ سوار نہیں، پیدل تھے۔

حدیبیہ کا سفر:

مدینہ منورہ میں واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ امن کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہو رہے ہیں اور عمرہ کیا ہے، عمرہ کرنے کے بعد کچھ نے اپنے سر منڈائے اور کچھ نے کتروائے ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ کی کنجی لی ہے اور عرفات میں قیام کرنے والوں کے ساتھ قیام کیا اور صحابہ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور عمرہ کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ خواب

سنایا۔ صحابہ خواب سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرا ارادہ عمرے کے لیے جانے کا ہے۔"

اس پر صحابہ کرام سفر کی تیاری کرنے لگے۔ آخر ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی نیت سے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عمرے کی نیت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے، تاکہ لوگوں کی جان و مال محفوظ رہے۔ لوگ اس قافلے کو حاجیوں کا قافلہ ہی سمجھیں، یعنی مکہ والے اور مکہ کے گرد و پیش کے لوگ جنگ کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔ انھیں پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا اور یہاں پہنچ کر اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی جو اس مقام پر بنی ہوئی تھی۔ نماز کے بعد سوار ہوئے۔ اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر روانہ ہوئی۔ صحابہ میں سے اکثر نے بھی یہیں سے احرام باندھا۔

اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ کے مہینے میں روانہ ہوئے۔ اس موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلبیہ پڑھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

ترجمہ: "حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں اور حکومت تیرے لیے ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔"

تلبیہ حج اور عمرے کے احرام باندھ کر پڑھا جاتا ہے، یعنی یہ اس موقعے کی دعا ہے۔

روانہ ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکان میں غسل فرمایا تھا اور دو کپڑے پہنے تھے۔ مکان کے دروازے سے ہی اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہدی کے 70 جانور بھی تھے، یعنی ان جانوروں کو قربان کیا جاتا تھا۔ جانوروں پر نشان لگائے گئے۔ ایسا کرنے کو اِشعار کرنا کہتے ہیں۔ اونٹ کے کوہان کے پاس ایک طرف زخم لگا کر اس پر خون مل دیا جاتا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور ہدی کا ہے اور گردن میں چمڑے کا ٹکڑا لٹکایا جاتا ہے۔ اس طرح جانور لٹیروں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ کرام تھے۔ ایک قول پندرہ سو کا بھی ہے۔ تیرہ سو اور سولہ سو کی روایات بھی ہیں، لیکن مشہور قول 1400 کا ہے۔

اب چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت صرف عمرہ کرنے کی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کے پاس میانوں میں رکھی تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھے۔ تلوار اس زمانے میں گھر سے نکلتے وقت ہر کوئی ساتھ رکھتا تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا:

"اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ ہے تو آپ نے جنگ کے لیے ساز و سامان کیوں ساتھ نہیں لیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"چونکہ میں عمرے کی نیت سے جا رہا ہوں، اس لیے جنگ کا ساز و سامان ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔"

اس موقعے پر مسلمانوں کے پاس دو سو گھوڑے تھے۔ سفر کے دوران ایک جگہ سب صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو فرما رہے تھے۔ صحابہ کو اپنے گرد جمع ہوتے دیکھا تو پوچھا:

"کیا بات ہے؟" (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

42

عبداللہ فارانی

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا:

''آپ کے پاس اس برتن میں جو پانی ہے، اس کے علاوہ ہم میں سے کسی کے پاس نہ پینے کو پانی ہے، نہ وضو کے لیے۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں جو ایک چھوٹی ڈونگی تھی، اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان میں سے پانی کے فوارے چھوٹنے لگے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلتے دیکھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''جونہی پانی کا یہ چشمہ پھوٹا، ہم سب نے فوراً پانی پیا اور وضو کیا۔ پانی اس قدر نکل رہا تھا کہ اگر ہم تعداد میں ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی ہمیں کافی ہوجاتا۔ جب کہ اس وقت ہماری تعداد صرف پندرہ سو تھی۔

یہ قافلہ عسفان کے مقام پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بشر بن سفیان عتکی آئے۔ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوس بنا کر آگے مکہ کی طرف بھیج دیا تھا۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت عمرے کی تھی، لیکن قریش کے ارادوں کی خبر رکھنا ضروری تھا۔ حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس آکر عرض کیا:

''اللہ کے رسول! قریش کو آپ کے کوچ کی اطلاع مل چکی ہے۔ جو لوگ ان کے اطاعت گزار ہیں، انھوں نے ان سے مدد طلب کرلی ہے۔ بنی ثقیف بھی قریش کے ساتھ مل گئے ہیں۔ وہ لوگ مکہ سے روانہ ہوکر ذی طویٰ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انھوں نے عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس سلسلے میں خالد بن ولید ایک دستے کے ساتھ کراع عمیم کے مقام تک آگئے ہیں۔ ان کے دستے میں دو سو سوار ہیں۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''تم اپنے ساتھ گھوڑے سواروں کو لے کر آگے بڑھو۔''

انھوں نے آگے بڑھ کر حضرت خالد بن ولید کے مقابلے میں اپنے سواروں کو صف بستہ کردیا۔

اس وقت ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ پھر تکبیر پڑھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ کھڑے ہوئے۔ لوگ پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ اس وقت مشرکوں نے کہا:

''اس وقت محمد اور ان کے اصحاب ہماری طرف پشت کیے کھڑے تھے۔ ہمیں ان پر قابو حاصل تھا۔ ہم ان پر اچانک حملہ کرسکتے تھے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ جلد ہی ایک اور نماز کا وقت آرہا ہے۔ وہ نماز انھیں اپنی جانوں سے بھی پیاری ہے۔ اس وقت ان پر حملہ کریں گے۔''

حضرت خالد بن ولید اور دوسرے مشرکوں کی اس گفتگو کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دی۔ اور یہ وحی نازل ہوئی:

''اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں، پھر آپ انھیں نماز پڑھانا چاہیں تو یوں کرنا چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہوجائے اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کرچکیں تو یہ لوگ آپ کے پیچھے ہوجائیں اور دوسرا گروہ جنھوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی، آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔'' (سورۃ النساء:102)

اس وحی کے نازل ہونے کے بعد عصر کے وقت نمازِ خوف ادا کی گئی۔ یہ نماز اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ادا کی گئی۔ مسلمانوں کو اس طرح نماز ادا کرتے دیکھ کر مشرک کہنے لگے:

''اس کا مطلب ہے، مسلمانوں کو ہمارے منصوبے کا پتا چل گیا ہے۔''

اب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو روکنے کا فیصلہ کرچکے ہیں، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

''لوگو! مجھے مشورہ دو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کا فیصلہ کرلیں، جو بھی ہمیں روکے، اس سے جنگ کریں۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ صرف بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے نکلے ہیں۔ آپ کا مقصد جنگ اور خوں ریزی ہرگز نہیں، اس لیے آپ اسی ارادے سے آگے بڑھتے رہیں۔ اب اگر کوئی ہمیں اس سے روکنا چاہے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بس تو پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔''

اب مسلمان آگے بڑھے۔ اس موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قریش پر افسوس ہے، انھیں جنگوں نے کمزور کردیا ہے۔ کیا ہوجاتا، اگر وہ درمیان میں نہ آجاتے اور مجھے تمام عربوں سے خود نبٹ لینے دیتے۔ اس صورت میں اگر عرب مجھے نقصان پہنچاتے، مجھ پر غالب آجاتے تو اس طرح خود قریش کی آرزو بھی پوری ہوجاتی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غالب فرما دیتا تو وہ سارے کے سارے گروہ در گروہ اسلام کے حلقے میں داخل ہوجاتے، ورنہ جب تک ان میں طاقت رہتی، وہ لڑتے رہتے۔ قریش کیا سمجھتے ہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا ہے، میں اس کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس پیغام کی آواز بلند فرمادے گا یا میں ختم ہوجاؤں گا۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا کوئی ایسا ہے جو ہمیں اس راستے کے علاوہ کسی دوسرے راستے سے لے چلے جس پر قریش ہیں۔''

اس پر ایک مسلمان نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! میں لے چلتا ہوں۔''

یہ مسلمان ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ مسلمانوں کو ایک دوسرے راستے سے لے چلے۔ وہ راستہ جانا پہچانا نہیں تھا، البتہ یہ دشوار گزار تھا۔ اس پر چلتے ہوئے مسلمانوں کو پریشانی محسوس ہوئی۔ جب یہ راستہ ختم ہوا اور مسلمان اس کے ختم ہونے پر ہموار راستے پر آگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگو! یوں کہو! ہم اللہ سے مغفرت مانگتے ہیں اور اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں۔''

صحابہ نے یہ الفاظ ادا کرلیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! یہ وہی الفاظ ہیں جو بنی اسرائیل کے

سامنے پیش کیے گئے تھے مگر انھوں نے ان الفاظ کو نہیں کہا تھا۔"

مسلمان آگے بڑھتے رہے۔ اس طرح خالد بن ولید اوران کے دستے کو خبر تک نہ ہوئی کہ مسلمان آگے نکل گئے ہیں۔ اب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

"اس راستے پر چلو جو ہمیں حدیبیہ کے راستے پر ڈال دے۔ وہ مکہ کی زیریں سمت میں ہے۔"

چنانچہ صحابہ کرام اس راستے پر روانہ ہوئے۔ جب وہ اس ٹیلے کے پاس پہنچے جو قریش کے پاس اترتا تھا تو وہاں اچانک آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اونٹنی قصویٰ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے اٹھانے کے لیے ہشکارا مگر وہ نہ اٹھی۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا:

"قصویٰ اپنی جگہ پر اڑ کر رہ گئی ہے۔"

جب صحابہ نے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا:

"یہ اڑی نہیں، نہ یہ اس کی عادت ہے، بلکہ اسے اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحابِ فیل یعنی ابرہہ کے لشکر کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔"

مطلب یہ کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم جان گئے تھے کہ یہ رکاوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آج قریش ایسی جس بات کی مجھ سے درخواست کریں گے، جس میں رشتے داری کا احترام ہو، میں مان لوں گا۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

"جس میں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ احکام کی تعظیم ہو، میں مان لوں گا۔" (یعنی جیسے حرم میں جنگ سے باز رہنا، خوں ریزی سے بچنا وغیرہ)

یہ فرمانے کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اونٹنی کو ڈانٹا۔ اس پر وہ کھڑی ہوگئی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم وہاں سے اسی راہ پر واپس لوٹے جس سے ادھر آئے تھے۔ پھر اس جگہ قیام کا حکم فرمایا۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اس وادی میں کہیں بھی پانی نہیں ہے، جہاں ہم پڑاؤ ڈال سکیں۔"

یہ سن کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ یہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قربانی کے جانوروں کے نگران تھے۔

حضرت ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ وہ تیر لے کر ایک گڑھے میں اترے۔ انھوں نے وہ تیر اس گڑھے میں گاڑ دیا۔ تیر کا گاڑنا تھا کہ اس جگہ میٹھے پانی کا چشمہ ابلنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ اور ان کے اونٹ سیراب ہو گئے اور جانور تو اس کے گرد ہی بیٹھ گئے۔

ایک روایت کے مطابق اس گڑھے میں تھوڑا سا پانی موجود تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہ سے خود فرمایا تھا کہ اس تیر کو اس گڑھے میں گاڑ دو۔

اس وقت چشمے پر کچھ منافق بھی موجود تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

"تجھ پر افسوس ہے، کیا یہ دیکھنے کے بعد بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو حقیت کو جان لے اور یہ کہ تو کس راستے پر ہے۔"

یہ سن کر عبداللہ بن ابی نے جواب دیا:

"اس طرح کی چیزیں میں بہت دیکھ چکا ہوں۔"

حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر جواب دیا:

"تجھ پر اور تیری آنکھوں پر خدا کی مار ہو۔"

اس کے بعد عبداللہ بن ابی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا:

"اے ابوحباب! تم نے آج جو دیکھا اور کہاں دیکھ چکے ہو۔"

عبداللہ بن ابی بولا: "اس جیسا واقعہ تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

اب آپ نے پوچھا: "تب پھر تم نے وہ بات کیوں کہی تھی۔"

اس پر وہ منافق بولا: "اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیے۔"

اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے بھی آپ سے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! آپ ان کی مغفرت کی دعا فرمایئے!"

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

وہاں سے رخصت ہوتے وقت گڑھے میں وہ تیر نکال لیا گیا تھا، اس پر اس میں سے پانی ابلنا بند ہو گیا تھا۔

جب مسلمان پانی پی کر فارغ ہو گئے تو وہاں بدیل بن ورقاء آئے۔ یہ اپنی قوم خزاعہ کے سردار تھے۔ (جاری ہے)

پھلوں کا شکوہ

مانا کہ پسند آپ کی کچھ خام نہیں ہے
آموں کا شوق پھر بھی کوئی عام نہیں ہے

موسم ہے گرم پھر ہیں کیوں آموں کے قصیدے
کیا اس کے سوا آپ کو کچھ کام نہیں ہے

تربوز ہے ، انگور ہے ، جامن ہے پپیتا
کیا ان کے لیے جیب میں کچھ دام نہیں ہے

کیا ہم کو نہیں خالق و باری نے بنایا
تعریف ہماری بھی کیوں ہر گام نہیں ہے

سنڈھری سہی ، لنگڑا سہی ، رٹول سہی ، چونسا
اس لسٹ میں اپنا تو کہیں نام نہیں ہے

لذت کا حسیں "جام" تو ہے آم مگر سرا!
دنیا کا ہے ، جنت کا تو یہ آم نہیں ہے

شکوہ پھلوں کا یہ دربارِ اثر میں
فریاد ہے ، کوئی طعنہ و دشنام نہیں ہے

ضیاء اللہ محسن - ساہیوال

قبیلہ خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا ایک دوست قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے لوگ اگرچہ مشرک تھے، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے، بلکہ مکہ میں جو سازشیں ہوتی تھیں، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں بیٹھے آپ کو سب باتوں کا پتا چل جاتا تھا۔

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

42

عبداللہ فارانی

بدیل بن ورقہ اور ان کے ساتھیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"آپ کس ارادے سے تشریف لائے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم جنگ کے ارادے سے قطعاً نہیں آئے، بلکہ ہم تو بیت اللہ کی زیارت کے لیے، اس کی حرمت اور عظمت دل میں لے کر آئے ہیں۔"

یہ سن کر بدیل نے کہا:

"میں قریش کو یہ بات بتا دوں گا جو آپ نے فرمائی ہے؟"

یہ کہہ کر بدیل وہاں سے روانہ ہوئے اور قریش کے پاس پہنچے:

انھوں نے قریش سے کہا:

"ہم ان یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہو کر آئے ہیں۔ ہم نے ان سے جو سنا ہے، اگر تم پسند کرو تو تمھیں بھی بتا دیتے ہیں۔"

اس پر قریش کے کچھ برے لوگوں نے کہا:

"ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ تم ان کی باتیں ہمیں بتاؤ۔"

قریش کے کچھ اچھے لوگ یہ سن کر بول اٹھے:

"تم لوگوں نے ان سے جو سنا ہے، وہ بتا دو۔"

اس پر بدیل نے جو سنا تھا، بتا دیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس ارادے سے آئے تھے، وہ ان پر ظاہر کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق بدیل نے ان سے یہ کہا:

"اے قریش! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے میں جلدی نہ کرو۔ وہ جنگ کے ارادے سے ہرگز نہیں آئے۔ وہ تو بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔"

اس پر قریش نے بدیل اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہا، پھر بولے:

"اگر وہ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، تب بھی وہ زبردستی ہرگز ہرگز یہاں داخل نہیں ہو سکتے۔"

انھوں نے یہ بھی کہا:

"کیا محمد یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کریں، تاکہ عرب سنیں تو یہ سمجھیں کہ وہ زبردستی ہم پر چڑھ آئے اور مکہ میں داخل ہو گئے جب کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جو دشمنی ہے، اس کا حال سب کو معلوم ہے، خدا کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک ہماری ایک ایک پلک بھی جھپک رہی ہے، یعنی جب تک ہم میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے، ایسا نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد قریش نے بنی عامر کے بھائی مکرز بن حفص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ جب مکرز وہاں پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آتے دیکھا تو آپ نے فرمایا:

"یہ شخص دھوکے باز ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: "یہ شخص فاجر ہے۔"

یہ شخص آپ کے پاس پہنچ کر بات چیت کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی وہی فرمایا جو بدیل بن ورقا سے فرما چکے تھے۔ یہ جواب سن کر مکرز واپس چلا گیا اور قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا دیا۔

اس کے بعد قریش نے حلیس بن علقمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد کے طور پر بھیجا۔ یہ شخص اس زمانے میں اپنے لوگوں کا سردار تھا۔ یہ لوگ بنی عون، بنی حارث اور بنی مصطلق کے قبیلوں کے تھے۔ ان قبیلوں کو احابیش کہا جاتا تھا۔ حلیس بن علقمہ ان کا سردار تھا۔ ان قبیلوں نے دراصل ایک پہاڑ کے دامن میں معاہدہ کیا تھا۔ اس پہاڑ کا نام حبشی تھا۔ چنانچہ اسی پہاڑ کی نسبت سے ان لوگوں کو احابیش کہا جانے لگا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیس بن علقمہ کو آتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ ان لوگوں میں سے ہے جو مذہب پرست ہیں اور مذہبی احکام کا احترام کرنے والے ہیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ یوں فرمایا:

"یہ قربانی کے جانور کا احترام کرتے ہیں۔ تم ہدی کے جانور کو ہنکا کر اس کے سامنے لے جاؤ۔"

حلیس نزدیک پہنچا تو لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور ہدی کا جانور اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے فوراً کہا:

"سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا قطعاً نامناسب ہے۔ اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ دوسرے قبیلوں کے لوگ تو حج کریں اور عبدالمطلب کے بیٹے کو اجازت نہ ملے۔ رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ تو عمرہ کرنے کے لیے ہی آئے ہیں۔"

اس کے الفاظ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک! اے بنی کنانہ کے بھائی۔"

بس یہ حلیس اسی جگہ سے واپس لوٹ گیا۔ اس نے واپس جا کر قریش سے کہا:

"میں نے وہ باتیں دیکھی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنا جائز نہیں، میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں۔ ان جانوروں کی گردنوں کے بال تک اڑ گئے ہیں اور ان لوگوں کے بدن غبار آلود ہیں۔"

یہ سن کر قریش نے حلیس کو ڈانٹا اور بولے:

"خاموش بیٹھ جا! تو بالکل بے وقوف اور جاہل ہے، تجھے کچھ خبر نہیں۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فریب کو نہیں سمجھ سکا۔"

ان کی بات سن کر حلیس بگڑ گیا۔ اس نے کہا:

"اے گروہ قریش! نہ تو ان باتوں پر ہم نے تم سے حلف لیا تھا اور نہ ان حرکتوں کے لیے ہمارا تمہارا معاہدہ ہوا تھا۔ کیا ایسے شخص کو بھی بیت اللہ کی زیارت سے روکا جا سکتا ہے جو دل میں اس گھر کا احترام لے کر آیا ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یا تو تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ہٹ جاؤ اور وہ جس مقصد سے آئے ہیں، اسے پورا ہو جانے دو، ورنہ میں اپنے تمام احابیش کو لے کر تم لوگوں سے الگ ہو جاؤں گا۔"

اس پر قریش نے کہا:

"اچھا ٹھہرو! ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی

شرطیں منوالیں جو ہماری مرضی کے مطابق ہوں۔"

اس کے بعد عروہ بن مسعود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بنا کر بھیجا گیا۔ یہ عروہ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے اور یہی وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مشابہ ہیں یعنی ان سے ملتے جلتے ہیں۔ غرض جب قریش نے انھیں قاصد بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو عروہ نے ان لوگوں سے کہا:

"اے گروہِ قریش! میں دیکھ چکا ہوں کہ جسے آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بنا کر بھیجا، واپسی پر تم لوگوں کے ہاتھوں اس کی کیا حالت ہوئی۔ تم نے کیسے کیسے نازیبا اور ناشائستہ کلمات سے اس کی خاطر مدارت کی اور آپ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ لوگ باپ کے درجے میں ہیں اور میں بیٹے کے درجے میں ہوں۔"

اس پر سب نے کہا: "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

اب انھوں نے کہا: "تم لوگوں کو مجھ سے کوئی بدگمانی تو نہیں۔"

قریش فوراً بولے:

"نہیں! ہمیں تمھارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں۔"

اس طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد عروہ قاصد کی حیثیت سے روانہ ہوئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور بولے:

"اے محمد! آپ نے مختلف برادریوں کے لوگ جمع کیے ہیں اور انھیں لے کر آپ اپنی قوم اور خاندان کے مقابلے میں آئے ہیں۔ دوسری طرف قریش ہیں کہ جو پوری تیاری کے ساتھ اپنی قوم کے جوانوں کو لے کر نکلے ہیں۔ ان لوگوں نے عہد کیا ہے کہ آپ کو ہرگز زبردستی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے یہ مختلف برادریوں کے لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔"

اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بالکل پیچھے بیٹھے تھے۔ ان کے الفاظ سن کر آپ کو غصہ آگیا۔ چنانچہ آپ نے طیش میں آکر کہا:

"بکواس مت کر! کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں۔"

باتوں کے دوران عروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کو پکڑنے لگے۔ یہ عربوں کی عادت تھی۔ کسی سے بات چیت کرتے تھے تو خاص طور پر نرمی اور محبت کے اظہار کے طور پر دوسرے کی ڈاڑھی پکڑ لیا کرتے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس وقت تلوار ہاتھ میں لیے پہرے پر تھے۔ انھیں عروہ کی یہ حرکت اچھی نہ لگی۔ جونہی عروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کو ہاتھ لگاتے، یہ تلوار کے دستے سے ان کا ہاتھ ڈاڑھی پر سے ہٹا دیتے، ساتھ ہی وہ کہتے:

"اپنے اس ہاتھ کو روک لو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے دور رکھو۔ تمھارے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کو چھونے نہ پائیں، کیونکہ کسی مشرک کے لیے یہ جائز نہیں۔"

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے ان سے ایسا کہا تھا، اس طرح انھوں نے عربوں کی اس عادت کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بار بار ایسا کہا تو عروہ کو غصہ آگیا اور وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو برا بھلا کہنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑ کر بولے:

"یہ کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا:

"یہ تمھارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔"

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ اس وقت خود اوڑھ رکھا تھا اور ان کا چہرہ قدرے چھپا ہوا تھا، اس لیے عروہ انھیں پہچان نہ سکے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ سے بھی وہی فرمایا، جو پہلے قاصدوں سے فرما چکے تھے کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔ اس کے بعد عروہ نے وہاں عجب منظر دیکھا۔

انھوں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے ہیں، یعنی ہاتھ دھوتے ہیں تو صحابۂ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے گرتے پانی کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں... اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں... کسی کے ہاتھوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا کوئی حصہ چھو جائے تو وہ شخص برکت کے لیے اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال بھی گرتا ہے تو صحابۂ کرام بڑے احترام اور احتیاط سے اسے اٹھا کر رکھ لیتے ہیں... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے ہیں تو ہر شخص خاموش ہو جاتا ہے، اپنی آواز نیچی کر لیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں کوئی بھی آپ سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کرتا۔

یہ حیرت ناک مناظر دیکھنے کے بعد عروہ واپس چلے۔ قریش کے پاس پہنچے تو ان سے کہنے لگے:

"اے گروہِ قریش! میں فارس کے بادشاہوں کے درباروں میں بھی گیا ہوں اور روم کے شہنشاہ کے دربار میں بھی ہو آیا ہوں۔ میں حبشہ کے بادشاہ شاہِ نجاشی کی شان و شوکت بھی دیکھ چکا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کی عزت اور عظمت کا وہ منظر اس کی قوم میں نہیں دیکھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت کا منظر ان کے صحابہ میں دیکھا ہے۔ میں ان لوگوں کے پاس سے آرہا ہوں جو کبھی کسی چیز کے لالچ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ نہیں موڑیں گے، لہٰذا اب تم غور کر کے فیصلہ کر لو، انھوں نے تمھارے سامنے ہدایت اور راستی کی بات رکھی ہے، اس لیے تمھیں میری یہ نصیحت ہے کہ ان کی پیش کردہ بات مان لو، کیونکہ مجھے ڈر ہے، تم لوگ ان کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

ان کے جواب میں قریشی سرداروں نے کہا:

"اے عروہ! اس قسم کی باتیں کہیں اور نہ کرنا۔ ویسے ہم چاہتے ہیں کہ اس سال تو کسی طرح انھیں واپس کر دیں، البتہ آئندہ سال وہ عمرے کے لیے آسکتے ہیں۔"

اس بات کے جواب میں عروہ بولے:

"مجھے تو یہی نظر آرہا ہے کہ تم لوگوں پر تباہی آنے والی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس طائف چلے گئے۔

عروہ کے چلے جانے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو بلا کر قریش کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خود اپنے اونٹ پر سوار فرمایا۔ اس اونٹ کا نام ثعلبہ تھا۔ (جاری ہے)

جواہرات سے قیمتی

- محل میں غلامی کرنے سے جھونپڑے میں حکومت کرنا بہتر ہے۔
- انسان کی تمام پریشانیاں صرف دو وجوہات کی بنا پر ہیں، تقدیر سے زیادہ چاہتا ہے، وقت سے پہلے چاہتا ہے۔
- سنو سب کی، مگر فیصلہ اپنے پاس محفوظ رکھو۔
- دوستی کرنا اتنا آسان ہے جتنا مٹی پر مٹی سے مٹی لکھنا اور دوستی کو نبھانا اتنا مشکل ہے جتنا پانی پر پانی سے پانی لکھنا۔
- اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی نشانی یہ ہے کہ بندہ اپنی تقدیر پر راضی ہو۔
- مرنے والوں سے عبرت حاصل کرو۔
- انصاف کی ایک گھڑی برسوں کی عبادت سے بہتر ہے
- جہالت غربت کی بدترین شکل ہے۔
- سب سے بڑی خیانت قوم کے ساتھ غداری ہے۔

ارسال کرنے والے: نجمہ صدیقی فرو کہ سرگودھا۔ جویریہ بازلہ جڑانوالہ۔ ملک عارف رشید اعوان سدھو پورہ ملتان

اسلامی جنگیں 43

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

انھیں بھیجنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ وہ قریش تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا اصل منشا پہنچا دیں۔ حضرت خراش رضی اللہ عنہ جب قریش کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان کا اونٹ چھین کر مار ڈالا۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت خراش رضی اللہ عنہ کو بھی مار ڈالنے کا ارادہ کیا، لیکن احابیش نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا اور آخر قریش نے حضرت خراش رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

حضرت خراش رضی اللہ عنہ نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قریش کو آنے کی اصل غرض بتائیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! مجھے قریش کی طرف سے جان جانے کا خوف ہے، کیونکہ مکہ میں میرے خاندان، یعنی بنی عدی بن کعب کا بھی کوئی شخص نہیں ہے جو میری حمایت میں اٹھ سکے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں قریش کا کتنا سخت دشمن ہوں اور ان کے خلاف کتنا سخت ہوں، لیکن میں آپ کو ایک ایسے شخص کا نام بتا دیتا ہوں جو قریش کے نزدیک میرے مقابلے میں زیادہ معزز ہے اور وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس لیے کہ وہاں ان کے چچا کی اولاد ہے جو ان کی حفاظت کرے گی۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں قریش کے دوسرے سرکردہ لوگوں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کسی جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور اس کا احترام دل میں طے کر کے آئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا:

''آپ مکہ پہنچ کر ان مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس بھی جائیں جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس پہنچ کر آپ انھیں فتح کی خوش خبری سنا دیں اور یہ خبر دے دیں کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ مکہ میں اپنے دین کو سر بلند فرمائے گا، یہاں تک کہ وہاں کسی شخص کو اپنا دین چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف بڑھے۔ ادھر اسی دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے دس دوسرے صحابہ بھی مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے۔ ان کا مقصد اپنے عزیزوں سے ملنا تھا۔

مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابان بن سعید بن عاص سے ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں داخل ہونے کے لیے ان سے حمایت چاہی، چنانچہ انھوں نے آپ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ میں دشمنوں سے حفاظت کے لیے آپ میری پناہ میں رہیں گے۔ انھوں نے حضرت عثمان کو اپنے آگے آگے کر لیا تا کہ سب جان لیں کہ وہ ابان کی پناہ میں ہیں۔ یہ ابان بن سعید بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے سیدھے ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سرداروں کے پاس پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ان لوگوں کو پہنچایا۔ اب بھی قریش نے یہی جواب دیا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مرضی کے خلاف کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔''

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیغام پہنچا چکے تو قریش نے ان سے کہا:

''اگر آپ خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔''

اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف نہ کر لیں، عثمان کیسے کر سکتا ہے۔''

ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم آپس میں کہنے لگے:

''عثمان غنی کو تو بیت اللہ پہنچنے کا موقع مل گیا اور انھوں نے تو طواف بھی کر لیا ہوگا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا:

''مجھے امید نہیں کہ وہ ہمارے بغیر طواف کر لیں گے۔''

کسی نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! انھیں آخر رکاوٹ بھی کیا ہے، بیت اللہ تک تو وہ پہنچ ہی گئے ہیں۔''

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرا گمان یہ ہے کہ جب تک ہم طواف نہیں کر لیں گے، وہ طواف نہیں کریں گے، چاہے انھیں وہاں کتنے ہی سال لگ جائیں۔ جب تک میں طواف نہیں کروں گا، وہ طواف نہیں کریں گے۔''

قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تین دن تک روکے رکھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نے یہ خبر پہنچا دی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور مزید یہ کہ وہ دس مسلمان بھی شہید کر دیے گئے ہیں جو مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ یہ خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک کہ دشمن سے جنگ نہیں کر لیں گے، یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''ہم لوگ بیٹھے آرام کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کی آواز آئی۔ منادی کرنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے:

'بیعت! بیعت! روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام یہ حکم لے کر نازل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اللہ کا نام لے کر چلو۔'

اس اعلان پر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سنان بن ابوسنان رضی اللہ عنہ بیعت کے لیے آگے بڑھے۔ انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! میں ان تمام باتوں پر آپ سے بیعت کرتا ہوں جو آپ کے دل میں ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''میرے دل میں کیا ہے؟''

انھوں نے جواب دیا:

''یہ کہ میں آپ کے سامنے اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یا تو آپ کو فتح دے دیں یا میں اس کوشش میں ختم ہو جاؤں۔''

یہ سن کر باقی لوگ بھی بول اٹھے:

''ہم بھی آپ سے اسی بات پر بیعت کرتے ہیں جس پر سنان نے بیعت کی ہے۔''

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے اور ایک روایت کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کی۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے تین مرتبہ بیعت کی اور ایسا انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر کیا تھا۔ پہلی مرتبہ جب انھوں نے بیعت کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا:

''آؤ! بیعت کرو۔''

انھوں نے جواب دیا:

''اے اللہ کے رسول! میں تو بیعت کر چکا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک مرتبہ اور ہو جاؤ۔''

جب انھوں نے دوسری بار بیعت کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک مرتبہ اور ہو جاؤ۔''

اس طرح انھوں نے تیسری مرتبہ بیعت کی۔

(جاری ہے)

قدم بہ قدم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ان کی فضیلت بڑھانے کے لیے فرمایا، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری، اسلام سے لگاؤ اور ثابت قدمی سے واقف تھے، اس لیے آپ ان کی بیعت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ بیعت کی۔

اس موقعے پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دے رہے تھے۔ ایسے میں قریش نے پچاس سواروں کا دستہ مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف بھیجا۔ اس دستے کی کمان مکرز بن حفص کر رہا تھا۔ یہ وہی مکرز تھا جو قاصد بن کر آ چکا تھا۔ اسے دور سے دیکھ کر ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ یہ شخص دھوکے باز ہے یا آپ نے فرمایا تھا، یہ فاجر ہے۔

اس دستے کو قریش نے اس لیے بھیجا تھا کہ یہ رات کے وقت مسلمانوں کے پڑاؤ کے گرد منڈلاتا رہے اور گھات میں رہے۔ جونہی مسلمانوں کو غافل دیکھے، انھیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، لیکن ہوا یہ کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو پکڑ لیا۔ البتہ مکرز بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے ان لوگوں کو قید میں رکھنے کا حکم فرمایا۔ ادھر جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے ساتھی گرفتار ہو گئے تو ان کی ایک جماعت مسلمانوں کے سامنے آئی۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر پتھر اور تیر برسائے۔ ان میں سے ایک تیر حضرت ابن زنیم رضی اللہ عنہ کو لگا۔ وہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان میں سے بارہ مشرکوں کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد مشرکوں نے چند آدمیوں کو قاصد بنا کر بھیجا۔ ان میں سہیل بن عمرو بھی تھے۔ انھیں دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

"سہیل کے ذریعے تمہارا معاملہ سہل (یعنی آسان) ہو گیا۔"

سہیل نے نزدیک پہنچ کر کہا:

"آپ کے ساتھیوں یعنی (عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دس اور صحابہ) کو قید کرنے میں ہمارا کوئی ذمے دار آدمی شریک نہیں، بلکہ ہمیں تو جب اس بات کا پتا چلا تو ہمیں بہت ناگواری ہوئی۔ یہ ہمارے اوباش لوگوں کا کام تھا، اس لیے آپ نے جن لوگوں کو پکڑا ہے، انھیں واپس بھیج دیجیے۔"

اس کی بات کے جواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں انھیں اس وقت تک نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم میرے ساتھیوں کو نہیں چھوڑ دو گے۔"

اس پر سہیل بن عمرو نے کہا:

"اچھا! ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔"

اس کے بعد سہیل نے قریش کی طرف اپنا ساتھی بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے دس ساتھیوں کو واپس بھیج دیا۔ اس لیے آپ نے بھی قریش کے لوگوں کو فوراً رہا کر دیا۔

قریش کو جب حدیبیہ کی اس بیعت کا پتا چلا، یعنی یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ سے جان نثاری کا عہد لیا ہے تو وہ لوگ بہت خوف زدہ ہوئے۔ ان کے عقل مندوں نے سب کو مشورہ دیا کہ صلح کرنا بہتر رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا جائے گا کہ اس سال آپ لوٹ جائیں۔ آئندہ سال آپ آ جائیں اور تین روز مکے میں ٹھہریں، لیکن آپ کے ساتھیوں کے پاس میانوں میں رکھی تلواریں اور کمانیں ہوں، یعنی جنگ کا سامان ساتھ نہ ہو۔

اس مشورے کے بعد قریش نے پھر سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ ان کے ساتھ مکرز بن حفص اور حویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھے۔ سہیل بن عمرو سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

"اس شخص کو دوبارہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے۔"

آخر سہیل آپ کے سامنے پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ مسلمان چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ اب سہیل نے بات شروع کی۔ قریش کی تجویز پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے کہا:

"تم لوگ بیت اللہ کی حاضری کے لیے ہمارا راستہ کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ ہم طواف کر لیں۔"

اس پر سہیل نے کہا:

"ہمیں یہ گوارا نہیں کہ عرب لوگ کہیں کہ ہم دباؤ

میں آگئے۔ ہمیں مجبور ہونا پڑا۔ ہاں آئندہ سال اس میں کوئی حرج نہیں۔"

آخر دونوں فریقوں کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا کہ خوں ریزی نہیں ہونی چاہیے۔ اب اس معاہدے کو تحریری شکل دی جانی تھی۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت تیزی سے اٹھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بولے:

"ابوبکر! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"بے شک ہیں۔"

حضرت عمر بولے۔

"کیا ہم مسلمان نہیں ہیں۔"

انھوں نے جواب دیا:

"بے شک ہم مسلمان ہیں۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"بے شک وہ مشرک ہیں۔"

اس پر حضرت عمر نے کہا:

"تب پھر آخر کس بنا پر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت گوارا کریں۔"

ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے عمر! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور فیصلوں پر سر جھکاؤ۔ وہ اللہ کے رسول ہیں، اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے، تم پر لازم ہے کہ مرتے دم تک آپ کے احکامات کی اطاعت کرتے رہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

"میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے بھی انھوں نے یہی کچھ عرض کیا۔ آپ نے بالکل وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

"میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں کسی حالت میں بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا اور وہی میرا مددگار ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا:

"اے عمر! میں تو (ان شرائط) پر راضی ہوں اور تم انکار کررہے ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اس گفتگو کے خوف سے بعد میں روزے رکھتے رہے، نمازیں پڑھتے رہے اور غلاموں کو آزاد کرتے رہے ... یعنی پچھتایا کرتے تھے کہ اس موقعے پر انھوں نے یہ گفتگو کیوں کی ... حالانکہ آپ نے جو اس وقت بات چیت کی تھی، وہ کسی گستاخی کی نیت سے نہیں کی تھی ... یہ سب تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے بے پناہ محبت کی وجہ سے کیا تھا ... کیونکہ ظاہر یہ ہورہا تھا کہ اس معاہدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو بہت زیادہ رعایتیں دے رہے ہیں ... مگر بعد میں انھیں اور سب مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ نبی کا فیصلہ آسمانی ہوتا ہے ... اور اس میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کامیابیاں چھپی ہوتی ہیں ...

غرض اس معاہدے کو لکھنے کا مسئلہ پیش آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت اوس بن خولہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اسے لکھیں۔ اس پر سہیل بن عمرو نے کہا:

"یہ معاہدہ آپ کے چچا کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھیں گے ... یا پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لکھیں گے۔"

اس پر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

"اے علی! معاہدہ تم لکھو ... لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔"

اس پر سہیل نے کہا:

"میں رحمٰن اور رحیم کو نہیں مانتا۔ آپ یہ لکھوائیں بِسْمِکَ اللّٰھُمَّ یعنی شروع کرتا ہوں اے اللہ تیرے نام سے۔"

اس پر مسلمان اڑ گئے اور کہنے لگے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ اور کوئی کلمہ نہیں لکھا جائے گا۔"

اس پر کچھ گرما گرمی ہوئی۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"لکھو! محمد رسول اللہ نے ان شرائط پر سہیل بن عمرو سے صلح کی۔"

اسی وقت سہیل بن عمرو بول اٹھے:

"اگر ہم شہادت دے چکے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ سے نہ جنگ ہوتی، نہ آپ کو بیت اللہ سے روکا جاتا۔ اس لیے اپنا نام اپنے والد کے نام کے ساتھ لکھوایئے۔"

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے حکم پر وہ الفاظ لکھ چکے تھے۔

(جاری ہے)

قدم بہ قدم

اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ لفظ ''رسول اللہ'' کو مٹادو تو انھوں نے عرض کیا:

''میں تو اسے کبھی نہیں مٹا سکتا۔''

ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے تھے:

''میں آپ کے نام کو ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔''

آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''مجھے دکھاؤ، یہ لفظ کس جگہ لکھا ہوا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دکھا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے مٹا دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''لکھو! یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کی ہے۔''

یہ لکھوانے کے بعد آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، چاہے تم مجھے جھٹلاتے رہو اور میں ہی محمد بن عبداللہ ہوں۔''

اس کے بعد معاہدہ لکھا گیا۔ معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہیں کی جائے گی۔ دوسری شرط یہ تھی کہ جو مسلمان اپنے کسی سرپرست کی اجازت کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پناہ کے لیے آئے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔'' ظاہر میں یہ شرط بہت سخت تھی... اور اس وقت مسلمانوں کو بہت ناگواری گزری تھی... لیکن بعد میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ شرط بھی مسلمانوں کے حق میں رحمت تھی... کیونکہ جب ایک ایسے کسی مسلمان کو واپس بھیجا جاتا تو اس طرح بیت اللہ شریف مسلمانوں سے آباد رہتا تھا اور ایسے مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز ادا کرنے اور طواف کرنے کی سعادت حاصل ہوتی تھی.. اس طرح اس شرط میں جہاں مسلمانوں کے لیے خیر کا پہلو تھا، وہیں بیت اللہ کی عظمت اور حرمت بھی تھی..

تیسری شرط یہ تھی کہ کوئی ایسا شخص جس نے اسلام قبول کر رکھا ہو، لیکن اسلام سے پھر جائے اور بھاگ کر قریش کے پاس پہنچ جائے تو چاہے، وہ مرد ہو یا عورت، قریش اسے واپس نہیں کریں گے...

چوتھی شرط یہ تھی کہ کوئی شخص یا کوئی قبیلہ اس معاہدے کے تحت مسلمانوں کے ساتھ مل جانا چاہے، وہ مل سکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ ملنا پسند کرے، وہ بھی مل سکتا ہے۔

پانچویں شرط یہ تھی کہ مسلمانوں کو اس سال عمرہ کیے بغیر یہیں سے واپس جانا ہوگا اور آیندہ سال آپ تین دن کے لیے آئیں گے... قریش مسلمانوں کے لیے مکہ خالی کر دیں گے... جنگ کا سامان ساتھ نہیں لائیں گے... ایک مسافر کے پاس اپنی حفاظت کے لیے جو ہتھیار ہوتے ہیں، یعنی ایک تلوار اور تیر کمان... وہ ساتھ لائیں گے... وہ بھی اس صورت میں کہ تلواریں اور تیر میانوں میں ہوں گے...

عبداللہ فارانی

معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ کوئی شخص مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا تو اس شخص کو واپس لوٹانا ہوگا۔

جب سہیل بن عمرو نے یہ شرط پیش کی تو مسلمان بگڑ گئے اور پکار اٹھے:

''سبحان اللہ! یہ کیسے ممکن ہے... کہ جو شخص مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے، ہم اسے واپس مشرکوں کے حوالے کر دیں۔''

مطلب یہ کہ مسلمانوں کو یہ شرط شدید ناگوار گزری۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ یہ شرط بھی مانیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے، پھر آپ نے فرمایا:

''ہاں! ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا، ہم اسے لوٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی پیدا فرمانے والا ہے اور جو ہم سے دامن بچا کر مشرکوں کے پاس جائے گا، ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں، نہ وہ ہم میں سے ہے، بہتر ہے کہ وہ ان میں ہی رہے۔''

ابھی یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ اچانک ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ مشرکوں کی قید سے نکل آنے میں کامیاب ہوگئے۔ اگرچہ مشرکوں نے انھیں بیڑیوں سے باندھ رکھا تھا۔ حضرت ابو جندل بیڑیوں کو کھینچتے ہوئے

میری کمزوری.....

شب کا ہوتا ہے مرے گھر میں گزر آم کے بعد
کیا کرتا ہوں میں آغازِ سحر آم کے بعد
سیب، انگور یا جامن یا کوئی بھی پھل ہو
سب ہی اپنی جگہ اچھے ہیں مگر آم کے بعد
آم کے جام کی توہین سمجھتا ہوں اسے
چکھ لوں بھولے سے کوئی چیز اگر آم کے بعد
کوئی کچھ بھی کہے پر یہ مری کمزوری ہے
مجھ کو جچتا ہی نہیں کوئی ثمر آم کے بعد
آم کھانے سے تو میں باز نہیں آ سکتا
شوٹ کرنا ہے تو کر جائے شوگر آم کے بعد
عام لوگوں کو بھلا اس کا کہاں اندازہ
زخمِ فرقت سے جو چھلنی ہے جگر آم کے بعد
جیسے کھو جائے کسی شخص کی پیاری بکری
ایسے غمگین سے لگتے ہیں اثر آم کے بعد

اثر جونپوری

وہاں پہنچ گئے۔ یہ ابوجندل اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے جو اس وقت معاہدہ لکھ رہا تھا۔

ابوجندل عین اس وقت وہاں پہنچے جب یہ شرط لکھی جاچکی تھی۔ وہاں آتے ہی انھوں نے سب کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی:

مسلمان انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھیں خوش آمدید کہنے لگے، رہائی پانے پر مبارک باد دینے لگے۔

سہیل نے جیسے ہی اپنے بیٹے کو دیکھا، وہ ایک دم اٹھا اور ان کے پاس پہنچا۔ اس نے ان کے چہرے پر ایک تھپڑ مارا۔ مسلمان ابوجندل رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ ادھر سہیل بن عمرو نے ابوجندل کا گریبان پکڑ کر کھینچنا شروع کیا، پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"میں اس صلح نامے کے نام پر آپ سے کہتا ہوں کہ ان شرائط کے مطابق آپ کو اسے لوٹانا پڑے گا، کیونکہ اس کے آنے سے پہلے یہ شرط لکھی جاچکی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

اب سہیل بن عمرو نے انھیں گھسیٹا۔ ایسے میں حضرت ابوجندل نے چیخ چیخ کر فریاد کی اور بولے:

"اے مسلمانو! کیا تم مجھے پھر قریش کی طرف لوٹا رہے ہو... یہ تو مجھے میرے دین سے ہٹا دینا چاہتے ہیں... کیا تم نہیں جانتے... میں نے کیسی کیسی مصیبتیں جھیلی ہیں... ان کی قید میں کتنی تکالیف اٹھا چکا ہوں..."

ان کی یہ بات بالکل درست تھی... قریش انھیں اسلام سے ہٹانے کے لیے طرح طرح کی تکالیف دیتے رہے تھے... ان کی حالت دیکھ کر مسلمان رو پڑے... وہ اس شرط کی وجہ سے پہلے ہی بے چین تھے، حضرت ابوجندل کی آمد پر اور زیادہ بے قرار ہوگئے... اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوجندل صبر اور ضبط سے کام لو۔ اللہ تمہارے لیے اور تم جیسے دوسرے مسلمانوں کے لیے کشادگی اور سہولت پیدا فرمانے والا ہے۔ ہم قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کر چکے ہیں اور اس کی رو سے ہم انھیں قول و قرار دے چکے ہیں۔ ہم نے انھیں اللہ کے نام پر عہد دیا ہے، ہم بدعہدی نہیں کریں گے۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے فرمایا تھا:

"ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا۔ اس پر دستخط نہیں ہوئے، دستخط ہوجانے پر ہی اس پر عمل شروع ہونا چاہیے۔"

اس پر سہیل نے کہا:

"جی نہیں! معاہدہ بالکل ہوچکا ہے، میرے اور آپ کے درمیان شرائط طے ہوچکی ہیں، اس لیے اسے آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔"

اس وقت سہیل بن عمرو کے ساتھ مکرز اور حویطب بھی تھے۔ انھوں نے کہا:

"ہم اس کے لیے آپ کی پناہ قبول کرتے ہیں... اب اسے کوئی تکلیف نہیں دیں گے... ستائیں گے نہیں۔"

مطلب یہ تھا کہ انھیں آپ کو واپس تو کرنا پڑے گا... ہاں! ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اب ان پر ظلم نہیں ڈھائیں گے... اس موقعے پر حویطب نے مکرز سے یہ بھی کہا:

"میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں جتنی محبت ان لوگوں کے لیے دیکھی ہے جو ان کے دین میں داخل ہوجاتے ہیں، اتنی کسی قوم میں کسی کے لیے نہیں دیکھی۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ آج کے بعد کبھی تم لوگوں کو ایسا انصاف نہیں ملے گا۔ یہاں تک کہ یہ زبردستی مکے میں داخل ہوجائیں گے۔"

یہ سن کر مکرز نے کہا:

"خود میرا بھی یہی خیال ہے۔"

پھر معاہدہ مکمل ہوا، اس پر دستخط ہوئے۔ اس کی دوسری کاپی بھی لکھی گئی۔ ایک کاغذ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھا، دوسرا سہیل بن عمرو کو دیا۔ جب سہیل بن عمرو حضرت ابوجندل کو پکڑ کر چلنے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے اٹھے۔ (جاری ہے)

آپ حضرت ابوجندل کے نزدیک پہنچے اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور کہنے لگے:

''ابوجندل صبر کرو۔''

ادھر ان کا باپ سہیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے کے پاس سے ہٹانے لگا۔ آخر حضرت عمر ان کے پاس سے ہٹ آئے۔ اس طرح ابوجندل مکرز بن حفص اور حویطب کی پناہ میں مکے پہنچے۔ ان دونوں نے ابوجندل کو ایک مکان میں پہنچا دیا۔ اس طرح وہ ستائے جانے سے بچ گئے۔

اس معاہدے میں بنی خزاعہ کے لوگوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا، بلکہ ایک روایت کے مطابق بنو خزاعہ کے لوگ اس وقت وہاں موجود تھے۔ وہ یک دم اٹھے اور انھوں نے اعلان کیا:

''ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاہدے میں شریک ہوئے ہیں اور ہم لوگ اپنے باقی قبیلے کی طرف سے بھی نمائندگی کرتے ہوئے آنحضرت کی طرف سے اس معاہدے میں شرکت کا اعلان کرتے ہیں۔

دوسری طرف بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اس معاہدے میں شامل ہوا۔ معاہدے پر بطور گواہ مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنھم کے دستخط کرائے گئے۔ مشرکوں میں سے حویطب اور مکرز بن حفص کے دستخط کرائے گئے۔

46

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

حضرت ابوجندل کا اصل نام عاص تھا۔ ابوجندل ان کا لقب تھا۔

یہ ابوجندل عبداللہ بن سہیل کے بھائی تھے۔ عبداللہ بن سہیل ابوجندل سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے۔ عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اس موقعے پر یہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے قریش کے لشکر میں شریک تھے، لیکن بدر کے مقام پر پہنچ کر انھوں نے قریش کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور مسلمانوں میں آملے تھے۔ اس طرح یہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر غزوہ بدر میں شریک ہوئے، بدری صحابی بنے جب کہ ابوجندل پہلی مرتبہ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کو ذبح فرمایا اور سر منڈایا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنھم نے آپ کو قربانی کرتے اور سر منڈاتے دیکھا تو سب نے جلدی جلدی قربانی کی، پھر سر منڈائے، بعض صحابہ نے بال منڈوانے کی بجائے کتروائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ اور کتروانے والوں کے لیے دو مرتبہ دعا کی۔

سر منڈانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال ایک درخت کے نیچے پھینک دیے۔ صحابہ کرام نے ان بالوں کو چن چن کر اٹھالیا:

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنھا نے بھی ان بالوں میں سے کچھ بال لیے تھے۔ وہ انھیں بہت احتیاط سے اپنے پاس رکھتی تھیں۔ جب کوئی بیمار ہوتا تو وہ ان بالوں کو پانی میں ہلا دیتیں اور وہ پانی مریض کو پلا دیتیں۔ اس طرح اسے شفا ہو جاتی۔

اس کے بعد آپ وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر انیس دن قیام فرمایا۔ سفر کے دوران آپ کراع غمیم کے مقام پر پہنچے تو آپ پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ یہ مقام مکے اور مدینے کے درمیان میں ہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اس وقت مجھ پر جو سورت نازل ہوئی، وہ مجھے اس سارے جہان سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے جس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔''

سفر کے دوران لوگ بھوک سے پریشان ہوئے تو صحابہ نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم بھوک سے بے حال ہوگئے۔ لوگوں کے پاس سواری کے اونٹ ہیں، آپ ان میں سے کچھ ذبح فرما دیں، تا کہ ان کے گوشت سے پیٹ بھر سکیں۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ ایسا نہ کریں، بلکہ آپ کی رائے ہو تو آپ لوگوں کو بلا کر فرمائیں کہ ان کے پاس جو کچھ بھی کھانے کے لیے موجود ہو، اس سب کو جمع کر دیں۔ پھر آپ اس میں برکت کی دعا کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے اس کھانے کو سب کے لیے کافی کر دے گا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنھم سے فرمایا:

''سب لوگ اپنی چادریں اور عبائیں پھیلا دیں۔ لوگوں نے تعمیل کی تو آپ نے فرمایا:

عبداللہ فارانی

''جس کے پاس کچھ بھی زادِراہ ہو اور کھانا باقی ہو، وہ اس پر لا کر رکھ دے۔''

سب نے فوراً عمل کیا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا:

''سب لوگ اپنے اپنے برتن قریب لے آئیں اور جتنا چاہیں، بھر لیں۔''

سب نے اپنے برتن بھر لیے اور پیٹ بھر کر کھانا کھایا، لیکن کھانا پھر بھی بچ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر ہنس پڑے۔ اس کے بعد آپ نے ایک صحابی سے پوچھا:

''وضو کے لیے پانی ہے؟''

ایک صحابی ایک برتن لے آئے۔ اس میں کچھ پانی تھا۔ آپ نے فرمایا، اسے ایک پیالے میں الٹ دو۔ پانی پیالے میں الٹ دیا گیا تو آپ نے اپنے دستِ مبارک کی ہتھیلی اس میں رکھ دی۔ اس کے بعد فرمایا:

''لو! وضو کرو۔''

چنانچہ تمام صحابہ نے وضو کیا اور پانی پیا بھی۔ سب کے سب سیراب ہو گئے۔

جس وقت سورہ فتح نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کو فتح مبارک ہو۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی آپ کو مبارک باد دی، کیونکہ اصل میں یہ مسلمانوں کی فتح تھی۔ اگرچہ ظاہر میں فتح نہیں تھی۔ اس صلح کے اثرات بعد میں ظاہر ہوئے تھے۔ جس درخت کے نیچے یہ بیعت ہوئی، اس درخت کو ''شجرِ رضوان'' کہا جانے لگا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے دنوں میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس پہنچ کر نماز پڑھتے ہیں۔ آپ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور اس کے بعد اس درخت کو کاٹ ڈالنے کا حکم فرمایا، کیونکہ اس کی وجہ سے بدعات جاری ہونے کا ڈر تھا۔

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قیام فرماتے تھے کہ ایک روز ابوبصیر رضی اللہ عنہ مکے سے فرار ہو کر آپ کے پاس پہنچ گئے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے مگر مشرکوں نے انھیں قید کر رکھا تھا۔ یہ کسی طرح ان کی قید سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔

اب ان کی واپسی کے لیے خنیس نامی شخص کو ایک غلام کے ساتھ بھیجا گیا۔

یہ دونوں قریش کا خط لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ کو خط پیش کیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہ خط پڑھ کر سنایا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

''آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے آپ سے اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا، آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں گے، لہٰذا اس وقت ہمارا جو آدمی بھاگ کر آپ کے پاس آیا ہے، اسے واپس بھیج دیں۔''

یہ خط سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''ہم نے ان لوگوں یعنی مشرکین مکہ کو جو وعدہ دیا ہے، وہ تمھیں معلوم ہے، ہمارے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ اپنے دین کے معاملات میں ہم غداری اور دھوکا دہی کریں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تم جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے سہولت اور کشادگی پیدا فرمانے والا ہے، اس لیے تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ۔''

یہ سن کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے ان مشرکوں میں واپس بھیجنا چاہتے ہیں جو مجھے میرے دین سے پھیرنے کی کوشش میں ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبصیر جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے اور تم جیسے دوسرے مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا، تم ان دونوں کے ساتھ چلے جاؤ۔''

آخر حضرت ابوبصیر ان دونوں کے ساتھ مکے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ذی الحلیفہ کے مقام پر یہ آرام کرنے کے لیے ٹھہر گئے۔ انھیں لے جانے والوں میں سے خنیس کے پاس تلوار تھی۔ حضرت ابوبصیر نے تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''اے برادر! یہ تمہاری تلوار تو بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔''

وہ فوراً بولا:

''ہاں! یہ واقعی بہت عمدہ ہے۔''

''کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔''

''ہاں! کیوں نہیں۔''

یہ کہ کر اس نے تلوار حضرت ابوبصیر کی طرف بڑھا دی۔ انھوں نے فوراً تلوار نیام سے نکالی اور خنیس پر وار کر دیا۔

(جاری ہے)

اسلامی جنگیں 47

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

خنیس کا کام تمام کرتے ہی ابوبصیر اس کے غلام کی طرف بڑھے، لیکن وہ بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا مدینہ منورہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا، وہ گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ ادھر ابوبصیر رضی اللہ عنہ اس کے تعاقب میں چلے آرہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا:

''یہ شخص بہت خوف زدہ معلوم ہوتا ہے۔''

پھر آپ نے اس سے پوچھا:

''تمہارے ساتھ کیا گزری؟''

اس نے کہا:

''آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں۔ مہربانی کر کے آپ مجھے امان دے دیں۔''

آپ نے اسے امان دے دی۔ اسی وقت حضرت ابو بصیر وہاں پہنچ گئے۔ وہ اس شخص کے اونٹ پر سوار تھے جسے انھوں نے ہلاک کیا تھا۔ انھوں نے مسجد کے دروازے پر اپنا اونٹ بٹھایا، پھر ننگی تلوار لیے مسجد میں آئے۔ جلد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

''اے اللہ کے رسول! آپ اپنی ذمے داری پوری فرما چکے... اللہ نے آپ کو ذمے داری سے سبک دوش فرما دیا... کیونکہ آپ مجھے دشمن کے حوالے فرما چکے ہیں مگر میں نے اپنے دین کو بچا لیا... تاکہ نہ کوئی شخص مجھے دین کے معاملے میں ورغلا سکے... اور نہ مجھے میرے دین سے پھیر سکے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

''ٹھیک ہے، اب جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت ملنے کے بعد حضرت ابو بصیر مدینہ منورہ سے نکل کر شام کے راستے میں ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے ملک شام کو جاتے تھے۔ یہ جگہ راستے پر تھی اور یہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔

ابوبصیر اب وہیں ٹھہر گئے... انھوں نے رہنے کے قابل جگہ بنالی... یہ واقعہ بہت مشہور ہوگیا... مکہ مکرمہ میں جو مجبور اور بے بس لوگ قید کی زندگی گزار رہے تھے... وہ بھی فرار ہو ہو کر وہاں آنے لگے... ابوبصیر کے آس پاس رہنے لگے... یہاں تک کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی مکہ معظمہ سے فرار ہو کر وہیں پہنچ گئے... حضرت ابو جندل مکے سے ستر گھوڑے سواروں کے ساتھ نکلے تھے... یہ سب لوگ مسلمان ہو چکے تھے... یہ سب بھی ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے... اس طرح رفتہ رفتہ دوسرے قبیلوں یعنی بنی غفار، بنی اسلم اور عربوں کی دوسری جماعتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں، ابو بصیر کے گرد جمع ہوتی چلی گئیں... یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو کے قریب ہوگئی... یہ سب کے سب لڑنے والے اور جانباز لوگ تھے... اب ان لوگوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے شروع کر دیے... کوئی شخص ان کے ہاتھ لگ جاتا تو اسے قتل کر دیتے اور کوئی تجارتی قافلہ دیکھ لیتے تو اسے لوٹ لیتے... چونکہ ملک شام کا یہی راستہ تھا، اس لیے تجارتی قافلے اسی طرف سے گزرتے تھے... آخر قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا... اس میں انھوں نے لکھا...

''ہمارے وہ رشتے دار جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس پہنچے ہیں، ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں... آپ ان لوگوں کو اپنے پاس ہی ٹھکانا دے دیا کریں... ہم اس شرط کو ختم کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ جو مسلمان ہماری قید سے چھوٹ کر آپ کے پاس آجائے گا، اسے آپ کو لوٹانا پڑے گا۔''

قریش کے اس شرط کے ختم کر دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا:

''تم دونوں میرے پاس آجاؤ اور تم لوگوں کے ساتھ جو دوسرے لوگ ہیں، وہ اپنے وطن اور گھروں کو چلے جائیں... اور قریش کے جو لوگ بھی تم لوگوں کے پاس سے گزریں، اب ان سے کوئی الجھنے کی کوشش نہ کرے... نہ ان کے قافلوں پر ہاتھ ڈالے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جس وقت حضرت ابو جندل اور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا، اس وقت ابوبصیر زندگی کے آخری سانس پورے کر رہے تھے۔ ان کا انتقال اس وقت اس حالت میں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (باقی 10 صفحہ پر)

خط مبارک ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے انھیں اسی جگہ دفن کیا اور ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنا دی۔ اس کے بعد حضرت ابو جندل اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے۔ باقی لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس طرح قریش کے تجارتی قافلوں کو اس مشکل سے نجات ملی۔

اب صحابہ کرام کو معلوم ہوا۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر ابو جندل کو ان کے باپ کے حوالے کیا گیا تھا... تو صحابہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری تھی... اب انھیں معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ان تمام باتوں سے بہتر ہے، جو وہ خود چاہتے ہیں... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ان سب کی رائے سے افضل ہے... اس وقت انھیں یہ احساس بھی ہوا کہ یہ جو صلح آپ نے فرمائی تھی، بہت زیادہ مناسب اور ضروری تھی، کیونکہ اس صلح کے بعد مسلمانوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھنا شروع ہوگئی تھی... کیونکہ اس صلح نامے کے بعد مشرکوں کے سر سے جنگ کا خطرہ ٹل گیا تھا.. اور وہ مسلمانوں سے گھلنے ملنے لگے تھے... اس گھلنے ملنے کے نتیجے میں ان کے ذہنوں پر اسلام کا اثر ہونے لگا اور وہ بڑی تعداد میں مسلمان ہوگئے... اس صلح کے بعد دو سال کی مدت میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے... ان کی تعداد ان تمام مسلمانوں سے زیادہ ہے جو ان سے پہلے پوری مدت میں مسلمان ہوئے تھے... یہ فتح نہیں تھی تو اور کیا تھا؟...

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اسلام میں فتح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں ہے مگر لوگ ان حقیقتوں کو نہیں دیکھ رہے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پروردگار کے درمیان نمایاں تھیں... انسان کے مزاج میں جلدی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی جلدی کی وجہ سے اپنے کاموں میں جلدی نہیں فرماتا بلکہ اس کے کام اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں، جب وہ چاہتا ہے... میں نے سہیل بن عمرو (جو صلح نامہ لکھنے کے لیے آئے تھے یعنی ابو جندل کے باپ) کو حجۃ الوداع کے موقعے پر ان کے مسلمان ہونے کے بعد اس جگہ پر کھڑے دیکھا جہاں قربانیاں کی جاتی ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کے جانور پیش کر رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے انھیں ذبح کر رہے تھے... اس کے بعد سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر منڈانے کے لیے حجام کو بلایا... میں اس وقت سہیل کو دیکھ رہا تھا... کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بال بھی گرتا تھا، وہ اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے... اس وقت مجھے صلح حدیبیہ کا وہ وقت یاد آرہا تھا جب یہی سہیل معاہدے کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنے پر اعتراض کر رہے تھے.. انھوں نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو مٹوا دیا تھا... اسی طرح رسول اللہ کے لفظ کو برداشت نہیں کیا تھا... میں نے یہ باتیں یاد آنے پر اس ذاتِ باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جس نے انھیں اسلام کی توفیق عطا فرمائی تھی... (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

48

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

حدیبیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تقریباً ایک ماہ تک مدینہ منورہ میں ٹھہرے۔ پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر کی طرف کوچ کا حکم فرمایا۔ یہ غزوہ محرم 7 ہجری میں پیش آیا۔ صلح حدیبیہ میں جن مسلمانوں نے شرکت کی تھی، آپ نے انھی کو ساتھ چلنے کا حکم فرمایا۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر کچھ لوگ ساتھ نہیں گئے تھے، اس موقعے پر وہ ساتھ جانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے فرمایا:

"اس موقعے پر ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ جائیں گے جو حدیبیہ کے موقعے پر ساتھ تھے۔"

خیبر کی طرف روانگی سے پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت ساع بن عرفط کو مقرر فرمایا۔ اس موقعے پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنھا آپ کے ساتھ تھیں۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہ کے ساتھ خیبر کے سامنے پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ خیبر ایک قلعے کا نام تھا۔ عمالیق کی قوم کے ایک شخص کا نام خیبر تھا۔ یثرب نام کا ایک شخص اس جگہ آیا اور آباد ہوگیا۔ اس یثرب کے بھائی کا نام خیبر تھا۔ اسی یثرب کے نام پر پہلے مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا۔ یہودیوں کی زبان میں لفظ خیبر حویلی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس جگہ بہت سی حویلیاں اور گڑھیاں تھیں۔ حویلیوں اور گڑھیوں سے مراد چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں۔ بعد میں یہ ایک بڑا شہر بن گیا۔ اس میں بڑی بڑی حویلیاں، بے شمار کھیت اور باغات تھے۔ مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان تقریباً 96 میل کا فاصلہ تھا۔

خیبر کے لوگوں نے جب رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور آپ کے صحابہ کو اپنے شہر کے سامنے موجود پایا تو خوف زدہ ہوگئے اور چیخنے چلانے لگے، حالانکہ وہاں دس ہزار کے لگ بھگ جنگ جو موجود تھے۔ غالباً وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان سے جنگ کرنے کے لیے آجائیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ان کی طرف کا رخ بھی نہیں کریں گے۔ اب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تو خوف زدہ ہوگئے۔

مسلمانوں کو خیبر کی طرف کوچ کرتے دیکھ کر منافقوں کے سردار عبداللہ ابی بن سلول نے خیبر کے یہودیوں کو اطلاع کرائی تھی اور انھیں پیغام بھیجا تھا کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم تم سے مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اپنے بچاؤ کا سامان کر لو اور تمام مال و دولت حویلیوں میں چھپا لو۔

اس نے یہ بھی کہلوا بھیجا:

"تم محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے باہر نکل کر جنگ کرنا۔ ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ تمھاری تعداد بہت زیادہ ہے۔ جب کہ ان کے ساتھ ایک معمولی سا گروہ ہے۔ ان کے پاس ہتھیار بھی تھوڑے ہیں۔"

اس پیغام کے باوجود ان کا خوف دور نہ ہو سکا، ہوا دراصل یہ تھا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم خیبر کے سامنے رات کے وقت پہنچے تھے۔ یہودی اس وقت سوئے پڑے تھے۔ انھیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کا پتا ہی نہ چل سکا۔ یہاں تک کہ اس رات کسی مرغ نے بھی اذان نہ دی کہ وہ اس کی آواز سن کر ہی جاگ جاتے اور انھیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آنے کا پتا چل جاتا۔ یہ اللہ کی قدرت تھی کہ اس نے ان لوگوں کو اس رات بالکل غافل کر دیا۔

آخر سورج نکل آیا تو ان لوگوں کی آنکھ کھلی۔ انھوں نے اٹھ کر معمول کے مطابق اپنی حویلیاں کھول دیں۔ شہر کے دروازے کھول دیے اور پھر سب اپنے کاموں پر جانے کے لیے باہر نکلے۔ اس وقت اچانک انھوں نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو بدحواس ہو کر اپنی حویلیوں کی طرف بھاگے اور ان میں گھس گئے۔ شہر کے دروازے بند کر لیے گئے۔ یہ منظر دیکھ کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اللہ اکبر! خیبر تباہ ہوگیا جب ہم ان لوگوں کے روبرو آنازل ہوئے تو ان کے لیے بہت بری صبح ہوگئی جن کو ڈرایا جا چکا ہے۔"

اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو یہ پیش گوئی فرمائی کہ خیبر تباہ ہوگیا، اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے دیکھے تھے اور یہ چیزیں عمارتیں گرانے کا سامان

ہیں۔ لہٰذا آپ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کی حویلیاں تباہ ہوں گی۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر کی تباہی کی اطلاع دی تھی۔ اس لیے آپ نے یہ بات پیش گوئی کے طور پر فرمادی تھی۔

خیبر کی مختلف گڑھیوں اور حویلیوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے نطات نامی گڑھی پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ایسے میں حضرت حباب بن منظر نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ نے اس جگہ پڑاؤ ڈالا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے، تب تو ٹھیک ہے، پھر تو بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر آپ نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہے تو میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہ میری رائے ہے۔"

اس پر حضرت حباب بن منظر نے عرض کیا:

"اگر یہ بات ہے تو میں نطات کے لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ ایسے تیر انداز ہیں کہ ان سے بہتر نشانہ باز اور کوئی نہیں، یہ لوگ ہمارے مقابلے میں ہیں بھی بلند جگہ پر، ان کے تیر زیادہ تیزی کے ساتھ ہماری طرف آئیں گے۔ ہم ان کی زد میں ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ لوگ گردو پیش کی جھاڑیوں میں چھپ کر رات کو اچانک ہماری بے خبری میں حملہ کر سکتے ہیں، اس لیے یہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے۔ ان شاء اللہ شام کو ہم یہاں سے ہٹ جائیں گے۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

"ہمارے لیے یہاں سے دور پڑاؤ کی مناسب جگہ تلاش کرو۔"

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گھوم پھر کر پڑاؤ کی جگہ تلاش کی۔ پھر واپس آکر بتایا:

"میں نے جگہ تلاش کر لی ہے۔"

چنانچہ شام کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہٹ گئے اور مسلمانوں کو دوسری جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوسری جگہ کو اس لیے بھی پسند فرمایا تھا کہ اس طرح قبیلہ بنوغطفان کے لوگ خیبر کے یہودیوں کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن اس جگہ پڑاؤ ڈالنے کی وجہ سے اسلامی لشکر خیبر اور بنوغطفان کے درمیان آگیا۔ اب بنوغطفان براہ راست خیبر کے یہودیوں کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد بنوائی اور جتنے دن خیبر میں آپ کا قیام رہا، آپ اسی مسجد میں نمازیں ادا کرتے رہے۔

نطات کی گڑھی پر حملہ کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پرچم ایک مہاجر صحابی کو دیا۔ انھوں نے بہت زور کا حملہ کیا مگر ناکام واپس آگئے۔ ان کے بعد آپ نے وہ پرچم ایک دوسرے مہاجر صحابی کو دیا، وہ بھی ناکام واپس آگئے۔

اسی روز رات کے وقت یہودیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ گڑھی سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے رہے۔ اس روز کی جنگ میں حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ یہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ہوا یہ تھا کہ یہ جوش کے عالم میں حویلی کی دیوار کے پیچھے پہنچ گئے۔ اوپر سے نطات کے سردار مرحب نے ایک بڑا پتھر ان پر گرا دیا۔ اس سے یہ شہید ہو گئے۔ شہید ہونے سے پہلے تک حضرت محمود نے بہت شدید جنگ کی تھی، یہاں تک کہ وہ تھکن سے چور ہو گئے تھے۔ اس وقت گرمی بھی بہت شدید تھی۔ وہ تھکن سے نڈھال ہو کر گڑھی کی دیوار کے سائے میں دم لینے کے لیے آگئے۔ اسی وقت ان پر وہ پتھر آگرا۔ پتھر ان کے سر پر گرا اور لوہے کا خود ان کے سر میں گڑ گیا۔ مسلمان انھیں اسی حالت میں اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے ان کی پیشانی کی کھال کو اس کی جگہ پر رکھا اور کپڑا باندھ دیا مگر زخم اتنا گہرا آیا تھا کہ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بچ نہ سکے اور شہید ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نطات والوں سے برابر سات دن تک جنگ کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جنگ کے لیے نکلتے۔ پڑاؤ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر فرما کر جاتے۔ شام ہوتی تو آپ اسی جگہ واپس آجاتے۔ زخمی مسلمانوں کو بھی وہیں لے آیا جاتا اور ان کی مرہم پٹی کی جاتی۔

جو دستہ روزانہ لشکر کے گرد پہرہ دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باری باری اس کے ساتھ گشت کے لیے نکلتے۔ ان سات راتوں میں سے چھٹی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گشت کرنے والے دستے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجا۔ حضرت عمر اپنے دستے کے ساتھ گشت کر رہے تھے کہ خیبر کا ایک یہودی اس طرف آنکلا۔ اسے پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ (جاری ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی گردن مارنے کا حکم فرمایا، ایسے میں اس یہودی نے کہا:

"پہلے مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو، میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔

49

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

آپ نے حضرت عمر کے بولنے کی آواز سن لی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عمر یہودی کو ساتھ لیے اندر داخل ہوئے۔ آپ نے اس یہودی سے پوچھا:

"تمہارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟۔"

جواب میں اس نے کہا:

"ابو القاسم! کیا آپ مجھے امان اور پناہ دیتے ہیں؟۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! میں نے تمہیں امان دی۔"

اس پر اس نے بتایا:

"میں نطات کے قلعے سے نکل کر آ رہا ہوں۔ اس گڑھی کے لوگ آج رات خاموشی کے ساتھ وہاں سے فرار ہو رہے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

"وہ کہاں جا رہے ہیں؟۔"

اس نے بتایا:

"وہ لوگ نطات سے نکل کر شق نامی گڑھی کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ عورتوں اور بچوں کو پہنچا رہے ہیں اور جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ جنگ تو وہ یہیں کریں گے، لیکن جنگ سے پہلے عورتوں اور بچوں کو شق نامی گڑھی میں پہنچا رہے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق عورتوں اور بچوں کو کثیبہ نامی گڑھی میں پہنچایا گیا تھا:

اس کے بعد اس یہودی نے بتایا:

"نطات کی حویلیوں میں ایک حویلی صعب نامی ہے، اس میں ایک تہہ خانہ ہے۔ اس تہہ خانے میں انھوں نے اسلحہ جمع کر رکھا ہے۔ اس اسلحے میں منجنیق (بھاری پتھر پھینکنے کا آلہ) دبابہ (ٹینک نما آلہ) زرہیں اور تلواریں محفوظ ہیں۔ جب آپ شہر میں داخل ہوں تو اس تہہ خانے میں بھی جائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان شاء اللہ!"

اب اس نے کہا:

"اس تہہ خانے تک میں آپ کو لے جا سکتا ہوں، میں اس کا راستہ جانتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"ٹھیک ہے۔"

اب اس نے کہا:

"آپ میری جاں بخشی کر دیں۔"

آپ نے فرمایا:

"تمہیں امان دی۔"

اب اس نے کہا:

"میری ایک بیوی ہے، اسے بھی امان دیں۔"

آپ نے فرمایا:

"اسے بھی امان دی۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ بولا:

"آپ مجھے غور کرنے کے لیے چند دن کی مہلت دیں۔"

آپ نے اسے مہلت دے دی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"کل میں پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ جو پیٹھ دکھانے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے بھائی کے قاتل پر قابو عطا فرمائے گا۔"

اب صحابہ سوچنے لگے کہ وہ کون ہے جسے آپ کل پرچم عطا فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب صحابہ میں سے ہر ایک یہ خیال کرنے لگا کہ پرچم اسے دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مجھے اس دن کے سوا کبھی فوج کا امیر بننا اتنا محبوب نہیں ہوا۔"

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ انھیں لشکر کا امیر بنا دیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

''اے اللہ! تو جس نعمت کو روک دے، اسے دینے والا کوئی نہیں، اور جو نعمت تو دینا چاہے، اسے روکنے والا کوئی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر لانے کا حکم دیا۔ ان دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ آنکھوں کی تکلیف اس قدر شدید تھی کہ خیبر میں بھی بعد میں پہنچے تھے، یعنی لشکر کے ساتھ روانہ نہیں ہو سکے تھے۔ بعد میں آکر لشکر کے ساتھ مل گئے تھے:

جب آپؐ نے انھیں بلانے کے لیے ایک صحابی کو بھیجا تو لوگوں نے آپ کو بتایا:

''اے اللہ کے رسول! ان کی آنکھوں میں بہت تکلیف ہے۔''

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''کون ہے جو انھیں میرے پاس لے آئے۔''

اس پر حضرت سلمہ بن اکوع گئے اور انھیں لے آئے۔ حضرت سلمہ ان کو پکڑ کر لائے تھے، کیونکہ تکلیف کی وجہ سے ان کی آنکھیں بند تھیں اور ان پر پٹی بندھی تھی۔

آپ نے اس روز کئی پرچم تقسیم فرمائے۔ یہ پرچم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت حباب بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم کو دیے گئے۔ ان تمام پرچموں سے بڑا پرچم خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ یہ پرچم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کی سیاہ چادر سے بنایا گیا تھا۔ اس پرچم کو عقاب کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پرچم حضرت علی کو دیا تو انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میری تو آنکھوں میں بہت تکلیف ہے، مجھے تو اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نظر نہیں آرہی۔''

یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر اپنی گود میں رکھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ ان کی آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہوگئیں۔ انھیں یوں لگا جیسے آنکھوں میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں:

''اس روز کے بعد میری آنکھوں میں پھر کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔''

ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پرچم دیتے ہوئے یہ دعا فرمائی تھی:

''اے اللہ! انھیں گرمی اور سردی دونوں سے بے نیاز فرمادے۔''

حضرت علی فرماتے ہیں، اس کے بعد نہ مجھے سردی نے ستایا، نہ گرمی نے۔''

حضرت علی شدید سردی کے موسم میں باریک کپڑے پہن لیتے تھے اور شدید گرمی کے موسم میں موٹے کپڑے، لیکن نہ انھیں سردی لگتی تھی نہ گرمی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پرچم دیا تو انھوں نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسولؐ! میں ان لوگوں سے کس بات پر جنگ کروں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس بات پر کہ یہ لوگ گواہی دیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب وہ یہ گواہی دے دیں تو پھر ان کا خون حرام ہو جائے گا۔ ان کے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے، پھر ان پر جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، وہ بھی انھیں بتا دینا، کیونکہ اللہ کی قسم! تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت عطا ہوگئی تو یہ بات تمہارے لیے دنیا جہان سے بہتر ہے۔'' آپ نے پرچم دینے کے بعد ان سے یہ بھی فرمایا:

''جاؤ! پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے حضرت علیؓ سے اس موقعے پر یہ بھی فرمایا:

''علی! قسم ہے اس ذات کی! جس کے قبضے میں میری جان ہے، تمہارا ساتھی وہ ہے جو تمھیں کسی حال میں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ تمہارے دائیں طرف یہ جبرئیل ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ اگر یہ اپنی تلوار کو پہاڑوں پر مار دیں تو پہاڑوں کے ٹکڑے ہو جائیں۔ لہٰذا تمھیں جنت کی خوش خبری ہو، اے علیؓ! تم اہلِ عرب کے سردار ہو اور میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔''

مطلب یہ کہ تم ان خصوصیات کے ساتھ آگے بڑھو۔

حضرت علی کو لشکر کا امیر مقرر کرنے کے سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ اپنے صحابہ میں سے کسی کو ایک پرچم دے کر بھیجتے تھے۔ ایک دن آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انھوں نے جا کر زبردست جنگ کی۔ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے بھی زبردست جنگ کی۔ ان کے بعد آپ نے ایک انصاری صحابی کو بھیجا۔ انھوں نے بھی خوب جہاد کیا۔ آخر آپ نے یہ فرمایا کہ کل میں پرچم اسے دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دیں گے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔

اس طرح آپ نے پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا۔ ان کے لیے دعا فرمائی۔ انھیں اپنی زرہ پہنائی۔ اپنی تلوار بھی انھیں دی اور قلعے کی طرف روانہ فرمایا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں 50

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچم کو لہراتے ہوئے قلعے کی طرف روانہ ہوئے اور پھر انھوں نے پرچم کو قلعے کے نیچے نصب کر دیا۔ قلعے کے اوپر بیٹھے ایک یہودی نے آپ سے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

آپ نے فرمایا:

''میں علی ابن ابی طالب ہوں۔''

اس پر یہودی بولا:

''تم لوگوں نے بہت سر اٹھایا ہے... حالانکہ حق وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔''

اس کے بعد قلعے والے دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ ان میں سب سے آگے حرث تھا۔ یہ مرحب کا بھائی تھا۔ مرحب ان یہودیوں کا سردار تھا۔ حرث اپنی بہادری میں بہت مشہور تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر ثابت قدمی سے کھڑے رہے... نزدیک آتے ہی حرث نے اپنی تلوار سے آپ پر وار کیا... آپ نے تلوار پر اس کا وار روکا... اب دونوں ایک دوسرے پر تلوار کے وار کرنے لگے... پھر اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار بلند ہوئی اور اس کے جسم میں اتر گئی... جونہی حرث قتل ہوا... یہودی بھاگ کھڑے ہوئے اور انھوں نے قلعے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا...

کچھ دیر بعد یہودیوں کا سردار مرحب آپ کے مقابلے پر آیا۔ وہ اپنے تمام ہتھیار لگا کر آیا تھا۔ اس کے بدن پر دو زرہیں تھیں۔ وہ اپنی دو تلواریں لگائے ہوئے تھا۔ دو ہی عمامے باندھ رکھے تھے۔ ان پر خود تھا۔ خود میں سے دیکھنے کے لیے سوراخ کر رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ نیزے میں تین پھل لگے ہوئے تھے۔ وہ یہ شعر پڑھتا ہوا آگے آیا:

''خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند، بہادر اور نہایت تجربہ کار جنگ جو ہے۔''

اس نے سامنے آکر مسلمانوں کو للکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کون ہے جو اس کے مقابلے میں جائے گا؟''

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اس کے مقابلے کے لیے میں جاؤں گا۔ میرا بھائی اس کے ہاتھوں سے شہید ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے مقابلے پر مجھے جانا چاہیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بس تو پھر تم ہی اس کے مقابلے پر جاؤ۔''

ساتھ ہی آپ نے دعا کی:

''اے اللہ! مرحب کے مقابلے میں ان کی مدد فرما۔''

اب حضرت محمد بن مسلمہ آگے بڑھے اور انھوں نے مرحب کو قتل کر دیا۔ اس سلسلے میں دوسری روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں، یعنی مرحب کے مقابلے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تھے۔ اکثر سیرت نگاروں اور محدثین نے یہی لکھا ہے کہ مرحب کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا اور وہ آپ ہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مرحب آپ کے سامنے پہنچا تو آپ نے اپنی تلوار کا وار مرحب پر کیا۔ مرحب نے آپ کا وار ڈھال پر روکا۔ تلوار نے ڈھال کو پھاڑ ڈالا اور تلوار اس کے خود تک پہنچ گئی۔ خود بھی کٹ گیا۔ خود کے نیچے اس نے ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ وہ بھی دو ٹکڑے ہوا۔ اس پتھر کے نیچے دو عمامے تھے۔ ان دونوں عماموں سے گزر کر آپ کی تلوار اس کی کھوپڑی پر لگی۔ تلوار کھوپڑی کو کاٹتے ہوئے مرحب کی ڈاڑھ تک پہنچ گئی۔

حضرت علی اسے ادھ موا چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اس طرح مرحب کے مارے جانے میں حضرت علی اور حضرت محمد بن مسلمہ دونوں کا حصہ ہو گیا، کیونکہ اس کے بعد یہ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تفصیل بیان کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحب کے ہتھیار محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ کا بھی مرحب کے قتل میں حصہ تھا۔ (سیرت حلبیہ)

مرحب کے قتل کے بعد اس کا بھائی میدان میں نکلا۔ وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا:

''خیبر کا ذرہ ذرہ جانتا ہے کہ میں یاسر ہوں، جو ہتھیار پوش بہادر اور کشتوں کے پشتے لگا دینے والا ہے۔''

یہ یاسر بھی یہودیوں کے مشہور شہ سواروں اور بہادر سورماؤں میں سے تھا۔ وہ سامنے آتے ہی للکارا:

''کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے گا؟۔''

اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی صفوں سے نکلے۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ انھیں نکلتے دیکھ کر حضرت صفیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ یاسر میرے بیٹے کو قتل کر دے گا۔''

ان کی بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! بلکہ ان شاء اللہ تمہارا بیٹا اسے قتل کر دے گا۔''

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان دونوں میں سے جو بھی پہلے دوسرے پر تلوار بلند کرے گا، وہی کامیاب ہوگا۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یاسر کے نزدیک پہنچتے ہی اپنی تلوار بلند کی اور اس پر وار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اسے قتل کر دیا۔

غزوہ خیبر میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ ''امت امت'' تھا۔ یاسر کے قتل کے بعد عام جنگ شروع ہوئی۔ اس میں یہودیوں کو شکست ہوئی۔

جنگ کے دوران ایک واقعہ پیش آیا۔ خیبر کے ایک یہودی کا ایک حبشی غلام تھا۔ وہ اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آ کر کہا:

''اے اللہ کے رسولؐ! مجھے اسلام پیش کیجیے۔''

یعنی اسلام کی خوبیاں بیان کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں، وہ مسلمان ہو گیا۔ اس نے سن کر کہا:

''اگر میں مسلمان ہو جاتا ہوں تو مجھے بدلے میں کیا ملے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت!''

چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام اسود راعی تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسولؐ! میں ایک شخص کا غلام ہوں۔ اس کی بکریاں چراتا ہوں، اب میں ان بکریوں کا کیا کروں، کیونکہ یہ امانت ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انھیں سامنے کی طرف ہنکا دو، یہ خود ہی اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی۔''

اسود راعی نے ان بکریوں کو کنکریاں مار کر ہنکا دیا۔ ساتھ ہی اس نے بکریوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''اپنے مالک کے پاس چلی جاؤ، کیونکہ اللہ کی قسم! میں تو اب تمہارا ساتھ دینے والا نہیں ہوں۔''

چنانچہ بکریاں اکٹھی ہو کر اس طرح وہاں سے روانہ ہوئیں جیسے کوئی چرواہا انھیں ہانک رہا ہو اور سیدھی قلعے میں چلی گئیں۔ اب اسود قلعے کی طرف بڑھے اور مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر کفار سے جنگ کرنے لگے۔

جنگ کے دوران ایک پتھر انھیں آ کر لگا۔ وہ اس پتھر کے لگنے سے اسی وقت شہید ہو گئے جب کہ انھوں نے ابھی ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ صحابہ کی ایک جماعت ان کی لاش اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا چہرہ دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنھم نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:

''اس وقت ان کے پاس ان کی دو بیویاں ہیں جو جنت کی حوریں ہیں۔ وہ ان کے چہرے سے مٹی جھاڑ رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں، اللہ اس کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے تمہارے چہرے کو گرد آلود کیا اور اللہ تعالیٰ تمہارے قاتل کو قتل کرے۔''

اس کے بعد یہودیوں کو شکست ہو گئی۔ اس قلعے کا نام ناعم تھا۔ یہ نطات کے قلعوں میں سے پہلا قلعہ تھا۔

اس جنگ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بھی گرفتار کیا جس نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا۔ حضرت علی نے اس شخص کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے اپنے بھائی کے بدلے میں اسے قتل کر دیا۔

خیبر کے قلعے کے محاصرے کے دوران مسلمانوں کو کھانے پینے کی تنگی ہو گئی۔ صحابہ بھوک سے بے حال ہو گئے۔ جانور بھی پیاس سے بے دم ہو گئے۔ بنی اسلم کے مسلمانوں نے اسما بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا:

''بنی اسلم آپ کو سلام کہتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم لوگ بھوک سے بے حال ہو رہے ہیں۔''

حضرت اسماء نبی کریم کے پاس آئے اور بنی اسلم کا یہ پیغام آپ کو دیا۔ آپ نے ان کے لیے یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! آپ کو ان کا حال معلوم ہے اور یہ کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے کہ انھیں کچھ دے سکوں۔ اے اللہ! ان قلعوں کو اس طرح فتح کرا دے کہ ان میں رزق کی فراوانی ہو۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حباب بن منذر کو پرچم عنایت فرمایا: (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

51

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جنگ کے لیے ابھارا۔ ناعم نام کے قلعے کے یہودیوں میں سے جو لوگ جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے، وہ صعب نامی قلعے میں پہنچ گئے۔ یہ قلعہ نطات کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قلعہ اسی روز سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے فتح کرا دیا۔ اس سے پہلے اس قلعے کا محاصرہ دو دن سے جاری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بعد اس کو فتح ہونے میں دیر نہ لگی۔ اسی قلعے میں یہودیوں نے کھانے پینے کا سامان جمع کر رکھا تھا۔ اس میں گندم، کھجور، زیتون کا تیل، چربی، مویشی اور دوسرا ہر قسم کا مال بہت بڑی مقدار میں موجود تھا۔ یہ سب کا سب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اس قلعے میں پانچ سو جنگ جو موجود تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ان جنگ جوؤں میں سے ایک نکل کر سامنے آیا۔ یہ میدان میں آ کر للکارا:

''میرا نام یوشع ہے۔ کون ہے جو میرے مقابلے میں آئے؟''

اس کی للکار کے جواب میں حضرت حباب بن منذر میدان میں آئے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد دوسرا بہادر میدان میں آیا۔ اس کا نام دیال تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت عمارہ بن عقبہ غفاری رضی اللہ عنہ نکلے۔ انھوں نے آتے ہی اس کی کھوپڑی پر وار کیا اور ساتھ ہی بولے:

''لے سنبھال! میں ایک غفاری لڑکا ہوں۔''

اس کے اس جملے سے صحابہ کرام نے سمجھا کہ عمارہ نے اپنی بڑائی بیان کی ہے۔ چنانچہ ان میں سے کسی نے کہا:

''عمارہ نے اپنے جہاد کا ثواب ختم کر دیا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! اسے اس عمل کا اجر ملے گا اور اس کا یہ کارنامہ قابلِ تعریف ہے۔''

دیال۔ حضرت عمارہ کے پہلے ہی وار سے مارا گیا۔ اب یہودیوں نے مل کر زبردست حملہ کیا۔ مسلمان اِدھر اُدھر منتشر ہوتے چلے گئے۔ یہودی آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچ گئے۔ آپ اس وقت زمین پر کھڑے تھے۔ اس وقت حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدمی سے جمے رہے۔ یہودیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ایسے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جوش دلایا... وہ پلٹے اور یہودیوں پر بھرپور حملہ کیا... حضرت حباب بن منظر نے دشمن پر خوب یلغار کی... یہودی مسلمانوں کے جوابی حملے کی تاب نہ لا سکے، تیزی سے پسپا ہونے لگے، یہاں تک کہ اپنی حویلیوں تک پہنچ گئے... انھوں نے اندر داخل ہوتے ہی دروازے بند کر لیے، مسلمانوں نے قلعے پر چڑھائی کر دی... بہت سے یہودیوں کو قتل کر دیا یا گرفتار کر لیا گیا... یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا گیا:

''خوب کھاؤ پیو، چارے بناؤ۔''

مسلمانوں کو قلعہ صعب سے جنگی ساز و سامان کا ایک بڑا ذخیرہ بھی ملا۔ اس سامان میں منجنیق اور دبابے بھی تھے، یعنی پتھر پھینکنے کی مشینیں اور ٹینک۔

بہت سے یہودی اس قلعے سے جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، انھوں نے قلعہ حصن نامی قلّہ میں پناہ لی۔ حصن قلّہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ قلّہ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ یہ نطات کے قلعوں میں سب سے آخری قلعہ تھا۔ اس کا مطلب ہے نطات کے یہ تین قلعے تھے۔

اب مسلمانوں نے حصن قلّہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کو تین دن گزر گئے، پھر ایک یہودی مسلمانوں کے پاس آیا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''اے ابوالقاسم! اگر آپ میری جان بخشی کر دیں تو میں آپ کو ایسی خبریں دوں گا کہ آپ قلعے کو آسانی سے فتح کر لیں گے... ورنہ آپ اس قلعے کا ایک ماہ تک بھی محاصرہ کیے رہیں گے، تب بھی یہ فتح نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قلعے میں زمین کے نیچے دو نہریں ہیں... یہ لوگ رات کے وقت نکل کر ان نہروں سے پانی لے لیتے ہیں... اگر آپ کسی طرح ان لوگوں کا پانی بند کر دیں تو یہ لوگ ہار مان لیں گے...

آپ نے اس یہودی کو امان دے دی۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ان نہروں تک گئے اور قلعے کی طرف

جانے والا پانی کاٹ دیا۔ اس طرح یہودیوں کا پانی بند ہوگیا۔ مجبور ہو کر وہ قلعے سے باہر نکل آئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے سامنے صف بندی کی۔ پھر زبردست جنگ کی، لیکن آخرکار شکست کھا گئے۔

اب مسلمان نطات کے تینوں قلعے فتح کر چکے تھے، چنانچہ اب وہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے۔ شق میں بھی کئی قلعے تھے۔ ان میں جو سب سے پہلا قلعہ مسلمانوں کے سامنے آیا، اس کا نام قلعہ ابی تھا۔ اس قلعے پر زبردست مقابلہ ہوا، سب سے پہلے یہودیوں میں سے ایک جنگ جو مقابلے کے لیے آیا، اس کا نام غزوال تھا۔ اس نے مقابلے کے لیے للکارا۔ اس کی للکار پر حضرت حباب بن منذر آگے آئے۔ انھوں نے نزدیک پہنچتے ہی غزوال پر تلوار کا وار کیا اور اس کا داہنا ہاتھ کلائی پر سے کاٹ دیا۔ غزوال زخمی ہو کر قلعے کی طرف بھاگا۔ حضرت حباب نے اس کا پیچھا کیا اور اس پر دوسرا وار کیا۔ اس مرتبہ حضرت حباب کی تلوار اس کی ایڑی پر لگی۔ ایڑی پر زخم کھا کر غزوال گرا۔ اس کے گرتے ہی حضرت حباب نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اسی وقت دوسرا یہودی آگے آیا۔ اس کے مقابلے کے لیے ایک مسلمان آگے آئے، لیکن وہ اس کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ یہودی نے پھر مقابلے کے لیے للکارا:

اس مرتبہ اس کے مقابلے کے لیے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ آگے آئے۔ حضرت ابو دجانہ نے آگے آتے ہی اس پر وار کیا اور اس کا پیر کاٹ دیا۔

اس کے قتل کے بعد یہودیوں میں سے کوئی باہر نہ نکلا۔ اس پر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور قلعے پر حملہ کر دیا۔ مسلمان قلعے میں داخل ہوگئے۔ سب سے آگے ابو دجانہ تھے۔ اس قلعے سے بھی مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت ملا۔ قلعے میں جو لوگ موجود تھے، وہ بھاگ نکلے۔ انھوں نے شق کے دوسرے قلعے میں پناہ لی۔ اس کا نام قلعہ بری تھا۔ شق کے بس یہ دو ہی قلعے تھے، یعنی قلعہ ابی اور قلعہ بری۔

قلعہ بری میں یہودیوں نے زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی کی۔ بے تحاشہ پتھر برسائے، یہاں تک کہ بعض تیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آ کر گرے۔ کچھ تیر تو آپ کے کپڑوں میں الجھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے ایک مٹھی کنکر اٹھائے اور قلعے کی طرف پھینک دیے۔ ان سنگ ریزوں کے پھینکنے سے یہ قلعے لرز اٹھے۔ اس پر یہودی گھبرا گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح شق کے دونوں قلعے بھی فتح ہوگئے۔

ان قلعوں سے بھاگ کر یہودیوں نے کتیبہ کے قلعوں میں پناہ لی۔ کتیبہ کے تین قلعے تھے۔ پہلے قلعے کا نام قموص تھا۔ قموص ان تینوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ مسلمانوں نے بیس دن تک اس قلعے کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر اس قلعے کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔

اسی قلعے سے حضرت صفیہ بنتِ حیی گرفتار ہوئیں۔ یہ بعد میں امہات المومنین میں شامل ہوئیں۔ گرفتاری سے پہلے آپ کا نام زینب تھا۔ گرفتار ہو کر صفی میں شامل ہوئیں۔ صفی وہ مالِ غنیمت تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے منتخب فرما لیتے تھے۔ یہ انتخاب مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہوتا تھا۔

اس قلعے کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلع وطیح اور قلعہ سلالم کا محاصرہ کر لیا۔ خیبر کے قلعوں میں سے یہ آخری قلعے تھے۔ ان دونوں قلعوں میں سے کوئی مقابلے کے لیے باہر نہ نکلا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

"منجنیق لگائی جائے۔"

چنانچہ منجنیق نصب کی گئی۔ اسے دیکھ کر یہودی حوصلہ ہار گئے۔ اس سے پتھر برسانے کی نوبت نہ آئی۔ انھوں نے جان بخشی کی شرط پر صلح کی درخواست کی۔ انھوں نے کہا:

"ہم سوائے اپنے بال بچوں کے اور بدن کے کپڑوں کے کچھ ساتھ نہیں لے جائیں گے۔"

ان کی ان شرائط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کر لی۔ یہودی وہاں سے نکل گئے۔ مسلمانوں نے دونوں قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ ان دونوں قلعوں سے ایک سو زرہیں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں ترکشوں سمیت مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

مالِ غنیمت کی تلاش کے دوران مسلمانوں کو ان قلعوں سے تورات کے بہت سے نسخے بھی ملے۔ اس پر یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا:

"تورات کے یہ نسخے ہمیں دے دیے جائیں۔"

آپ نے نسخے انھیں دینے کا حکم فرمایا۔ خیبر کی فتح کے بعد کنانہ بن ربیع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا۔ یہ کنانہ حضرت صفیہ بنتِ حیی کا شوہر تھا۔ اس سے بھی پہلے حضرت صفیہ کی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی۔ سلام نے انھیں طلاق دے دی تو انھوں نے کنانہ سے شادی کر لی۔ اس کنانہ کے پاس بنی نضیر کا خزانہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

"بنی نضیر کا خزانہ تھا، وہ کہاں ہے۔"

جواب میں اس نے کہا:

"مجھے اس کا کچھ پتا نہیں۔"

اس کا جواب سن کر ایک دوسرے یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خزانے کا پتا بتا دیا۔ آپ نے یہودی کی بتائی ہوئی جگہ کو کھودے جانے کا حکم فرمایا۔ آخر وہاں سے خزانہ مل گیا۔ کنانہ نے چونکہ غلط بیانی کی تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت محمد بن مسلمہ کے حوالے کر دیا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

52

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے بدلے میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مالِ غنیمت لا کر جمع کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ سارا مال جمع کیا گیا۔

اس غزوہ میں جو جنگی قیدی ملے، ان میں حضرت صفیہ بنتِ حیی بن اخطب بھی تھیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی نسل میں سے تھیں۔ ان قیدیوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا کو منتخب فرمایا۔ آپ نے انھیں اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنھا کے پاس پہنچا دیا۔ وہ وہیں رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت فرمائی اور وہ مسلمان ہوگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر ٹھہرایا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بغیر معاوضے کے آزاد کیا اور اس کے نتیجے میں بغیر مہر کے ان سے نکاح فرما لیا۔ اس طرح آزادی ان کا مہر ہوگئی۔ نکاح سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ سے یہ فرمایا تھا:

"اے صفیہ! اگر تم چاہو تو میں تمھیں آزاد کر دوں اور تم اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جاؤ، یعنی رشتے دار جو زندہ باقی رہ گئے ہیں یا تم مسلمان ہو جاؤ تو اس صورت میں میں تم سے نکاح کر لوں گا۔"

یہ سن کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا نے عرض کیا تھا:

"میں اپنے لیے اللہ اور اللہ کے رسول کا انتخاب کرتی ہوں۔"

اس جنگ سے پہلے حضرت صفیہ نے ایک خواب دیکھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ چاند اتر کر اچانک ان کی گود میں آگرا ہے۔ آپ نے یہ خواب اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے کہا:

"خدا کی قسم! تو اسی بادشاہ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمنا کر رہی ہے جس نے ہمارے مقابلے میں آکر پڑاؤ ڈالا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک تھپڑ ان کے منہ پر مارا۔ اس سے ان کی آنکھ کے اوپر نیلا نشان پڑ گیا۔ نکاح کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشان کو دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھا۔ تب انھوں نے آپ کو اپنا خواب سنایا:

حضرت صفیہ فرماتی ہیں کہ جنگ کے بعد جب مجھے گرفتار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ نفرت آپ سے محسوس ہو رہی تھی، کیونکہ اس جنگ میں میرے باپ، میرے شوہر اور میری قوم کے لوگ مارے گئے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"صفیہ! میں نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا، اس کے لیے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں، لیکن انھوں نے مجھ سے کیا کیا نہیں کیا۔ میرے خلاف کیا کچھ کارروائیاں نہیں کیں۔"

آپ کے یہ فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا' وہ بلا وجہ نہیں کیا، بلکہ اس خوں ریزی کے اسباب خود تمہاری قوم نے پیدا کیے تھے۔ اسی کا انھیں انجام دیکھنا پڑا۔

حضرت صفیہ کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گفتگو کے بعد میرے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو غصہ تھا، وہ جاتا رہا، نہ صرف جاتا رہا بلکہ اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی میرے دل میں انقلاب پیدا ہوگیا اور اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دنیا کے ہر انسان سے پیارے ہوگئے۔

نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو امِ سلیم کے حوالے کیا، تاکہ وہ انھیں دلہن بنائیں۔ انھیں دلہن بنا کر آپ کے خیمے میں بھیج دیا گیا۔

اس رات آپ کے خیمے کا پہرہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے دیا اور ایسا انھوں نے اپنی مرضی سے کیا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم نہیں دیا تھا۔ صبح ہونے پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیمے سے باہر نکلے تو آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو باہر کھڑے پایا۔ آپ نے ان سے پوچھا:

"ابو ایوب! کیا بات ہے؟"

انھوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے بارے میں اس عورت کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس کے والد، شوہر اور قوم کے دوسرے لوگ قتل ہوگئے ہیں اور اسے کفر چھوڑے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی، اس لیے مجھے اس

کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا۔ سو میں یہاں پہرہ دینے کے لیے آ گیا۔ میں نے رات بھر پہرہ دیا ہے۔''

''یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یوں دعا دی:

''اے اللہ! ابوایوب کی بھی اسی طرح حفاظت فرما جس طرح انھوں نے پوری رات میری حفاظت کی ہے۔''

علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ حضرت ابوایوب کا نگہبان ہے، یہاں تک کہ اب عیسائی تک ان کی قبر کی حفاظت کرتے ہیں۔''

مطلب یہ کہ آپ کی قبر کی حفاظت خود غیر مسلم کرتے ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ میں دفن ہیں۔

50 ہجری میں یہ اسلامی لشکر کے ساتھ رومیوں سے جنگ کرنے قسطنطنیہ گئے تھے۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا تھا۔ ان کی وفات کے بعد انھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔

رومیوں نے مسلمانوں سے پوچھا تھا:

''یہ کون بزرگ تھے؟''

مسلمانوں نے انھیں بتایا تھا:

''یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بہت بڑے صحابی تھے۔ عظیم مرتبے کے مالک تھے۔'' اس پر رومیوں نے کہا:

''تم لوگ احمق ہو... تم انھیں یہاں دفن کر کے جا رہے ہو... کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ہم تم لوگوں کے جانے کے بعد احمق ان کی قبر کھود کر لاش باہر نکال پھینکیں گے... ان کی ہڈیوں کو آگ میں جلا دیں گے۔''

اس پر اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے رومیوں سے کہا:

''خدا کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو سرزمین عرب میں تم لوگوں کی جتنی عبادت گاہیں ہیں، میں ان سب کو کھدوا ڈالوں گا... اور عیسائیوں کے جتنے مزارات ہیں... ان سب کو کھدوا کر لاشیں نکلوا دوں گا۔''

اس دھمکی کو سن کر رومی گھبرا گئے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ ان کی قبر کو نہیں اکھاڑیں گے، بلکہ اس کی حفاظت کریں گے، چنانچہ اس وعدے کے بعد رومی آپ کی قبر کی حفاظت کرتے رہے۔ اس حفاظت کو دیکھ کر دوسرے عیسائیوں نے یہ سمجھا کہ یہ کسی بہت بڑے بزرگ کی قبر ہے، لہٰذا وہ بھی قبر کا احترام کرنے لگے۔ اس طرح یہ احترام عام ہوتا چلا گیا اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کے دوران حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ بھی کیا اور وہ اس طرح کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

''جس کے پاس جو کچھ کھانا ہے، وہ لے آئے۔''

آپ نے وہیں دسترخوان بچھوا دیا، کوئی کھجوریں لے آیا، کوئی پنیر تو کوئی گھی اور کچھ لوگ ستو لے آئے۔ اس طرح حضرت صفیہ کا ولیمہ ہوا۔ سب نے مل کر وہ کھانا کھایا۔

خیبر فتح ہوا ہی تھا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھ دوسرے مسلمان حبشہ سے آ گئے۔ یہ حضرات مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے اور جب انھیں معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہیں تو یہ حضرات مکہ مکرمہ کے بجائے مدینہ منورہ کی طرف چلے آئے اور راستے میں خیبر سے گزرے تو وہیں ان حضرات کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے ہو گئی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی حبشہ سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بھائی بھی تھے۔ جب یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ انھیں گلے سے لگایا۔

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ کس بات پر زیادہ خوش ہوں، خیبر کی فتح پر یا جعفر کے آنے پر۔'' یعنی دونوں باتوں کی بہت زیادہ خوشی ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساٹھ آدمی حبشہ کے بھی آئے تھے۔ ان کے علاوہ دس کے قریب آدمی ملک شام کے رومی تھے۔ یہ عبادت گزار لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورہ یاسین انھیں پڑھ کر سنائی۔ یہ لوگ سورہ یاسین سن کر رونے لگے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ ساتھ ہی انھوں نے کہا:

''یہ کلام اس کلام سے کتنا ملتا جلتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔'' (جاری ہے)

وہی کرنا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عطیات اور بخششیں جب تک عطیات اور بخششوں کی حیثیت میں ہوں، لے سکتے ہیں، لیکن جب یہ عطیے رشوت بن جائیں اور خلاف دین کام کرنے کے لیے دیے جائیں تو مت لینا اور تم اس رشوت کو چھوڑنے کے نہیں، کیونکہ تمھیں فقر و فاقہ لاحق ہوگا جو اس رشوت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔

سنو! اسلام کی چکی گھوم رہی ہے۔ (چل رہی ہے، پس تم لوگ کتاب اللہ کے ساتھ رہو جدھر وہ جائے) اور سنو! اللہ کی کتاب اور اقتدار حکومت ایک دوسرے سے عنقریب الگ ہو جائیں گے تو تم کتاب اللہ کا ساتھ دینا (اسے چھوڑ کر حکومتِ اقتدار کا ساتھ مت دینا) سنو! تمہارے اوپر ایسے امراء و حکام مسلط ہوں گے جو تمہارے لیے فیصلے کریں گے (قانون بنائیں گے) تو اگر تم نے ان کی بات مانی تو تمھیں گمراہی کی راہ پر ڈال دیں گے اور اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔''

لوگوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمھیں وہی کرنا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا۔ وہ آرے سے چیرے گئے اور سولی پر لٹکائے گئے (لیکن باطل کے آگے نہیں جھکے) اللہ کی اطاعت میں مر جانا اللہ کی معصیت (گناہ) میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے۔ (طبرانی)

نماز

پھول رحمت کے کھلاتی ہے نماز
رستہ جنت کا دکھاتی ہے نماز

آگ دوزخ کی بجھاتی ہے نماز
ہر برائی سے بچاتی ہے نماز

شاہ و گدا میں نہیں رکھتی تمیز
فرق دنیا کے مٹاتی ہے نماز

سوہنے رب سے مسلمانو! سنو
ہر نمازی کو ملاتی ہے نماز

وقت کا پابند، نظم کا خوگر
ہر نمازی کو بناتی ہے نماز

قاری محمد مظہر حسین۔ منڈی جہانیاں

اسلامی جنگیں

53

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حبشہ سے جو لوگ آئے تھے ان میں حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ آپ کی زوجہ محترمہ تھیں، کیونکہ جب آپ نے ان سے نکاح فرمایا، اس وقت یہ حبشہ میں تھیں۔ یہ ان مہاجرین میں سے تھیں جو مکے سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے اور یہ دوسری ہجرت کے موقعے پر گئی تھیں۔

اس وقت یہ اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ گئی تھیں۔ عبداللہ بن جحش حبشہ پہنچ کر مرتد ہو گیا یعنی اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو گیا اور اسی حالت میں وہاں مر گیا۔ حضرت ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔ پھر اللہ کا حکم ہوا اور شاہ نجاشی نے آپ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ دیا۔ اب اس موقعے پر یہ مسلمانوں کے ساتھ وہاں پہنچیں۔

خیبر کی فتح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایسے میں ایک روز شام کو ایک عورت لشکر کی طرف آتی نظر آئی۔ یہ عورت یہودیوں کے سردار مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم یہودی کی بیوی تھی۔ مرحب غزوۂ خیبر میں مارا گیا تھا۔ اس نے پہلے صحابہ کرام سے یہ پوچھتی رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے گوشت میں سے کون سا حصہ زیادہ پسند ہے۔ صحابہ کرام نے اسے بتایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دستی کا گوشت زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ یہ سن کر زینب واپس لوٹ گئی۔ اس نے بکری کی دستی لی۔ اسے بھونا، پھر اس میں زہر ملایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئی۔

آپ اس وقت مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے۔ آپ نے اس سے پوچھا:

"تو کون ہے اور کس لیے آئی ہے۔"

اس پر وہ بولی:

"ابوالقاسم! میں آپ کے لیے ہدیہ لائی ہوں۔"

آپ کے حکم پر گوشت اس سے لے کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ کے بالکل نزدیک اس وقت حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ آپ نے ان سے اور دوسرے صحابہ سے فرمایا:

"قریب آجاؤ۔"

یہ فرما کر آپ نے گوشت اٹھایا، اس میں سے تھوڑا سا نکال لیا۔ آپ نے ابھی وہ ٹکڑا منہ میں رکھا ہی تھا کہ اتنے میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ گوشت کا ٹکڑا نگل گئے۔ اسی وقت آپ نے وہ ٹکڑا باہر اگل دیا جو منہ میں رکھ چکے تھے۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

"اپنے ہاتھ روک لو، یہ گوشت مجھے بتا رہا ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔"

اسی وقت حضرت بشر بن براء نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو یہ عزت اور سربلندی عطا فرمائی ہے، جو لقمہ میں نے کھایا ہے، اس میں مجھے بھی کچھ محسوس ہوا تھا، لیکن میں نے اسے اس خیال سے نہیں اگلا کہ آپ کا کھانا خراب ہوگا۔ اب مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے اس لقمے کو نہیں نگلا۔"

اس کے بعد حضرت بشر بن براء کے جسم کا رنگ سبز ہو گیا اور پھر اس زہر سے انتقال کر گئے۔ اب چونکہ آپ بھی لقمہ منہ میں رکھ چکے تھے، اس لیے آپ نے زہر کے اثر سے بچنے کے لیے پچھنے لگوائے۔ تین اور صحابہ نے بھی گوشت چکھ لیا تھا، لیکن پھر اگل دیا تھا۔ انھوں نے بھی پچھنے لگوائے۔

احادیث میں پچھنے لگوانے کے بہت فائدے آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"معراج کی رات میں جب بھی فرشتوں کے کسی گروہ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے مجھ سے کہا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیجیے۔"

نوٹ: پچھنے لگوانا دراصل ایک علاج ہے۔ سر کے پچھلے حصے پر تیز دھار آلے سے کٹ لگا کر خون نکالا جاتا ہے۔ اسے پچھنے لگوانا کہتے ہیں۔

زہر کے اس واقعے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

"کیا تو نے گوشت میں زہر ملایا تھا۔"

وہ یہ سن کر حیران رہ گئی اور بولی:

"آپ کو کس نے بتایا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے گوشت کے اسی ٹکڑے نے بتا دیا تھا جو میرے ہاتھ میں تھا۔"

اب اس نے کہا:

"ہاں! میں نے زہر ملایا تھا۔" (باقی صفحہ 6 پر)

آپ نے پوچھا:
"تو نے ایسا کیوں کیا؟"

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

اس پر وہ بولی:
"آپ نے جو کچھ میری قوم کے ساتھ کیا، وہ آپ کو معلوم ہی ہے، آپ نے میرے باپ، میرے چچا اور میرے شوہر کو قتل کیا، میری قوم کو ہلاک کیا، اس لیے میں نے سوچا، اگر آپ صرف ایک بادشاہ ہیں تو اس زہر کے ذریعے ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو زہر کی پہلے ہی خبر ہو جائے گی۔"
اس کی بات سن کر آپ نے اسے معاف کر دیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا کرتے تھے۔ البتہ مسلمانوں کو کسی کی ذات سے نقصان پہنچتا تھا یا کوئی مسلمان کو ہلاک کر دیتا تھا تو آپ بدلہ لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق تھا۔ اس لیے، اس نے آپ کو معاف فرما دیا۔
آپ نے تو اپنی حد تک تو اسے معاف کر دیا تھا، لیکن بعد میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ہلاک ہو جانے کی بنیاد پر اسے بدلے میں قتل کر دیا گیا۔
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس واقعے کے کئی سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت بشر بن براء کی بہن آئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا:
"میں نے تمہارے بھائی کے ساتھ خیبر میں جو گوشت کھایا تھا، اسی کی وجہ سے اس وقت میری رگیں کٹ رہی ہیں۔"
خیبر کی لڑائی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑائی میں حاصل ہونے والا مال غنیمت تقسیم فرمایا:
خیبر سے واپسی کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادئ قریٰ میں پہنچے۔ اس بستی کے باشندے بھی یہودی تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا اور لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے تو یہودی لشکر میں سے ایک جنگجو آگے آیا۔ اس نے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو للکارا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے پر آئے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک یہودی میدان میں آیا۔ اس نے بھی مقابلے کے لیے کسی مسلمان کو طلب کیا۔ اس مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے پر آئے۔ آپ نے اسے قتل کر دیا۔ اب تیسرا شخص سامنے آیا۔ اس نے بھی للکار کر مسلمانوں میں سے کسی کو آگے آنے کی دعوت دی۔ اس کے مقابلے پر حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ آئے اور اسے قتل کر دیا:
اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی۔ اس جنگ میں یہودیوں کے گیارہ آدمی ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد علاقہ فتح ہو گیا۔ یہودی بھاگ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے بستی والوں کا مال و دولت مسلمانوں کو عطا فرمایا۔ یہ کافی مال غنیمت تھا۔
وادی القریٰ کے بعد آپ کے راستے میں وادی تیما آئی۔ یہ لوگ پہلے ہی جان چکے تھے کہ خیبر والوں اور وادی القریٰ والوں کا کیا انجام ہوا ہے، لہٰذا انھوں نے پہلے ہی جزیہ دینا منظور کر لیا۔
واپسی کے سفر میں مدینہ منورہ سے کچھ دور ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ اس موقعے پر آپ نے فرمایا:
"کون ہے جو آج رات پہرہ دے، کیونکہ ممکن ہے، ہماری آنکھ لگ جائے۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
"اے اللہ کے رسول! میں پہرہ دوں گا۔"
اس کے بعد آنحضرت اور تمام صحابہ سو گئے۔ حضرت بلال کچھ دیر تک نفل پڑھتے رہے، اس کے بعد ایک اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ صبح قریب ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو گئے۔
(جاری ہے)

54

اِسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

صبح نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی، نہ صحابہ میں سے کوئی شخص نماز کے وقت بیدار ہوا، یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ دھوپ کی تپش سے سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

''یہ تم نے کیسا پہرہ دیا؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اے رسولؐ! مجھ پر بھی اسی چیز کا غلبہ ہو گیا جس کا آپ پر ہوا۔'' یعنی مجھ پر بھی نیند طاری ہو گئی۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا:

''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

اس سلسلے میں دوسری روایت یوں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''بلال کھڑے نفلیں پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس شیطان آیا اور انھیں اس طرح تھپکنے لگا جیسے بچے کو سلانے کے لیے تھپکا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بلال سو گئے۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے حضرت بلال کو بلایا اور پوچھا:

''یہ تم نے کیسا پہرہ دیا؟''

اس پر انھوں نے یہ الفاظ کہے:

''اے اللہ کے رسولؐ! میں کھڑا نفلیں پڑھ رہا تھا کہ شیطان میرے پاس آیا اور مجھے اس طرح تھپکنے لگا جیسے بچے کو سلانے کے لیے تھپکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں سو گیا۔''

ان الفاظ کو سنتے ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پکار اٹھے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ اس لیے فرمایا کہ جب حضرت بلال نفلیں پڑھ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سو رہے تھے... یعنی آپ کو تو معلوم ہی نہیں تھا...

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ نے تھوڑی دور جا کر اپنا اونٹ بٹھایا۔ یہاں آپ نے وضو کیا۔ پھر آپ کے حکم پر حضرت بلال نے تکبیر کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے وقت سوتا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو پھر وہ گھبرا کر نماز ادا کرے تو اس کی نماز وقت پر ہی شمار ہو گی، یعنی اسے وقت پر نماز پڑھنے کے برابر ہی ثواب ملے گا۔''

غزوہ خیبر کے بعد غزوہ موتہ پیش آیا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ آپ کا یہ خط مبارک حضرت حرث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ لے کر ملک شام جا رہے تھے۔ یہ حرث بن عمیر ازدی جب موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرح بیل بن عمرو غسائی نے انھیں روکا۔ یہ شرح بیل روم کے بادشاہ قیصر روم کی طرف سے شام کے اس علاقے کا امیر اور بادشاہ تھا۔ شرح بیل نے حضرت حرث کو دیکھ کر کہا:

''تم کون ہو، کہاں جا رہے ہو، شاید تم محمد کے قاصدوں میں سے ہو۔''

حضرت حرث نے جواب دیا:

''ہاں! میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔''

شرح بیل نے یہ سنتے ہی انھیں رسیوں سے جکڑ لینے کا حکم دیا۔ پھر جب انھیں باندھ لیا گیا تو اسی حالت میں انھیں شہید کر دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے قاصد بھیجے، ان میں سے صرف حضرت حرث ہی ایسے ہیں جنھیں شہید کیا گیا۔ ان کے علاوہ آپ کے اور کسی قاصد کو شہید نہیں کیا گیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہوا کہ حرث کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ نے فوراً ہی صحابہ کا ایک لشکر تیار فرمایا۔ اس کی تعداد تین ہزار تھی۔ آپ نے ان لوگوں کا شاہِ روم سے جنگ کے لیے روانہ فرمایا اور لشکر کا امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا:

لشکر کوچ کے لیے تیار ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ جعفر بن ابو طالب لشکر کے امیر ہوں گے۔ اگر جعفر بن ابو طالب بھی شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ (باقی صفحہ 6 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

عبداللہ بن رواحہ لیں گے اور اگر عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس شخص پر بھی مسلمان اتفاق کر لیں، اسی کو اپنا امیر بنا لیں۔"

جب آپ یہ فرما رہے تھے تو ایک یہودی نے بھی یہ الفاظ سنے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا:

"ابو القاسم! اگر آپ واقعی نبی ہیں تو جن لوگوں کے آپ نے نام لیے ہیں، وہ سب اس جنگ میں شہید ہو جائیں گے، کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیا میں سے جب بھی کسی نبی ؑ نے کسی شخص کو لشکر کا یا جماعت کا امیر بنا کر یہ کہہ دیا کہ اگر یہ ختم ہو جائیں تو لازمی طور پر وہ شخص اسی سفر میں ختم ہو جاتا ہے، چاہے اس نبی نے سو آدمی ہی کیوں نہ گنوائے ہوں۔"

اس کے بعد اس یہودی نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اگر یہ واقعی نبی ہیں تو پھر اب تم واپس نہیں آؤ گے۔"

یہ سن کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید رنگ کا پرچم تیار کیا۔ آپ نے وہ حضرت زید بن حارثہ کو دیا۔ ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی:

"جہاں حضرت حرث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا ہے، جب تم وہاں پہنچو تو جو لوگ وہاں رہتے ہیں، پہلے انھیں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد مانگنا اور ان سے جنگ کرنا۔"

لشکر مدینہ منورہ سے باہر نکلا تو شہر میں رہ جانے والے لوگوں نے انھیں رخصت کرتے ہوئے کہا:

"اللہ تمہارا ساتھی ہو... تمہاری مدد فرمائے اور تمہیں خیر و خوشی کے ساتھ ہمارے درمیان واپس لائے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لشکر کو رخصت کرنے کے لیے ثنیۃ الوداع کے مقام تک آئے۔ اس مقام پر آپ نے لشکر کو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں... تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں، میں ان سب کے لیے عافیت اور خیر مانگتا ہوں... اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو... اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے شام کی سرزمین جا کر جنگ کرو... وہاں تمہیں خانقاہوں اور عبادت گاہوں میں رہنے والے ایسے لوگ ملیں گے جو دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہیں... ان سے بالکل نہ الجھنا... کسی عورت پر، بچے پر اور بوڑھے پر تلوار مت اٹھانا، نہ درختوں کو کاٹنا... اور نہ عمارتوں کو گرانا۔"

مسلمانوں نے ان الفاظ میں دعائیں دیں:

"اللہ تمہاری حفاظت فرمائے اور تمہیں مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔"

ان دعاؤں اور نصیحتوں کے سائے میں لشکر روانہ ہوا، یہاں تک کہ شام کی سرزمین پر پہنچ کر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا۔ یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ روم کا بادشاہ ہرقل ایک لاکھ رومی فوج کے ساتھ مقابلے پر آ رہا ہے۔ اس ایک لاکھ کے علاوہ عرب کے عیسائی قبیلے بھی چاروں طرف سے آ آ کر ہرقل کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور ان کی تعداد بھی ایک لاکھ کے برابر ہے۔

ایک روایت کے مطابق روم کے بادشاہ ہرقل کی فوج کی تعداد دو لاکھ تھی اور قبیلوں کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ اس طرح کل لشکر کی تعداد اڑھائی لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور ان کے پاس بے شمار گھوڑے تھے۔ جنگی سامان بے تحاشہ تھا جب کہ دوسری طرف مسلمان صرف تین ہزار تھے اور ان کے پاس ان جیسا جنگی ساز و سامان بھی نہیں تھا۔

مسلمانوں کو جب یہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو انھوں نے پیش قدمی روک دی۔ وہیں رک گئے۔ دو رات وہاں قیام کیا اور غور کرتے رہے۔ ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ کیا کیا جائے۔ تین ہزار لشکر کے مقابلے میں رومیوں کی تعداد اڑھائی لاکھ تھی اور تین ہزار کے مقابلے میں یہ تعداد خوفناک حد تک زیادہ تھی۔ اسی لیے مسلمانوں کا پریشان ہو جانا بالکل بجا تھا۔ اب ایک تجویز پیش کی گئی:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد روانہ کیا جائے۔ آپ کو دشمن کی تعداد بتائی جائے، تاکہ آپ یا تو مزید لوگوں کو روانہ فرمائیں یا واپسی کا حکم دیں۔"

اس وقت لشکر کے سالار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جوش دلایا اور فرمایا:

"لوگو! اللہ کی قسم! آپ لوگ اسی مقصد سے جان بچا رہے ہیں جس کے لیے وطن سے نکلے ہیں۔ ہم تو شہادت کی تلاش میں نکلے ہیں۔ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ نہ ہم تعداد کے بل پر لڑتے ہیں، نہ طاقت کے بل پر، ہم تو صرف اس دین کے لیے لڑتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ حقیقت میں ہمارے سامنے دو میں سے ایک بات ہے، فتح یا شہادت۔" (جاری ہے)

بقیہ: اپنی غلطی

کتنے ہی معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں ہم بندوں سے بہت سی امیدیں باندھ لیتے ہیں۔ پھر معاملہ ہماری امیدوں کے خلاف ہو جائے تو ہمیں رنج ہوتا ہے۔ تو اب یہ رنج کس کا پیدا کیا ہوا ہے، ظاہر ہے انسان کا اپنا۔ مطلب یہ کہ ہماری زندگی میں آنے والی آدھی سے زیادہ پریشانیاں ہماری اپنی غلطی کی بنا پر ہوتی ہیں، یعنی ہم پریشانیاں اپنے لیے خود ہی پیدا کر لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے، انسانوں کو حتی الامکان امیدیں قائم کرنے سے بچنا چاہیے۔"

"مگر دادا جان وہ جو کہتے ہیں امیدوں پر دنیا قائم ہے۔" فرخ نے معصومیت سے کہا تو دادا جان بے اختیار ہنس پڑے۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا مگر ہم لوگ دراصل امیدیں طویل باندھتے ہیں اور باندھتے بھی بندوں سے ہیں۔ یہی وہ امیدیں ہوتی ہیں جو انسان کو سب سے زیادہ دکھ دیتی ہیں، یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کو دکھ نہیں دیتے، ان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔" دادا جان نے کہا تو فرخ نے ہلکی سی گردن ہلا دی۔

"انسانوں کو بندوں سے تو کسی قسم کی امیدیں رکھنی ہی نہیں چاہییں، رکھے تو اللہ سے رکھے اور رکھے بھی مختصر۔ لمبی امیدوں میں ڈال دینا بھی دراصل شیطان کا ایک مکر ہے۔ اس سے بھی بچنا چاہیے۔" اتنا کہہ کر دادا جان رکے اور پھر بولے۔ "امید ہے اپنی غلطی سمجھ میں آ گئی ہوگی۔"

"جی دادا جان۔" فرخ نے مسکرا کر کہا۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان بخش مسکراہٹ تھی۔

یہ پر جوش کلمات سن کر صحابہ کرام بول اٹھے:

''اللہ کی قسم! ابن رواحہ نے ٹھیک کہا۔''

اس کے بعد لشکر آگے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس کا سامنا رومی لشکر سے ہوگیا۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا موتہ کے مقام پر ہوا۔ اسلامی پرچم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں

تھا۔ وہی لشکر کے سپہ سالار تھے۔

اب صرف تین ہزار کے مقابلے میں اڑھائی لاکھ سے زیادہ لشکر تھا... اور ساز و سامان سے لیس تھا... حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر آگے بڑھے اور رومی لشکر سے ٹکرا گئے... انھوں نے زبردست جنگ کی... یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے... فوراً ہی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے پرچم تھام لیا اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے... ان پر چاروں طرف سے وار ہونے لگے... مسلمانوں کی کم تعداد کی وجہ سے رومی لشکر نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور اب تمام مسلمان ان کے درمیان میں تھے... اور میدانِ جنگ میں یہ صورت حد درجے خطرناک ہوتی ہے... جنگ کرتے کرتے حضرت جعفر کا دایاں بازو کٹ گیا... انھوں نے پرچم فوراً بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا... جلد ہی بعد کسی مشرک نے ان کے بائیں ہاتھ پر وار کیا اور ان کا بایاں بازو بھی کٹ گیا... انھوں نے پرچم کو اپنی گود میں لے لیا اور اسی حالت میں شہید ہوگئے... ان کے شہید ہوتے ہی پرچم حضرت عبداللہ بن رواحہ نے تھام لیا... گھوڑے پر سوار تھے... اس وقت انھوں نے یہ شعر پڑھے:

''اے نفس تجھے قسم ہے تو ضرور گھوڑے سے اتر کر اللہ کے دشمنوں سے قتال کر، ناگواری سے اتر یا خوشی اور رغبت سے اتر۔''

''اے نفس! اگر تو قتل نہیں ہوگا تو مرے گا تو ضرور اور یہ ہے قضائے موت جس میں تجھے مبتلا ہونا ضروری ہے۔''

''جس چیز کی تمنا تھی، وہ تجھے مل گئی، یعنی شہادت فی سبیل اللہ کا موقع، اگر تو نے زید اور جعفر جیسا کام کیا تو ہدایت پائے گا۔''

یہ اشعار پڑھ کر گھوڑے سے اتر گئے۔ ایسے میں چچازاد نے گوشت کی ہڈی ان کی طرف بڑھائی اور کہا: ''یہ چوس لو تا کہ کچھ طاقت آجائے۔''

اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

''جنت اور اس کا قرب کیا ہی پاکیزہ اور پسندیدہ ہے اور پانی اس کا نہایت ٹھنڈا ہے۔''

اور رومیوں کا عذاب قریب آگیا، یہ کافر ہیں اور ان کے نسب ہم سے بہت دور ہیں، یعنی ہم میں اور ان میں کوئی قرابت نہیں۔

مقابلے کے وقت انھیں مارنا مجھ پر فرض اور لازم ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے ہڈی لے لی۔ اسے ایک بار منہ سے چوسا، لیکن پھر فوراً ہی پھینک دی اور فرمایا:

''اے نفس! لوگ جہاد کر رہے ہیں اور تو دنیا میں مصروف ہے۔''

بس پھر تلوار لے کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے... زبردست جنگ کی، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے... جھنڈا ان کے ہاتھ سے گرنے لگا تو حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے فوراً اسے تھام لیا اور مسلمانوں سے مخاطب ہوئے:

''اے مسلمانو! اپنے میں سے کسی شخص کو امیر بنانے پر اتفاق کرلو۔''

لوگوں نے کہا:

''آپ ہی ہمارے امیر ہیں... ہم آپ کے امیر ہونے پر راضی ہیں۔''

یہ سن کر حضرت ثابت بن اقرم نے فرمایا:

''میں اس قابل نہیں۔''

یہ کہا اور جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا، ساتھ ہی بولے:

''آپ جنگ سے خوب واقف ہیں۔''

حضرت خالد بن ولید پہلے تو ہچکچائے جب تمام مسلمانوں نے انھیں مجبور کیا تو پرچم لے لیا۔ آگے بڑھے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔

اب مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کی صفوں میں گھس گئے۔ مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھرا دیکھ

کر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ پکار اٹھے:

"لوگو! اگر انسان سینے پر زخم کھا کر شہید ہو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ پیٹھ پر زخم کھا کر شہید ہو۔"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بہترین حکمتِ عملی کے ساتھ اپنے لشکر کو لڑوایا... اس طرح اسلامی لشکر سنبھل گیا... اس کے پاؤں جم گئے اور اپنے مقابلے میں ہزار گنا دشمن کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے لگے... لڑتے لڑتے سورج غروب ہو گیا تو دونوں لشکر نے ہاتھ روک لیے...

دوسرے دن صبح سویرے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر کی ترتیب بدل دی، یعنی دائیں والوں کو بائیں طرف اور بائیں والوں کو دائیں طرف کر دیا، آگے والوں کو پیچھے اور پیچھے والوں کو آگے کر دیا۔ اس سے دشمن یہ سمجھا کہ مسلمانوں کے لیے نئی مدد آ پہنچی ہے۔ اس سے وہ مرعوب ہو گئے، کیونکہ انھیں لشکر میں ہر طرف نئے لوگ نظر آ رہے تھے۔ ابن سعد نے ابو عامر سے روایت کی ہے۔ ابو عامر کہتے ہیں:

"جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رومیوں پر حملہ کیا تو انھیں ایسی شکست فاش دی کہ میں نے ایسی شکست نہیں دیکھی۔ مسلمان جہاں چاہتے تھے، وہیں کافروں کو قتل کرنا شروع کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ کافروں کے بھاگنے پر حضرت خالد بن ولید نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ ان کی زیادہ تعداد کی وجہ سے تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا۔"

اس غزوے میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

یہ جنگ سات دن تک جاری رہی۔ حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ سے اس جنگ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ ان کے پاس بس ایک یمنی تلوار باقی رہ گئی تھی۔

ادھر تو موتہ کے مقام پر یہ جنگ ہو رہی تھی اور ادھر مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کا منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو جمع فرمایا اور بیان فرمانے لگے:

"لوگو! خیر کا دروازہ... خیر کا دروازہ... خیر کا دروازہ کھل گیا... میں تمھیں تمہارے لشکر کے متعلق بتاتا ہوں... ان غازیوں کے متعلق... وہ لوگ یہاں سے روانہ ہو کر چلے... یہاں تک کہ دشمن سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی... پھر زید بن حارثہ شہید ہو گئے... ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو، پھر جعفر نے پرچم لے لیا، انھوں نے دشمن پر زبردست حملہ کیا، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے... ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، پھر عبداللہ بن رواحہ نے پرچم لے لیا، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے... پھر خالد بن ولید نے پرچم اٹھا لیا... وہ لشکر کے امیر نہیں تھے... خود اپنی ذات کے امیر تھے مگر وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں... اللہ تعالیٰ نے اس تلوار کو کفار اور منافقوں پر سونت دیا ہے... اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے۔"

اور ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت خالد بن ولید کے لیے یوں دعا فرمائی:

"اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ تو ان کی مدد فرما۔"

اسی روز سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جانے لگا... جس روز حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی روز ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

"جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔"

عبداللہ فارانی

ان کے بچوں کو آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ انھیں پیار کرتے رہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں! جعفر اور ان کے ساتھی آج شہید ہو گئے ہیں۔"

حضرت جعفر کی بیوی رونے لگیں۔ کچھ ہی دیر بعد عورتیں ان کے پاس جمع ہو گئیں:

یہاں یہ بات جان لیں کہ مدینہ منورہ سے ملک شام کی سرزمین بہت فاصلے پر تھی۔ لہٰذا مدینہ منورہ میں خبر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع دی تھی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی کی آواز بلند ہوئی تو آپ نے فرمایا:

"اسماء! نہ بین کرنا چاہیے، نہ منہ پیٹنا چاہیے۔"

پھر ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو بتایا:

"عورتیں نوحہ اور ماتم کر رہی ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"جا کر انھیں خاموش کرو۔"

وہ صحابی گئے، لیکن کچھ دیر بعد لوٹ آئے۔ انھوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! وہ نہیں مان رہیں۔"

آپ نے پھر فرمایا:

"جاؤ! انھیں خاموش کرو، نہ مانیں تو ان کے منہ پر مٹی پھینکنا۔"

اس کے بعد حضرت جعفر کے بچوں کے بارے میں فرمایا:

"اے اللہ! جعفر بہترین ثواب کے حق دار ہو گئے۔ تو ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین فرما۔"

اس کے بعد آپ واپس اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی ازواج سے فرمایا:

"جعفر کے بیوی بچوں سے غافل نہ ہو جانا۔ آج وہ بہت غمزدہ ہیں۔ اس لیے ان کے واسطے کھانا تیار کر کے بھیجو۔"

پھر جب غزوہ موتہ کے لیے گئے ہوئے لوگوں میں کچھ واپس مدینہ پہنچے تو آپ نے ان سے فرمایا:

"اگر چاہو تو تم مجھے وہاں کے حالات سناؤ اور کہو تو میں تمھیں وہاں کے حالات سنا دوں۔"

اس پر ان میں سے ایک نے کہا:

"تب پھر آپ ہی بتائیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنگ کے تمام حالات سنا دیے۔ میدانِ جنگ کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اس پر آنے والے بول اٹھے:

"قسم ہے، اس ذات کی جس نے آپ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا، آپ نے وہاں کے حالات بتانے میں ایک حرف کی بھی کمی نہیں کی۔ لشکر کے ساتھ یہی سب کچھ پیش آیا جو آپ نے بتلایا ہے۔"

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا تھا جس کے نتیجے میں میں وہ پورا معرکہ دیکھ رہا تھا۔"

حضرت جعفر کے دونوں بازو اس لڑائی میں کٹ گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جعفر کے دونوں بازوؤں کی جگہ دو پر لگا دیے ہیں، ان کے ذریعے وہ جنت میں ہر طرف اڑتے پھرتے ہیں۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بدن پر تلواروں اور نیزوں کے نوے زخم آئے تھے۔ (جاری ہے)

اِسلامی جنگیں 56

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس روز تھے بھی روزے سے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس شام کے وقت پہنچا۔ وہ میدان جنگ میں زخموں سے چور پڑے تھے۔ میں نے انھیں پانی پیش کیا تو انھوں نے فرمایا:

"میں روزے سے ہوں! تم یہ پانی میرے ترکش میں ڈال کر میرے سامنے رکھ دو۔ اگر میں سورج غروب ہونے تک زندہ رہا تو اس سے روزہ افطار کرلوں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت جعفر روزے کی حالت میں سورج غروب ہونے سے پہلے ہی شہادت پا گئے۔ اس وقت ان کی عمر 41 سال تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اچانک آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور فرمایا:

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔"

لوگوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسولؐ! یہ بات آپ کی عادت کے خلاف ہے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابھی میرے پاس سے جعفر بن ابو طالب فرشتوں کے جھگمٹے میں گزرے ہیں۔ انھوں نے مجھے سلام کیا تھا۔"

غزوہ موتہ سے واپس لوٹنے والا لشکر جب مدینہ منورہ کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں ان سے ملاقات کی تھی۔ شہر میں بچوں نے گیت گا کر انھیں خوش آمدید کہا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تھے۔ بچوں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا:

"ان بچوں کو اٹھا کر سواریوں پر بٹھا لو اور جعفر کے بچے کو مجھے دے دو۔"

چنانچہ عبداللہ بن جعفر کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے انھیں اپنے آگے سواری پر بٹھایا اور ان سے فرمایا:

"خوش ہو جاؤ۔ تمہارے باپ فرشتوں کے ساتھ آسمانوں میں اڑتے پھرتے ہیں۔"

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"گزشتہ رات میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے جعفر بن ابو طالب کو دیکھا۔ وہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھر رہے تھے۔"

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل اور میکائیل کے ساتھ اڑتے پھر رہے تھے۔ ان کے دو پر ہیں، جو انھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دونوں بازوؤں کے بدلے میں دیے ہیں۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"انھیں اللہ تعالیٰ نے دو یاقوتی پر دیے ہیں۔"

اڑنے والی چیز کو چونکہ طیارہ کہتے ہیں، اس لیے حضرت جعفر کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔

8 ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ حدیبیہ کی صلح کے مطابق عرب کے قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ بھی دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کا ساتھ دے سکتا تھا، یعنی مسلمانوں کا یا کفار کا۔ یعنی اگر کوئی قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاہدے میں شریک ہونا چاہتا تو ہو سکتا تھا اور اسی طرح کوئی قبیلہ چاہتا تو کفار کے ساتھ شامل ہو سکتا تھا۔ اس صورت میں وہ اس صلح نامے کی شرائط کا پابند ہوتا۔ چنانچہ بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اور بنی خزاعہ کا قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاہدے میں شامل ہوا تھا۔

اب بنی بکر اور بنی خزاعہ میں آپس میں بہت پرانی دشمنی تھی۔ دونوں طرف کے آدمی قتل ہو چکے تھے اور ان کے بدلے لیے جانا باقی تھے کہ اسلام کا ظہور ہو گیا۔ اس کی وجہ سے لوگوں کی ساری توجہ اس دشمنی سے وقتی طور پر ہٹ گئی۔ تاہم دلوں میں دشمنی باقی تھی۔

بنی خزاعہ کا قبیلہ پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا ساتھی چلا آرہا تھا، اس لیے حدیبیہ کی صلح کے بعد قبیلہ بنی خزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاہدے میں شریک ہو گیا۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے خون ریزی رک گئی تھی۔ اب ہوا یہ کہ بنی بکر کے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار کہے اور ان کو پڑھنے لگا۔ بنی خزاعہ کے ایک نوجوان نے اسے وہ اشعار پڑھتے ہوئے سن لیا۔ اس نے بنی بکر کے اس شخص کو مارا پیٹا۔ اس مار پیٹ سے وہ کافی زخمی ہو گیا۔ اس پر دونوں قبیلے ایک بار پھر ایک دوسرے کے سامنے آگئے، کیونکہ ان میں دشمنی تو پہلے

سے چلی آرہی تھی۔

بنی بکر نے مکے کے سرداروں سے درخواست کی کہ بنی خزاعہ کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے۔ قریشی سرداروں نے ان کی درخواست مان لی۔ انھیں ہتھیار بھی دیے اور اپنے آدمی بھی لڑنے کے لیے دے دیے۔ اس طرح بنی بکر نے قریشیوں کے ساتھ مل کر ایک رات اچانک بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بنی خزاعہ کے لوگ اس وقت اپنے چشمے پر بے فکری سے سو رہے تھے۔

اس حملے میں بنی خزاعہ کے بیس یا تیس آدمی مارے گئے۔ حملہ آوروں میں قریش کے کچھ سردار بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، عکرمہ بن ابوجہل، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو، (یہ سب حضرات بعد میں مسلمان ہوگئے تھے)

غرض ان لوگوں نے بنی خزاعہ کے بیس یا تیس لوگوں کو قتل کر دیا۔ آخر باقی لوگ جان بچانے کے لیے بدیل بن ورقا غزاعی کے مکان میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا، لیکن بنی بکر نے انھیں وہاں بھی نہ چھوڑا، مکان کے اندر گھس کر ان سب کو قتل کر ڈالا۔

ان قریشیوں نے بنی بکر کی مدد کرنے کے لیے ابو سفیان سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا یا پھر مشورہ کیا تھا تو ابو سفیان کا مشورہ نہیں مانا تھا، کیونکہ انھوں نے کسی کارروائی کے کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب ابوسفیان کو اس واقعے کا پتا چلا تو انھوں نے کہا:

"یہ واقعہ ایسا ہے کہ میں اگرچہ اس میں شریک نہیں ہوں، لیکن بے تعلق بھی نہیں ہوں اور یہ بہت ہی برا ہوا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب یقیناً ہم سے جنگ کریں گے۔ مجھے ہندہ بنت عقبہ یعنی میری بیوی نے بتایا ہے کہ اس نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا ہے کہ حجون کی طرف سے خون کا ایک دریا بہتا ہوا آیا اور خندمہ تک پہنچ گیا اور لوگ اسے دیکھ کر پریشان اور بدحواس ہو رہے ہیں۔"

ان حالات میں بنی خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم اپنی بستی سے روانہ ہوا۔ یہ بنی خزاعہ کا سردار تھا۔ اس کے ساتھ جو لوگ روانہ ہوئے، ان میں بدیل بن ورقا خزاعہ بھی تھا۔

یہ لوگ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ یہ لوگ آپ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ مسجد میں اس وقت صحابہ کرام بھی موجود تھے۔

بدیل نے اشعار کی صورت میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی کہانی سنائی۔ آپ نے ان کی فریاد سن کر فرمایا:

"عمرو! تمہیں امداد مل گئی۔"

ساتھ ہی آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"میں انھی چیزوں سے بنی خزاعہ کا بچاؤ کروں گا جن سے خود میں اپنا بچاؤ کرتا ہوں۔"

اس کے بعد آسمان پر ایک بدلی آکر تیرنے لگی۔

اس پر آپ نے فرمایا:

"یہ بادل بنی خزاعہ کی مدد کے لیے بلند ہوا ہے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

"بنی خزاعہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔"

عمرو بن سالم کے آنے سے بھی پہلے اس روز صبح سویرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا تھا:

"بنی خزاعہ میں حادثہ ہوگیا ہے۔"

گویا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس حادثے کی اطلاع دے دی تھی۔

یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپ کا خیال ہے، قریش اس صلح نامے اور معاہدے کو توڑنے کی جرأت کریں گے جو آپ کے اور ان کے درمیان قائم ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جو انقلاب مقدر فرما دیا ہے، اس کی وجہ سے وہ معاہدہ توڑ کر رہیں گے۔"

حضرت عائشہؓ نے پوچھا:

"اور وہ انقلاب خوش گوار ہوگا یا ناخوش گوار۔"

"خوش گوار ہے۔"

غرض جب عمرو بن سالم اور ان کے ساتھیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فریاد کی تو آپ نے ان کی مدد کا وعدہ فرمالیا۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا:

"کن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے؟"

وہ بولے:

"بنی بکر نے۔"

اس پر آپ نے فرمایا:

"نہیں، بنی بکر کی ایک شاخ بنی لغاثہ نے یہ سب کیا ہے۔"

انھوں نے فوراً کہا:

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔" (جاری ہے)

ہماری تاریخ

خلیفہ معتصم باللہ خاندان عباسیہ کے آخری بڑے فرمارواتھے۔ انھوں نے 218ھ سے 227ھ تک حکومت کی۔ ان کی ایک خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے ایک ترک فوج قائم کی۔ خلیفہ معتصم کی غیرت کا اندازہ صرف اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے زمانے میں قسطنطنیہ کا عیسائی بادشاہ سرحدی علاقوں پر حملہ کر کے کچھ مسلمان عورتوں کو قیدی بنا کر لے گیا۔ جب خلیفہ کو بھرے دربار میں یہ اطلاع دی گئی کہ ایک عورت نے امیرالمومنین کی دہائی دی ہے اور چلا چلا کر کہا ہے کہ ہائے معتصم! تو کہاں ہے تو وہ اسی وقت "لبیک لبیک" کہتا ہوا دیوانہ وار دربار سے اٹھا اور فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ ایک لشکر جرار لے کر جہاد کے لیے رومی سرحد کی طرف روانہ ہوا۔ صرف ایک عورت کی پکار سے عباسی غیرت حرکت میں آگئی۔ فوج کے لشکر کا تانا بندھ گیا اور صحراء، دریا، اور پہاڑوں کی کوئی رکاوٹ معتصم کے راستے اور عزم میں حائل نہ ہوسکی۔ عمودیہ ان دنوں دولتِ روما کا ایک بہت بڑا مشہور مقام تھا۔ خلیفہ نے اس مہم کی سب سے بڑی لڑائی یہیں لڑی۔ اس لڑائی میں تیس ہزار رومی قتل ہوئے اور عمودیہ کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا گیا۔

عبداللہ جمیل۔ دارالعلوم کراچی

جواہرات سے قیمتی

- زندگی گزارنے کے دو اصول ہیں بلند حوصلگی اور برداشت۔
- ڈرتے وہی ہیں جو غلط ہوتے ہیں۔
- اگر تم سچے اور صحیح ہو تو لوگوں کی پروا چھوڑ دو۔
- محنت کشوں کا مستقبل روشن ہے۔
- اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج۔
- خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ اور بھرا پیٹ اس کا اکھاڑا ہے۔
- جو پوچھنے سے شرم کرتا ہے، وہ علم سے محروم رہتا ہے
- حکمتِ عملی قوتِ بازو سے زیادہ کام کرتی ہے۔
- دولت مندی سے زیادہ کوئی چیز ایمان میں خلل نہیں ڈالتی۔
- دنیا میں صرف ان لوگوں کی عزت ہوتی ہے جنھوں نے اپنے اساتذہ کا ادب کیا ہے۔

ارسال کرنے والے: جویریہ بازلہ جڑانوالہ ماوراء گل گجرات۔ فاطمۃ الزہرا بنتِ عتیق

اسلامی جنگیں

57

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

ادھر قریش کو اپنی بدعہدی اور دغا بازی پر افسوس ہوا، شرم آئی۔ انھوں نے ابوسفیان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ معاہدہ ٹوٹنے سے بچ جائے اور اس کی مدت میں اضافہ بھی ہو جائے۔ انھوں نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''تمہارے سوا یہ کام کوئی نہیں کر سکتا۔ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور معاہدے کو برقرار رکھو۔ اس کی مدت میں اضافہ کرا لو۔''

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام کے ساتھ مکے سے روانہ ہوئے، ابوسفیان بہت تیزی سے چلے، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس بدعہدی کے بعد آنحضرت کے پاس پہنچنے والا پہلا آدمی میں ہی ہوں گا۔ دراصل ان کا خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تک اس واقعے کی خبر نہیں ہے اور وہ جا کر بتائیں گے۔

ادھر مدینہ منورہ میں حضرت ابوسفیان کے آنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

''یوں سمجھ لو کہ معاہدے کی تجدید اور مدت بڑھانے کے لیے ابوسفیان تمہارے پاس آنے ہی والے ہیں، لیکن مایوسی اور غصے میں واپس ہوں گے۔''

ادھر سے بنی خزاعہ کا وہ وفد مدینہ منورہ سے واپس روانہ ہوا۔ ادھر سے ابوسفیان آ رہے تھے۔ عسفان کے مقام پر ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو دیکھ کر پوچھا:

''کیا تم لوگ مدینہ منورہ گئے تھے؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''نہیں!'' یعنی بات کو چھپانے کی کوشش کی اور یہ کہتے ہی وہ آگے بڑھ گئے۔ ابوسفیان اس جگہ آئے جہاں بنی خزاعہ نے اپنی اونٹنیاں بٹھائی تھیں۔ انھوں نے اونٹنی کی ایک مینگنی کو توڑا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ اس سے اس نے جان لیا کہ یہ لوگ مدینہ منورہ ہی سے آئے ہیں۔

اس کے بعد ابوسفیان وہاں سے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ سیدھے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر آئے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔

اندر داخل ہونے پر حضرت ابوسفیان بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہ نے بستر لپیٹ دیا۔ ان کا ایسا کرنا حضرت ابوسفیان کو ناگوار گزرا، انھوں نے کہا:

''بیٹی میں سمجھا نہیں! تم مجھے اس بستر سے بچانا چاہتی ہو یا اس بستر کو مجھ سے بچانا چاہتی ہو؟''

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

''یہ بستر اللہ کے رسول کا ہے اور آپ مشرک اور ناپاک ہیں۔''

یہ سن کر حضرت ابوسفیان بولے:

''خدا کی قسم! میرے پاس سے جانے کے بعد تجھ میں یہ خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

''نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت فرما دی ہے۔ جب کہ آپ پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ بابا! آپ پر تعجب ہے۔ آپ قبیلہ قریش کے سردار، سمجھ دار بزرگ ہو کر اب تک مشرک ہیں۔''

اس پر حضرت ابوسفیان بولے:

''تو کیا میں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمدؐ کے دین کو اختیار کر لوں۔''

یہ کہہ کر ابوسفیان غصے کی حالت میں وہاں سے نکل آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا:

''حدیبیہ کی صلح کے موقع پر میں وہاں نہیں تھا۔ اب میری خواہش ہے کہ آپ معاہدے کی تجدید اور اس میں توسیع کر دیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''ابوسفیان! کیا تم اسی لیے آئے ہو؟''

انھوں نے کہا:

''ہاں۔''

آپ نے پوچھا:

''کیا تم لوگوں نے کوئی نئی بات یعنی معاہدے کے خلاف کوئی بات کی ہے؟''

حضرت ابوسفیان بولے:

''ہم لوگ اپنے عہد پر قائم ہیں اور صلح نامے کی پابندی کر رہے ہیں، نہ ہم نے اس میں کوئی تبدیلی کی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پھر ہم بھی اس مدت تک صلح کے پابند ہیں۔''

یعنی آپ نے اس معاہدے کی مدت میں اضافہ کرنے والی بات نہیں مانی۔ ابوسفیان نے بار بار کہا کہ معاہدہ

کی مدت میں اضافہ کر دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔

آپ کے پاس سے ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بولے:

"آپ اس بارے میں ہماری سفارش کریں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

ان کی طرف سے مایوس ہو کر ابوسفیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بولے:

"آپ اس معاملے میں ہماری سفارش کریں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

ان سے بھی مایوس ہو کر ابوسفیان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

"یہاں میرے رشتے داروں میں تم سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی دوسرا نہیں۔ اس لیے معاہدے کی تجدید کرا دیجیے۔ اور اس کی مدت بڑھوا دیجیے۔ اللہ کے رسولؐ آپ کو انکار نہیں کریں گے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی وہی فرمایا:

"میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

اب حضرت ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس وقت وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور ان کی گود میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھیل رہے تھے۔ وہ اس وقت چھوٹے سے تھے۔ ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

"علی! تم رشتے داری کے لحاظ سے میرے قریب ترین آدمی ہو۔ میں ایک ضرورت لے کر آیا ہوں۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میری سفارش کریں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی بات سن کر بولے:

"جب اللہ کے رسولؐ ایک بات کا فیصلہ کر چکے ہیں تو اب ہماری مجال نہیں کہ اس پر بات کریں۔"

یہ سن کر حضرت ابوسفیان حضرت فاطمہ سے بولے:

"آپ میرا یہ کام کرا دیں۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان تمام بڑے بڑے مسلمانوں سے ملے، لیکن ہر ایک نے ایک جیسا جواب دیا۔ آخر ہر طرف سے مایوس ہو کر حضرت ابوسفیان واپس مکے کی طرف روانہ ہوئے۔

ادھر ابوسفیان کو گئے ہوئے، چونکہ بہت زیادہ دن ہو گئے تھے، اس لیے قریش یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ ابوسفیان مدینہ منورہ جا کر بے دین ہو گئے ہیں۔ انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اپنا لیا ہے اور اب یہاں آئیں گے تو اس بات کو چھپائیں گے۔

ان حالات میں وہ مکہ پہنچے۔ پہلے اپنے گھر گئے تو بیوی نے کہا:

"اتنے دن تک مدینہ منورہ میں ٹھہرے رہنے کے بعد تم کامیابی سے واپس آئے ہو تو یقیناً بہترین آدمی ہو۔"

ابوسفیان بیوی کے پاس بیٹھ گئے اور ساری بات بتا دی۔ اس پر ان کی بیوی ہندہ بولیں:

"خدا کی مار! تم قاصد بن کر گئے تھے اور یہ کر کے آئے ہو۔"

صبح اٹھ کر حضرت ابوسفیان خانہ کعبہ میں اساف اور نائلہ بتوں کے پاس پہنچے۔ اپنا سر منڈوایا۔ جانور کی قربانی دی اور قربانی کا خون دونوں بتوں کے سروں پر ملا۔ یہ سب اس نے اس لیے کیا کہ لوگ جو ان پر بے دین ہونے کا الزام لگا رہے ہیں، اس سے باز آ جائیں۔

اب قریش نے ان سے پوچھا:

"کیا کر آئے ہو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تحریر لائے ہو یا کوئی معاہدہ کر آئے ہو؟"

ابوسفیان نے ان کے سامنے کہا:

"نہیں! خدا کی قسم انھوں نے میری کوئی بات نہیں مانی۔ پھر میں نے ان کے صحابہ سے بات کی۔ ان کی خوشامد کی مگر جتنے وہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار ہیں، اتنی تو کوئی قوم اپنے بادشاہ کی بھی اطاعت گزار نہیں ہو گی۔ پہلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ انھوں نے میری کوئی بات نہیں مانی۔ پھر میں ابوبکر کے پاس گیا، ان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا۔ اس کے بعد عمر بن خطاب کے پاس گیا۔ انھیں تو میں نے سب سے زیادہ ہی دشمن پایا۔ پھر میں علی ابن ابی طالب کے پاس گیا۔ انھیں میں نے سب سے زیادہ نرم پایا، لیکن انھوں نے بھی میری سفارش نہیں کی۔"

اس پر قریش بولے:

"تب تمہارا یہ سفر بالکل بے کار گیا۔"

ادھر مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کوچ کا حکم دے دیا۔ (جاری ہے)

خبریں شبریں

طیب امین قیصرانی - تونسہ

خبرنامہ بچوں کا اسلام کے ساتھ ہم یعنی طیب امین قیصرانی حاضر ہیں ... اس لیے کہ خبروں کا قلم دان ہمیں سونپ دیا گیا ہے ... آپ کے ذہنوں میں سوال ابھر رہا ہو گا ... یہ کیوں ... پہلے تو خبریں آصف مجید سنایا کرتے تھے ... تو قارئین اب آپ سے کیا چھپانا ... عشق اور مشک کب چھپائے چھپتے ہیں ... آصف مجید صاحب نے خبرنامہ بچوں کا اسلام سے استعفیٰ دے دیا ہے ...

اب آپ خبریں سنیے!

مدیر کو آصف مجید صاحب کا استعفیٰ موصول ہو گیا ہے اور انھوں نے اس کو بے قاعدہ طور پر منظور بھی کر لیا ہے ... باقاعدہ منظور کرنے کا انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اتنا بھی کافی ہے ...

مدیر نے اس بات سے سختی سے انکار کیا ہے کہ وہ کسی قاری یا قاریہ کا پہلا خط اور مضمون شائع نہیں کرتے ... ثبوت کے طور پر ان کا کہنا ہے کہ معیاری چیز تو وہ نام نہ پتا کے باوجود شائع کر دیتے ہیں ... اس سلسلے میں ہمارا مشورہ تو قارئین کو یہ ہے کہ وہ پہلا مضمون یا خط ارسال ہی نہ کیا کریں ... ابتدا ہی دوسرے یا تیسرے سے کیا کریں ...

محکمہ آثار قدیمہ نے کافی عرصے کی تلاش کے بعد آخر کار حافظ حمزہ شہزاد کو دریافت کر لیا ہے، البتہ شاہد حفیظ، امید افشاں صغیر، کلثوم رشید اور رابعہ رضا کی تلاش جاری ہے ...

بچوں کا اسلام میں مزاحیہ کہانیوں کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے قارئین نے از خود نوٹس لے لیا ہے ... اس کا ثبوت یہ ہے کہ آصف مجید، سرفراز حسن اور بینا رانی کے بعد نادیہ حسن نے مزاحیہ کہانی کوئی "مجھے بچالے" لکھ ماری ہے ... انکل اشتیاق کی مزاحیہ کہانی کا انتظار شروع ...

وزیر خارجہ کے اس اعلان کے باوجود کہ کسی کو تخریب کاری کی اجازت نہیں دی جائے گی، ایک بچھو نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی ... معلوم ہوا، ایسے احکامات کو جوتی کی نوک پر رکھا جاتا ہے ...

کھیل: واپڈا اور عوام کے درمیان چند سالوں سے شروع ہوا میچ بدستور جاری ہے ... اس وقت تک دونوں ٹیمیں بڑی جاں فشانی سے لڑ رہی ہیں، لیکن ماہرین کے مطابق یہ میچ آخر کار عوام ہار جائیں گے ...

موسم کا حال: یہ رزلٹ کا موسم ہے، ملک بھر میں گھن گرج جاری ہے ... کہیں کہیں اولے بھی پڑے ہیں ... آیندہ سال بھی اگست ستمبر میں یہ موسم اپنے آپ کو دہرائے گا، جیسے تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ...

آخر میں کام کی بات: لکھنے کے شوقین قارئین پہلے مزے دار خطوط لکھنے کی چھ ماہ تک مشق کریں، پھر خط لکھنے کا خطرہ مول لیں۔

آیندہ خبرنامے تک کے لیے اجازت! اللہ حافظ!

ساتھ میں آپ نے اپنے گھر والوں یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا:
''تم تیاری کرو مگر اس بات کو پوشیدہ رکھنا۔''
سیدہ عائشہ صدیقہ اللہ عنہا تیاری میں لگ گئیں۔
ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

انھوں نے کہا:
''اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں۔''
یعنی یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی مسلمانوں کو

بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ انھوں نے کہا:
''قریش آپ کی قوم ہیں۔''
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پرجوش انداز میں عرض کیا:
''آپ کو ایسا ضرور کرنا چاہیے۔ بے شک وہ لوگ کفر اور گمراہی کے سردار ہیں۔''
اس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش کی وہ تمام حرکتیں بیان کر ڈالیں جو وہ کرتے رہے تھے۔ پھر انھوں نے عرض کیا:
''اللہ کی قسم! جب تک مکے والے سرنگوں

عبداللہ فارانی

تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عائشہ آٹا وغیرہ تیار کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
''بیٹی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تیاری کا حکم دیا ہے؟۔''
حضرت عائشہ نے جواب دیا:
''جی ہاں! اسی لیے تیاری کر رہی ہوں۔''
حضرت صدیق اکبر نے پوچھا:
''کچھ معلوم ہے، آپ کہاں کا ارادہ فرما رہے ہیں۔''

کوچ کا حکم نہیں دیا تھا۔
پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کروا دیا:
''کوچ کی تیاری کرو۔''
یعنی آپ نے مسلمانوں کو ابھی یہ نہیں بتایا تھا کہ کہاں جانا ہے۔ ان حالات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:
''اللہ کے رسولؐ! کیا قریش کے اور ہمارے درمیان ابھی صلح کی مدت باقی نہیں ہے۔''
آپ نے ارشاد فرمایا:
''ہاں! مگر انھوں نے غداری کی ہے، معاہدہ توڑ دیا ہے مگر میں نے تم سے جو کہا ہے، اسے تم اپنے تک ہی رکھنا۔''
اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہات اور اردگرد کے لوگوں کو پیغامات بھجوائے۔ انھیں کہلوایا:
''جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ رمضان کا مہینا مدینہ منورہ میں گزارے۔''
اس اعلان کے بعد آپ نے مکے کی طرف کوچ کرنے کے

نہیں ہوں گے، اس وقت تک عرب سرنگوں نہیں ہوں گے۔''
اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان دونوں صحابہ کے بارے میں فرمایا:
''ابوبکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملے میں موم سے زیادہ نرم تھے اور حضرت عمر نوح علیہ السلام کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملے میں پتھر سے زیادہ سخت تھے اور یہ کہ بات وہی ہے جو عمر نے کہی ہے۔''
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان سن کر عرب کے قبائل آنا شروع ہو گئے۔ جو قبیلے مدینہ منورہ پہنچے، وہ بنی اسلم، بنی غفار، بنی مزینہ، بنی اشجع اور بنی جہینہ تھے۔
اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:
''اے اللہ! قریش کے مخبروں اور جاسوسوں کو روک دے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان لوگوں پر اچانک جا پہنچیں۔''
ایک روایت میں الفاظ اس طرح آئے ہیں:
''اے اللہ! قریش کے جاسوسوں اور سن گن لینے والوں کو روک دے تاکہ وہ اچانک ہمیں دیکھیں اور اچانک ہمارے بارے میں سنیں۔''
ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام راستوں پر نگرانی کرنے والی جماعتیں بٹھا دیں تاکہ ہر آنے جانے والے کے بارے میں معلوم ہوتا رہے۔
آپ نے ان حضرات کو ہدایت فرمائی:
''جو کوئی بھی انجان شخص تمہارے پاس سے گزرے، اسے روک دینا۔''
آپ مکے کی طرف کوچ کا ارادہ فرما چکے تھے اور سب لوگوں کو یہ اطلاع مل چکی تھی۔ ایسے میں حضرت

حاطب ابن بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے تین بڑے سرداروں کے نام ایک خط لکھا۔ اس خط میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تیاریوں کی اطلاع دی۔ یہ تین سردار سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل تھے (بعد میں یہ تینوں حضرات مسلمان ہو گئے تھے)

حضرت حاطب ابن بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو جو خط لکھا، وہ ایک عورت کے حوالے کیا اور اس سے کہا:

''اگر تو یہ خط قریش تک پہنچا دے تو تمھیں زبردست انعام دیا جائے گا۔''

کہا جاتا ہے کہ حضرت حاطب نے اس عورت کو دس دینار اور ایک قیمتی چادر دی تھی۔ انھوں نے اس سے کہا:

''جہاں تک ممکن ہو، اس خط کو پوشیدہ رکھنا اور عام راستوں سے سفر نہ کرنا، کیونکہ جگہ جگہ نگرانی کرنے والے بیٹھے ہیں۔''

وہ عورت عام راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے روانہ ہوئی۔ یہ عورت عبدالمطلب کے خاندان میں سے ایک شخص کی باندی تھی۔ اس کا نام سارہ تھا۔ یہ مکے کی ایک گانے والی عورت تھی۔ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آ کر مسلمان ہوئی تھی۔ اس نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اپنی پریشان حالی کا ذکر کیا تھا اور کھانے پینے کا سامان مانگا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی حاجت روائی فرمائی تھی۔ کھانے کا سامان ایک اونٹ پر لاد کر اسے دیا تھا۔ اس کے بعد یہ عورت مکے واپس چلی گئی اور وہاں پہنچ کر اسلام سے پھر گئی تھی۔ ابنِ خطل نامی ایک شخص آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں توہین آمیز اشعار لکھ کر اسے دینے لگا۔ یہ ان اشعار کو گایا کرتی تھی۔

ظاہر ہے کسی کام سے مدینہ منورہ آئی ہوئی ہوگی۔ تبھی حاطب بن بلتعہ نے اسے وہ خط دیا ہوگا۔ اس نے وہ خط اپنے بالوں میں چھپا لیا، تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اس کے بعد یہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئی۔

ادھر یہ روانہ ہوئی، ادھر اللہ کے رسول کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہ خبر دے دی۔ آپ نے فوراً حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت مقداد، حضرت عمار اور حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہم کو اس کے بارے میں بتایا اور اس کے پیچھے روانہ فرمایا۔ روانہ کرتے ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا:

''فلاں مقام پر تمھیں وہ عورت ملے گی۔ اسے حاطب نے قریش کے نام ایک خط لکھ کر دیا ہے۔ اس میں قریش کے خلاف ہماری تیاریوں کی اطلاع دی گئی ہے۔ تم لوگ اس عورت سے وہ خط چھین لو اور اسے جانے دو، لیکن اگر وہ خط دینے سے انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا۔''

یہ حضرات اسی وقت روانہ ہو گئے اور عین اسی مقام پر ان حضرات نے اس عورت کو جا پکڑا جہاں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتلایا تھا۔ انھوں نے اس سے پوچھا:

''وہ خط کہاں ہے؟''

اس نے فوراً کہا:

''اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔''

اب ان حضرات نے اسے اونٹ سے نیچے اتارا۔ اس کے کپڑوں اور سواری کی اچھی طرح تلاشی لی مگر خط نہ ملا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں حلف اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کے رسول کبھی غلط بات نہیں کہتے، نہ آپ ہم سے جھوٹ کہہ سکتے ہیں۔ اب یا تو وہ خط نکال دے، ورنہ ہم تجھے ننگا کر دیں گے یا تیری گردن مار دیں گے۔''

جب اس عورت نے جان لیا کہ یہ حضرات اسے نہیں چھوڑیں گے تو اس نے کہا:

''ٹھہرو۔''

پھر اس نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں کھول کر ان میں سے خط نکالا اور انھیں دے دیا۔ ان حضرات نے اسے چھوڑ دیا اور خط لا کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس خط میں تحریر تھا:

''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تمہارے خلاف اندھیری رات کی طرح ایک زبردست لشکر تیار کیا ہے جو سیلاب کی طرح تمہاری طرف بڑھنے والا ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت تنہا بھی تمہاری طرف بڑھے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے تم لوگوں کے بارے میں جو وعدہ فرمایا ہے، آپ اس کی تکمیل کے لیے جا رہے ہیں اور اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے۔ لہٰذا میں نے مناسب جانا کہ تمھیں اطلاع دے کر تمہارے ساتھ بھلائی کروں۔''

خط پڑھا جا چکا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حاطب ابن بلتعہ کے بارے میں حکم فرمایا:

''انھیں بلا کر لے آؤ۔'' (جاری ہے)

قُبۃ الصخرا

حفصہ اسماعیل۔ جلال پور پیر والا

مسجد اقصیٰ کے شمالی جانب ایک قدرتی چٹان ہے۔

اس پر دنیا کا خوب صورت ترین قبہ بنا ہوا ہے۔ اسے ''قبۃ الصخرہ'' کہتے ہیں۔ اس کی تعمیر خلیفۃ المسلمین عبدالملک بن مروان نے کروائی تھی۔ رجاء بن حیوۃ الکندی اور یزید ابن سلام نے تعمیر کا نقشہ اور خاکہ تیار کیا۔ یہ عمارت ہشت پہلو ہے اور ہر پہلو 33 ہاتھ (66 فٹ) کا ہے۔ اندرونی قطر 192 فٹ ہے اور رقبے کے قاعدے کا قطر 66 فٹ جب کہ گنبد 99 فٹ بلند ہے۔ اس کے اندر شیشوں والی 38 کھڑکیاں ہیں۔ باہر پتھروں پر سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ یٰسین کی آیات خطِ طغرا میں دل فریب انداز میں لکھی گئی ہیں۔ خلیفہ عبدالملک نے سات سال تک مصر کی آمدنی اس تعمیر کے لیے مخصوص کر دی تھی۔ جس چٹان پر یہ قبہ بنا ہوا ہے، اس کے نیچے ایک قدرتی غار ہے جس میں لگ بھگ ستر آدمی سما سکتے ہیں۔ یہ غار مربع شکل میں ہے۔ اس کا ہر ضلع تقریباً ساڑھے چار میٹر لمبا ہے اور چھت تین میٹر اونچی ہے۔ اس غار میں اترنے کے لیے غار کے فرش پر سنگِ مرمر لگا ہوا ہے۔ عیسائیوں کے من گھڑت نظریات کے مطابق اصلی تورات اس غار میں مدفون ہے اور یہ جگہ دنیا کی سب سے زیادہ اونچی جگہ ہے۔ اس کے اور آسمان کے درمیان صرف اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں خط دکھا کر فرمایا:

''ابن بلتعہ! اس خط کو پہچانتے ہو؟''

انھوں نے عرض کیا:

اسلامی جنگیں

61

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

''جی ہاں!''

آپ نے پوچھا:

''تم نے یہ کیوں لکھا؟''

حضرت حاطب نے عرض کیا:

''اللہ کی قسم! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور میرے ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں، اس وقت سے آج تک میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے مجھے ہدایت ملی ہے، میں کبھی گمراہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب سے میں نے اپنی مشرک قوم کو چھوڑا ہے، کبھی ان سے محبت کا جذبہ بیدار نہیں ہوا۔ بات صرف یہ ہے کہ مکے میں نہ میرا کوئی رشتے دار ہے اور نہ خان دان کا کوئی آدمی ہے جب کہ ان لوگوں کے درمیان میری بیوی اور بیٹا پھنسے ہوئے ہیں، اس لیے میں نے ان کے واسطے قریش کے ساتھ یہ نیک سلوک کیا تھا۔ اے اللہ کے رسول! میرے معاملے میں جلدی نہ کریں۔ میں نے یہ صرف اس لیے کیا کہ وہ لوگ میرے گھر والوں کی حفاظت کریں، کیونکہ میں قریش میں بالکل اجنبی اور بے کس آدمی ہوں۔ خدانخواستہ ایسی بات نہیں ہے کہ میں مسلمان ہونے کے بعد کفر کرنے لگا ہوں اور یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قریش پر اپنا قہر نازل کرنے والے ہیں، میرے اس خط سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔''

ان کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس نے تمہارے سامنے سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! مجھے حکم دیجیے، میں اس شخص کا سر قلم کر دوں، یہ منافق ہو گیا ہے۔''

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں اور عمر تمہیں کیا پتا، ممکن ہے اللہ نے، بدر والوں سے فرما دیا ہو کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

''اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آ چکا ہے، وہ اس کے منکر ہیں، وہ تو رسول کو اور تمہیں اس بنا پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو۔'' (سورہ ممتحنہ)

اس آیت میں حضرت حاطب ابن بلتعہ کے ایمان کی شہادت دی گئی ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام ابورہم کلثوم ابن حصن غفاریؓ کو مقرر فرمایا:

آپ نے دس رمضان کو کوچ فرمایا۔ ایک قول کے مطابق 18 رمضان کو کوچ فرمایا۔ آپ کے ساتھ اس موقعے پر دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تھے۔ مہاجرین اور انصار میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔ راستے میں بنی سلیم اور بنی اسد کے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوا کے مقام پر پہنچے تو اس مقام پر آپ کو ابوسفیان ابن حرث ملا۔ یہ ابوسفیان آپ کا چچا زاد بھائی تھا اور دودھ شریک بھائی بھی تھا۔ اس نے بچپن میں دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنھا کا دودھ پیا تھا۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ بھی ملا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بن عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو سب سے زیادہ تکالیف پہنچائی تھیں۔ آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا نے آپ سے عرض کیا:

''یہ آپ کے چچا کے اور پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ اپنے اتنے قریبی لوگوں سے منہ نہ پھیریے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان دونوں نے مکے میں میرے ساتھ بہت سخت سلوک کیا ہے۔''

یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ مکے میں ایک مرتبہ اس عبداللہ نے کہا تھا: (باقی صفحہ 10 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

''خدا کی قسم! میں تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ تم آسمان میں سیڑھی لگا کر اس پر چڑھ کر نہ دکھا دو، پھر تم وہاں سے ایک تحریر اور چار فرشتوں کو لے کر آؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ تمھیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

مطلب یہ کہ اس قدر سخت دل لوگ تھے۔ جب آپ نے انھیں قبول فرمانے سے انکار کر دیا تو ابوسفیان بن حرث نے کہا:

''خدا کی قسم! یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کر دیں، ورنہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ اس روئے زمین کسی ایسی جگہ نکل جاؤں گا جہاں ہم دونوں بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔''

آپ نے اس کا یہ جملہ سنا تو آپ کو ان پر رحم آ گیا۔ آپ نے ان دونوں کے اسلام کو قبول فرما لیا۔

اس کے بعد ابوسفیان بن حرث کبھی آپ کے سامنے سر نہیں اٹھاتے تھے۔ انھوں نے بیس سال تک آپ سے دشمنی کی تھی۔ آپ کی شان میں نازیبا الفاظ اور اشعار کہے تھے۔ آپ کے خلاف جنگوں میں بھی حصہ لیا تھا مگر اب ان کے ایمان لے آنے کے بعد آپ ان سے محبت کرنے لگے تھے اور ان کے لیے جنت کی بشارت دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''میری تمنا ہے کہ یہ حمزہ کے جانشین ثابت ہوں۔''

اس سفر کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے رہے تھے۔ آپ کے ساتھ سب لوگ بھی روزے رکھتے رہے۔ پھر کدید کے مقام پر آپ نے اعلان فرمایا:

''جو شخص روزے رکھنا چاہے، رکھے اور جو چھوڑنا چاہے، چھوڑ دے۔''

یعنی سفر میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں، کیونکہ اس سفر میں دو ایک مرتبہ آپ پر پیاس کا اتنا شدید غلبہ ہوا کہ آپ کے سر اور چہرے پر پانی چھڑکنا پڑا۔ ساتھ ہی آپ کو معلوم ہوا کہ روزوں کی وجہ سے صحابہ کرام کو سخت مشکل کا سامنا ہے۔ اس لیے آپ نے اعلان فرمایا کہ روزہ نہ رکھو۔

کدید کے مقام پر ہی آپ نے جنگی پرچم تیار کیے اور مختلف قبائل کے حوالے فرمائے۔

اس کے بعد آپ آگے روانہ ہوئے اور مرظہران کے مقام پر پہنچے۔ اس مقام کو اب ''بطنِ مرؔ'' کہا جاتا ہے۔ آپ یہاں عشا کے وقت پہنچے۔ آپ نے قریش کی بے خبری کے لیے جو دعا فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا تھا۔ قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچ سے بالکل بے خبر تھے۔ یعنی صحابہ کرام کے اس قدر عظیم الشان لشکر کی روانگی کا انھیں بالکل پتا نہیں تھا۔

مرظہران کے مقام پر پہنچ کر رات کے وقت مسلمانوں نے آگ جلائی۔ اب چونکہ دس ہزار کے قریب لشکر تھا، اس لیے بہت طول و عرض میں آگ روشن نظر آ رہی تھی۔ رات کے وقت لشکر کی پہرے داری حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دستے کے ساتھ لشکر کے گرد پہرہ دیتے رہے:

ادھر مکہ معظمہ سے حضرت عباس بن عبدالمطلب یعنی آپ کے چچا اسلام لانے کے ارادے سے روانہ ہو چکے تھے۔ انھیں بھی معلوم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکے کی طرف آ رہے ہیں۔ اسی مقام پر یا اس کے آس پاس کسی مقام پر ان کی ملاقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی۔ حضرت عباس بیوی بچوں سمیت اسلام لے آئے اور یہیں سے آپ کے ساتھ مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ البتہ ان کے بیوی بچوں کو مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ ان کے ایمان لانے کے موقعے پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا:

''اے چچا! آپ کی یہ ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے۔'' (جاری ہے)

جواہرات سے قیمتی

- راستوں کی ویرانی
  اور جلتی دھوپ سے
  ڈرنے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔
- دور سے یا غرور سے دیکھنے پر ہر چیز چھوٹی نظر آتی ہے۔
- جب تم کسی عالم کو بادشاہ یا امراء کے ہاں جاتا دیکھو تو جان لو، وہ چور ہے۔
- ظاہر دراصل باطن کا نمونہ ہے۔
- دنیا میں آرام کا خواہش مند بے وقوف ہے۔
- جو اچھے کو اچھا نہ جانے، وہ برے کو برا نہیں سمجھتا۔
- بلاؤں کا نازل ہونا ہلاکت کے لیے نہیں، امتحان کے لیے ہوتا ہے۔
- دشمن اگر عقل مند ہے تو آدمی کی نیک بختی ہے۔
- دولت مندوں کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔
- ناقص عقل گناہ کے وقت حفاظت نہیں کر سکتی۔

ارسال کرنے والے

محمد فیضان فاروقی، محمد معاویہ انقلابی، بھولا زخمی واہ گارڈن واہ۔ فیروز دین نواب شاہ

اسلامی جنگیں

62

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمایا کہ عام طور پر لوگ مکے میں قریش کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے کے لیے ہی تشریف لے جا رہے تھے۔ اس کے بعد ہجرت کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی، اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا دل مکے والوں کے لیے رحم سے بھر گیا، انھوں نے آہ بھر کر کہا:

''قریش پر افسوس ہے۔ اگر انھوں نے آپ کے مکے میں داخل ہونے سے پہلے آپ سے امان طلب نہ کی تو یہ بات قریش کے لیے ہلاکت کی ہوگی۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ خچر پر سوار ہو کر اراک کے مقام پر پہنچے۔ دراصل وہ چاہتے تھے، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا کوئی دودھ والا یا کوئی اور شخص اگر مل جائے تو اس کے ذریعے قریش کو اطلاع دے دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آ چکے ہیں اور اب تم لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ آپ کے مکے میں داخل ہونے سے پہلے ہی تم ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور اپنے لیے امان طلب کر لو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک انھیں ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور بدیل بن ورقا کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ یہ دونوں مکے سے نکلے تھے اور اب واپس جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ حضرت حکیم بن حزام بھی تھے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ مکے سے ایک ساتھ نکلے تھے۔ راستے میں بدیل مل گئے۔ یہ اسی تلاش میں تھے کہ کہیں سے کچھ خبر ملے، کیونکہ ان لوگوں کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے لشکر کے ساتھ کوچ کیا ہے مگر انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کا رخ کس سمت میں ہے یا آپ کی منزل کون سی ہے۔ قریش کو ہر وقت یہ فکر رہنے لگی تھی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف جنگ کے لیے نہ نکل کھڑے ہوں۔ لہٰذا انھوں نے ابو سفیان بن حرب کو خبریں معلوم کرنے کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ ساتھ میں قریش نے حضرت ابوسفیان سے کہا تھا:

''اگر تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مل جائیں تو ان سے ہمارے لیے امان طلب کرنا۔''

ایسے میں انھیں اچانک گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی تو گھبرا گئے۔ ادھر انھوں نے اونچی جگہ سے ہزار ہا جگہ آگ جلتی دیکھی تو بولے:

''میں نے آج کی رات جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی اور نہ اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا۔ یہ تو اتنی بڑی آگ ہے جتنی عرفہ کے دن حاجی جلاتے ہیں۔''

اسی وقت بدیل بن ورقا نے کہا:

''یہ ضرور بنی خزاعہ کے لوگ ہیں، جنھوں نے یہ آگ بھڑکائی ہے۔''

اس پر حضرت ابوسفیان بولے:

''بنی خزاعہ کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں سے آگیا؟''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنیں تو حضرت ابوسفیان کی آواز پہچان لی۔ ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ انھوں نے حضرت ابوسفیان کو اسی وقت ابوحظلہ کہہ کر آواز دی۔ انھوں نے حضرت عباس کی آواز پہچان لی اور بول اٹھے:

''کون! ابوالفضل۔''

انھوں نے فوراً کہا:

''ہاں! یہ میں ہوں۔''

اب ابوسفیان نے کہا:

''ابوالفضل! تم یہاں کہاں اور یہ اتنا بڑا لشکر کس کا ہے؟''

جواب میں حضرت عباس نے کہا:

''اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ اتنا زبردست لشکر تمہارے مقابلے میں لے کر آئے ہیں۔ اب تم لوگوں کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں۔''

یہ سن کر ابوسفیان گھبرا گئے اور بولے:

''آہ! اب قریش کا کیا ہوگا؟ تم پر میرے ماں باپ قربان! کوئی تدبیر بتلاؤ۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر قابو پالیا، یعنی تم پکڑے گئے تو تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ عاجزی کے ساتھ خچر پر سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری جان بخشی کرا لوں گا۔''

حضرت ابوسفیان فوراً ہی حضرت عباس کے پیچھے

خچر پر سوار ہو گئے۔ ان کے دونوں ساتھی وہیں سے واپس لوٹ گئے۔

اب حضرت عباس حضرت ابوسفیان کو لے کر لشکر کی طرف چلے۔ لشکر میں مسلمانوں کی جس آگ کے پاس سے گزرتے، وہ ایک دوسرے سے پوچھتے، یہ کون ہیں؟۔ حضرت عباس اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار تھے اور مسلمان اونٹنی کو پہچانتے تھے۔ اسی لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر کون سوار ہے؟۔

آخر میں اونٹنی اس آگ کے پاس سے گزری جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جلا رکھا تھا۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا:

''کون ہے؟''

ساتھ ہی وہ اٹھ کر میری طرف آئے تھے۔ جب انھوں نے خچر پر میرے پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو بول اٹھے:

''کون! خدا کا دشمن ابوسفیان! خدا کا شکر ہے، اس نے بغیر کسی معاہدے اور قول و قرار کے تجھے گرفتار کرا دیا۔''

یہ کہہ کر حضرت عمر اس سمت میں دوڑ پڑے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اونٹنی کو ایڑ لگائی اور ان سے آگے نکل گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے پر پہنچ کر جلدی سے خچر سے اتر پڑے۔

حضرت عباس، حضرت ابوسفیان کو لیے خیمے داخل ہوئے ہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے ہی خیمے میں داخل ہو گئے اور فوراً بولے:

''اے اللہ کے رسولؐ! یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاہدے اور قول و قرار کے ہمیں اس پر قابو عطا فرمایا ہے، مجھے اجازت دیجیے! میں اس کی گردن مار دوں۔''

اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ فوراً بولے:

''اے اللہ کے رسولؐ! میں انھیں پناہ دے چکا ہوں۔''

اتنا کہہ کر حضرت عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہو گئے اور آپ کا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولے:

''اللہ کی قسم! آج کے دن میرے علاوہ کوئی شخص ان کے بچاؤ کی کوشش کرنے والا نہیں ہے۔''

ادھر حضرت عمر تلوار لیے تیار کھڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے منتظر تھے۔ آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عباس! ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ، صبح انھیں میرے پاس لانا۔''

اس پر حضرت عباس انھیں خیمے میں لے گئے۔ صبح کی اذان ہوئی تو لوگ تیزی سے نماز کے لیے آنے لگے۔ ابوسفیان لشکر میں یہ ہل چل دیکھ کر گھبرا گئے کہ نہ جانے مسلمانوں کو صبح صبح کیا ہو گیا ہے۔ انھوں نے جلدی سے پوچھا:

''یہ لوگ کیوں دوڑ رہے ہیں۔ کیا میرے بارے میں کوئی حکم دے دیا گیا ہے۔''

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں! بلکہ لوگ نماز کے لیے جا رہے ہیں۔''

پھر حضرت ابو سفیان نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی ہاتھوں پر لے رہے ہیں۔ پھر انھوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا۔ انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت رکوع کرتے ہیں تو آپ کے ساتھ سب مسلمان بھی رکوع کرتے ہیں۔ آپ سجدہ کرتے ہیں تو سب لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں۔ آخر ابوسفیان نے حضرت عباس سے کہا:

''ابو الفضل! محمد حکم دیتے ہیں، لوگ فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں؟۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! اللہ کے رسولؐ اگر ان سب کو کھانے پینے سے روک دیں تو یہ اس حکم پر بھی عمل کریں گے۔''

یہ سن کر حضرت ابوسفیان بولے:

''میں نے ان جیسا بادشاہ نہیں دیکھا، نہ فارس کے بادشاہوں میں نہ روم کے بادشاہوں میں۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت عباس سے کہا:

''اللہ کے رسول سے اپنی قوم یعنی قریش کے بارے میں بات کرو۔ آیا ان کے لیے معافی کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟۔''

حضرت عباس، ابوسفیان کو ساتھ لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''ابوسفیان! افسوس ہے، کیا تمہارے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ تم لا الہ الا اللہ کی گواہی دو۔'' (جاری ہے)

گائے گزرے گی

جہاں سے بھی ہماری گائے گزرے گی
گلے میں ہار وہ لٹکائے گزرے گی
چماچم سینگ کو چمکائے گزرے گی
دمادم دُم کو وہ لہرائے گزرے گی

محلے میں مچا ہے شور یہ پُرزور
کہ گڈو کی گلی سے گائے گزرے گی
کرے گی رسمِ قربانی کو پھر زندہ
لہو کی داستاں دوہرائے گزرے گی

جہاں بیلوں کی منڈی ہو وہاں سے وہ
نگاہیں بھینچ کر شرمائے گزرے گی
گزر جائے گی گرچہ گائے دنیا سے
مگر مومن کا خوں گرمائے گزرے گی

اثرؔ ہے وہ ترقی یافتہ گاؤ
سو وہ کرتی ہوئی گڈ بائے گزرے گی

اثر جونپوری

63

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

ابوسفیان فوراً بولے:

''آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ حقیقت میں بے انتہا شریف، عزت کے قابل اور رشتے داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''ابوسفیان! تم پر افسوس ہے، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم میری نبوت اور رسالت کی گواہی دو۔''

اس پر حضرت ابوسفیان نے کہا:

''آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! اللہ کی قسم بات تو یہی ہے مگر میرے دل میں ابھی تک اس بارے میں کچھ ہچکچاہٹ ہے۔''

ان کی بات سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابوسفیان! مسلمان ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ تیری گردن ماردی جائے، یہ گواہی دے دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

ابوسفیان نے فوراً کلمہ پڑھا۔ اسی موقعے پر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی اسلام لے آئے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرچم تیار کیا۔ یہ پرچم آپ نے ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ یہ انصاری صحابی ہیں۔ آپ نے بھائی چارے کے وقت انھیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔ پرچم دے کر آپ نے فرمایا:

''جو شخص ابورویحہ کے پرچم تلے آجائے گا، اسے امان ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان بھی فرمایا:

''جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پہنچ جائے گا، اسے امان ہے۔''

پھر آپ نے حضرت ابو سفیان کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ حکم فرمایا:

''انھیں وادی کے تنگ حصے کے پاس روک لیں تاکہ جب اللہ کا لشکر وہاں سے گزرے تو یہ اسے اچھی طرح دیکھ سکیں۔''

حضرت عباس نے ایسا ہی کیا، اس طرح اسلامی لشکر کے تمام قبائل حضرت ابو سفیان کے سامنے سے گزرتے رہے، جو قبیلہ بھی ان کے سامنے سے گزرتا، وہ یہاں پہنچ کر تین مرتبہ نعرہ تکبیر بلند کرتا۔ ابوسفیان ہر قبیلے کو دیکھ کر پوچھتے:

''عباس! یہ کون سا قبیلہ ہے۔؟''

وہ بتاتے:

''یہ بنی سلیم ہے۔ یہ بنی مزنیہ ہے، یہ بنی اشجع ہیں۔''

جب بنی اشجع ان کے سامنے سے گزرے تو حضرت ابوسفیان نے کہا:

''یہ تو عربوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ خلاف لوگ تھے۔''

جواب میں حضرت عباس نے فرمایا:

''ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام داخل فرما دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔''

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے دستے کے ساتھ وہاں سے گزرے۔ اس دستے میں مہاجرین اور انصاری صحابہ شامل تھے۔ ان سب نے زرہ بکتر پہنی ہوئی تھی۔ اس دستے میں ایک ہزار زرہ پوش تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے تھے:

''ذرا آہستہ چلو! تاکہ اگلے لوگ پچھلوں سے مل کر رہیں۔''

اس سارے لشکر کو شروع سے آخر تک دیکھ کر حضرت ابوسفیان نے کہا:

''اللہ کی قسم ابوفضل! آج تمہارے بھتیجے کی حکومت بہت زبردست ہو چکی ہے۔''

اس پر حضرت عباس نے فرمایا:

''یہ حکومت اور سلطنت نہیں ہے بلکہ یہ نبوت اور رسالت ہے۔''

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسفیان کی قوم کے پاس پہنچے تو انھوں نے چلا کر کہا:

''اے گروہِ قریش! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہولناک لشکر لیے تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے جو شخص اب ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اسے امان ہوگی۔''

اس پر بعض لوگوں نے کہا:

''کیا آپ کا گھر سب لوگوں کے لیے کافی ہو جائے گا؟''

اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا، اسے بھی امان ہے اور جو ہتھیار ڈال دے گا، اسے بھی امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اسے بھی امان ہے اور جو شخص ابورویحہ کے جھنڈے تلے

آجائے گا، اسے بھی امان ہے۔"

ان کی طرف سے یہ اعلان سنتے ہی سب لوگ دوڑ پڑے۔ کچھ اپنے گھروں میں گھس گئے اور دروازے بند کر لیے، کچھ بیت اللہ میں داخل ہوگئے۔ کچھ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چلے گئے۔

آپ نے سب لوگوں کو عام معافی ضرور دے دی تھی، لیکن قریش کے دس گیارہ افراد ایسے تھے جن کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ان میں چھ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"اگر یہ لوگ کعبے کا پردہ پکڑے ہوئے ملیں تو بھی انھیں قتل کر دیا جائے۔"

ان لوگوں میں ایک تو حضرت عبداللہ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے، قریش کے سرداروں میں سے تھے اور بہت باعزت تھے۔ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔

دوسرا عبداللہ بن خطل تھا اور دو اس کی لونڈیاں تھیں۔ تیسرے حضرت عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ چوتھا حویرث بن نفیل تھا۔ پانچواں مقبس بن حبابہ تھا۔ چھٹے ہبار بن اسود تھے۔ یہ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ ساتویں کعب بن زہیر تھے، یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ آٹھویں حرث بن ہشام تھے، یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ یہ ابوجہل کے بھائی تھے۔ نویں زہیر بن امیہ تھے، یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ دسویں سارہ تھیں۔ یہ بنی عبدالمطلب کے ایک شخص کی باندی تھیں۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہی ہیں۔ یہ وہی عورت ہیں جو حاطب ابن بلتعہ کا خط لا رہی تھیں۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ گیارہویں صفوان بن امیہ تھے۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

"تم تمام عرب قبائل کے دستے لے کر مکے کے زیریں حصے سے شہر میں داخل ہو جاؤ اور بالکل شروع میں جو مکانات ہیں، وہاں اپنا پرچم نصب کرو اور صرف ان لوگوں سے جنگ کرو جو مقابلے پر آئیں۔"

ادھر حضرت صفوان بن امیہ، حضرت عکرمہ بن ابوجہل اور حضرت سہیل بن عمرو نے مسلمانوں سے مقابلے کا ارادہ کر لیا تھا۔ یہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو جمع کیا اور خندمہ کے مقام پر آگئے۔ خندمہ مکے کا ایک پہاڑ تھا۔

جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو ان لوگوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جوابی حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس حملے میں بہت سے قریشی قتل ہوگئے، جو بچ گئے، وہ بھاگ نکلے۔

حضرت خالد بن ولید مشرکوں کو دباتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ان کا اگلا دستہ مسجدِ حرام کے دروازے پر پہنچ گیا۔ مشرکوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ان کی ایک جماعت نے سامنے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچانے کی کوشش کی مگر مسلمان ان کا برابر پیچھا کرتے رہے۔

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ کے مقام پر تھے۔ آپ نے وہاں سے تلواروں کی چمک دیکھی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا:

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے تو خوں ریزی سے منع کیا تھا۔"

آپ کو بتایا گیا کہ قریش کے کچھ لوگوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا، اس لیے جوابی کارروائی کرنا پڑی۔

اس جھڑپ میں 28 مشرک مارے گئے۔ اس ساری تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے مقابلہ کیا، صرف ان لوگوں سے جنگ کی گئی اور وہ مارے گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کے سر پر خود تھا۔ آپ کا بڑا پرچم سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹا پرچم سفید رنگ کا۔ یہ سفید پرچم وہی تھا جو غزوہ خیبر کے موقعے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ کی چادر کا بنایا گیا تھا۔

مکے میں داخل ہونے سے پہلے آپ نے غسل فرمایا تھا۔ مکے میں داخل ہونے کے بعد آپ شعب ابی طالب میں ٹھہرے۔ یہ وہی گھاٹی تھی جس میں ہجرت سے پہلے قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کو رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور آپ کے گھرانے نے یہاں تین سال انتہائی تکلیف میں بسر فرمائے تھے۔

مکے میں داخل ہونے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مکے کے مکانات پر پڑی تو آپ رک گئے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر آپ نے فرمایا:

"ہم یہیں ٹھہریں گے۔ یہاں قریش نے ہمارے خلاف حلف اٹھا کر ہمیں یہاں رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

(جاری ہے)

موئے مبارک کی برکت

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے گھر والوں نے مجھے پانی کا ایک پیالہ دے کر اُم المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ معمول یہ تھا کہ جب کسی کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی بیماری لاحق ہو جاتی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ جس میں پانی ہوتا، بھیجا جاتا۔ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک (بال) نکالتیں۔ وہ اسے چاندی کی ایک نلکی میں رکھتی تھیں اور اس موئے مبارک کو پانی میں ڈال کر ہلاتیں اور پھر وہ پانی اس مریض کو پلا دیا جاتا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرما دیتا۔ راوی کہتے ہیں جب میں نے نلکی میں جھانک کر دیکھا تو مجھے کئی سرخ بال مبارک نظر آئے۔ (مظاہرِ حق)

قدم بہ قدم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سنا تو انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان یاد آ گیا۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ان سے فرمایا تھا:

''جب اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں مکہ فتح کرائے گا تو ہماری منزل خیف بنی کنانہ ہوگی جہاں قریش نے کفر پر ہمارے خلاف حلف لیا تھا۔ اس وقت قریش اور بنی کنانہ نے بنی ہاشم کے خلاف یہ حلف اٹھایا تھا کہ جب تک یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے نہ کر دیں، اس وقت تک ان کے ساتھ نہ شادی بیاہ کریں گے نہ خرید و فروخت کریں گے، چنانچہ اس فیصلے کے بعد قریش نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو شعب ابی طالب نامی گھاٹی میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور ان کا مکمل معاشرتی بائیکاٹ کیا تھا۔

مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ پیر کے روز ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت پیر کے روز پیدا ہوئے۔ پیر کے روز ہی آپ نے حجر اسود خانہ کعبہ میں رکھا، پیر کے دن ہی آپ ہجرت کر کے مکے سے روانہ ہوئے۔ پیر کے دن ہی مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور پیر کے دن ہی آپ پر سورۂ مائدہ نازل ہوئی۔

اس کے بعد آپ بیت اللہ کی طرف چلے۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ ان سے باتیں کرتے جاتے تھے اور سورہ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ بیت اللہ پہنچ گئے۔ آپ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے ہی کعبے کے سات چکر لگائے۔ حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ آپ کی سواری کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔

اس وقت خانہ کعبہ میں 360 بت تھے۔ ہر خاندان کا الگ الگ بت تھا۔ طواف کے بعد آپ ان بتوں کی طرف آئے۔ آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ آپ اس لکڑی سے ایک ایک بت کو ہلانے لگے جس بت کو لکڑی لگتی، وہ منہ کے بل گر جاتا۔

قریش کا سب سے بڑا بت ہبل تھا۔ اسے خانہ کعبہ کے دروازے کے پاس رکھا گیا تھا۔ قریش اس کی عبادت کرتے تھے۔ آپ نے وہ لکڑی اس بت پر بھی ماری۔ پھر آپ کے حکم پر اس بت کو توڑ دیا گیا۔ اس وقت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ہبل توڑ دیا گیا۔ جنگ احد کے موقعے پر تم بہت غرور میں مبتلا تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ بت تمہارے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔''

اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے ابن عوام! اب ان باتوں کو رہنے دو، کیونکہ میں سمجھتا ہوں، اگر اللہ کے سوا کوئی اور بھی خدا ہوتا تو جو کچھ پیش آیا، وہ نہ ہوتا۔''

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر پہنچے۔ اس وقت یہ مقام کعبے سے ملا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''بیٹھ جاؤ۔''

حضرت علی بیٹھ گئے۔ اب آپ ان کے کندھے پر سوار ہوئے اور فرمایا:

''کھڑے ہو جاؤ۔''

حضرت علی کھڑے ہونے لگے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس پر آپ ان کے کندھے سے اتر آئے اور پھر اپنے کندھے پر حضرت علی کو سوار کیا اور ان سے فرمایا:

''علی! مشرکوں کا جو سب سے بڑا بت ہے، اسے گرا دو۔''

وہ بت تانبے کا تھا۔ حضرت علی نے اس بت پر ضرب لگائی اور ضربیں لگاتے چلے گئے، یہاں تک کہ اپنی جگہ سے اکھڑ گیا اور منہ کے بل نیچے آ رہا۔ یہ بت ہبل کے علاوہ کوئی اور تھا۔

غرض اس روز کعبے کے تمام بت گرا دیے گئے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن ابی طلحہ کو بلا بھیجا۔ ان کے پاس کعبے کی چابیاں تھیں جو نسل در نسل چلی آ رہی تھیں۔ چابیاں آ گئیں تو آپ کعبے کے اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہو کر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپ مقام ابراہیم پر آئے۔ آپ نے دو رکعت وہاں ادا فرمائیں۔ پھر آپ نے آب زم زم نوش فرمایا۔ اسی موقعے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابو قحافہ کو آپ کی خدمت میں لائے اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔

پیغام پہنچادے

بئر معونہ کے واقعے میں 70 قاری صحابہ شہید ہوئے تھے، انھیں دھوکے سے شہید کیا گیا تھا۔ شہادت کے وقت انھوں نے کہا تھا:

''اے ہمارے رب! ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام پہنچادے کہ بے شک ہم آپ سے ملنے والے ہیں۔ پس ہم آپ سے راضی ہیں۔ آپ بھی ہم سے راضی ہو جائیں۔''

(مدینہ منورہ میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

''تمہارے بھائی قتل ہو چکے ہیں اور انھوں نے یہ پیغام دیا ہے۔'' (بخاری مسلم)

اس حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ہم آپ سے ملنے والے ہیں، قابل غور ہیں۔

انعام الرحمن۔ سوات

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے۔ وہاں مرد، عورتیں اور بچے آ آ کر اسلام قبول کرنے لگے، یعنی یہ لوگ آج گواہی دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اسی موقعے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اسلام کا اظہار فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، لیکن انھوں نے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں فرمایا تھا۔ فتح مکّہ کے موقعے پر ظاہر فرمایا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہندہ بھی اسلام لے آئیں۔ غزوہ احد کے موقعے پر انھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا، یعنی ناک کان کاٹے تھے اور کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ اس بنیاد پر آپ نے ان کے قتل کا حکم دیا تھا، لیکن یہ ایمان لے آئیں۔ آپ نے ان کے اسلام کو قبول فرمایا۔

فتح مکّہ کے وقت تک عرب کے تمام قبیلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ البتہ بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے قبیلوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان دونوں قبیلوں کے لوگ حد درجے سرکش اور بد دماغ تھے۔ مکّہ فتح ہونے کی خبر ان تک پہنچی تو یہ ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے فارغ ہو چکے ہیں، لہٰذا ہماری طرف بڑھیں گے اور ہم سے جنگ کریں گے۔''

اس پر ان میں سے کچھ سرکش کہنے لگے:

''خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اب تک ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگ کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہی نہیں تھے۔''

کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ جنگ سے خوف واقف ہیں اور آنحضرت ہمیں شکست نہیں دے سکیں گے۔

اب ان لوگوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آس پاس کے لوگوں کو پیغامات بھجوا دیے۔ چنانچہ چاروں طرف سے لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک صحابی کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے انھیں یہ حکم دیا:

''ان کے لشکر میں شامل ہو جانا۔ ان کی باتیں سننا کہ وہ کیا فیصلے کر رہے ہیں۔''

ہدایت کے مطابق یہ صحابی وہاں گئے اور بنی ہوازن کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے وہاں ان کی باتیں سنیں۔ پھر واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو تفصیلات بتائیں۔

اس دوران ایک اور شخص نے آکر بتایا:

''اے اللہ کے رسولؐ! بنی ہوازن کا پورا قبیلہ جمع ہو چکا ہے۔ ان کے ساتھ بہت مال و دولت ہے۔ عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہیں۔''

اس پر آپ مسکرائے اور فرمایا:

''ان شاء اللہ! کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنے گا۔''

اب آپ نے بنی ہوازن کے مقابلے کے لیے کوچ کا حکم فرمایا:

اس موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ ہزار صحابہ تھے۔ ان میں دو ہزار تو مکّے کے نوجوان تھے جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے اور دس ہزار صحابہ وہ تھے جن کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے مکّہ فتح کرایا تھا۔ مکّے کی کچھ عورتیں بھی ساتھ ہو لیں۔ جو مال غنیمت کی خواہش میں ساتھ چل پڑی تھیں۔

دشمن کے قریب پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کی صف بندی فرمائی۔ مہاجرین اور انصار میں پرچم تقسیم فرمائے۔ مہاجرین کا ایک پرچم آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا۔ ان کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی پرچم دیے۔

انصار میں قبیلہ خزرج کا پرچم حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور قبیلہ اوس کا پرچم حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو دیا۔

اس وقت آپ اپنے خچر پر سوار تھے۔ آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ ان کے علاوہ آپ نے خود بھی پہن رکھا تھا۔

مسلمان آگے بڑھے۔ صبح سویرے منہ اندھیرے حنین کے مقام پر پہنچے۔ مشرکین کا لشکر اس وادی کے پہاڑوں اور دروں میں پہلے سے چھپا ہوا تھا جیسے ہی اسلامی لشکر اس وادی میں داخل ہوا، مشرکین نے اپنی چھپی ہوئی جگہوں سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔

(جاری ہے)

قدم بہ قدم

مشرکین کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی۔ بنی ہوازن کے یہ لوگ بہترین تیرانداز تھے۔ چھپی ہوئی جگہوں سے نکلتے ہی انھوں مسلمانوں کو تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ ان کے ہزاروں تیر ایک ساتھ آرہے تھے۔ اس اچانک حملے سے مسلمانوں پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ وہ پیچھے ہٹے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے۔ اس موقعے پر بھاگ کھڑے ہونے والے زیادہ تر وہ مسلمان تھے جو ابھی ابھی فتح مکہ کے موقعے پر مسلمان ہوئے تھے۔ ایمان نے ابھی ان کے دلوں میں اتنی مضبوطی پیدا نہیں کی تھی۔

اس وقت حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟''

جواب میں حضرت عمرؓ بولے:

''اللہ کا حکم یونہی تھا۔''

اب اللہ کے رسول کے ساتھ چند جاں نثار صحابہ رہ گئے اور اس وقت آپ دشمن کے گھیرے میں تھے۔ آخر آپ وہاں سے دائیں جانب کو سرک آئے۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، ان کے بیٹے حضرت فضل، ان کے بھتیجے حضرت ابو سفیان بن حرث، ربیعہ بن حرث اور آنحضرت کے چچا زاد بھائی معتب بن ابولہب رضی اللہ عنھم شامل تھے۔ ان کے علاوہ بھی 80 کے قریب صحابہ آپ کے گرد موجود تھے۔ ان حالات میں آپ مسلمانوں سے یہ فرما رہے تھے:

''میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔''

حضرت عباس اس وقت آنحضرت کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ حضرت ابوسفیان نے بھی اس وقت پکار کر کہا:

''لوگو! کدھر چلے جارہے ہو؟''

ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''عباس! لوگوں کو پکار کر کہو، اے گروہ انصار! اے صلح حدیبیہ والو، اے مہاجرین!''

آپ نے خاص طور پر یہ پکارنے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس لیے حکم فرمایا کہ وہ بہت بلند آواز تھے۔ ان کی آواز آٹھ میل تک جاتی تھی۔ آپ کا حکم ملنے پر حضرت عباس پکارے:

''اے حدیبیہ کے موقعے پر بیعت کرنے والو! اے سورۃ بقرہ والو! اے اللہ کے مددگارو! اے رسول کے مددگارو! اے بنی خزرج!''

یہ بلند آواز سنتے ہی لوگوں نے پکار پکار کر کہنا شروع کردیا:

''لبیک! لبیک۔''

یعنی حاضر ہیں، حاضر ہیں کہنا شروع کردیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹنے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پروانے ہوں۔ آخر بہت سے مسلمان آپ کے گرد جمع ہوگئے اور انھوں نے آگے بڑھ کر مشرکوں پر حملہ کردیا۔ ان کے حملے کا منظر دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''اب لوہا پوری طرح گرم ہوگیا ہے۔''

اس وقت آپ فرمارہے تھے:

''میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے اپنے خچر کو جھکایا، یہاں تک کہ آپ کا ہاتھ زمین تک پہنچ گیا۔ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور ان کو کفار کی طرف اچھال دیا۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

''یہ چہرے بگڑ جائیں۔''

ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

''یہ میرے مقابلے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔''

اللہ کی قدرت کہ مٹھی بھر کنکریاں تمام مشرکین کی آنکھوں میں جاگریں اور کوئی مشرک ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں میں کنکریاں نہ گری ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''محمد کے پروردگار کی قسم! یہ مشرکین شکست کھاگئے۔''

اس وقت بنی ہوازن اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ میدان چھوڑ کر بھاگے۔ کہاں تو وہ مکمل فتح حاصل کرچکے تھے، کہاں میدان سے بھاگ نکلے۔ خود بنی ہوازن کے کچھ لوگوں نے بعد میں بتایا:

''ہمیں اس وقت ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے تمام درخت اور پتھر گھوڑوں پر سوار ہیں اور ہمارا پیچھا کررہے ہیں۔''

ایک مشرک نے بتایا:

''جب ہم نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور انھیں پسپا کردیا تو ایسے میں ہم نے ایک شخص کو سفید خچر پر سوار دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے ہم نے انھیں پہچان لیا۔ وہ محمد رسول اللہ تھے۔ ہم ان کی طرف بڑھے تو ہمیں آپ کے چاروں طرف سفید رنگ کے لوگ دکھائی دیے۔ ان لوگوں نے ہمیں دیکھتے ہی کہا:

''تمہارے چہرے بگڑ گئے، لوٹ جاؤ۔''

طبیبانہ مشورہ

چائے پی اور نہ ڈٹ کے کھانا کھا
دست آئیں تو بس بنانا کھا
گر ہو گرمی سے بطن گرم تو پھر
لال تربوز ایک دانا کھا
گر مسوڑوں میں ہوں پڑے چھالے
مرچ کو چھوڑ، ساگودانہ کھا
زود خوری ہے باعثِ امراض
پیٹ بھر کر کبھی نہ کھانا کھا
جب کہ نزلہ زکام ہو جائے
ٹھنڈی ٹھنڈی غذا، ہوا نا کھا
جب تجھے موسمی بخار آئے
حب کونین اے فلانہ کھا
روح مردار ہو گی جیتے جی
قوم و ملت کا مت خزانہ کھا
گر ہے پینا تو اپنے آنسو پی
گر ہے کھانا، غمِ زمانہ کھا
حق تعالیٰ کو منہ دکھانا ہے
حق کسی کا نہ مجرمانہ کھا

اثر جونپوری

ان الفاظ کے ساتھ ہی ہم بھاگ نکلے اور وہ ہم پر چڑھے آرہے تھے۔ اس کے بعد وہی ہوا جو انھوں نے کہا تھا، یعنی ہمیں شکست ہوگئی۔''

ایک روایت میں یہ بات آئی ہے کہ جب مسلمان بنی ہوازن سے جنگ کرنے کے لیے چلے تو اس وقت کسی صحابی کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے تھے۔

''آج ہم اتنی تعداد میں ہیں کہ دشمن ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری اور ظاہر ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کو بھی پسند نہیں آئی تھی۔ اسی لیے مسلمانوں کو شروع میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

غزوہ حنین کے موقعے پر ایک مشرک ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ وہ بہت جری تھا، اس نے بار بار مسلمانوں پر حملہ کیا اور کئی مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری اس کی طرف بڑھے۔ حضرت علی نے اس کی کمر کی طرف سے آکر اس کے اونٹ پر وار کیا۔ اس کے نتیجے میں اونٹ الٹ کر گرا۔ ساتھ ہی انصاری نے اس پر چھلانگ لگائی اور اتنا زبردست وار کیا کہ اس کی ٹانگ پنڈلی پر سے کٹ گئی۔

مسلمانوں کی شکست کی خبر مکے پہنچی تو وہاں کچھ لوگ ابھی ایسے تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے یا جن کے ایمان ابھی بہت کمزور تھے۔ ایسے لوگ کہنے لگے:

''مسلمانوں کی یہ پسپائی اب سمندر کے ساحل پر پہنچنے سے پہلے تو رکے گی نہیں۔''

ایک نے کہا:

''خدا کی قسم! ہوازن کے لوگ جیت گئے۔''

ایسے لوگوں نے اس وقت خوشی منائی۔ کچھ نے یہ کہا:

''اب عرب کے لوگ اپنے باپ دادا کے مذہب پر لوٹ آئیں گے۔''

ایک شخص نے یہ جملہ کہا:

''آج محمد کا جادو ٹوٹ گیا۔''

ادھر میدان جنگ میں جب مسلمان دوبارہ جمع ہو گئے تو انھوں نے کفار پر بڑا زبردست حملہ کیا اور ان کے منہ پھیر کر رکھ دیے۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

''جو مشرک ہاتھ لگے، اسے قتل کر دیا جائے۔''

چنانچہ مسلمان ان کا تعاقب کر کے انھیں قتل کرنے لگے۔ اس حالت میں کچھ بچے بھی مارے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حکم فرمایا:

''بچوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔''

آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا:

''جس مسلمان نے جس کافر کو قتل کیا، اس کے ہتھیار اور دوسرا سامان اسی مسلمان کو ملے گا۔''

اس موقعے پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس کافروں کا ساز و سامان حاصل کیا۔ گویا بھاگتے ہوئے 20 دشمن ان کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

کفار کی شکست کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر گاہ میں آگئے اور اپنے خیمے میں تشریف لے آئے۔

غزوہ حنین کے موقعے پر حضرت عائذ بن عمرو کے سینے میں ایک تیر آکر لگا۔ ان کے سینے سے خون بہنے لگا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ خون اسی وقت رک گیا۔ پھر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی:

اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں زخمی ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے زخم میں اپنا لعاب ڈال دیا۔ اس سے زخم کی تکلیف بالکل جاتی رہی۔

حنین کی فتح کے بعد مشرکوں نے یہ بات جان لی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اس پر بہت سے ایسے لوگ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ بھی ایمان لے آئے۔

حضرت شیبہ حجی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن یہ اسلامی لشکر کے ساتھ میدان جنگ تک چلے آئے تھے۔ یہ کہتے ہیں:

''میں میدان جنگ میں کھڑا تھا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس سفید سواروں کا لشکر دیکھا۔'' (جاری ہے)

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسولؐ! میں یہاں سفید اور سیاہ گھوڑوں پر شہسواروں کا لشکر دیکھ رہا ہوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''یہ لشکر سوائے کافروں کے اور کسی کو نظر نہیں آتا۔''

مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کا جو لشکر اتارتا ہے، وہ مسلمانوں کو نظر نہیں آتا۔ صرف کافر ہی اسے دیکھتے ہیں، کیونکہ آسمانی لشکر کافروں اور مشرکوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے ہی اتارے جاتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حضرت شیبہ حجبی رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! شیبہ کو ہدایت عطا فرمائے۔''

ابھی آپ نے تیسری مرتبہ ہاتھ مارا تھا کہ حضرت شیبہ حجبی کی کایا پلٹ گئی۔ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سارے جہاں سے زیادہ عزیز ہوگئی۔

حنین کی فتح مکمل ہونے کے بعد آپ نے حکم فرمایا:

''تمام مالِ غنیمت اور قیدیوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔''

جب سب قیدی اور سارا مالِ غنیمت جمع ہو گیا تو آپ نے اسے جعرانہ کے مقام کی طرف روانہ فرما دیا اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے سفر سے واپس تشریف نہیں لائے، یہ قیدی اور مال جعرانہ میں ہی رہا۔

اسی غزوے میں آپ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو طلحہ جواد کا لقب عطا فرمایا۔ اس کے معانی ہیں بہت سخی۔ آپ نے انھیں یہ لقب اس لیے دیا کہ انھوں نے اس لشکر پر اپنا مال بے تحاشہ خرچ کیا تھا۔

ابھی آپ یہیں تھے کہ آپ کو معلوم ہوا، بنی ہوازن شکست کھانے کے بعد طائف میں جمع ہو گئے ہیں۔ طائف میں قبیلہ بنی ثقیف آباد تھا۔ یہ قبیلہ عرب کے بہت زبردست قبیلوں میں سے ایک تھا اور ابھی تک ایمان نہیں لایا تھا۔

طائف اس وقت بھی ایک بڑا شہر تھا۔ اس میں انگوری کھجوروں اور دوسرے پھلوں کے باغات کثرت سے تھے۔ یہ علاقہ عرب کے زرخیز اور شاداب ترین علاقوں میں سے ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بھی بہت اچھی ہے۔ ٹھنڈا علاقہ ہے۔ اب بھی عرب کے دولت مند لوگ گرمی کا موسم گزارنے کے لیے وہاں آتے ہیں۔

بنی ہوازن کا سالار مالک بن عوف اپنے لوگوں کے ساتھ طائف کے ایک چھوٹے سے قلعے میں پناہ گزین ہوا تھا۔ ان لوگوں نے اس قلعے میں سال بھر کے لیے کھانے پینے کا سامان جمع کر لیا تھا۔

آپ کا گزر ایک قبر کے پاس سے ہوا۔

آپ نے اس قبر کو دیکھ کر فرمایا:

''یہ قبر ابو رغال کی ہے۔''

یہ ابو رغال ثقیف کا باپ تھا اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود میں سے تھا۔ یہ شخص بھی آسمانی عذاب میں گرفتار ہوا تھا۔ وہی عذاب جو اس کی قوم پر اسی مقام پر آیا تھا۔ اس آسمانی عذاب کے وقت یہ شخص مکے میں گیا ہوا تھا۔ اس لیے عذاب سے محفوظ رہا، لیکن جونہی یہ حرم سے نکل کر اس جگہ آیا تو اسے بھی عذاب نے آلیا۔

آخر اسلامی لشکر طائف پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹے قلعے کے قریب پڑاؤ ڈالا جس میں مالک بن عوف ٹھہرا ہوا تھا اور اس کے ساتھ بنی ہوازن کے بچے کھچے لوگ بھی تھے۔ ان لوگوں نے جب مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا تو ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔ اس تیر اندازی کے نتیجے میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ حضرت ابوسفیان بھی زخمی ہوئے۔ ایک تیر ان کی آنکھ میں آ کر لگا۔ اس سے ان کی آنکھ باہر نکل آئی۔ یہ سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت ان کی آنکھ ان کے ہاتھ پر تھی۔ آتے ہی کہنے لگے:

''اللہ کے رسولؐ! یہ میری آنکھ جاتی رہی۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''تم پسند کرو تو میں دعا کیے دیتا ہوں، یہ آنکھ واپس اپنی جگہ پر ٹھیک ہو جائے گی اور اگر آنکھ نہ چاہو تو تمہیں جنت ملے گی۔''

اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''بس تو پھر مجھے جنت عزیز ہے۔''

یہ کہا اور آنکھ ہتھیلی پر سے پھینک دی۔ دشمن کی تیر اندازی سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اس قلعے سے کچھ فاصلے پر لے آئے جس جگہ آپ ٹھہرے، وہاں اب مسجد طائف ہے۔ اب اس قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔

اس محاصرے کے دوران ایک دن حضرت خالد بن ولید لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور پکار کر بولے:

''کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔''

ان کے مقابلے پر کوئی شخص نہ آیا۔ تمام کافر قلعہ بند ہو کر بیٹھے رہے۔ جواب میں یہ ضرور کہا گیا:

''ہم میں سے کوئی شخص بھی قلعے سے نکل کر تمہاری طرف نہیں آئے گا۔ ہم قلعہ بند رہیں گے۔ ہمارے پاس کھانے پینے کا اتنا سامان ہے جو برسوں کافی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا تمہیں اس وقت تک ٹھہرنا پڑے گا جب تک کہ ہمارا غلہ ختم نہیں ہوجاتا۔ ہاں! ہمارا غلہ ختم ہوجائے تو ہم ضرور تلواریں سنبھال کر تمہارے مقابلے پر آئیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ ہمارا آخری آدمی ختم نہیں ہوجاتا۔''

آخر قلعے کے سامنے منجنیق نصب کی گئی۔ یہ پتھر پھینکنے کی مشین ہوتی ہے۔ اس سے بہت بڑے بڑے پتھر قلعے کی دیوار پر برسائے جاتے ہیں۔ ان سے دیوار ٹوٹ جاتی ہے۔

منجنیق نصب کرنے کے علاوہ دو دبابے بھی تیار کیے گئے۔ دبابے ایک طرح کے ٹینک تھے۔ ان میں بیٹھ کر قلعے کی دیوار تک حفاظت سے جایا جاسکتا تھا۔ یہ دبابے گائے کی کھال سے بنائے گئے تھے، یعنی ان پر کھال منڈھی ہوئی تھی تاکہ دشمن کے تیروں سے بچاؤ رہے۔

آخر منجنیق سے قلعے کی دیوار میں شگاف ہوگیا۔ اب چند صحابہ دو دبابوں میں بیٹھ کر قلعے کی طرف چلے۔ ادھر مشرکوں نے بھی دبابوں کا علاج تلاش کرلیا تھا۔ انھوں نے لوہے کی سلاخوں کو آگ میں سرخ کیا اور سلاخیں دبابوں پر دے ماریں۔ اس طرح کھال جل گئی اور دبابوں میں موجود صحابہ کرام باہر نکلنے پر مجبور ہوگئے۔ ان کے باہر نکلتے ہی دشمنوں نے ان پر تیر برسائے۔ ان تیروں سے کچھ صحابہ شہید ہوگئے۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''ان کے انگوروں اور کھجوروں کے باغات کاٹ ڈالے جائیں۔''

اب مسلمان تیزی سے ان کے درخت کاٹنے لگے۔ ساتھ میں آگ بھی لگانے لگے۔ یہ دیکھ کر دشمن نے منت کرنے کے انداز میں کہا:

''آپ کو اس رشتے داری کا واسطہ جو ہماری آپ سے ہے، ہمارے باغات نہ کاٹیں۔''

ان کی درخواست پر آپ نے فرمایا:

''میں رشتے داری اور اللہ کے نام پر ان باغات کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

''جو شخص قلعے سے نکل کر ہم تک پہنچ جائے گا، وہ آزاد ہے۔''

اس اعلان پر پچیس تیس سے زیادہ لوگ باہر نہیں آئے۔ آپ نے ان سب کو آزاد کردیا۔

ایسے میں عیینہ بن حصن فزاری نے آپ سے کہا:

''مجھے اجازت دیں، میں قلعے میں جا کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔''

آپ نے اسے اجازت دے دی۔ عیینہ قلعے میں ان لوگوں کے پاس پہنچا، لیکن اسلام کی دعوت دینے کے بجائے ان سے کہنے لگا:

''تم لوگ مضبوطی سے قلعے میں ڈٹے رہو، کیونکہ ہماری حیثیت تو ایک غلام سے بھی بدتر ہوتی جارہی ہے۔ دیکھو، کسی حالت میں بھی قلعہ مت چھوڑنا۔ کسی بات سے متاثر یا پریشان نہ ہونا۔''

ان سے یہ کہہ کر عیینہ بن حصن فزاری واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

''عیینہ! تم نے ان لوگوں سے کیا کہا؟''

عیینہ نے کہا:

''میں نے انھیں اسلام قبول کرنے کے لیے کہا، دین کی دعوت دی، دوزخ سے ڈرایا، جنت کا راستہ بتایا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''تو جھوٹ بول رہا ہے ... تو نے ان سے یہ نہیں ... بلکہ یہ کہا ہے کہ قلعے میں ڈٹے رہو، کسی حالت میں بھی قلعہ نہ چھوڑنا۔''

آپ نے عیینہ کی وہ تمام باتیں دہرادیں جو اس نے بنی ثقیف سے کہی تھیں:

عیینہ دھک سے رہ گیا۔ پھر اس نے کہا:

''آپ سچ کہتے ہیں، میں اپنی اس حرکت پر آپ سے اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک طائف پر فیصلہ کن حملہ نہیں کیا تھا۔ نہ آپ نے طائف فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تھا، کیونکہ آپ تو بنی ہوازن کے تعاقب میں یہاں آئے تھے جو حنین کے میدان میں آپ کے ہاتھوں شکست کھاگئے تھے اور یہاں طائف میں آگئے تھے۔ طائف کے قبیلہ بنی ثقیف نے انھیں پناہ دی تھی، اسی لیے ابھی تک آپ نے طائف کو فتح کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے طائف فتح کرنے کا حکم نہیں ملا تھا۔

جب طائف کے محاصرے کو کافی دن گزر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی فیصلہ کن حکم نہ ملا تو حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنھا نے ایک دن آپ سے کہا:

''اے اللہ کے رسولؐ! آپ کو کیا رکاوٹ ہے۔ آپ طائف پر فیصلہ کن حملہ کیوں نہیں فرمارہے؟'' (جاری ہے)

قدم بہ قدم

ان کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''ہمیں ابھی تک طائف والوں کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم نہیں ملا۔ میرا خیال ہے، ہم اسی وقت اس شہر کو فتح نہیں کریں گے۔''

پھر یہی سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی یہی فرمایا:

''ہمیں طائف والوں سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ملا۔''

اس پر حضرت عمر نے عرض کیا:

''جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے ابھی جنگ کی اجازت نہیں دی تو پھر ہم کیوں ان کے مقابلے میں کھڑے رہیں۔''

اصل میں تو بات یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں طائف والوں سے جنگ کی غرض سے نہیں آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بنی ہوازن کے تعاقب میں آئے تھے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا:

''لوگوں سے کہو، واپس چلنے کی تیاری کریں۔''

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں یہ اعلان کیا تو صحابہ کرام پریشان ہوگئے۔ چند ایک نے کہا:

''قلعہ تو فتح نہیں ہوا، تو ہم واپس کیوں جارہے ہیں؟''

آپ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ لوگ ایسا کہہ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اچھا تو پھر حملے کی تیاری کرو۔''

لوگوں نے فوراً ہی حملے کی تیاری شروع کردی اور پھر قلعے پر دھاوا بول دیا۔ ادھر سے فوراً تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ ایک بار پھر بہت سے لوگ ان کے تیروں سے زخمی ہوگئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اب ہم ان شاء اللہ روانہ ہورہے ہیں۔''

اب یہ اعلان سن کر لوگ خوش ہوگئے اور واپسی کی تیاری کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر ہنسنے لگے۔ آپ کو ہنسی اس بات پر آرہی تھی کہ کس قدر جلدی لوگوں نے اپنی رائے بدل دی اور لوگوں کی رائے اس لیے بدل گئی تھی کہ انھوں نے جان لیا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ہی ان کے لیے فائدہ مند ہے۔

اصل میں صورت حال یہ تھی کہ دشمن ایک مضبوط قلعے میں بند تھا اور ان کے پاس کھانے پینے کا بہت سامان تھا۔ اب قلعے پر حملہ کرنے سے مسلمانوں ہی کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ قلعے میں بند لوگ تو محفوظ تھے۔

وہاں سے روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی۔ اس نے اکیلے احزابی لشکر کو شکست دی۔'' (یعنی غزوہ خندق میں، اس لئے کہ اس کا دوسرا نام احزاب بھی ہے)

اس کے بعد جب آپ روانہ ہوگئے تو فرمایا:

''ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں اور اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے ہیں اور اسی کی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔''

ایسے میں کچھ لوگوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! طائف کے لوگوں کے لیے بددعا فرمائیے۔''

یہ سن کر آپ نے اسی وقت بددعا کے بجائے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! بنی ثقیف کو ہدایت عطا فرمائیے! انھیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے پاس بھیجیے۔''

قلعے والوں کے آخری حملے میں جو لوگ زخمی ہوئے تھے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ بھی تھے۔ انھیں ابومحجن کا پھینکا ہوا تیر لگا تھا۔ اس تیر کا زخم بہت گہرا آیا تھا اور وہ جان لیوا ثابت ہوا۔ ان کی وفات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں اسی زخم سے ہوئی، یعنی وہ زخم ٹھیک نہ ہوسکا۔

ان کی بیوی عاتکہ بنتِ زید تھیں، حضرت عبداللہ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعے کا دن تھا۔ حضرت ابوبکر جمعے کی نماز کے بعد حضرت عبداللہ کے گھر آئے، اس وقت حضرت عبداللہ اپنی بیوی عاتکہ کے ساتھ ہنس بول رہے تھے۔ ایسے میں انھوں نے پوچھا:

''کیا جمعے کی نماز ہوچکی ہے؟''

حضرت ابوبکر نے ان کا یہ جملہ سن لیا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''کیا تمہاری بیوی نے تمہیں نماز سے بھی بے فکر کردیا۔ اب مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ تم اسے طلاق نہیں دے دیتے۔''

چنانچہ حضرت عبداللہ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی۔ ایک دن حضرت ابوبکر ان کے گھر آئے تو وہ

بیوی کے غم میں بیٹھے رو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر نے طلاق کو لوٹانے کی اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ گئے اور بیوی کو لے آئے۔ انھی عبداللہ کی جب اس زخم سے وفات ہوئی تو ان کی بیوی عاتکہ نے ان کے غم میں بڑے پُر اثر اشعار کہے۔

طائف سے واپسی کے سفر میں ایک رات تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ بیری کے ایک درخت کے سامنے آ گیا۔ درخت اسی وقت درمیان سے پھٹا اور آپ کو راستہ دے دیا۔ آپ کے گزر جانے پر درخت کے دونوں حصے پھر مل گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ جانے کے لیے نشیب میں اترے، یعنی وہ مقام جہاں آپ صلی اللہ نے غزوہ حنین کا مالِ غنیمت بھجوایا تھا۔ ابھی آپ نشیب میں اترے ہی تھے کہ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ آپ کو ملے۔ یہ وہ سراقہ ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ معظّمہ سے ہجرت کی تھی تو انھوں نے انعام کے لالچ میں آپ کو قتل کرنے کی نیت سے تعاقب کیا تھا اور تعاقب کرتے ہوئے آپ کے نزدیک پہنچ گئے تھے، لیکن ان کے اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے۔ انھوں نے معافی مانگی تو اونٹ کے پاؤں نکل گئے تھے، لیکن یہ پھر قتل کے ارادے سے آگے بڑھے تو پھر پاؤں دھنس گئے تھے۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا تھا، تب سراقہ سمجھ گئے تھے، یہ اللہ کے رسول ہیں۔

اس وقت یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بس وہاں سے لوٹ گئے تھے۔ لوٹتے وقت انھوں نے کہا تھا:

"اے محمد! میں جانتا ہوں! ایک دن ساری دنیا میں آپ کا بول بالا ہونے والا ہے اور آپ لوگوں کی جانوں اور مالوں کے مالک ہوں گے۔ اس لیے مجھے اپنی طرف سے ایک تحریر لکھ دیں، تاکہ آپ کے غلبے کے وقت جب میں آپ کے پاس حاضر ہوں تو آپ میرے ساتھ اچھا سلوک فرمائیں۔"

اس کی اس درخواست پر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تحریر لکھ کر دینے کا حکم فرمایا تھا اور انھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر لکھ دی تھی۔

اس وقت یہی تحریر انھوں نے آپ کی خدمت میں پیش کی تھی اور یہ کہہ رہے تھے:

"میں سراقہ ہوں! میرے پاس یہ آپ کی تحریر ہے۔"

اس پر آپ نے فرمایا:

"آج وفا، محبت اور وعدہ پورا کرنے کا دن ہے۔"

جعرانہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے قیدیوں اور مویشیوں کو شمار فرمایا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جب کہ اونٹ گھوڑے چوبیس ہزار تھے۔ بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ تھیں۔ ان کے علاوہ کافی مقدار میں چاندی تھی۔

آپ نے اس مالِ غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو بھی حصہ دیا جو ابھی فتح مکّہ کے موقعے پر مسلمان ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے تمام مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا:

غزوہ حنین میں جو قیدی ہاتھ آئے تھے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بنتِ حلیمہ سعدیہ بھی تھیں، (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت سعدیہ کی بیٹی) بچپن میں آپ کی دودھ شریک بہن تھیں۔

جب یہ گرفتار ہوئیں تو انھوں نے گرفتار کرنے والے صحابہ سے کہنے لگیں:

"میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔"

لوگوں نے ان کی بات پر یقین نہ کیا۔ آخر انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ کے سامنے پہنچ کر انھوں نے کہا:

"اے محمد! میں آپ کی بہن ہوں۔"

آپ نے پوچھا:

"اس کا ثبوت کیا ہے؟"

حضرت شیما نے جواب دیا:

"میرے کندھے پر آپ کے کاٹے کا نشان ہے جب میں آپ کو گود میں لیا کرتی تھی۔"

آپ نے وہ نشان دیکھا تو پہچان لیا۔ انھیں پہچانتے ہی آپ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھائی اور انھیں عزت سے اس پر بٹھایا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"تم جو مانگو گی، وہ دیا جائے گا، جس کی سفارش کرو گی، قبول کی جائے گی۔"

اس پر حضرت شیما نے کہا:

"آپ ہمارے لوگوں کو رہا کر دیجیے۔"

آپ نے ان کے قبیلے کے لوگوں کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔ اس طرح شیما اپنی قوم کے لوگوں کے لیے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا:

"تمھیں اختیار ہے! یہاں رہنا چاہو تو عزت سے یہاں رہو۔ واپس جانا چاہو تو تمھیں اجازت ہے۔"

انھوں نے واپس جانا پسند کیا۔ اس پر آپ نے انھیں تین غلام، ایک باندی اور بہت سا مال دیا۔ بکریاں بھی عنایت فرمائیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ جو کچھ آپ نے دیا، وہ اپنے حصے میں سے دیا تھا۔ مسلمانوں کے حصے میں سے نہیں دیا تھا۔

آپ جعرانہ سے مکّے کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے احرام باندھا، عمرہ کیا۔ پھر آپ واپس مدینہ پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی:

"رومیوں نے شام میں بہت زبردست لشکر جمع کر لیا ہے۔ ان کے ہراول دستے بلقا کے مقام تک آ گئے ہیں۔"

(جاری ہے)

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

68

رومیوں نے شام میں لشکر اس لیے جمع کیا تھا کہ عرب کے عیسائیوں نے شہنشاہِ روم ہرقل اعظم کو لکھا تھا:

"یہ شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے، وہ ہلاک ہو چکے ہیں اور ان کے ساتھی قحط سالی کا شکار ہیں۔"

ان اطلاعات کی بنیاد پر ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکر اپنے ایک سردار کو دے کر بھیجا۔ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ بس افواہ اڑائی گئی تھی، تاکہ مسلمانوں میں سے جسے یہ بات معلوم ہو، وہ بددل ہو جائے۔ اس کے حوصلے پست ہو جائیں۔ اب اس وقت لوگ بہت تنگ دست تھے۔ خشک سالی نے تباہی مچا دی تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ زمانہ پھلوں کے پکنے کا تھا۔ ایسے وقت میں لوگ کہیں جانا گوارا نہیں کرتے بلکہ اپنے باغوں میں ٹھہر کر پھلوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا پسند کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوے کے لیے روانہ ہوتے تو اپنی منزل کے بارے میں نہیں بتاتے تھے اور جہاں جانا ہوتا، اس کے خلاف راستہ اختیار کرتے تھے مگر غزوہ تبوک میں چونکہ فاصلہ بھی زیادہ تھا اور مشقت اور تکلیف بھی سامنے تھی اور موسم بھی زیادہ سخت تھا، اس لیے آپ نے سفر کا مقصد ظاہر فرما دیا تھا۔ اس کے علاوہ دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، اس لیے بھی پہلے ہی بتا دیا تاکہ لوگ اس کے مطابق تیاری کر لیں۔

آخر آپ نے اپنے صحابہ کو کوچ کی تیاری کا حکم فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے مکّہ اور دوسرے عرب قبائل میں آدمی بھیجے کہ وہ لوگ لشکر میں شریک ہوں۔ دوسری طرف آپ نے مال داروں کو توجہ دلائی کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں اور انہیں اس کے لیے تاکید فرمائی:

غزوہ تبوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا، کیونکہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی جنگ میں تشریف نہیں لے گئے، البتہ چھوٹی مہمات میں صحابہ کو بھیجتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

اس غزوے کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بے تحاشا اپنا مال دیا۔ انہوں نے اس قدر دولت دی کہ کوئی ان کی برابری نہ کر سکا۔ دس ہزار صحابہ کو لشکر کی تیاری میں مدد دی۔ ان پر دس ہزار دینار خرچ کیے۔ یہ اونٹوں اور گھوڑوں کے

علاوہ تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار سامان دیا۔

ایک روایت کے مطابق انہوں نے تین سو اونٹ ساز و سامان سے لدے ہوئے دیے۔ پچاس گھوڑے دیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس دریا دلی سے اس قدر خوشی ہوئی کہ آپ نے فرمایا:

"اے اللہ! میں عثمان سے راضی اور خوش ہوں، تو بھی اس سے راضی اور خوش ہو جا۔"

قدم بہ قدم

اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات گئے تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگتے رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو دوسرے مال دار صحابہ تھے، وہ بھی لشکر کی تیاری کے لیے بہت سا مال لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنا مال آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے تو حد ہی کر دی۔ سارا مال ہی لا کر آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ ان کے سارے سامان کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"اے ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے بھی کچھ بچایا ہے یا نہیں۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو بچا لیا ہے۔"

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے۔ یہ اپنے کل مال کا نصف لے کر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی پوچھا:

"اپنے گھر والوں کے لیے کچھ بچایا ہے یا نہیں۔"

انہوں نے بتایا:

"نصف ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔"

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت سا سونا چاندی لے کر آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"یہ دونوں زمین پر اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے وہ خزانے ہیں جو اپنا مال و دولت اللہ کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بے دھڑک خرچ کرتے ہیں۔"

اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب بہت مال لے کر آئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی بہت مال لائے۔ حضرت عاصم بن عدی تقریباً سو من کھجوریں لائے۔

خواتین نے بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ انہوں نے

اپنے زیور تک دے دیے۔

کچھ غریب صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے پاس سواری کے جانور نہیں ہیں۔ ہمیں سواری کے جانور دے دیجیے تا کہ ہم بھی اس غزوے میں شریک ہو سکیں۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''میرے پاس تمہاری سواری کے لیے کوئی انتظام نہیں۔''

اس پر وہ مایوس ہو کر لوٹے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان میں سے دو کی سواری کا انتظام کیا۔ تین صحابہ کی سواریوں کا انتظام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔ دو کی سواریوں کا انتظام یامین بن عمرو نفری رضی اللہ عنہ نے کیا:

آخر جنگ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ ایک روایت ستر ہزار کی بھی ہے۔ اللہ اکبر! کہاں غزوہ بدر میں صحابہ کی تعداد صرف 313 تھی اور آج آپ کے ساتھ اتنا بڑا لشکر تھا۔

اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے سوار تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

ان دنوں شدید گرمی کا موسم تھا۔ خشک سالی بھی تھی۔ ایسے موسم میں سفر بہت مشکل تھا، لیکن صحابہ کرام کا جذبہ بے مثال تھا۔ ان کے مقابلے میں منافق لوگ گرمی کا بہانہ کر کے گھروں میں ہی پڑے رہے۔

روانہ ہونے سے پہلے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کئی پرچم تیار کیے۔ بڑا پرچم آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اس سے چھوٹا پرچم حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دیا۔ قبیلہ اوس کا پرچم آپ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو دیا اور خزرج کا پرچم حضرت حباب بن منذر کو عطا فرمایا۔ قبائل کے اعتبار سے اور بھی کئی پرچم تقسیم فرمائے۔

ادھر منافق لوگ ایک یہودی کے مکان میں جمع ہوئے اور کہنے لگے:

''رومی بہادروں سے لڑنا ہنسی کھیل نہیں۔ اب تک ان کی جنگیں عربوں سے ہوتی رہی ہیں۔ خدا کی قسم! کل یہ لوگ پہاڑوں میں چھپتے پھر رہے ہوں گے۔''

منافق اس قسم کی باتیں مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے کر رہے تھے۔ ادھر منافقین اس مکان میں یہ باتیں کر رہے، ادھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وحی کے ذریعے ان باتوں کا پتا چل گیا۔ آپ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایا:

''تم ان لوگوں کے پاس جاؤ! انھوں نے جو کچھ کہا ہے، اس کی ان سے تصدیق کراؤ۔ اگر وہ انکار کریں تو کہنا، تم نے غلط کہا، بلکہ تم یہ کہہ رہے تھے۔''

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان منافقوں کے پاس گئے اور یہ ساری بات ان سے کہی۔ وہ لوگ فوراً آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''ہم لوگ ایسا مذاق اور تفریح میں کہہ رہے تھے۔''

اس پر قرآنِ کریم کی آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ (سورہ توبہ: 65)

غرض منافقین نے کئی طرح کے بہانے بنائے اور کہا:

''آپ ہمیں خرابی میں نہ ڈالیے۔''

اس پر آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور منافقین میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ مجھے اجازت دیجیے، اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے، خوب سمجھ لیں، یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے ہیں اور یقیناً آخرت میں دوزخ انھیں گھیرے گی۔''

مسلمانوں میں سے بھی چند مسلمان ایسے تھے جنھوں نے بغیر کسی مجبوری کے جنگ میں شرکت نہیں کی۔ یہ حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت حرارہ بن ربیع رضی اللہ عنھم تھے۔

اس غزوے میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہیں لیا تھا۔ انھیں مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب لشکر مدینہ منورہ سے کوچ کر گیا تو منافقوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طعنے دیے۔ طرح طرح کی باتیں سنائیں۔ ان کے طعنے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ تیار ہو کر گھر سے نکل گئے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا:

''اللہ کے رسولؐ! منافقین طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں، اس لیے میں چلا آیا ہوں۔''

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا:

''وہ لوگ جھوٹے ہیں، میں نے تمھیں مدینہ منورہ صرف ان لوگوں کے لیے چھوڑا ہے جنھیں میں مدینہ منورہ میں چھوڑ آیا ہوں۔ اس لیے واپس جاؤ اور میری عدم موجودگی میں میرے گھر والوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کرو۔''

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد پر حضرت علی واپس مدینہ منورہ آ گئے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نہ جانے والوں میں سے ایک حضرت ابوخثیمہ بھی تھے۔ یہ مدینہ منورہ ہی میں رہ گئے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کوچ کیے کئی روز گزر چکے تھے۔ شدید گرمی تھی۔ یہ اپنی دونوں بیویوں کے پاس آئے۔ ان کی بیویوں نے باغ کے اندر اپنے سائبانوں کو خوب اچھی طرح پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ دونوں اپنے اپنے سائبان میں کھانا لیے ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ ایسے میں حضرت ابوخثیمہ آ گئے۔ انھوں نے اپنی بیویوں اور ان کے انتظامات کو دیکھا تو کہنے لگے:

''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو اتنی شدید گرمی میں سفر کر رہے ہیں اور ابوخثیمہ یہاں ٹھنڈے سائبانوں اور پانی کی فراوانی اور حسین عورتوں کی صحبت کا لطف اٹھا رہا ہے، یہ ہرگز انصاف نہیں۔''

اس کے بعد کہنے لگے:

''اللہ کی قسم! میں تم دونوں کے سائبانوں میں سے کسی کے سائبان میں داخل نہیں ہوں گا، بلکہ اب تو اللہ کے رسول کے پاس پہنچوں گا۔ لہٰذا تم دونوں فوراً میرا سفر کا سامان تیار کر دو۔''

ان کی بیویوں نے سفر کا سامان تیار کر دیا۔ انھوں نے اپنی اونٹنی تیار کی۔ تلوار اور نیزہ لیا اور اسی وقت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے چل پڑے۔

راستے میں انھیں حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ مل گئے۔ یہ بھی آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور اب آئے تھے۔ اس مقام سے یہ دونوں حضرات ایک ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ تبوک کے قریب پہنچ گئے۔ یہ لشکر کے نزدیک پہنچے تو انھیں دور سے ہی دیکھ لیا گیا۔ کسی نے کہا:

''وہ اس طرف دو سوار چلے آ رہے ہیں۔''

یہ سن کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

''یہ یقیناً ابوخثیمہ ہوں گے۔''

اتنے میں وہ قریب آ گئے تو لوگ پکار اٹھے:

''اللہ کے رسولؐ! آپ نے ٹھیک فرمایا تھا۔ یہ ابوخثیمہ ہی ہیں۔''

حضرت ابوخثیمہ نے اپنی اونٹنی بٹھائی اور آپ کے نزدیک پہنچ کر آپ کو سلام کیا۔ پھر اپنا واقعہ بیان کیا۔ ان کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''بہت خوب!''

آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس سفر کے دوران یعنی تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کھنڈرات کے پاس سے گزرے جو قوم ثمود کا وطن تھا اور جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ نے فوراً اپنے سرِ مبارک پر کپڑا ڈال لیا اور اپنی سواری کی رفتار تیز کر دی تا کہ جلد وہاں سے گزر جائیں۔ ساتھ ہی آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

''جب تم ان کھنڈرات میں داخل ہو جو سرکشوں اور ظالموں کے تھے تو روتے ہوئے گزرو، کہیں تم بھی اس بلا میں گرفتار نہ ہو جاؤ جس میں وہ قوم ہوئی تھی۔'' (جاری ہے)

قدم بہ قدم

وہ بستی سرکشوں کی تھی۔ وہاں کی آب وہوا بھی زہریلی تھی۔ اسی لیے آپ نے روتے ہوئے گزرنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ رونے سے انسان کو اپنی فکر اور دوسروں کے حالات سے عبرت ہوتی ہے۔ یہ آدمی کے لیے خیر کا سامان ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو حکم فرمایا کہ تقدیرِ الٰہی سے پیدا ہونے والے ان حالات پر روئیں جو کفر کی وجہ سے اس قوم پر طاری ہوگئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے یہ بھی فرمایا:

''کوئی شخص یہاں کا پانی نہ پیے، نہ اس پانی سے وضو کرے، نہ آٹا گوندھے، کیونکہ یہاں کے پانی میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے اثرات ہوں گے۔''

پھر آپ اس مقام سے آگے روانہ ہوئے اور ایک تباہ شدہ علاقے میں پہنچے۔ اس جگہ ایک کنواں تھا۔ اس کنویں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ اونٹنی حضرت صالح علیہ السلام کو بطور معجزہ عطا فرمائی تھی۔

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو ہدایت فرمائی:

''کوئی شخص آج رات تنہا پڑاؤ سے باہر نہ نکلے، بلکہ کسی نہ کسی کو ساتھ رکھے۔ اتفاق سے ایک شخص اس رات اپنی کسی ضرورت سے تنہا پڑاؤ سے باہر چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص اپنے اونٹ کی تلاش میں تنہا نکل کھڑا ہوا۔ اسے شدید ہوا نے اڑا کر قبیلہ طے کے پہاڑوں میں لے جا پھینکا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان دونوں واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ کوئی شخص تنہا باہر نہ جائے۔''

اس کے بعد آپ نے اس شخص کے لیے دعا فرمائی جس کا دم گھٹ رہا تھا۔ آپ کی دعا کی برکت سے وہ شفایاب ہوگیا۔ پھر آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی جسے ہوا اڑا لے گئی تھی۔ یہ شخص ایک مدت بعد بھٹکتا ہوا، اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس مدینہ پہنچے۔

اس سفر میں ایک روز لشکر کے پاس پانی ختم ہوگیا۔ پیاس سے لوگ بے تاب ہوگئے۔ آخر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

''کسی کے پاس تھوڑا سا پانی ہے تو وہ لے آئے۔''

آپ کے پاس پانی لایا گیا۔ آپ نے اس پانی سے وضو کیا اور پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ نماز کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی وقت ہوا چلنے لگی، بادل چھا گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس قدر بارش ہوئی کہ ساری وادی پانی سے بھر گئی۔

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی۔ اس کی تلاش شروع کی گئی۔ لشکر میں کچھ منافق بھی شامل ہوگئے تھے۔ وہ کہنے لگے:

''محمد کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور یہ کہ ان کی طرف آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ تو کیا انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ منافق لوگ یہ کہہ رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

''ایک شخص ایسا کہہ رہا ہے۔ اللہ کی قسم! میں تو انھی باتوں کو جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتا دیتے ہیں اور ابھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میری اونٹنی فلاں وادی میں ہے۔ اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں الجھ گئی ہے۔ تم لوگ وہاں جاؤ اور اونٹنی کو لے آؤ۔''

لوگ فوراً اس گھاٹی میں گئے۔ وہاں اونٹنی اسی حالت میں ملی جس میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ صحابہ اسے آپ کے پاس لے آئے۔

اس سفر میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھک گیا۔ وہ تھکن سے اس قدر نڈھال ہوا کہ چلنا مشکل ہوگیا۔ سارے لشکر سے پیچھے رہ گیا اور آخر بیٹھ ہی گیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنا سامان اس پر سے اتارا اور پیدل چل پڑے۔ قافلے کے قدموں کے نشانات دیکھ کر چلتے ہوئے آخر لشکر تک جا پہنچے۔ اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمایا تھا۔

ابوذر ابھی آپ تک نہیں پہنچے تھے کہ کسی نے آپ کو بتایا:

''اللہ کے رسولؐ! ابوذر پیچھے رہ گئے۔ ان کا اونٹ چلنے کے قابل نہیں رہ گیا۔''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر ابوذر میں کوئی خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے تم تک پہنچا دے گا اور اگر خیر کی

جگہ اس میں برائی ہے تو سمجھ لو، اللہ نے تمھیں اس سے امن دے دیا۔"

پھر حضرت ابوذر سامنے سے آتے نظر آئے۔ ایک شخص نے کہا:

"اے اللہ کے رسولؐ! ایک شخص اس راستے پر تنہا چلا آرہا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"ابوذر ہوں گے۔"

جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو وہ بول اٹھے:

"اللہ کے رسولؐ! یہ تو واقعی ابوذر ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پیدل آتے دیکھ کر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے جو اکیلا ہی چلا آرہا ہے، اکیلا ہی مرے گا، یعنی موت کے وقت ایک ویرانے میں تنہا ہوگا اور اکیلا ہی قیامت کے دن دوبارہ اٹھے گا۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی یہ پیش گوئی بالکل اسی طرح پوری ہوئی جس طرح آپ نے فرمایا تھا:

غرض لشکر تبوک کے مقام پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ تبوک کے چشمے میں پانی بے حد کم ہے۔ آپ نے اس میں سے ایک چلو بھر پانی لیا۔ اس پانی کو منہ میں لیا اور چشمہ کے پانی میں کلی کر دی۔ آپ کا ایسا کرنا تھا کہ چشمہ پانی سے بھر گیا۔

تبوک کی یہ وادی اس وقت بالکل بنجر تھی۔ وہاں درخت بالکل نہیں تھے۔ اس وادی کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"معاذ! اگر تمہاری عمر نے وفا کی (یعنی اگر تم نے لمبی عمر پائی) تو تم دیکھو گے، یہ علاقہ باغ و بہار بن جائے گا۔"

(یعنی یہ علاقہ سرسبز شاداب ہو جائے گا)

مورخ علامہ ابنِ عبدالبر نے لکھا ہے:

"میں نے تبوک کے چشمے کے آس پاس کا سارا علاقہ دیکھا، وہ تمام کا تمام باغ نظر آرہا تھا۔"

تبوک پہنچنے سے ایک روز پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوئے تو آپ کی آنکھ دیر سے کھلی اور اس وقت بیدار ہوئے جب سورج ایک نیزے کے قریب بلند ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے رات کو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا:

"تم رات کو جاگ کر پہرہ دو گے اور صبح ہمیں نماز کے لیے اٹھاؤ گے۔"

حضرت بلال اس رات پہلے تو پہرہ دیتے رہے۔ پھر انھیں نیند نے آلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اٹھاتے، خود بھی سوتے رہ گئے۔ اس سے نماز کا وقت نکل گیا۔ آخر سورج بلند ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ہمیں فجر کے وقت جگا دینا۔"

حضرت بلال نے عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! جس چیز نے آپ کو غافل کر دیا، اسی چیز نے مجھے بھی غافل کر دیا۔" (یعنی نیند کا غلبہ ہو گیا)

اس کے بعد آپ نے وہاں سے کوچ کا حکم فرمایا اور کچھ فاصلے پر پہنچ کر نماز ادا فرمائی۔

تبوک کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ ان سے پوچھا:

"یہاں سے آگے بڑھا جائے یا نہیں۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اگر آپ کو آگے بڑھنے کا حکم ملا ہے تو پھر آگے ضرور چلیے۔"

ان کی بات کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"اگر مجھے آگے بڑھنے کا حکم ملا ہوتا تو پھر میں تم سے مشورہ نہ کرتا۔"

اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! (اطلاعات ملی ہیں کہ) رومیوں کے پاس بہت زبردست اور بہت بڑا لشکر ہے۔ ہم ان کے علاقے میں بہت اندر تک آچکے ہیں۔ (انھوں نے آگے بڑھ کر ہمارا راستہ نہیں روکا) اور اس طرح ہم دشمن کے علاقے میں کافی اندر تک آگئے ہیں۔ آپ کی آمد نے رومیوں کو خوف زدہ کر دیا ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ ہم یہیں سے واپس لوٹ جائیں اور حالات کا جائزہ لیں یا پھر اللہ تعالیٰ ہی کوئی بات ظاہر فرما دے۔"

مطلب یہ کہ اس مقام سے مزید آگے بڑھنے کی صورت میں اسلامی لشکر مکمل طور پر رومیوں کے گھیرے میں آسکتا تھا اور رومی آگے آ نہیں رہے تھے۔ ان حالات میں وہاں سے واپس لوٹ آنے کے سوا کوئی صورت نہیں تھی۔ چنانچہ واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو وہ عام لوگ وہاں آپ سے آکر ملے جو لشکر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور اپنا اپنا عذر پیش کرنے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں حکم فرمایا:

"ان لوگوں سے نہ بول چال رکھو نہ اٹھنا بیٹھنا۔"

(جاری ہے)

اس حکم کے بعد سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے تعلق ختم کر دیا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے منہ موڑ لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم پر اس قدر سختی سے عمل کیا کہ ان لوگوں میں کسی کا باپ یا بھائی بھی تھا تو اس سے بھی بات چیت کرنا چھوڑ دیا اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی توبہ کے قبول ہو جانے کی وحی نہ آئی۔ ان سے یہی سلوک جاری رہا۔ آخر ان کی توبہ قبول ہوئی اور مسلمانوں نے ان سے ملنا جلنا شروع کیا اور ایسا پچاس دن بعد ہوا۔

غزوہ تبوک کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سمتوں میں اپنے صحابہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں مشرکوں کی طرف روانہ فرمائیں۔ ان جنگوں کو سرایا کہا جاتا ہے۔ سرایا جمع ہے سریہ کی۔ سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہ ہوئے ہوں۔ ان سرایا میں رجیع کا سریہ بہت مشہور اور بہت اہم ہے۔ بعض سرایا کو غزوہ بھی کہا گیا ہے۔ رجیع کا سریہ غزوہ بھی کہلاتا ہے۔ یہ اگرچہ خندق سے پہلے پیش آیا تھا، لیکن مورخوں نے اسے بعد میں لکھا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کی طرف جاسوسی کی غرض سے اپنے بعض صحابہ کو روانہ فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق یہ دس وہی صحابہ تھے۔ آپ نے ان پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ انھیں ابن ابوالفلح بھی پکارا جاتا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان پر حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

حضرت مرثد رضی اللہ عنہ مکے میں مسلمان

قدم بہ قدم

قیدیوں کو نکال نکال کر مدینہ منورہ لایا کرتے تھے، یعنی یہ رات کی تاریکی میں چپ چپاتے مکے میں داخل ہوتے اور کسی مسلمان قیدی کو وہاں سے نکال کر مدینہ منورہ پہنچا دیتے تھے۔ اس طرح انھوں نے اسلام کی بہت خدمت کی تھی۔

ان حضرات میں ایک حضرت زید بن دثنہ بھی تھے۔ یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ رجیع کے مقام تک پہنچ گئے۔ رجیع قبیلہ ہذیل کے ایک چشمے کا نام تھا۔ اس مقام پر ان حضرات کو سفیان بن خالد ہذلی نے دیکھ لیا۔ سفیان بن خالد ہذلی کے ساتھ اس وقت ایک سو کے قریب لوگ تھے۔ ہتھیار کے طور پر ان کے پاس تیر موجود تھے۔ ان سو افراد نے ان دس صحابہ کا پیچھا کرنا شروع کیا (بخاری شریف میں ان کی تعداد سو ہی آئی ہے)

صحابہ نے ایک جگہ قیام کیا تھا۔ وہاں کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی تھیں۔ سفیان کے ساتھیوں میں ایک عورت بھی تھی۔ اسے یہ گٹھلیاں نظر آ گئیں۔ اس نے ایک چیخ ماری جس سے سفیان اور اس کے ساتھی خبردار ہو گئے۔ ان سب نے تیزی سے اس سمت میں بڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ رجیع کے مقام پر پہنچ کر انھوں نے ان صحابہ کو دیکھ لیا۔

ادھر جب ان صحابہ نے دیکھا کہ دشمن ان کے سروں پر پہنچ گیا تو وہ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ سفیان اور اس کے ساتھیوں نے انھیں گھیر لیا۔ سفیان نے پکار کر کہا:

''تم لوگ نیچے اتر آؤ، ہم تمھیں قتل نہیں کریں گے۔''

اس پر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو کسی کافر کی امان لے کر ہرگز نہیں اتروں گا۔''

ان کے اس جواب پر ان سو افراد نے ان صحابہ پر تیر اندازی شروع کر دی۔ ان حضرات نے بھی تیر اندازی شروع کر دی۔ دونوں طرف سے مقابلہ جاری رہا۔ مقابلے کے دوران حضرت عاصم یہ اشعار پڑھتے رہے:

''موت برحق ہے اور زندگی باطل اور آدمی کے لیے جو مصیبتیں مقدر ہو چکی ہیں، وہ یقیناً آ کر رہیں گی، بلکہ آدمی خود ان مصیبتوں کی طرف بڑھتا اور ان میں مبتلا ہوتا ہے۔''

حضرت عاصم برابر تیر چلاتے رہے۔ دشمنوں کے تیر اپنی ڈھال پر روکتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس تیر ختم ہو گئے۔ اب انھوں نے اپنا نیزہ سنبھال لیا اور دشمنوں پر نیزے سے حملہ کیا۔ یہ اس وقت تک نیزہ چلاتے رہے، جب تک کہ وہ ٹوٹ نہیں گیا۔ نیزے کے بعد انھوں نے تلوار نکال لی۔ اب تلوار چلانا شروع کی اور اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کی:

''اے اللہ! میں نے روزِ روشن میں تیرے دین کی حمایت کی۔ پس تو آخر دن تک میری لاش کی حفاظت فرمانا۔''

پھر حضرت عاصم شہید ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کے چھ ساتھی بھی شہید ہو گئے۔ اب دس میں سے تین صحابہ رہ گئے۔ دشمنوں نے ان سے کہا:

''تم ہتھیار ڈال دو۔ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔''

ان کے اس وعدے پر انھوں نے ہتھیار گرا دیے اور نیچے اتر آئے۔ یہ تین صحابی حضرت خبیب، حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنھم تھے۔ جب یہ لوگ مشرکین کے قبضے میں آگئے تو انھوں نے تینوں کو رسیوں سے جکڑ لیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن طارق نے ان سے کہا:

''یہ تمہاری پہلی بدعہدی ہے۔ تم نے امان دینے کی بات کی تھی۔ لہٰذا میں تو تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

اس پر ان لوگوں نے حضرت عبداللہ کو قتل کر دیا۔ آخر یہ لوگ حضرت خبیب اور حضرت زید کو لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ذی قعدہ کے مہینے میں یہ انھیں لیے مکّہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ مکّہ پہنچ کر انھوں نے دونوں قیدیوں کو قریش کے حوالے کر دیا۔ ان کے بدلے میں قریش کے لوگوں نے بنی ہذیل کو پچاس اونٹ دیے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے بدلے میں ایک سیاہ فام لونڈی بھی دی گئی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قبیلہ حرث بن عامر نے خریدا۔ غزوہ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں حرث قتل ہوا تھا۔ اس کے بدلے میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا (یہ صفوان بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ان کا باپ امیہ حضرت زید کے ہاتھوں غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔ اب صفوان حضرت زید کو اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرنا چاہتے تھے۔ وہ مہینا چونکہ ذی قعدہ کا تھا اور یہ مہینا حرمت والے مہینوں میں سے ہے اور اس کے بعد بھی دو مہینے حرمت کے ہیں، اس لیے ان لوگوں نے ان قیدیوں کو ایک جگہ قید کر دیا تا کہ حرمت کے مہینے ختم ہونے پر انھیں قتل کر سکیں۔

پھر جب حرمت والے مہینے ختم ہو گئے تو صفوان بن امیہ حضرت زید بن دثنہ کو لے کر حرم کی حدود سے باہر آئے۔ صفوان بن امیہ کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا۔ قتل کے وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ان میں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم)

جب حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو قتل کے لیے آگے لایا گیا تو ابوسفیان نے ان سے کہا:

''زید! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم اس وقت یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ یہاں محمد ہوں اور تمہارے بدلے میں ان کی گردن مار دی جائے۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! میں تو اس وقت یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی ہیں، وہاں میری زندگی کے بدلے میں ان کے بدن میں ایک کانٹا بھی چبھے۔''

یہ جواب سن کر ابوسفیان نے کہا:

''میں نے آج تک کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد کے ساتھی ان سے کرتے ہیں۔''

اس کے بعد صفوان بن امیہ کے غلام نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ اس نے ان کے سینے پر نیزہ مارا۔ مشرکین نے قتل سے پہلے ان سے یہ بھی کہا تھا:

''تم اسلام چھوڑ دو۔ ہم تمہیں رہا کر دیں گے۔''

اس پر انھوں نے مسکرا کر کہا:

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

اور پھر انھیں شہید کر دیا گیا۔

اب وہ لوگ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حرم سے لے کر نکلے۔ حرم کی حدود سے باہر پہنچ کر جب انھیں قتل کرنے کے لیے آگے لائے تو انھوں نے کہا:

''تم لوگ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو۔''

قریش نے انھیں یہ مہلت دے دی۔ انھوں نے دو رکعت پڑھی، پھر قاتلوں سے بولے:

''اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم سوچو گے، میں موت کے خوف سے لمبی نماز پڑھ رہا ہوں تو میں یہ دو رکعت لمبی ادا کرتا۔''

پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی:

''اے اللہ! ان کی تعداد ختم کر دے اور انھیں چن چن کر اور منتشر کر کے ہلاک کر اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔''

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ یہ مشرکین غزوہ خندق میں مارے گئے۔

حضرت خبیب کے قتل کا منظر دیکھنے کے لیے عورتیں اور بچے بھی آئے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت خبیب کو سولی دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس غرض کے لیے انھوں نے ایک لکڑی زمین میں گاڑی۔ انھیں اس لکڑی کے ساتھ باندھا گیا۔ قتل سے پہلے ان سے کہا گیا:

''اگر تم اب بھی اسلام چھوڑ دو تو ہم تمہاری جان بخشی کر سکتے ہیں۔''

انھوں نے جواب دیا:

''اللہ کے راستے میں میری جان کی کوئی قیمت نہیں۔ میرا قتل تو ایک معمولی بات ہے۔''

پھر انھوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

''اے اللہ! یہاں کوئی ایسا نہیں جو تیرے رسول کو میرا اسلام پہنچا دے۔ اس لیے اے اللہ! تو خود میرا اسلام ان تک پہنچا دے، اور ان کو خبر دے دے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے اور یہ وہی دن اور وقت تھا جب سیکڑوں میل دور مکے میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی جارہی تھی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھجوار ہے تھے۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی کیفیت طاری ہوئی، جو وحی کے نزول کے وقت طاری ہوتی تھی۔ اچانک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''اس پر بھی سلام وسلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔''

اس کے بعد جب آپ کے چہرے سے وحی کے آثار ختم ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''یہ جبرئیل علیہ السلام مجھے خبیب کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ خبیب کو قریش نے قتل کر دیا۔''

قریش نے حضرت خبیب کے قتل کے وقت ایسے چالیس لوگوں کو وہاں بلایا تھا جن کے باپ دادا جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ پھر قریش کے ان لوگوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک نیزہ دے کر کہا:

''یہی وہ شخص ہے جس نے تمہارے باپ دادا کو قتل کیا ہے۔''

یہ سنتے ہی ان چالیس کے چالیس نے اپنا اپنا نیزہ ان کے جسم میں دے مارا۔ ساتھ ہی قریش نے ان چالیس آدمیوں سے کہا:

''لاش کی حفاظت کرنا، کسی کو سولی پر سے لاش کو اتارنے نہ دینا۔''

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو مکے کی طرف روانہ فرمایا اور انھیں حکم دیا:

''خبیب کی لاش کو سولی پر سے اتار لاؤ۔''

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

''تم میں سے کون ہے جو خبیب کی لاش کو سولی پر سے اتار کر لے آئے اور جنت کا حق دار بن جائے۔''

اس پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں اور اسود یہ کام انجام دیں گے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو اس کام کے لیے روانہ فرمایا۔ جب یہ دونوں وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ چالیس آدمی لاش کی حفاظت پر مامور ہیں، لیکن وہ سب کے سب اس وقت نشے میں غافل سوئے ہوئے تھے۔ دونوں نے لاش کو آسانی سے اتار لیا۔

حضرت خبیب کی لاش جب سولی سے اتاری گئی تو انھیں پھانسی پائے چالیس دن گزر چکے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب کی لاش کو اپنے گھوڑے پر کس دیا۔ چالیس دن گزرنے پر بھی حضرت خبیب کی لاش بالکل تر و تازہ تھی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کوئی بو پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جب یہ حضرات لاش کو لے کر چلے، اس وقت قریش نے انھیں دیکھ لیا۔ انھوں نے دونوں کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ آخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی لاش کو زمین پر گرا دیا۔ زمین نے فوراً ہی لاش کو نگل لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کو بے حرمت ہونے سے بچا لیا۔

ساتھ ہی حضرت زبیر نے اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا اور مشرکین کو اپنا چہرہ دکھاتے ہوئے کہا:

''میں زبیر بن عوام ہوں اور یہ میرے ساتھی مقداد بن اسود ہیں۔ ہم دونوں شیر ببر ہیں، تم پسند کرو تو ہم تیروں سے تمہارا استقبال کریں اور چاہو تو یہیں سے لوٹ جاؤ۔''

یہ سن کر مشرکین پر ان کا رعب چھا گیا اور وہ واپس چلے گئے، یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب حضرت جبرئیل آپ کے پاس تھے۔ حضرت جبرئیل نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کے صحابہ میں ان دو آدمیوں پر فرشتے بھی فخر کرتے ہیں۔''

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی لاش کے بارے میں دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! یہ مشرک میری لاش کی بے حرمتی نہ کرنے پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی دعا قبول فرمائی اور جب مشرک لاش اٹھانے کے لیے آئے تو ان کی لاش پر شہد کی مکھیوں کا ہجوم پایا، یہ دیکھ کر انھوں نے کہا:

''کوئی بات نہیں! ہم رات کے وقت آئیں گے۔ شہد کی مکھیاں رات کو تو نہیں ہوں گی نا۔''

چنانچہ یہ لوگ رات کو آئے، لیکن اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایک ریلا بھیج دیا جو لاش کو بہا لے گیا۔ اس طرح مشرکین ان کی لاش کی بھی بے حرمتی نہ کر سکے۔

سلاقہ نامی عورت نے قسم کھائی تھی کہ وہ حضرت عاصم کی کھوپڑی میں شراب پیے گی۔ یہ قسم اس نے اس لیے کھائی تھی کہ اس کے دو بیٹے غزوہ احد میں حضرت

عاصم کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ یہ عورت اپنی قسم پوری نہ کرسکی۔ اللہ تعالیٰ نے لاش کو غائب کردیا۔

O

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشرک آیا۔ اس کا نام ابو عامر مالک تھا۔ یہ شخص بنی عامر کا سردار تھا۔ اسے ابو براء بھی کہا جاتا تھا۔ یہ عامر بن طفیل کا رشتے دار تھا اور عامر بن طفیل اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس نے آپ کو دو ترکش اور سواری کی دو اونٹنیاں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں کسی مشرک کا ہدیہ نہیں لوں گا۔''

یا آپ نے یوں فرمایا:

''مجھے مشرکوں کے ہدیے لینے سے روک دیا گیا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے اسے اسلام پیش کیا، یعنی اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ البتہ اس نے کہا:

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا پیغام نہایت اچھا اور شریفانہ ہے۔''

اس کے بعد اس نے عرض کیا:

''بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کو نجد والوں کی طرف بھیج دیں۔ وہاں بنی عامر اور بنی سلیم آباد ہیں۔ آپ کے صحابہ ان لوگوں کو دین کی دعوت دیں۔ مجھے امید ہے، نجد کے لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں گے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے اپنے صحابہ کے بارے میں نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے۔ کہیں وہ لوگ انھیں نقصان نہ پہنچائیں۔''

جواب میں ابو عامر نے کہا:

''میں انھیں پناہ دیتا ہوں۔ یہ لوگ میری پناہ اور میری ذمے داری میں ہوں گے۔ اس لیے آپ ضرور اپنے صحابہ کو بھیجیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات مان لی۔ اس کے بعد یہ نجد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اپنے علاقے میں پہنچ کر اس نے اعلان کردیا۔

''میں نے محمد کے صحابہ کو پناہ دی ہے، یعنی اگر کسی نے انھیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ میرے مقابلے پر آئے گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجد میں تبلیغ کے لیے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو 70 آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔

یہ سب کے سب نہایت عابد، زاہد اور بہترین مسلمان تھے۔ اس جماعت کو قراء بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ ہر وقت قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ حج کے وقت یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دور دراز جگہوں سے میٹھا پانی لاتے۔ لکڑیاں چنتے، پانی اور لکڑیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں تک پہنچاتے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ ان لکڑیوں کو بیچ کر اصحابِ صفہ کے لیے کھانا خریدا کرتے تھے۔ ان حضرات میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک خط لکھوا کردیا۔ اس کے بعد یہ لوگ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بئر معونہ پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ بئر کنویں کو کہتے ہیں۔ یہ کنواں بنی عامر کے علاقے اور بنی سلیم کی سرزمین کے درمیان واقع تھا۔ بنی سلیم کے علاقے کو حرہ کہا جاتا تھا۔ یہاں سیاہ رنگ کے پتھر کثرت سے تھے۔

یہاں پہنچ کر انھوں نے حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔ یہ بنی سلیم کا سردار تھا اور ابو عامر بن مالک کا بھتیجا تھا۔

حضرت حرام بن ملحان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے کہا:

''اے بئر معونہ کے لوگو! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں، اس لیے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔''

عامر بن طفیل نے اس خط کو پڑھا بھی نہیں۔ اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ چپکے سے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے پیچھے آیا اور اپنا نیزہ ان کی کمر میں دے مارا۔ نیزہ ان کی کمر کے پار ہوگیا۔ ان کے منہ سے اس وقت یہ الفاظ نکلے:

''اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب و کامران ہوگیا۔''

اب عامر بن طفیل نے اپنے لوگوں سے کہا:

''چلو چل کر اس کے باقی ساتھیوں کو بھی قتل کردو۔''

اس پر وہ لوگ بولے:

''تمہارے چچا ان لوگوں کو پناہ دے چکے ہیں... ہم ان کی پناہ کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتے۔''

ان سے مایوس ہوکر عامر بن طفیل قبیلہ بنی سلیم کے پاس پہنچا۔ اس نے ان لوگوں کو اکسایا۔ بنی سلیم کے قبیلے عصب، رعل اور ذکوان فوراً جمع ہوگئے اور مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ انھوں نے صحابہ کے پڑاؤ کو گھیر لیا۔ مسلمانوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو فوراً اپنی تلواریں سونت لیں اور ان کے مقابلے میں آگئے۔ اب لڑائی شروع ہوئی۔ یہ صرف 70 تھے اور وہ سیکڑوں۔ ایک ایک کرکے صحابہ شہید ہوتے چلے گئے۔ بس حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ یہ زخمی ہوکر گر گئے تھے، لیکن ختم نہیں ہوئے تھے۔ دشمن انھیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ بعد میں ان کے زخم ٹھیک ہوگئے تھے اور یہ غزوہ خندق میں شہید ہوئے تھے (یہ واقعہ بھی واقعۂ رجیع کی طرح غزوہ خندق سے پہلے کا ہے)

ان کے علاوہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ایک اور صحابی کسی کام سے گئے ہوئے تھے، یعنی جب حملہ ہوا، پڑاؤ میں نہیں تھے، اس لیے یہ دونوں بھی بچ گئے۔

ان 70 صحابہ کو جب مشرکوں نے گھیرے میں لیا تھا تو انھوں نے یہ دعا کی تھی:

''اے اللہ! ہمارے پاس تیرے سوا ایسا کوئی ذریعہ نہیں جو ہماری طرف سے تیرے رسول تک ہمارا سلام پہنچادے، پس تو ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہمارا سلام پہنچادے۔'' (جاری ہے)

اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دی۔ آپ نے اسی وقت فرمایا:

''وعلیہم السلام۔'' یعنی ان پر بھی سلام ہو۔

پھر آپ نے مسلمانوں کو بتایا:

''تمہارے بھائی مشرکوں سے دوچار ہوگئے ہیں، مشرکوں نے ان سب کو قتل کر دیا ہے۔''

حضرت عمر بن امیہؓ ضمری اور ان کے ساتھ ایک دوسرے صحابی بچ گئے تھے، کیونکہ مشرکوں کے حملے کے وقت یہ دونوں اونٹوں کو چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے پڑاؤ کے آس پاس پرندے اڑ رہے ہیں تو یہ دونوں صورتِ حال جاننے کے لیے پڑاؤ کی طرف آئے۔ انھوں نے دور سے ہی سب ساتھیوں کو خاک وخون میں لت پت دیکھ لیا۔ اس وقت وہ مشرک بھی وہیں موجود تھے جنھوں نے ان صحابہ کو قتل کیا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت عمرو کے ساتھی نے پوچھا:

''اب کیا ارادہ ہے؟۔''

حضرت عمرو بن امیہؓ ضمری نے کہا:

''میری رائے یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائیں اور انھیں اس سانحے کی خبر دیں۔''

اس پر ان کے ساتھی نے کہا:

''مگر جس جگہ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسا صحابی شہید ہوا پڑا ہے، میں وہاں سے اپنی جان بچا کر نہیں جاؤں گا۔''

اس پر یہ دونوں بھی آگے بڑھے اور مشرکوں سے جنگ شروع کر دی۔ حضرت عمرو بن امیہؓ کے ساتھی لڑتے لڑتے شہید ہوگئے جب کہ حضرت عمرو بن امیہؓ گرفتار ہوگئے۔ عامر بن طفیل نے انھیں آزاد کر دیا۔ دراصل اس کی ماں نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی۔ اس طرح گویا اس نے اپنی ماں کی منت پوری کی۔ حضرت عمرو بن امیہؓ وہاں سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے واقعہ سن کر فرمایا:

''یہ ابوعامر کی وجہ سے ہوا، اسی لیے میں ان لوگوں کو بھیجنے سے پس وپیش کر رہا تھا۔''

ادھر جب ابوعامر کو یہ ساری تفصیل معلوم ہوئی تو اسے بہت صدمہ ہوا، کیونکہ اس نے ان حضرات کو امان دی تھی اور اس کے بھتیجے نے اس کی امان کا کوئی خیال نہیں کیا تھا۔ ابوعامر کے بیٹے کو بھی اس بات کا بہت رنج تھا کہ اس کے باپ نے جو امان مسلمانوں کو دی تھی، اس نے اس امان کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ اس بنیاد پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا:

''میرے باپ پر جو کلنک کا ٹیکہ عامر بن طفیل نے لگایا ہے، کیا یہ کلنک کا ٹیکہ اس طرح دھل سکتا ہے کہ میں عامر بن طفیل پر تلوار یا نیزے سے وار کروں۔''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں!''

ربیعہ عامر بن طفیل کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ اسی وقت وہاں سے واپس ہوا اور اس نے عامر بن طفیل پر حملہ کیا۔ وہ زخمی ہوگیا لیکن اس زخم سے مرا نہیں۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے نتیجے میں اس کی موت طاعون سے ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ستر صحابہ کے قاتلوں کے لیے ایک ماہ تک بددعائیں فرمائیں:

25 صفر 11 ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''رومیوں کی عظیم سلطنت کے خلاف تیاری کرلو۔''

26 صفر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

''اس مقام کی طرف بڑھو جہاں تمہارے والد قتل ہوئے تھے اور اس علاقے کو اسلامی شہ سواروں کے ذریعے پامال کر دو۔ میں تمہیں اس لشکر کا امیر بناتا ہوں۔ انھی والوں کے خلاف صبح میں جنگ کرنا اور ان کی جائیداد کو آگ لگا دینا۔ تم نہایت تیزی سے سفر کر کے اپنی منزل کی طرف بڑھو تاکہ جاسوسوں کی اطلاعات سے پہلے دشمن کے سر پر پہنچ جاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر فتح عطا فرمائے تو ان لوگوں میں زیادہ مت ٹھہرنا اور اپنے ساتھ جاسوس اور مخبر لے جانا۔''

(باقی صفحہ 10 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں

انحیٰ موتہ کے قریب ہی ایک گاؤں تھا۔ موتہ کے مقام پر غزوہ موتہ ہوا تھا۔ اس میں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید بن حارثہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت جعفر طیار شہید ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ بڑی تعداد میں قرآنِ کریم کے حافظ شہید ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو اسی لیے لشکر کا سالار مقرر فرمایا تھا کہ ان کے والد غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ انھیں اسی مقام پر پہنچنے کا حکم آپ نے فرمایا تھا:

دوسرے دن یعنی بدھ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد شروع ہوا۔ اس کے بعد آپ کو بخار بھی ہوگیا اور آپ کا مرضِ وفات شروع ہوا تھا۔ جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف کے باوجود اپنے دستِ مبارک سے حضرت اسامہ کو پرچم بنا کر دیا اور فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ جنھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، ان کے ساتھ جنگ کرو۔"

حکم ملنے پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنا پرچم لے کر روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے جرف کے مقام پر لشکر کو ٹھہرایا۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بالکل نوعمر اور نوجوان تھے۔ 18، 19 سال عمر ہوگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی موجودگی میں لشکر کا سالار بنایا تھا۔ مہاجر صحابہ میں قریب قریب سبھی نے اس بات کو محسوس کیا کہ ان کی موجودگی میں آپ نے ایک نوعمر لڑکے کو کیوں لشکر کا امیر مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ آپس میں کہنے لگے:

"کیا مہاجرینِ اولیں اور انصار پر اس لڑکے کو امیر بنایا گیا ہے۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بدن مبارک پر ایک چادر تھی۔ آپ مسجد میں تشریف لائے، منبر پر چڑھے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"لوگو! یہ کیسی باتیں ہیں جو میرے اسامہ کو امیر بنا دینے پر تم میں سے کچھ لوگوں کی طرف سے مجھ تک پہنچی ہیں۔ اس سے پہلے جب میں نے اسامہ کے باپ کو لشکر کا امیر بنایا تھا تو تم نے اس وقت بھی باتیں کی تھیں جب کہ اللہ کی قسم! زید بن حارثہ اس لشکر کی امامت کے لیے موزوں ترین آدمی تھا اور اب اس کا بیٹا اسامہ لشکر کی امامت کے لیے موزوں ترین ہے اور یہ میرے نزدیک تمام لوگوں میں سب سے محبوب شخص ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹے ایسے ہیں کہ ان سے خیر خواہی ہی کا گمان کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اسامہ کے بارے میں خیر ہی کا گمان رکھو۔ وہ تم میں بہترین لوگوں میں سے ہے۔"

یہ الفاظ فرما کر آپ حجرے میں تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ دس ربیع الاول 11 ہجری کا ہے۔ اس کے بعد وہ مسلمان جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ جانے والے تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے کے لیے آنے لگے۔ اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے باہر جرف کے مقام پر چلے گئے۔

لشکر میں آتے ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کوچ کا حکم دیا۔ ابھی لشکر کوچ کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک ان کے پاس ان کی بیوی فاطمہ بنتِ قیس کا قاصد آیا۔ اس نے آکر بتایا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ آپ جانے میں جلدی نہ کریں۔"

یہ پیغام ملتے ہی حضرت اسامہ، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنھم فوراً مدینہ چلے آئے اور سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئے، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ پھر سورج جھکنے کے وقت (یعنی زوال کے وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آنحضرت کی وفات کی خبر سن کر وہ تمام مسلمان جو جرف میں تھے، مدینہ منورہ آگئے۔ اسلامی پرچم اس وقت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، وہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس زمین میں گاڑ دیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت ہوگئی تو انھوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

"یہ پرچم اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر لے جائیں۔ اسامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پورا کریں۔"

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"آپ اسامہ کے لشکر کو جانے سے روک دیں۔ ان حالات میں لشکر کو رومیوں کے مقابلے میں بھیجنا کسی صورت مناسب نہیں ہوگا، کیونکہ عرب کے قبیلے آپ کی وفات کی خبر سن کر مرتد ہونا شروع ہوگئے ہیں۔" (جاری ہے)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"قسم ہے! اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اس لشکر کو ہرگز نہیں روکوں گا جس کی روانگی کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور نہ میں وہ پرچم کھولوں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا۔"

ایک اور روایت میں آپ کے الفاظ یوں ہیں:

"اللہ کی قسم! میرے نزدیک یہ بات زیادہ آسان ہے کہ مجھے پرندے نوچ کھائیں بہ نسبت اس کے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو پورا کرنے سے پہلے کوئی کام کروں۔"

اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست بھی کی گئی:

"آپ مسلمانوں کے لشکر پر نوعمر اسامہ کی بجائے کسی بڑی عمر کے شخص کو امیر مقرر کر دیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب یہ الفاظ کہے گئے، اس وقت آپ بیٹھے ہوئے تھے، الفاظ سنتے ہی آپ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے:

"اے ابنِ خطاب! اسامہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا اور تم مجھ سے کہہ رہے ہو، میں اسے ذمے داری سے الگ کر دوں، یہ نہیں ہو سکتا۔"

یہ پیغام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے بھیجا گیا تھا۔ وہ واپس آئے اور اس لشکر والوں سے بولے:

"تمہاری وجہ سے مجھے خلیفۂ رسول کے سامنے برا بننا پڑا۔"

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ سے درخواست کی:

"تم عمر کو ساتھ نہ لے جاؤ۔" (یعنی یہ یہاں مدینہ منورہ میں میرے ساتھ رہیں تو بہتر ہے)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے یہ بات فوراً مان لی۔ پھر جب 11 ہجری ربیع الاول کا چاند نظر آیا تو اسامہ بن زید تین ہزار صحابہ کا یہ لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں ایک ہزار گھوڑے سوار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود لشکر کو رخصت کرنے کے لیے شہر سے باہر آئے۔ حضرت اسامہ گھوڑے پر سوار ہوئے تو مسلمانوں کے خلیفہ ان کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ان کے پیچھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول کی سواری لیے چل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت اسامہ نے کہا:

"اے خلیفۃ المسلمین! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر میں اپنی سواری سے اتر جاتا ہوں۔"

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا:

"نہیں اللہ کی قسم! نہ میں سوار ہوں گا اور نہ تم سواری سے اترو گے۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت اسامہ سے فرمایا:

"میں تمہیں، تمہارے دین کو، تمہاری امانت کو اور تمہارے نیک اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

یعنی رخصت کے وقت آپ نے انھیں یہ الفاظ کہہ کر رخصت کیا:

بالکل اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو رخصت کیا تھا، یعنی حضرت معاذ بن جبل گھوڑے پر سوار تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے اور نصیحتیں فرما رہے تھے:

اس کے بعد حضرت اسامہ اپنے لشکر کے ساتھ انجی کی طرف روانہ ہوئے اور اچانک ہی دشمن کے سر پر پہنچ گئے۔ اس جنگ میں دشمن کے بہت سے لوگ مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے دشمنوں کے مکانات اور باغات کو آگ لگا دی۔ اس علاقے کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے روند دیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی شہید نہیں ہوا۔ حضرت اُسامہ اپنے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ اس جنگ میں انھوں نے اپنے والد کے قاتل کو بھی قتل کیا۔

شام کے وقت انھوں نے واپسی کا حکم دیا اور نہایت تیزی سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر سے آگے انھوں نے فتح کی خبر دے کر ایک ساتھی کو پہلے ہی روانہ کر دیا تھا۔

حضرت ابوبکر اس فاتح لشکر کا استقبال کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے۔ ان کے ساتھ بہت سے مہاجر اور انصاری صحابہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں اس لشکر کے ساتھ نہیں بھیجا گیا تھا۔ ان سب نے حضرت اسامہ اور ان کے لشکر کا استقبال کیا۔ فتح پر خوشی کا اظہار کیا۔ (باقی صفحہ 14 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں

حضرت اسامہ اپنے سامنے اسلامی پرچم بلند کیے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور سیدھے مسجدِ نبوی کے دروازے پر اترے۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر گئے۔

یہ لشکر کشی مسلمانوں کے لیے بہت نیک ثابت ہوئی، کیونکہ عرب کے بہت سے قبائل اسلام سے پھرنے اور مرتد ہونے کا ارادہ کر چکے تھے۔ حضرت اسامہ کے لشکر کی فتح سے وہ مرعوب ہو گئے۔ وہ کہنے لگے: ''اگر اصحابِ محمد کے پاس قوت نہ ہوتی تو وہ اتنا بڑا لشکر نہیں بھیج سکتے تھے۔ اس طرح بہت سے قبائل مرتد ہونے سے بچ گئے۔

اس جنگ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جب بھی حضرت اسامہ کو دیکھتے تو فوراً کہتے (اپنی خلافت کے زمانے میں بھی وہ یہی کہتے)

''السلام علیکم یا امیر!''

اس پر حضرت اسامہ کہتے: ''اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ اے امیر المومنین! آپ مجھے یہ کہتے ہیں۔''

یعنی مجھے امیر کہتے ہیں جب کہ مسلمانوں کے امیر تو آپ ہیں۔ ان کی بات سن کر حضرت عمر فرماتے: ''جب تک میں زندہ ہوں، میں تمہیں امیر ہی کہہ کر پکارتا رہوں گا، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تم مجھ پر امیر تھے۔'' (جاری ہے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے رخصت ہونا تھا کہ پورے عرب میں لوگ مرتد ہونے لگے۔ اسلام سے پھرنے لگے۔ اس قدر شور اٹھا کہ اسلام کی عمارت کے درودیوار ہل گئے۔ مسلمانوں کی حکومت اس وقت اس بکری جیسی ہوگئی جو سردی کے موسم میں بارش میں کھڑی ہو۔

اصل میں یہ شور مچانے والے وہ لوگ تھے جنھوں نے اسلام کسی لالچ کے تحت قبول کیا تھا۔ اسلام تو دراصل ان کے حلق سے نیچے بھی نہیں اترا تھا۔ دوسری بات یہ کہ اسلام کی تعلیم کے لیے ابھی مدینہ سے باہر صحابہ کرام خصوصیت سے جا ہی نہیں پائے تھے۔ مطلب یہ کہ جن لوگوں نے بغاوت کی، ان تک ابھی اسلامی تعلیمات پورے طور پر پہنچ ہی نہیں سکیں تھیں۔

ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیق خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ فرمایا اور یہ لشکر کامیاب واپس لوٹا۔

قدم بہ قدم

جن لوگوں نے بغاوت کی ان میں سے ایک گروہ وہ تھا جس نے یہ کہا:

''ہم نماز تو پڑھیں گے، لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔''

یہ قبیلہ عبس، ذیبان، بنوکنانہ، غطفان اور بنوفزارہ کے لوگ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا:

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نماز تو پڑھیں گے، زکوٰۃ نہیں دیں گے، انھیں اسی حالت میں رہنے دیا جائے، انھیں کچھ نہ کہا جائے۔''

صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ان لوگوں کا ایمان نیا نیا ہے، جب ان کا ایمان پختہ ہوجائے گا تو یہ خود ہی زکوٰۃ دینے لگیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''زکوٰۃ عبادت ہے جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے، میں ان سے جنگ کروں گا۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ ان لوگوں سے کس بنیاد پر جنگ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہیں۔ جب وہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔''

اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نماز اور زکوٰۃ میں فرض ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ چونکہ بالکل درست تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے۔ اس سلسلے میں جو وفد آئے ہوئے تھے، وہ مایوس واپس لوٹ گئے، یعنی ان سے کہہ دیا گیا کہ زکوٰۃ بھی دینا ہوگی۔

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے صحابہ کرام سے فرمایا:

''یہ لوگ مدینہ منورہ کی حالت دیکھ کر گئے ہیں.. انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ اسامہ ایک لشکر لے کر چلے گئے ہیں... اس لیے مجھے ڈر ہے کہ یہ کہیں اچانک مدینے پر حملہ نہ کر دیں۔'' اس کے بعد آپ نے حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنھم کی سرکردگی میں مدینہ منورہ کے راستوں پر حفاظتی دستے مقرر کر دیے۔

ابھی تین دن ہی ہوئے تھے کہ ان قبیلوں نے رات کے وقت مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوراً یہ اطلاع دی گئی، آپ نے حکم بھیجا:

''تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر رہو۔''

پھر آپ مسلمانوں کو اونٹنیوں پر لے کر ان کے مقابلے میں نکلے اور باغیوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ اس حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔

باغی بھاگتے ہوئے ذوحسیٰ کے مقام تک پہنچ گئے۔ یہاں ان کے باقی لوگ موجود تھے۔ اس طرح بھاگنے والے ان سے مل گئے۔ مسلمان اونٹنیوں پر تعاقب کرتے ہوئے وہاں بھی آپہنچے۔

اس مقام پر ان باغیوں نے ایک نئی چال چلی۔ ان کے پاس چمڑے کے تھیلے موجود تھے۔ انھوں نے ان تھیلوں میں ہوا بھری اور غباروں کی صورت میں ان کو پھلایا، ان میں رسیاں باندھیں اور ان کو مسلمانوں (باقی صفحہ 10 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں

کے اونٹوں کی طرف پھینک مارا۔ مسلمانوں کے یہ اونٹ جنگ کی اس فریب کاری کے عادی نہیں تھے، اس لیے بھاگ کھڑے ہوئے اور سیدھے مدینہ منورہ آپہنچے۔

قبیلہ عبس، ذبیان، بنومرہ، بنوکنانہ وغیرہ نے سمجھا، مسلمان پسپا ہوگئے۔ اس لیے مدینہ منورہ پر باقاعدہ حملے کے ارادے سے چلے، ساتھ میں انھوں نے ذوالقصہ والوں کو پیغام بھیجا کہ تم بھی آکر شامل ہوجاؤ۔ ذوالقصہ مدینہ کے قریب نجد کے راستے پر ہے۔ ان لوگوں کی قیادت طلیحہ (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا) کا بھائی کر رہا تھا۔

ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ آتے ہی جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ باقاعدہ فوج کو ترتیب دی۔ دائیں بازو پر حضرت نعمان بن مقرن کو اور بائیں بازو پر عبداللہ بن مقرن کو مقرر کیا۔ درمیانی حصہ ان کے بھائی سوید کو دیا۔

ابھی رات کا ایک پہر باقی تھا کہ لشکر کو لے کر روانہ ہوگئے۔ صبح کی روشنی ابھی پھیلی بھی نہیں تھی کہ دشمن پر جاپڑے۔ یہ لوگ بے خبر سو رہے تھے۔ مسلمانوں نے جو تلوار چلائی، چیخ و پکار جو گونجی تو لگے ادھر اُدھر بھاگنے۔ پھر ایسے بھاگے کہ ذوالقصہ ہی جا کر دم لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا۔

مسلمانوں کی اس شان دار کامیابی سے ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے حوصلے بلند ہوگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قبیلوں کے سردار اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ منورہ آنے لگے۔

اس سے ایک تو ملکی حالت مضبوط ہوگئی، دوسرے دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب قائم ہوگیا۔

حضرت ابوبکر ذوالقصہ سے واپس آگئے تو وہاں جو تھوڑے بہت مسلمان رہ گئے تھے، مرتدوں نے انھیں دھوکے سے قتل کر دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے قسم کھائی:

''جب تک ان قبیلوں سے مسلمانوں کے خونِ ناحق کا بدلہ نہیں لیں گے، چین سے نہیں بیٹھیں گے۔''

اسی دوران حضرت اسامہ بن زید اپنا لشکر لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور زیادہ اطمینان ہوگیا۔ آپ نے حضرت اسامہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور ان سے فرمایا:

''اب تم آرام کرو۔''

اب خود فوج لے کر ذوالقصہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت صحابہ کرام نے کہا:

''اے خلیفۂ رسولؐ! آپ نہ جائیں... ہم چلے جاتے ہیں... آپ یہیں ٹھہریں، اگر آپ کو کچھ ہوگیا تو مسلمان کا نظام باقی نہیں رہے گا... آپ رہیں گے تو دشمن پر رعب رہے گا، لہٰذا اپنے بجائے کسی دوسرے کو لشکر کا امیر مقرر کر کے بھیج دیجیے۔''

آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

''نہیں! میں ہی جاؤں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو روکنے کی کوشش کی... لیکن آپ نہ مانے... آپ نے مقام ابرق پہنچ کر اہلِ ربذہ پر حملہ کیا... یہاں کے سردار حارث اور عوف تھے... آپ نے انھیں شکست دی...

ابرق میں چند روز قیام کرنے کے بعد آپ آگے بڑھے اور بنو ذبیان کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح قبیلہ عبس اور ذبیان نے جن مسلمانوں کو شہید کیا تھا، ان سے انتقام لے لیا اور فتح کا جھنڈا لہراتے کامیاب و کامران مدینہ لوٹے۔

ان قبائل کے جو لوگ زندہ بچ گئے، اب انھوں نے اپنے چہروں سے اسلام کا نقاب اتار دیا۔ کھل کر سامنے آگئے اور نبوت کا دعویٰ کرنے والے مرتدوں وغیرہ کی صفوں میں شامل ہوگئے۔

اس طرح جنگوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔

عبداللہ فارانی

75

اسلامی جنگیں

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر آرام کرنے کے بعد تازہ دم ہو چکا تھا، اس لیے اب نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے خلاف مہم کا آغاز ہوا۔

طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ بنوعبس، ذبیان، بنوبکر اور دوسرے قبائل اس سے جا ملے تھے، اس لیے اس کی طاقت دوگنا ہو گئی تھی۔ اس طرح وہ اس وقت اسلام کے لیے خطرہ بن چکا تھا۔

ان سب باتوں کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوج کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے کا الگ الگ سالار مقرر کیا۔ آپ نے ان سالاروں کو باغیوں اور اسلام دشمنوں کے نام ایک خط لکھ کر دیا۔ آپ نے حکم فرمایا:

''جنگ سے پہلے یہ خط ان لوگوں کو سنا دیا جائے۔ اس خط کو سن کر اگر وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو ٹھیک، ورنہ پھر ان سے جنگ ہوگی۔ یہ خط بہت اہم تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

''ابوبکر خلیفۂ رسول اللہ کی طرف سے ان تمام عام وخاص لوگوں کے نام جن کے پاس میری یہ تحریر پہنچے اور جو اسلام پر قائم ہوں یا اس سے ہٹ گئے ہوں، سلام ان پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور اسے قبول کرنے کے بعد پھر گمراہی اور اندھے پن کی طرف نہیں پلٹے۔ میں تم سب لوگوں کے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ہم ان تمام چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو آپ لے کر آئے اور جو شخص اس کا منکر ہے، ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں اور ہم اس سے جہاد کریں گے۔ امابعد! اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف سے حق کے ساتھ اپنی مخلوق کی طرف بشیر اور نذیر اور حق کا دعویٰ کرنے والا بنا کر بھیجا تاکہ جو لوگ زندہ ہیں، آپ انھیں ڈرائیں اور کافروں پر اللہ کی حجت قائم کر دیں۔ اللہ نے جسے توفیق دی، اس نے یہ حق خوشی سے قبول کر لیا اور جس نے اس سے پشت پھیری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اس پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول کو اس دنیا سے اٹھا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کو نافذ کر چکے تھے اور آپ پر جو کچھ فرض تھا، اسے پورا کر چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اعلان اپنی کتاب میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔''

''بے شک آپ بھی وفات پانے والے ہیں اور دوسرے بھی وفات پانے والے ہیں۔''

قدم بہ قدم

اور آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کی بھی ہمیشہ کی زندگی نہیں بخشی تو کیا جب آپ فوت ہو جائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔''

ان آیات میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، ان کے علاوہ عام مومنوں کو یوں خطاب فرمایا:

''اور محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو اگر یہ فوت جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم روگردانی کرو گے۔ (یعنی دین سے پھر جاؤ گے)

سن لو! جو روگردانی اختیار کرے گا، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔''

ان آیات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا:

''پس جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں، لیکن ہاں! جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کو پوجتا تھا جس کا کوئی شریک نہیں! تو اللہ تعالیٰ اس کی نگرانی کرنے والا ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، وہ قیوم ہے، اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی، اسے نہ غنودگی آتی ہے، نہ نیند، وہ اپنے امر کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اپنے دشمن سے بدلہ لینے والا ہے اور وہ اسے اس دشمنی کی سزا دے گا اور میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، جو چیز تمہارے نبی لائے ہیں، اس سے اپنا حصہ لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی کرو۔ اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو، کیونکہ جس شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا، وہ گمراہ ہے اور جسے اللہ معاف نہیں کرتا، وہ مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے جس شخص کی اللہ مدد نہیں کرتا، وہ رسوا ہوتا ہے جسے اللہ نے ہدایت دی، وہ راہِ راست پر آیا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا، وہ گم کردہ راہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا کوئی عمل دنیا میں قبول نہیں کیا جاتا، نہ آخرت میں اس کا کوئی فدیہ قبول کیا جاتا ہے۔

450 D

تم میں سے جو لوگ اسلام کا اقرار کر کے اور اس پر عمل کرنے کے بعد اپنے دین سے پھر گئے ہیں، مجھے ان کی اطلاع پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے ایسا اس لیے کیا ہے کہ وہ اللہ کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اللہ کے امر سے جاہل ہیں۔ انھوں نے شیطان کی آواز پر لبیک کہا ہے۔

اب میں انصار اور مہاجرین اور تابعین کے لشکر کا فلاں فلاں کو سردار بنا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں، میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی سے قتال نہ کریں، جب تک اللہ کی طرف سے دعوت نہ دے لیں۔ اس دعوت پر جو شخص لبیک کہے گا، اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز آجائے گا اور نیک عمل کرے گا تو میرا یہ نمایندہ اسے قبول کرے گا اور اس کی مدد کرے گا، لیکن اس کے برخلاف جو شخص انکار کرے گا، تو میں نے حکم دیا ہے کہ اس سے جنگ کی جائے۔ پھر جب یہ دشمن ہاتھ لگ جائیں تو انھیں آگ میں جلا دیا جائے۔ انھیں قتال کر کے ختم کر دیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیں۔ اب سوائے اسلام کے کوئی چیز ان سے قبول نہیں کی جائے گی۔ پس جو لوگ میرے ان نمایندوں کی پیروی کریں گے، ان کے لیے بہتر ہوگا اور جو ان کی پروا نہیں کریں گے، وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

میں نے اپنے نامہ بروں کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ تحریر تمہیں پڑھ کر سنائیں۔

یہ تحریر دے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکروں کو روانہ فرمایا۔ ان کے آگے آگے یہ نامہ بر چل رہے تھے جو اس تحریر کو پکڑے ہوئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان تو مرتدوں کے لیے تھا جن سے جنگ کرنے کے لیے یہ لشکر روانہ ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ فوج کے امیروں کے نام آپ نے ایک الگ عہد نامہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں ان کے فرائض اور واجبات بتائے گئے تھے اور جنگ کے سلسلے میں انھیں خاص ہدایات دی گئی تھیں۔ اس میں بھی یہ بات صاف صاف لکھ دی گئی تھی کہ ان مرتدوں سے اسلام کے سوا کوئی دوسری بات قبول نہ کی جائے۔ مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔

ان گیارہ لشکروں میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو طلیحہ کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ عبس اور ذبیان کی شکست کے بعد طلیحہ اب سمیرا کے مقام پر موجود تھا۔ اس نے ادھر اُدھر کے قبیلوں کو جمع کر کے ایک بڑی جنگ کی تیاری کر لی تھی۔

حضرت خالد بن ولید روانہ ہونے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

تم پیش قدمی کرتے ہوئے پہلے قبیلہ بنو طے کی طرف جانا۔ پھر بزاخہ کی طرف رخ کرنا، یہاں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بطاح کی طرف پیش قدمی کرنا اور جب تم اپنی مہم سے فارغ ہو جاؤ تو اسی جگہ ٹھہرے رہنا جب تک کہ میرا حکم نہ پہنچ جائے۔

قبیلہ بنو طے اجا کے مقام پر آباد تھا۔ خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق حضرت خالد بن ولید نے پہلے اسی کا رخ کیا۔ عدی بن حاتم اس قبیلے کے سردار اور بہت باعزت شخص تھے، اسلام پر قائم تھے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے اپنے قبیلے کی طرف آئے۔ انھوں نے قبیلے سے کہا:

”دیکھو! خالد بن ولید ایک لشکرِ جرار لے کر تم لوگوں کی طرف چل پڑے ہیں، خود ابوبکر بھی ایک لشکر کے ساتھ خیبر جا رہے ہیں، اس لیے تم لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ اسلام قبول کر لو اور طلیحہ کا ساتھ چھوڑ دو، ورنہ اسلامی فوج تمہیں تباہ و برباد کر دے گی۔“

قبیلہ بنو طے نے پہلے تو عدی بن حاتم کا مذاق اڑایا، لیکن جب حضرت عدی نے سخت لہجے میں ان سے کہا کہ تم کس خیال میں ہو، تمہاری طرف جو فوج بڑھ رہی ہے، اس کا سالار کوئی عام آدمی نہیں، خالد بن ولید ہے۔ اب تم جانو، تمہارا کام جانے۔“

اب یہ لوگ گھبرائے۔ انھوں نے کہا:

”اچھا! آپ جا کر اس لشکر کو ہم سے دور رکھیے۔ ہمارے وہ بھائی جو طلیحہ کے پاس بزاخہ چلے گئے ہیں۔ ہم انھیں کسی تدبیر سے واپس بلا لیں، ورنہ طلیحہ ان سب کو قتل کر دے گا۔“

عدی بن حاتم نے یہ بات مان لی۔ حضرت خالد بن ولید اس وقت مدینہ منورہ سے باہر مقامِ نخ پر تھے۔ عدی بن حاتم ان کے پاس آئے۔ انھوں نے حضرت خالد بن ولید سے کہا:

”آپ ذرا تین دن کی مہلت دے دیں۔ اس دوران کئی سو جنگ جو آپ سے آ کر مل جائیں گے۔ ان کی وجہ سے آپ کے لشکر کی طاقت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔“

حضرت خالد بن ولید نے یہ بات مان لی۔ پھر جب قبیلہ بنو طے کے وہ لوگ جو طلیحہ کے پاس چلے گئے تھے، واپس آئے تو عدی انھیں ساتھ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح حضرت خالد بن ولید کی فوج میں ایک ہزار سواروں کا اضافہ ہو گیا۔

اب حضرت خالد بن ولید انسر کے مقام کی طرف بڑھے۔ یہاں بنو جدیلہ کے لوگ آباد تھے۔ یہاں بھی حضرت عدی بن حاتم نے ان لوگوں سے وہی بات کی جو قبیلہ طے سے کی تھی۔ انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے فوراً یہ دعوت قبول کر لی۔ حضرت عدی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ بنو جدیلہ کے مسلمان ہونے سے حضرت خالد بن ولید کے لشکر کی تعداد میں ایک ہزار کا اور اضافہ ہو گیا۔

حضرت عدی بن حاتم کا یہ کارنامہ بہت شان دار رہا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے:

”عدی بن حاتم قبیلہ طے کے سب لوگوں سے بہترین شخص تھے۔“

اور یہ اس لیے کہ اس وقت اسلام کی مخالفت کی تیز ہوا چل رہی تھی۔ اس حالت میں بغیر کسی جنگ کے ان کی کوششوں سے پورے دو قبیلے مسلمان ہو گئے اور ان کے دو ہزار فوجی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس معاملے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہترین تدبیر کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔

اب حضرت خالد اپنی منزل بزاخہ کی طرف بڑھے۔ ہراول دستے کے طور پر انھوں نے حضرت عکاشہ بن محصن اور حضرت ثابت بن اقرم انصاری رضی اللہ عنہما کو آگے روانہ کر دیا تھا۔ راستے میں ان دونوں کو طلیحہ کا بھائی مل گیا۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ طلیحہ کو یہ خبر ملی تو اس نے اپنے ساتھ کچھ سواروں اور اپنے دوسرے بھائی سلمہ کو لے کر نکلا اور حضرت عکاشہ اور حضرت ثابت کو قتل کر دیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ اس مقام پر پہنچے تو انھیں حضرت عکاشہ اور حضرت ثابت کی لاشیں پڑی ملیں۔ انھیں اور تمام مسلمانوں کو بہت رنج ہوا۔

اب بزاخہ کا میدانِ جنگ سامنے تھا۔ عیینہ بن حصن فزاری اپنے قبیلے کے سات سو بہادروں سمیت طلیحہ کے ساتھ شامل تھا۔ ان کے علاوہ قبیلہ قیس، اور بنو اسد بھی ان کے ساتھ تھے۔ قبیلہ بنو طے کے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ بھی ان میں موجود تھے۔ انھیں دیکھ کر بنو طے کے وہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے، پکار اٹھے:

”اپنے قبیلے کے لوگوں سے ہم لڑیں گے۔“

اس پر ان کے سردار عدی بن حاتم بولے:

”اللہ کی قسم! میرے خاندان کا زیادہ سے زیادہ عزیز بھی جو دین کو ترک کرے گا، میں اس سے قتال کروں گا۔“

مطلب یہ تھا کہ جو لوگ اسلام چھوڑ چکے ہیں، چاہے، وہ ہمارے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم ان سے بھی جنگ کریں گے۔

آخر دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ جنگ شروع ہوئی۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

گھمسان کا رن پڑا۔ عیینہ کو اپنے بہادروں پر بڑا ناز تھا، لیکن اسلامی فوج کے زبردست حملے نے اسے بدحواس کر دیا۔ طلیحہ اس وقت بالوں سے بنے ایک خیمے میں تھا۔ وہ چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ جب عیینہ کو اپنی فوج کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے تو بھاگتا ہوا، طلیحہ کے خیمے تک آیا اور اس سے بولا:

''کوئی وحی آئی؟''

طلیحہ نے جواب دیا:

''نہیں! ابھی کوئی وحی نہیں آئی۔''

عیینہ یہ سن کر پھر میدانِ جنگ کی طرف پلٹ گیا۔ شکست کے آثار اور زیادہ نظر آئے تو وہ پھر طلیحہ کے خیمے میں آیا اور پوچھا:

''کوئی وحی آئی؟۔''

اس نے جواب دیا:

''نہیں! ابھی نہیں آئی۔''

تیسری بار آیا تو طلیحہ نے کہا:

''اس جنگ میں تم جیت نہیں سکو گے۔''

عیینہ یہ سن کر سرخ ہو گیا۔ اس نے جھلا کر کہا:

''اللہ جانتا ہے، تجھے ایسا واقعہ پیش آئے گا کہ تو اسے بھول نہیں سکے گا۔''

یہ کہہ کر وہ پھر میدانِ جنگ کی طرف پلٹا۔ اس نے پکار کر کہا:

''اے لوگو! یہ شخص جھوٹا ہے۔ اس لیے اب تم جنگ سے ہٹ جاؤ۔''

اس اعلان کے ہوتے ہی بنوفزارہ کے لوگ میدانِ جنگ سے الگ ہو گئے۔ طلیحہ کی اصل طاقت انھی لوگوں کی وجہ سے تھی۔

طلیحہ نے بھاگنے کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ ایک گھوڑا تیار کھڑا تھا۔ اس نے اس پر اپنی بیوی کو بٹھایا، خود بھی اس پر سوار ہوا اور یہ کہتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا:

''اے بنو فزارہ! تم میں سے جو شخص بھی اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ بھاگ سکتا ہے، اسے چاہیے کہ بھاگ جائے۔''

طلیحہ بزاخہ سے فرار ہو کر سیدھا شام پہنچا۔ کچھ دنوں بعد اسے معلوم ہوا کہ بنو اسد اور بنو غطفان دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ بنوکلب میں آکر خود بھی مسلمان ہو گیا۔ ایک مرتبہ یہ شخص عمرہ کرنے کے لیے آیا۔ کسی نے اسے پہچان کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں بتایا۔ آپ نے فرمایا:

''اب میں کیا کروں، وہ مسلمان ہو گیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ آپ سے بیعت ہونے کے لیے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

''کیا تو وہی ہے جس نے عکاشہ اور ثابت کو قتل کیا تھا۔ اللہ کی قسم میں تجھے پسند نہیں کر سکتا۔''

اس پر طلیحہ نے جواب دیا:

''امیر المومنین! اسلام تو پرانی خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔ اب ان باتوں کا کیا ذکر۔ اس کے علاوہ آپ کو ایسے دو آدمیوں کی کیا فکر جنھیں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے عزت بخشی۔'' (یعنی انھیں شہادت عطا فرمائی)

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بیعت کر لیا:

حضرت خالد بن ولید سے شکست کھا کر بنو اسد، بنو قیس، بنو فزارہ، بنو طے، بنو جدیلہ اور بنو غطفان کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سب لوگ حضرت خالد بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا:

''ہم نماز بھی پڑھیں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔''

اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں امان دی۔ جتنے قبیلے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے خاص خاص لوگوں نے مسلمانوں پر اپنے مرتد ہونے کے زمانے میں بہت ظلم و ستم کیے تھے، کیونکہ وہ مسلمان ان کے درمیان گھر کر رہ گئے تھے۔ اس لیے ان ظالموں سے ان مسلمانوں پر ظلم کا انتقام لینا ضروری تھا۔ اس بنیاد پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا:

''ان لوگوں کو پیش کیا جائے جنھوں نے ظلم و ستم کے پہاڑ ہمارے مسلمان بھائیوں پر توڑے تھے۔''

جب ان لوگوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو ان میں سے چند بڑے لوگوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ باقی لوگوں کو سخت اور عبرت ناک سزائیں دی گئیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عیینہ بن حصن فزاری، قرۃ بن ہبیرہ، فجاءۃ السلمی، علقمہ بن علاثہ وغیرہ۔

حضرت ابوبکر صدیق کو یہ تمام حالات معلوم ہوئے تو آپ نے حضرت خالد بن ولید کو ہدایت بھیجی:

''تم نے ظالموں سے انتقام لیا، اچھا کیا، کیونکہ ان

لوگوں نے مسلمانوں کو ستایا تھا اور انھیں قتل کیا تھا۔ اب لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو۔''

حضرت خالد بن ولید بزاخہ میں ایک ماہ تک رہے۔ بزاخہ سے شکست کھانے کے بعد کچھ شریر لوگ امِ زمل نامی ایک عورت کے گرد جمع ہو گئے۔

یہ عورت دراصل امِ قرفہ کی بیٹی تھی۔ امِ قرفہ ایک جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھی۔ اس نے مسلمانوں سے بہت دشمنی کی تھی۔ اس لیے جب یہ گرفتار ہوئی تو اسے بدلے میں قتل کیا گیا۔ امِ زمل اسی عورت کی بیٹی تھی۔ شکست کھائے ہوئے لوگ اس کے گرد جمع ہوئے تھے۔ اس کے گرد جمع ہونے والوں میں بنو غطفان، بنو طے، بنو سلیم اور بنو ہوازن کے بچے کھچے لوگ تھے۔ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ امِ زمل اپنی ماں کے اونٹ پر بیٹھی اور ان لوگوں کو ساتھ لے کر بڑے پر غرور انداز میں روانہ ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جب اس کے روانہ ہونے کا علم ہوا تو خود اس کے مقابلے کے لیے نکلے۔

دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے امِ زمل کے اونٹ کو گھیر لیا۔ اونٹ کے پاؤں کاٹ ڈالے، امِ زمل زمین پر گری تو اسے قتل کر دیا گیا۔ مؤرخ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے اونٹ کے اردگرد ایک سو سوار اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ نہ بچ سکی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس فتح کی خوش خبری فوراً مدینہ منورہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔

اس محاذ کے علاوہ بھی آس پاس کے دو تین اور علاقے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فتح کیے یہاں تک کہ ایک ماہ کے اندر اندر ان کے حصے کا تمام علاقہ فتح ہو گیا، دشمنوں سے پاک ہو گیا۔

عیینہ جیسے بڑے بڑے سردار جنھیں مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے اچھا سلوک کیا۔ اس طرح وہ مسلمان ہو گئے۔

O

مدینہ منورہ کے مشرق میں قبیلہ بنو تمیم کے مکانات تھے۔ ان مکانات کا سلسلہ خلیج فارس تک چلا گیا تھا۔ یہ علاقہ شمال مشرق کی طرف دریائے فرات کے دہانے سے ملا ہوا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں یہ قبیلہ بہت باعزت سمجھا جاتا تھا۔ یہ بہت بہادر بھی تھا۔ اس میں شاعر حضرات بھی تھے اور سخی بھی۔ اس کی شاخیں بنو حنظلہ، دارم، بنو مالک، بنو یربوع تک تھیں۔

ان میں بنو یربوع تو وہ ہیں جن کی بہادری سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

یہ قبائل فارس اور فرات کے دہانے سے قریب تھے۔ اس بنا پر عراق کی سرزمین اور جزیرہ نما عرب دونوں کے ساتھ ان کے تعلقات تھے۔ ادھر ایران میں بھی ان کی آمد و رفت تھی۔ اس کے نتیجے میں ان میں سے اکثر لوگ نصرانی ہو گئے تھے۔ ان سب لوگوں کی وجہ سے مرتد ہونے کا طوفان اٹھا تھا۔ بنو تمیم نے بھی اس بغاوت میں حصہ لیا تھا۔

جس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت آپ کے بھیجے ہوئے کچھ عمال بنو تمیم میں موجود تھے۔ انھیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ان لوگوں میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔ یہ قبیلہ بنو یربوع کا سردار تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی تو ان عاملوں میں یہ اختلاف ہوا کہ جو زکوٰۃ اور صدقات جمع کیے گئے ہیں، ان کا کیا کریں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے جائیں یا وہیں لوگوں میں تقسیم کیے جائیں۔ مالک بن نویرہ اس گروہ میں شامل تھا جو زکوٰۃ کی رقم کو مدینہ منورہ بھیجنے کا مخالف تھا۔ اس طرح وہ اسلام سے نکل کر مخالفین میں شامل ہو گیا اور کھلم کھلا مسلمانوں کا دشمن ہو گیا۔

ابھی یہ عمال آپس میں جھگڑ ہی رہے تھے کہ وہاں سجاح بنتِ حارث پہنچ گئی۔ یہ عراق کے شہر الجزیرہ سے آئی تھی اور اس شان سے آئی تھی کہ اس کے قبیلے بنو تغلب کے لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے، یعنی اس کے گرد جمع تھے۔ اس طرح اس کے گرد ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا تھا۔ یہ اس لشکر کی قیادت کرتے ہوئے آئی تھی۔ اس لشکر میں قبیلہ ربیعہ، نمر، آیاد اور شیبان کے تجربہ کار لوگ موجود تھے۔ سجاح کا تعلق بنو تمیم کی شاخ بنو یربوع سے تھا۔ عراق کے قبیلہ بنو تغلب سے اس کا ننھیالی تعلق تھا اور بنو تغلب نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس لحاظ سے سجاح خود بھی عیسائی تھی۔ اسلام سے عیسائیوں اور یہودیوں کی جو دشمنی تھی، وہی اسے بھی تھی۔ یہ عورت بہت چالاک اور ذہین تھی۔ یہ بات اس کی ہوشیاری کا ثبوت تھی کہ عورت ہوتے ہوئے، مردوں کی قیادت کر رہی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی یہ کسی موقع کی تلاش میں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر یہ ایک لشکر کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پر حملے کے لیے روانہ ہوئی، اسے کچھ لوگوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا تھا، ورنہ خود اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ مدینہ منورہ پر حملہ کر سکتی۔

اب چونکہ اس کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا، اس لیے پہلے یہ سیدھی ان کے پاس پہنچی، وہاں صدقات جمع کرنے والوں کے درمیان پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ اس طرح اسے اچھا موقع مل گیا۔ اس نے فوراً ہی مالک بن نویرہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ مالک بن نویرہ نے اس سے کہا:

''ابھی مدینہ منورہ پر حملہ نہ کرو، بلکہ بنو تمیم کے جن قبیلوں نے تمھیں ابھی تک نہیں مانا، پہلے ان سے جنگ کرو۔''

سجاح نے مالک بن نویرہ کا مشورہ مان لیا۔ مالک بن نویرہ کا ایک ساتھی وکیع بھی تھا۔ یہ دونوں ہی اس کی اصل طاقت تھے۔

ان دونوں کے مشورہ سے سجاح نے پہلے یمامہ پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ (جاری ہے)

جا تو آزاد ہے

عمران الحق رشیدی۔ ملتان

ہشام بن عبدالملک حج کے لیے گئے۔ اس وقت ان کے والد عبدالملک خلیفہ تھے۔ خانہ کعبہ میں بہت زیادہ ہجوم تھا۔ کوشش کے باوجود یہ حجرِ اسود تک نہ پہنچ سکے۔ اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تشریف لے آئے۔ لوگوں نے انھیں دیکھتے ہی ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ آپ پورے اطمینان کے ساتھ حجرِ اسود تک گئے اور اسے بوسہ دیا۔ یہ منظر دیکھ کر کچھ لوگوں نے پوچھا:

''یہ کون صاحب ہیں؟''

ہشام بولے:

''مجھے نہیں معلوم۔''

اس وقت وہاں فرزوق شاعر بھی موجود تھا۔ اس نے فوراً کہا:

''یہ زین العابدین ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنھما کے فرزند۔ سرزمینِ عرب کا بچہ بچہ انھیں جانتا ہے۔''

پھر آپ کی تعریف میں اس نے ایک بہت عمدہ قصیدہ (تعریفی اشعار) پڑھا۔

حضرت زین العابدین کے پاس ایک مرتبہ کچھ مہمان آ گئے۔ آپ نے غلام کو حکم دیا:

''گھر کے تنور میں جو گوشت بھن رہا ہے، وہ جلدی سے پیش کرو۔ غلام گیا اور بھنا ہوا گوشت سیخ پر لگانے لگا۔ اچانک گرم سلاخ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نچلی منزل پر موجود حضرت زین العابدین کے چھوٹے بچے کو جا لگی۔ بچہ زخم کی تاب نہ لا کر اسی وقت فوت ہو گیا۔ جب حضرت زین العابدین کو معلوم ہوا تو آپ نے غلام کو کچھ بھی نہ کہا، بلکہ اس سے فرمایا:

''جا! تو آزاد ہے۔ تو نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔''

اس کے بعد بچے کے کفن دفن میں لگ گئے۔

قدم بہ قدم

فوج کے سالاروں نے اس سے کہا:

''یمامہ کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ وہاں مسیلمہ کی طاقت بہت زیادہ ہے۔''

اس پر سجاح نے کہا:

''کوئی پروانہیں، یمامہ پر حملہ کرنا بہت ضروری ہے۔''

اب سجاح اپنے لشکر کو لے کر یمامہ کی طرف بڑھی۔ وہاں مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اسے جب سجاح کے اپنی طرف رخ کرنے کی اطلاع ملی تو وہ سخت پریشان ہوا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ سجاح سے الجھ پڑا تو مسلمانوں سے کیسے جنگ کر سکے گا۔ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کا لشکر اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس طرح مسلمان اس پر غالب آ جائیں گے۔ ادھر اُدھر جو قبائل آباد ہیں، وہ بھی اس کے خلاف ہو جائیں گے۔ اس لیے اس نے ایک چال چلی۔ سجاح کو ہدیہ بھیجا۔ اس سے ملاقات کی درخواست کی۔ سجاح نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

اب مسیلمہ بنو حنفیہ کے چالیس آدمی ساتھ لے کر سجاح کی قیام گاہ پر پہنچا۔ یہاں دونوں نے تنہائی میں ملاقات کی۔ دونوں نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ مسیلمہ نے اسے تمام حالات بتائے، حالات کی نزاکت سمجھائی آخر دونوں نے شادی کر لی اور میاں بیوی بن گئے۔

نکاح کے بعد مسیلمہ سجاح کو اپنی قیام گاہ پر لے آیا۔ سجاح تین دن یہاں رہی، پھر اپنی قوم میں واپس چلی گئی۔ دونوں کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ یمامہ کی پیداوار سے جو کچھ آمدنی ہوگی، اس کا نصف حصہ سجاح کو دیا جائے گا۔ سجاح نے آمدنی وصول کرنے کے لیے اپنے دو کارکنوں کو وہاں چھوڑا اور خود الجزیرہ واپس چلی گئی۔ الجزیرہ عراق میں ہے۔ اس کے بعد یہ وہیں رہی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہو گئی تھی۔ (طبری)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق بزاخہ کی مہم سے فارغ ہو کر بطاح پہنچے۔ زکوٰۃ کا انکار کرنے والے وکیع بن مالک اور زبرقان اپنی اپنی زکوٰۃ ان کی خدمت میں لے آئے، لیکن مالک بن نویرہ نہ آیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس کی طرف روانہ فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی:

''تم پہلے انھیں اسلام کی دعوت دو، اذان دو، جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں، اگر وہ اذان کا جواب دیں یعنی جواب میں اذان دیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کریں تو انھیں کچھ نہ کہو اور جو ایسا نہ کریں، انھیں سزا دو۔''

مسلمانوں کی جماعت واپس آئی تو ان کے ساتھ مالک بن نویرہ تھا۔ چند اور لوگ بھی تھے۔ ان سب کو گرفتار کر کے لایا گیا تھا۔ جو لوگ انھیں گرفتار کر کے لائے تھے، ان میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے گواہی دی:

''ان قیدیوں نے اذان دی تھی اور نماز بھی پڑھی تھی۔''

کچھ دوسرے مسلمانوں نے کہا:

''ان لوگوں نے اذان نہیں دی، نہ نماز پڑھی۔''

اب چونکہ دو رائے ہو گئی تھیں، اس لیے حضرت خالد بن ولید نے ان قیدیوں کے بارے میں اس وقت کوئی فیصلہ نہ کیا اور انھیں قید میں رکھنے کا حکم دے دیا۔ بعد میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رات کے وقت مالک بن نویرہ سے بات کی تو اس کے بعض الفاظ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ شخص زکوٰۃ کا انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے، چنانچہ انھوں نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ رات ہی میں اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس واقعے کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو گیارہ لشکر روانہ کیے تھے۔ ان میں سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو مسیلمہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مسیلمہ سے جنگ کے لیے کافی نہیں، چنانچہ آپ نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک اور لشکر بھیجا اور حضرت عکرمہ کو انتظار کرنے کا پیغام بھیجا، لیکن حضرت عکرمہ نے شرحبیل رضی اللہ عنہ کے لشکر کا انتظار نہ کیا اور مسیلمہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ کی طاقت زیادہ تھی، اس لیے انھیں نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت شرحبیل کو یہ خبر ملی تو راستے ہی میں رک گئے۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع (باقی صفحہ 7 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

ملی کہ حضرت عکرمہ کے لشکر کو پسپا ہونا پڑا ہے تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے حضرت عکرمہ کو پیغام بھیجا:

''اب آیندہ تم میری شکل نہ دیکھنا، نہ میں تمہاری شکل دیکھوں گا۔''

ناراضی کا یہ اظہار اس لیے فرمایا کہ انھوں نے ہدایت پر عمل نہیں کیا تھا۔ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بھیجا کہ وہ وہیں ٹھہریں جب تک حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر تم سے نہ آملیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تھی کہ مسیلمہ کذاب کی فوج میں چالیس ہزار عرب جنگ جو بھی شامل ہیں۔ اس طرح انھیں نزاکت کا احساس ہوا۔ اتنے بڑے لشکر کے لیے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ طلب فرمایا اور مسیلمہ سے جنگ کی ذمے داری انھیں سونپی۔

اور چونکہ غزوہ بدر کے بعد یہ معرکہ زندگی اور موت کا معرکہ تھا، اس لیے آپ نے نامور مہاجرین اور انصار کو اس لشکر کے ساتھ کیا۔ ان نامور اصحاب میں بڑے بڑے حافظِ قرآن بھی تھے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابوحذیفہ، حضرت زید بن خطاب، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ انصار میں سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ساتھ کیا۔

غرض نبوت کے دعوے دار مسیلمہ کذاب کی طرف اس شان سے یہ لشکر روانہ ہوا کہ اس کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ یہ بڑے بڑے صحابہ تھے۔

حضرت ابوبکر نے اس لشکر کے پیچھے بھی ایک لشکر حضرت سلیط کی قیادت میں روانہ کیا، تاکہ کوئی دشمن پیچھے سے حضرت خالد بن ولید کے لشکر پر حملہ نہ کرسکے۔

حضرت خالد یمامہ سے ابھی کچھ فاصلے پر تھے کہ انھیں ایک دستہ ملا۔ اس دستے کا سردار مجاعہ بن مرارہ تھا۔ یہ بنوحنفیہ کے معزز ترین لوگوں میں سے تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس دستے کے تمام لوگوں کو قتل کردیا گیا جب کہ مجاعہ کو گرفتار کرلیا گیا۔ اب لشکر آگے بڑھا اور یمامہ کے مقام عقربہ کے پر پہنچا۔ یہیں مسیلمہ کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ مؤرخوں نے اس کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار تک لکھی ہے۔

دوسری صبح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ لشکر کے دائیں بازو پر حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ بائیں بازو پر سالار حضرت اسامہ بن زید کو مقرر کیا۔ خود ایک دستہ کے ساتھ درمیان میں رہے۔

دوسری طرف مسیلمہ اپنے لشکر کی صف بندی کر رہا تھا۔ آخر دونوں لشکر ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے آمنے سامنے تیار کھڑے نظر آئے۔

مہاجرین کا جھنڈا حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ کسی نے ان سے کہا:

''اگر آپ شہید ہوگئے تو ایک حامل قرآن جاتا رہے گا۔''

جواب میں انھوں نے کہا:

عبداللہ فارانی

78

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

مسلمانوں کو ایسی ہولناک جنگ لڑنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ بہت گھمسان کا رن پڑا۔ مسیلمہ کا ایک ایک آدمی اس پر اپنی جان دینے پر تلا ہوا تھا اور اس کی وجہ تھی کہ انھیں یقین تھا، اگر اس جنگ میں انھیں شکست ہوگئی تو پھر ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے لیے بھی یہ جنگ زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ ان کی شکست کی صورت میں لوگوں کے مرتد ہونے کا ایسا سلسلہ شروع ہوتا کہ رو کے نہ رکتا۔

مسیلمہ کی فوج نے جنگ شروع ہوتے ہی اس قدر زور دار حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر مسیلمہ کی فوج کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ زور لگا کر آگے بڑھے یہاں تک کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے تک پہنچ گئے۔

اب مسلمانوں نے بھی خود کو سنبھالا۔ ایک دوسرے کو پکارا:

"ثابت قدم رہو۔"

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں کہا:

"اے مسلمانو! کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ اے اللہ! جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ہیں، میں ان سے بری ہوں۔"

حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ پکارے:

"اللہ کی قسم! اب میں اس وقت تک زبان نہیں کھولوں گا جب تک کہ ہم دشمنوں کو شکست نہیں دے دیں گے یا مجھے قتل نہیں کر دیا جاتا۔"

ابو حذیفہ للکار کر بولے:

"اے مسلمانو! تم اپنے کاموں سے قرآن کو زینت دو۔"

یہ بڑے بڑے صحابہ اس طرح للکار رہے تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

اب جنگ اور زیادہ تیز ہوگئی۔ تمام مسلمان پلٹ آئے۔ مہاجرین، انصار اور باقی سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ایسے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا:

"فوج کا ہر دستہ الگ الگ ہو جائے۔"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس حکم کے بعد فوج کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ مسلمانوں کو اس وقت تک کافی نقصان پہنچ چکا ہے۔ حضرت زید بن خطاب، حضرت سالم مولیٰ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم شہید ہو چکے ہیں۔ آپ نے دوسری طرف نظر ڈالی تو مسیلمہ اپنی فوج کے درمیان کھڑا نظر آیا۔ اس کی حفاظت کے لیے اس کے آدمیوں نے اسے پوری طرح اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ حضرت خالد نے سوچا، جب تک مسیلمہ اپنی جگہ جما کھڑا ہے، اس وقت تک اس لشکر کو شکست نہیں ہوگی، یعنی مسیلمہ تک پہنچنے کے لیے پہلے ان لوگوں کو ہٹانا ہوگا جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ سوچتے ہی انھوں نے بلند آواز میں نعرہ لگایا اور مسیلمہ کے دستے پر حملہ کر دیا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ دشمن کی فوج کا جو بہادر آگے بڑھتا، اس کی لاش خاک و خون میں تڑپتی نظر آتی۔ ایسے میں مسیلمہ نے بھی آگے بڑھنا چاہا، لیکن اس پر اس قدر خوف سوار تھا کہ ایک قدم آگے بڑھاتا اور پھر اسے پیچھے ہٹا لیتا۔ دوسری طرف حضرت خالد بن ولید برابر دباؤ ڈال رہے تھے۔ ان کے دستے نے مسیلمہ کو بری طرح گھیر لیا تھا۔ اب مسیلمہ کے پاس فرار ہونے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ ان حالات میں اس کے ماننے والوں نے اس سے کہا:

"تو ہم سے جس فتح کا وعدہ کرتا تھا، وہ کہاں ہے۔"

مسیلمہ نے کوئی جواب نہ دیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ خود تو بھاگ رہا تھا، لیکن اپنے لوگوں سے یہ کہہ رہا تھا:

"اپنے حسب نسب کی خاطر لڑو۔"

اب ظاہر ہے، اسے بھاگتے دیکھ کر لوگوں پر اس کی باتوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ اس کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بھی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔

فوج کی پشت پر ایک بڑا باغ تھا۔ اس کی چار دیواری بہت مضبوط تھی۔ باغ کو سامنے دیکھ کر ان میں سے ایک چلایا:

"باغ، باغ میں گھس جاؤ۔"

یہ باغ دراصل مسیلمہ کا قلعہ تھا۔ سب لوگ افراتفری کے عالم میں باغ میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ اسلامی فوج وہاں پہنچی تو باغ کا دروازہ بند نظر آیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا:

"باغ کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے۔"

باغ کو گھیر لیا گیا، لیکن اس کے اندر جانے کا راستہ نہیں تھا۔ اب لگے سب سوچنے کہ کیا کیا جائے۔ آخر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے کہا:

"تم لوگ مجھے اٹھا کر باغ کے اندر اچھال دو۔"

مجاہدین نے کہا:

"ہم ایسا نہیں کر سکتے... مشرکین آپ کو مار ڈالیں گے۔"

انھوں نے بار بار کہا... تم مجھے اندر کی طرف اچھال دو... میں ان سے لڑتے بھڑتے دروازہ کھول دوں گا۔ مسلمان انکار کرتے رہے، آخر مجبور ہو گئے... انھوں نے مل کے انھیں بازوؤں اور ٹانگوں سے پکڑا اور جھولا جھلانے لگے... یہاں تک کہ جب جھلانے میں خوب تیزی آگئی تو انھوں نے پورا زور لگا کر انھیں دیوار کی طرف اچھال دیا... یہ جھولا دروازے کے بالکل سامنے جھلایا گیا تھا... حضرت براء بن مالک اندر کی طرف مشرکین کے اوپر گرے... وہ بری طرح بوکھلا گئے کہ یہ کیا بلا اوپر آ گری... حضرت براء بن مالک نے ان کی بوکھلاہٹ سے فائدہ اٹھایا، اٹھتے ہی تلوار چلانا شروع کر دی... اور دروازے کی طرف بڑھتے گئے... تلوار چلاتے جاتے تھے اور دروازے کی طرف قدم بڑھاتے جاتے تھے... آخر دروازے پر پہنچ گئے اور کنڈی کھول دی...

بس پھر کیا تھا... مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اندر داخل ہوتے چلے گئے...

اب باغ میں جنگ ہونے لگی... جنگ بہت شدت سے شروع ہو گئی... دونوں طرف بہت تیزی سے لوگ کٹ کٹ کر گرنے لگے... کشتوں کے پشتے لگ گئے...

اسلامی فوج میں اس وقت حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ غزوہ احد میں ان کے ہاتھوں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ انھیں اس کا ملال اب تک تھا۔ یہ چاہتے تھے کہ ان کے ہاتھوں کوئی ایسا کارنامہ ہو جائے جو اس واقعے کا رنج ہلکا کر دے۔ اب اس وقت اس نے مسیلمہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ انھیں نظر آگیا۔ یہ نیزہ پھینکنے کے بہت ماہر تھے اور بلا کے نشانہ باز تھے۔ ایسا تاک کر نیزہ پھینکا کہ سیدھا مسیلمہ کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ مسیلمہ کا گرنا تھا کہ اس کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پسپا ہو کر بھاگے۔ مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لاشوں کو دیکھنے کے لیے نکلے۔ ایک لاش پر نظر پڑی تو آپ نے پوچھا:

"کیا یہی مسیلمہ ہے؟"

آپ کو بتایا گیا:

"یہ مسیلمہ نہیں، مسیلمہ کا خاص ساتھی محکم الیمامہ ہے۔"

محکم الیمامہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ آخر حضرت خالد مسیلمہ کی لاش تک پہنچ گئے۔ اس باغ کا نام مسیلمہ نے حدیقۃ الرحمن رکھا تھا۔ حدیقہ باغ کو کہتے ہیں۔ اب اس باغ کا نام حدیقۃ الموت رکھ دیا گیا، یعنی موت کا باغ۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا یہی نام مشہور ہے۔

باغ کے اندر اور باہر مسیلمہ کے دس ہزار آدمی مارے گئے جب کہ مسلمان بارہ سو شہید ہوئے۔ یہ جنگ گیارہ ہجری میں شروع ہو کر 12ھ میں ختم ہوئی۔

اس وقت تک مرتدوں اور باغیوں سے جتنی لڑائیاں لڑی گئیں، یہ جنگ ان سب سے زیادہ بڑی اور سخت ترین تھی۔ مسلمانوں کو بھی اس جنگ میں شدید نقصان پہنچا۔ بڑے بڑے صحابہ، حافظ اور قاری شہید ہوئے۔

یہ فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس جنگ نے جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کے قدم ہمیشہ کے لیے جما دیے۔ اسلامی فوج فتح کا پرچم لہراتی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی تو مدینہ منورہ کا گوشہ گوشہ مرحبا اور مبارک کے نعروں سے گونج اٹھا۔ جو صحابہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے، ان کا غم اپنی جگہ تھا، لیکن اللہ کی مدد سے اتنی بڑی فتح نے اس غم کو ہلکا کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بہت خوش تھے، لیکن انھیں بارہ سو مسلمانوں کے شہید ہونے کا رنج بھی کم نہیں تھا۔ (جاری ہے)

آخری قسط

چالیسواں خزانہ

"آہستہ بولو۔" دادا جان نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے والد زندہ نہیں۔ ان دنوں انھیں پیسوں کی شدید ضرورت ہے۔ کاروبار میں ایسے حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں میرا بیٹا صابر ندیم بہت ایمان دار ہے اور وہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کرے گا لیکن انسان بہت کمزور ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ خزانوں کی کتاب کا ذکر سن کر وہ کسی فتنے میں نہ پڑ جائے۔ اس لیے میں اس کتاب کے بارے میں صرف تمہیں بتا رہا ہوں۔ جب یہ کتاب میرے افریقی مالک کے ہاتھ لگی تو وہ دنیاداری سے بالکل الگ تھلگ ہو چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کتاب میں لکھا ہوا ہر خزانہ ایک فتنہ ہے، لیکن انھیں نایاب کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اس نادر کتاب کو ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے جب میں اپنے وطن واپس آ رہا تھا تو انھوں نے چالیس خزانوں کی یہ نایاب کتاب میرے حوالے کر دی۔ انھوں نے کہا تھا کہ کچھ عرصے تک اگر وہ اس کتاب کے بارے میں کوئی ہدایت نہ دیں تو میں اسے بڑی رازداری سے ان کے صرف اسی وارث کے حوالے کر دوں، جس کے بارے میں وہ خاص طور پر وصیت کریں گے۔"

سب لوگ رضوان کی طرف حیرت اور خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

"اس کے بعد دادا جان نے مجھے اس خفیہ جگہ کے بارے میں بتایا جہاں انھوں نے یہ کتاب بہت سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔" رضوان نے اپنی بات مکمل کی۔

"کیا آپ نے وہ کتاب خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے؟" موبی سمارٹ نے بے چینی سے پوچھا

"جی ہاں!" رضوان نے سر ہلایا۔ "دادا جان نے مجھے وہ کتاب دکھائی تھی۔"

"شاباش بیٹا!" انسپکٹر دلاور نے سکون کا سانس لیا۔ "تم نے ہمارا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ میں تمہارے خاندان کی عظمت کو سلام پیش کرتا ہوں۔ اربوں روپے کے خزانے کا پتا ہونے کے باوجود تم نے رتی برابر لالچ نہیں کیا۔"

انسپکٹر دلاور نے بڑھ کر رضوان کو سلیوٹ کیا اور پھر موبی سمارٹ کی طرف مڑتے ہوئے بولا "لیجیے مسٹر موبی سمارٹ آپ کا مسئلہ حل ہو گیا۔ آپ کو بہت مبارک ہو، شکر ہے آپ کی امانت مل گئی۔"

"میں آپ کا منہ موتیوں سے بھر دوں گا۔" موبی سمارٹ نے رضوان کو بے اختیار گلے لگا لیا۔

"ہمیں اگر مال و دولت کا لالچ ہوتا تو خزانوں کی کتاب سے فائدہ نہ اٹھا لیتے۔" صابر ندیم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں خزانوں کی کتاب آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔" رضوان بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" بہت سی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

"بات یہ ہے مسٹر موبی سمارٹ۔" رضوان بڑے اعتماد سے بولا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے جب آپ نے مجھے سارا قصہ تفصیل سے سنایا تو اس میں آپ نے خود اس بات کا ذکر کیا ہے کہ آپ کے [illegible]"

"پھر؟" موبی سمارٹ نے [illegible]

"پھر یہ کہ اس خط میں مرحوم نے واضح طور پر وصیت کی ہے کہ اس کتاب کو جلا دیا جائے۔" رضوان دو ٹوک لہجے میں بولا۔

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کو بحرین کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ اس کے سالار حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ عنہ تھے۔

بحرین ریگستان کا علاقہ تھا۔ یہ مدینہ منورہ سے بہت دور شمال مشرق میں خلیج فارس کے کنارے واقع تھا۔ یہ علاقہ حکومت ایران کے ماتحت تھا۔ اس سے بہت سے عرب قبائل مثلاً عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم آباد تھے۔ ان کا سردار ایران کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کا سردار منذر بن ساوی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن ساوی کو بھی خطوط لکھے تھے۔ آپ کی دعوت پر یہ اور بحرین کے صدر مقام ہجر کا گورنر مرزبان دونوں مسلمان ہوگئے تھے۔ ان کے ساتھ جتنے عرب قبائل یہاں موجود تھے، وہ سب مسلمان ہوگئے تھے اور ایسا آٹھ ہجری میں ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند روز بعد ہی منذر بن ساوی کا بھی انتقال ہوگیا تو وہاں کا ایک سردار الحطم مرتد ہوگیا، یعنی اسلام سے پھر گیا۔ اس کے ساتھ ہی قبیلہ بنو عبدالقیس اور بنو بکر بھی مرتد ہوگئے تھے۔ حضرت جارود بن بشر بن عمرو عبیدی رضی اللہ عنہ کی کوشش سے بنو عبدالقیس تو جلد ہی اسلام کی طرف لوٹ آئے، لیکن بنو بکر بدستور مرتد رہے۔ ان لوگوں نے نعمان بن منذر کو اپنا سردار بنالیا۔ یہ لوگ الحطم کے اور دوسرے عجمی لوگوں کے ساتھ مل گئے۔ یہ عجمی لوگ بحرین سے آئے تھے۔ ان سے مل کر حضرت جارود بن بشر پر چڑھائی کر دی گئی۔ مسلمان تعداد میں کم تھے۔ اس لیے ان کے گھیرے میں آگئے۔ ان حالات میں بھی انھوں نے اسلام کے دامن کو نہ چھوڑا۔

ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علا بن حضرمی کو بحرین کے محاذ پر روانہ کیا۔ حضرت علا بن حضرمی وہاں اس وقت پہنچے جب حضرت خالد بن ولید مسیلمہ کے خلاف جنگ سے فارغ ہو چکے تھے اور اس جنگ کے بعد بنو حنیفہ کے جو بچے کھچے لوگ مسلمان ہوگئے تھے، وہ بھی حضرت علا کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ ان کے علاوہ ثمامہ بن اثال اور قیس بن عاصم منقری بھی اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ اس لشکر میں شریک ہوگئے۔

حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لیے صحرائے دھنا میں سے گزر رہے تھے کہ شام ہوگئی۔ انھوں نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا تاکہ رات کے وقت کہیں راستہ نہ بھول جائیں۔ اب وہاں اتفاق ایسا ہوا کہ جن اونٹوں پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا، وہ بدک کر بھاگ نکلے۔ اب مسلمانوں کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ رہی۔ مسلمان سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ انھیں اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ وہ ایک دوسرے کو وصیت کرنے لگے۔

حضرت علا بن حضرمی نے ان کی ہمت بندھائی۔ ان سے کہا:

”اے لوگو! کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ کیا تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے نہیں ہو؟ تم یقین رکھو! اللہ تم جیسے لوگوں کو ذلیل اور رسوا نہیں کرے گا۔“

اسلامی فوج جب فجر کی نماز سے فارغ ہوئی تو انھیں دور سے سراب چمکتا نظر آیا۔ فوج کے ہراول دستے نے قریب جا کر دیکھا تو وہ پانی تھا۔ سب بہت خوش ہوئے، پانی پیا، غسل کیا اور اپنے مشکیزے بھر لیے۔ سورج بلند ہوا تو اونٹ بھی اِدھر اُدھر سے بھاگتے ہوئے آگئے۔ مسلمانوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اب لشکرِ اسلام تازہ دم ہو کر وہاں سے روانہ ہوا۔ یہاں حضرت جارود مقامی مسلمانوں کے ساتھ دشمن کے سامنے صف آرا نظر آئے۔ حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے حضرت جارود کو پیغام بھیجا کہ تم دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہو۔ ہم آرہے ہیں۔

دوسری طرف حطم کا لشکر بہت زیادہ تھا۔ اس کے پاس ساز و سامان بھی بہت تھا۔

دونوں لشکروں نے خندقیں کھود رکھی تھیں اور ان خندقوں میں مورچے سنبھالے بیٹھے تھے۔ دن کے وقت دونوں فوجیں خندقوں سے باہر آجاتیں، دن بھر جنگ ہوتی اور شام کو پھر خندقوں میں چلی جاتیں۔ یہ سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ کوئی فریق فتح حاصل نہ کر سکا۔ آخر ایک رات دشمن کے لشکر میں شور سنائی دیا۔ حضرت علا نے عبداللہ بن حذف کو خبر لانے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے آ کر بتایا:

”دشمن کے سپاہی شراب کے نشے میں بدمست ہیں اور اچھل کود مچا رہے ہیں۔“

حضرت علا نے یہ سنا تو اسی وقت اپنی فوج کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ دشمن سخت بدحواس ہوگیا۔ ان میں

سے بہت سے قتل ہوگئے۔ بہت سے گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ نکلے۔ اسی دوران حطم بھی مارا گیا۔ جو لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، وہ کشتیوں کے ذریعے جزیرہ دارین پہنچ گئے۔ حضرت علا ان کا تعاقب کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کے پاس کشتیاں نہیں تھیں۔ آخر حضرت علا نے فرمایا:

"کچھ فکر نہ کرو، جس اللہ نے خشکی پر تمہاری مدد کی، وہی بحر میں مدد کرے گا۔"

اس کے بعد سب مسلمانوں نے مل کر دعا کی۔ دعا کے بعد مسلمانوں پر اس قدر جوش سوار ہوا کہ وہ دریا میں کود پڑے۔ کوئی گھوڑے پر سوار تھا، تو کوئی اونٹ پر اور کوئی گدھے پر۔ سب کے سب سمندر میں کود پڑے۔ علامہ اقبال نے انھی مجاہدین کے بارے میں کہا ہے:

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

مسلمانوں نے اس شان سے سمندر پار کیا اور جزیرہ دارین کے ساحل پر پہنچے۔ یہاں بھاگ کر آنے والے جمع تھے اور ان کے پاس اب بھاگنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لیے وہ سب کے سب بڑی بے جگری سے لڑے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور دشمن سب کے سب مارے گئے۔ اس جنگ میں اس قدر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک سوار کو چھ چھ ہزار اور پیادے کو دو دو ہزار ملے۔

حضرت علا اسی روز بحرین کے لیے روانہ ہوگئے۔ بحرین پہنچ کر انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوش خبری کا خط لکھا اور تمام حالات بھی تفصیل سے لکھے۔

اب یہاں مرتدوں اور باغیوں کی کمر ٹوٹ چکی تھی جو زندہ بچ گئے تھے، انھوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی دھاک کفار کے دلوں پر اور زیادہ بیٹھ گئی۔ ایران کی ساکھ مٹی میں مل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن محسن اور عرفجہ بن ہرثمہ کو عمان کے محاذ پر بھیجا تھا۔ ان کے پیچھے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو روانہ فرمایا تھا۔ یہ یمامہ کی جنگ میں جلدی کرنے کی وجہ سے پسپا ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی تھی۔ اب انھیں حضرت حذیفہ بن محسن اور عرفجہ بن ہرثمہ کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔

اسلامی لشکر کی مدد کے لیے جیفر اور عبید بھی آگئے۔ یہ دونوں عمان کے امیر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہاں کے لوگ بھی مرتد ہوگئے تھے۔ اسی لیے جیفر اور عبید کو وہاں سے نکل کر پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی تھی۔ اب اس موقعے پر یہ پہاڑوں سے نکل کر اسلامی لشکر سے آملے۔

دوسری طرف مرتدوں کے لشکر کا سردار لقیط بن مالک تھا۔ اسلامی لشکر نے اس پر بڑا زبردست حملہ کیا۔ سخت جنگ ہوئی۔ پہلے پہل مرتدوں کا پلہ بھاری رہا۔ اس سے مسلمانوں میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی، لیکن پھر اسی موقعے پر خریت بن راشد بنو ناجیہ کا لشکر اور سیحان بن صوحان بنو عبدالقیس کی ایک بھاری جماعت لیے ہوئے پہنچ گئے۔ اس اچانک غیبی امداد سے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے۔ انھوں نے پلٹ کر دشمن پر بھرپور حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر زور کا تھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس جنگ میں دشمن کی فوج کے دس ہزار آدمی قتل ہوئے۔ (ابن اثیر)

مسلمانوں کے ہاتھ بہت مالِ غنیمت لگا۔ اس کا پانچواں حصہ حضرت عرفجہ کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا گیا اور عمان کے انتظام کے لیے حضرت حذیفہ یہیں ٹھہرے۔

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ یہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ مہرہ چلے گئے۔ مہرہ میں لوگوں کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ کا سردار خریت تھا اور دوسرے کا امیر مصبح تھا۔ مصبح کا گروہ طاقت ور تھا۔ حضرت عکرمہ نے یہ چال چلی کہ جو گروہ کمزور تھا، اسے ساتھ ملانے کی کوشش کی یعنی خریت سے بات چیت کی۔ اس نے بڑی خوشی سے حضرت عکرمہ کی دعوت قبول کر لی اور اسلام لے آیا۔ اس کا پورا گروہ مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت عکرمہ نے مصبح کو اسلام کی دعوت دی۔ اسے اپنی طاقت پر ناز تھا، اس لیے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

دونوں لشکر آمنے سامنے آئے۔ زبردست جنگ ہوئی۔ آخر مصبح نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ جو لوگ اس جنگ سے بچ گئے، وہ اسلام لے آئے۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں اسود عنسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اس کے اس دعوے پر یمن کے زیادہ تر لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے باوجود مرتد ہو جانے والے لوگوں نے وہاں فتنے اور فساد کا بازار گرم رکھا۔ ان لوگوں کے سردار اب عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث تھے۔

ان لوگوں کا فتنہ زور شور سے جاری تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا لشکر وہاں پہنچ گیا۔ اس لشکر کے امیر حضرت مہاجر بن امیہ تھے، ان کے ساتھ ہی حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بھی اپنی مہم سے فارغ ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ اس طرح مسلمانوں کے لشکر کی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔

مسلمانوں کے پہلے ہی حملے میں قیس بن عبد یغوث گرفتار ہو گیا اور عمرو بن معدی کرب بھی حوصلہ ہار گیا۔ اس نے خود کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت مہاجر نے ان دونوں کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے بات چیت کی اور وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ بعد میں یہ دونوں عراق اور شام کی مہمات میں شریک ہوئے۔

اس طرح یمن میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ یمن کے قریب ہی کندہ اور حضرموت کے علاقے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہاں کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔

اشعث بن قیس کندہ کا سردار تھا۔ 10 ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا تھا، لیکن آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا اور اب تمام مرتدوں کا سردار بھی یہی تھا۔ اس زمانے میں یہاں کے گورنر زیاد بن لبید انصاری تھے۔ انھوں نے اشعث بن قیس کا مقابلہ کیا، لیکن اشعث کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی۔ لہٰذا یہ اس کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے۔ آخر حضرت مہاجر بن امیہ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہما وہاں پہنچے۔ حضرت مہاجر نے حضرت زیاد بن لبید کو ساتھ ملا کر اشعث پر حملہ کیا۔ دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی۔

اشعث کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس نے اپنی فوج کے ساتھ بھاگ کر قلعہ بخیر میں پناہ لی اور قلعے میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ اسلامی فوج نے بھی قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ طویل ہو گیا اور قلعے کے اندر سامان رسد بھی نہ پہنچ سکا تو آخر قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ ایک بار پھر دونوں فوجوں میں شدید جنگ شروع ہو گئی۔ ایسے میں حضرت عکرمہ اپنی فوج لے کر پہنچ گئے، وہ گھبرا گیا۔ اس نے نو آدمیوں کے لیے پناہ طلب کی، لیکن بدحواسی میں ان نو آدمیوں میں اپنا نام لکھنا بھول گیا۔ جب ان نو کی فہرست حضرت مہاجر کے سامنے آئی تو انھوں نے اسے بتایا:

"اس فہرست میں تمہارا اپنا نام شامل نہیں، لہٰذا اب تم اس پناہ میں شامل نہیں۔"

اسے گرفتار کر کے مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے بات چیت کی۔ اس نے دوبارہ مسلمان ہونے اور اسلام پر ڈٹے رہنے کا وعدہ کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا۔

اس جنگ کے ساتھ ہی مرتدوں سے جنگوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پورا عرب اسلام کے زیرِ سایہ آ گیا۔ ان جنگوں میں بہت سے لوگ غلام اور باندی بنائے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان سے فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شاندار کامیابیوں پر آج تک غیر مسلم مؤرخین اور ماہرین حیرت زدہ ہیں کہ اس قدر جلد ان تمام فتنوں پر کس طرح قابو پا لیا گیا۔ یورپ کا ایک دانشور وان کریمر لکھتا ہے:

"ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ سے جو معمولی فوجیں روانہ کی جاتی تھیں، انھوں نے کس طرح اتنی بڑی طاقتوں سے ٹکر لی۔"

O

اس وقت دنیا میں کفر کی دو بڑی طاقتیں تھیں۔ یہ دو بڑی طاقتیں ایران اور روم کہلاتی تھیں۔ ایرانی آگ کی پوجا کرتے تھے جب کہ روم کا مذہب عیسائیت تھا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور اس طرح شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ایران کے شہنشاہ کو کسریٰ اور روم کے شہنشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا، عراق اس وقت ایرانی حکومت میں شامل تھا اور شام روم کی حکومت میں تھا۔ دنیا میں (باقی صفحہ 7 پر)

اس وقت گویا ان دونوں حکومتوں کا سکہ چل رہا تھا۔ دونوں چونکہ بہت بڑی حکومتیں تھیں، اس لیے تمام عالم پر چھائی ہوئی تھیں۔ اب یہ دونوں حکومتیں مسلمانوں کو مٹانے کے درپے تھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 6 ہجری میں بادشاہوں کے نام دعوت نامے بھیجے تھے۔ ان میں ایک خط ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کی طرف بھی روانہ کیا تھا۔ یہ خط حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا تھا:

''محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ سردار فارس کو پیغام ہے کہ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس بات کی گواہی دی کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تجھے خدا کی دعوت کے ساتھ اسلام کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں اللہ کی طرف سے تمام آدمیوں کی طرف رسول ہو کر مبعوث ہوا ہوں تاکہ میں ان لوگوں کو ڈراؤں جو زندہ (دل) ہیں اور تاکہ کافروں پر حجت قائم ہو جائے۔ تو اسلام لے آ، سلامتی پا جائے گا۔ اگر تو نے انکار کیا تو تمام آتش پرستوں کے کفر کا گناہ تجھ پر ہوگا۔''

کسریٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط پڑھا تو مارے غصے کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے اسی وقت آپ کے خط کو دو ٹکڑے کر دیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے ٹکڑے کرنے کے ساتھ ہی خود اس کی حکومت کے ٹکڑے ہونے شروع ہو گئے اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ قبیلہ بنی بکر کے سردار تھے۔ یہ قبیلہ بحرین میں رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ قبیلہ بھی مرتد ہوا، لیکن حضرت مثنیٰ بن حارثہ اور ان کے چند ساتھی اسلام پر قائم رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا تو حضرت علا نے حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

''آپ راستوں کی نگرانی کریں۔''

حضرت مثنیٰ نے یہ کام بہت خوبی سے کیا۔ پھر یہ آٹھ ہزار مسلمانوں کی جماعت اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بحرین کا معرکہ ختم ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق پہلے ہی ان کے کارنامے سن چکے تھے اور ان کی شہرت سن کر ایک بار آپ نے پوچھا تھا:

''یہ مثنیٰ کون ہیں؟''

اس کے جواب میں قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا:

''مثنیٰ بہت مضبوط آدمی ہیں۔''

حضرت ابو بکر صدیق نے انھیں ان کے علاقے کا امیر مقرر فرما دیا اور عراق کی مہم ان کے سپرد کر دی۔ ساتھ ہی انھیں حکم دیا۔

''حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراق کی طرف روانہ کیا جا رہا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا:

''اپنی فوجی مہم کا آغاز ابلہ سے کریں۔''

ابلہ کے مقام پر شہنشاہ ایران کا تمام اسلحہ موجود تھا، یعنی یہ اس وقت کی فوجی چھاؤنی تھی۔ ابلہ بندرگاہ بھی تھا۔ ہندوستان اور سندھ وغیرہ سے تجارت اسی بندرگاہ سے ہوتی تھی۔ اس لحاظ سے ابلہ بہت اہم مقام تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ جب حضرت مثنیٰ کا لشکر اس میں شامل ہوا تو تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی۔ حضرت خالد نے اپنی اس فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ یہ تینوں فوجیں الگ الگ راستے سے حفیر میں جمع ہوئیں۔ ان تین حصوں میں سے ایک پر حضرت مثنیٰ سالار تھے، دوسرے پر عدی بن حاتم طائی اور تیسرا حصہ خود حضرت خالد بن ولید کی کمان میں تھا۔ تینوں لشکر ایک اور دو دن کے فاصلے سے روانہ ہوئے۔ آخر میں حضرت خالد روانہ ہوئے۔ روانگی سے پہلے حضرت خالد بن ولید نے ایرانی سپہ سالار ہرمز کو خط لکھا۔ اس خط کے الفاظ یہ تھے:

''تو اسلام لے آ، محفوظ رہے گا، ورنہ جزیہ ادا کر، اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر میں تیرے پاس ایسے لوگوں کے ساتھ آؤں گا جو موت کو ایسا محبوب رکھتے ہیں جیسا تو زندگی کو محبوب رکھتا ہے۔''

ہرمز کو یہ خط ملا۔ ساتھ ہی اسے اسلامی فوجوں کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے شہنشاہ ایران اردشیر کو یہ تمام حالات لکھے، اردشیر کا دوسرا نام یزدگرد تھا۔ یہ اپنی فوجیں لے کر روانہ ہوا اور کواظمہ کے مقام پر آ ٹھہرا۔ اس وقت اسے معلوم ہوا کہ اسلامی فوجیں حفیر کی طرف بڑھ رہی ہیں تو بڑی تیزی کے ساتھ اپنا لشکر لے کر حفیر پہنچا اور ایک گھاٹ پر پڑاؤ ڈال دیا۔

اب پانی پر دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا اور مسلمانوں کی طرف پانی نہیں تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کواظمہ کی طرف ہٹ کر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا تو کچھ لوگوں نے کہا:

''اے امیر! ہمارے پاس یہاں پانی نہیں ہے۔''

ادھر یہ بات کہی گئی، ادھر اللہ تعالیٰ نے بارش عطا کر دی اور بارش سے جل تھل ہو گیا۔ پانی کی کمی دور ہو گئی۔

دوسرے دن ہرمز نے اپنے لشکر کی صف بندی شروع کر دی۔ اس نے فوج کے دائیں بازو پر شاہی خاندان کے ایک فرد قباذ کو مقرر کیا اور بائیں بازو پر انوش جان اور خود درمیان میں رہا۔

ان سب لوگوں نے خود کو زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا تاکہ بھاگنے کا خیال تک دل میں نہ لاسکیں اور اسی بنیاد پر اس جنگ کا نام تاریخ کی کتابوں میں جنگِ سلاسل آیا ہے۔ سلاسل زنجیروں کو کہتے ہیں۔ (جاری ہے)

دوست کا خط

پیارے پاکستان!

تم ملتِ اسلامیہ کی امیدوں کا مرکز ہو۔ تمھیں تو اللہ تعالیٰ نے ایٹمی قوت عطا فرمائی ہے۔ تم دشمنوں پر غالب آسکتے ہو، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر سکتے ہو۔ مجھے دشمنوں پر غالب آئے۔ ان کا بھی تو وہی رب تھا جو تمہارا ہے۔ وہ بھی مسلمان تھے، تم بھی مسلمان ہو۔ شاید وہ جذبہ، وہ ولولہ (جو جنگ بدر میں مسلمانوں کا تھا) ختم ہو گیا ہے۔

اپنے حالات کے باوجود تم پر رحم آتا ہے۔ مجھے غلامی کی زنجیروں سے نکلوانے کے بجائے خود کو ان میں جکڑ رہے ہو۔

میرے پیارے دوست! تم نے میری مدد بہت کی۔ میری آزادی کی جدوجہد بھی کی، لیکن پھر بھی میں اور تم ایک نہ بن سکے۔ شاید تمہاری جدوجہد میں کچھ کمی رہ گئی یا تمہارا ماضی والا جذبہ ختم ہو گیا۔ اپنا خاص خیال رکھنا اور میری باتوں پر ضرور دھیان دینا اور کبھی بھولے سے میری خبر بھی لے لینا۔

خدا حافظ

تمہارا قریبی دوست کشمیر

فوزیہ گڑنگی۔ مانسہرہ

قدم بہ قدم

آخر جنگ شروع ہوئی۔ ہرمز نے آگے بڑھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آپ میدان میں آگے آکر مجھ سے مقابلہ کر لیں۔ میں بھی تنہا آپ سے مقابلہ کروں گا۔''

اس کی للکار سن کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فوراً آگے بڑھے۔ ادھر ہرمز نے پہلے سے منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اس نے پندرہ بیس کے قریب اپنے جنگ جو ایک طرف چھپائے ہوئے تھے اور انھیں ہدایت تھی کہ جونہی خالد بن ولید اس پر حملہ کریں، تم سب یک دم آکر ان پر حملہ کر دینا۔ اس طرح مسلمانوں کا سپہ سالار مارا جائے گا اور فتح ہماری ہوگی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کے نزدیک پہنچے اور تلوار سے اس پر وار کیا۔ اس نے آپ کا وار اپنی تلوار پر روکا اور عین اسی وقت چھپے ہوئے پندرہ بیس سوار بلا کی رفتار سے گھوڑے دوڑاتے نزدیک آگئے اور حضرت خالد بن ولید پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت خالد ان کے درمیان گھر گئے، تاہم انھوں نے کوئی پروانہ کی اور چاروں طرف تلوار چلانے لگے۔

ادھر اسلامی لشکر نے دور سے دھوکا دہی کا یہ منظر دیکھا تو مسلمان فوراً دوڑ پڑے۔ ان میں سب سے آگے حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ہرمز کے جنگ جوؤں کے چھکے چھوٹ گئے۔

ایسے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ہرمز پر وار کیا۔ یہ وار اس کی پیشانی پر لگا۔ تلوار اس کی پیشانی کو کاٹتی نیچے تک اتر آئی۔ وہ گھوڑے سے نیچے اترا۔ اس کا گرنا تھا کہ ایرانی حوصلہ ہار گئے۔ اسلامی لشکر انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔ ایرانی زیادہ دیر جنگ جاری نہ رکھ سکے، جان بچانے کے لیے بھاگے اور دریائے فرات کے پل پر جا کر دم لیا۔ اس وقت تک ایرانیوں کی بڑی تعداد ماری جا چکی تھی۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت مالِ غنیمت آیا۔ اس میں سے ایک ہاتھی اور ہرمز کی ٹوپی حضرت خالد بن ولید نے مدینہ منورہ روانہ کر دیے۔ مدینے کے لوگوں نے اس سے پہلے کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ جب اس ہاتھی کو مدینے کی سڑکوں اور گلیوں میں گھمایا گیا تو سب لوگ اسے دیکھنے کے لیے امڈ پڑے۔ مدینہ منورہ کی بڑی بوڑھیاں اور بچے اسے دیکھ کر خوش ہوتے رہے اور حیران بھی کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ یہ جانور چونکہ بادشاہی شان و شوکت کی علامت تھا، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ منورہ میں رکھنا پسند نہ کیا۔ واپس بھجوا دیا۔

ادھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو ایرانیوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ حضرت معقل بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اُبلّہ کی طرف روانہ کیا، انھوں نے اُبلّہ کو بھی فتح کر لیا۔

حضرت مثنیٰ بن حارثہ ایرانیوں کا تعاقب کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ایسے میں ایران کے شہنشاہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کر دیا۔ جب حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو یہ اطلاع ملی تو وہ وہیں رک گئے جہاں تک پہنچ چکے تھے اور واپس لشکر سے آملے۔

ایرانی لشکر نے مزار پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ یہ مقام دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے سنگم پر واقع ہے، یعنی جہاں یہ دونوں دریا ملتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ اسلامی لشکر کو لے کر آگے بڑھے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔ ایرانی فوج میں سے ایک مشہور جنگ جو قارن میدان میں نکلا۔ مسلمانوں کی طرف سے معقل بن اَعشی آگے آئے۔ قارن نے آگے بڑھ کر حضرت معقل بن اَعشی پر وار کیا، انھوں نے ڈھال پر اس کا وار روکا اور اپنی تلوار سے اس پر وار کیا، تلوار اس کے خود کو کاٹتی ہوئی اس کی کھوپڑی میں اتر گئی۔

اس کے مارے جانے کے بعد ایرانیوں کی طرف سے ان کا نامور جنگ جو نوش جان آگے آیا۔ اس کے مقابلے میں حضرت عاصم میدان میں اترے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ ایرانیوں کی طرف سے تیسرا جنگجو قباذ میدان میں نکلا۔ اس کا مقابلہ حضرت عدی بن حاتم سے ہوا۔ یہ بھی مارا گیا۔

مورخ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ یہ تینوں ایران کے اتنے بڑے جنگجو تھے کہ ایرانی لشکر میں سے پھر کوئی اتنا بڑا جنگجو سامنے نہیں آیا۔

آخر دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے اس غضب کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کے ہوش اڑ گئے اور ان کی لاشوں کے ہر طرف ڈھیر لگ گئے۔ آخر

ایرانی ہمت ہار گئے اور بھاگ نکلے۔ دریا کے کنارے ان کی کشتیاں تیار کھڑی تھیں۔ وہ ان میں بیٹھ کر دریا پار کر گئے۔ اگر دریا درمیان میں نہ ہوتا تو ایک ایرانی بھی نہ بچ پاتا۔ اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی مارے گئے۔ بہت سے گرفتار ہوئے۔ گرفتار ہونے والوں میں ایک ابوالحسن بصری بھی تھے۔ بعد میں مسلمان ہوئے اور مشہور و معروف عالمِ دین اور ولی کامل بنے، یعنی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اب حیرہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ خلیج فارس اور مدائن کے درمیان میں واقع ہے۔ ایران کے شہنشاہ کو مزار میں اپنے لشکر کی شکست کی خبر ملی تو اس نے ایک اور لشکر مشہور سالار اندرزغر کی قیادت میں روانہ کیا۔ اس نے اسی پر بس نہیں کی، اس لشکر کے پیچھے ایک اور لشکر جارویہ نامی سالار کی قیادت میں روانہ کیا۔ اس مرتبہ ایرانیوں نے ایک کام یہ کیا کہ دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقوں میں جتنے قبیلے آباد تھے، انھیں بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ یہ لوگ اگرچہ عیسائی تھے، لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد پر تیار ہو گئے۔ ان تمام فوجوں نے دلجہ میں پڑاؤ ڈالا۔ دلجہ دجلہ اور فرات کے سنگم پر واقع تھا۔

حضرت خالد بن ولید اس وقت مزار میں تھے۔ آپ کو یہ خبریں ملیں تو اسلامی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس بار مقابلہ آسان نہیں تھا۔ مقابلے میں بڑے بڑے لشکر تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا سالار تھا جب کہ ان تمام کا سپہ سالار ایرانی تھا۔

آخر جنگ شروع ہوئی۔ دونوں طرف کے جواں مردوں نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس جنگ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک حکمت عملی یہ اختیار کی تھی کہ انھوں نے اپنے لشکر کے بڑے بڑے سرداروں سے فرمایا تھا کہ وہ مختلف راستوں سے میدانِ جنگ میں ایرانی لشکر کے پیچھے پہنچیں۔

یہ تدبیر بہت ہی کارگر رہی، یعنی جب آمنے سامنے کی جنگ شروع ہوگئی تو ایرانیوں کے پچھلی طرف، اچانک مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ اس طرح ان کا پچھلا حصہ بھی گھیرے میں آ گیا۔ وہ بوکھلا گئے اور بری طرح شکست کھا کر بھاگے۔ ان کی ایک بڑی تعداد قتل ہوگئی۔ اندرزغر جان بچا کر بھاگا، لیکن راستے ہی میں مارا گیا۔

جنگ کے بعد حضرت خالد بن ولید نے وہاں کے باشندوں کو امان دے دی اور ان لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔

اس تیسری بڑی شکست نے ایرانیوں میں آگ لگا دی۔ عرب قبائل سب سے زیادہ طیش میں آگئے۔ انھوں نے ایرانیوں سے خط و کتابت شروع کر دی۔ اب یہ سب جمع ہو گئے۔ ایرانی، عرب قبائل سب ایک ہو گئے۔ ان میں عیسائی مذہب والے عرب قبائل بھی تھے۔

حیرہ اور اُبلّہ کے درمیان دریائے فرات کے کنارے ایک مقام اُلّیس ہے۔ یہ سب اس مقام پر آ جمع ہوئے۔ ایران کے شہنشاہ نے اپنے سپہ سالار بہمن کو حکم بھیجا:

”عرب کے عیسائیوں کی مدد کو پہنچو۔“

بہمن نے اس حکم پر عمل کرنے سے پہلے شہنشاہ ایران سے مشورہ ضروری سمجھا۔ اس نے اپنے نائب سپہ سالار جابان سے کہا:

”فوج کی کمان تم سنبھالو، میں شہنشاہ سے مشورہ کر کے آتا ہوں جب تک میں نہ آجاؤں، جنگ شروع نہ کرنا۔“

بہمن وہاں سے مدائن پہنچا۔ شہنشاہ ایران اس وقت مدائن میں تھا اور بیمار تھا، اس لیے بہمن کو وہاں رکنا پڑا۔ ادھر جابان بہمن کا انتظار کر رہا تھا کہ حضرت خالد بن ولید اسلامی لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ آپ نے دشمن کو مہلت نہ دی اور ایرانی لشکر پر حملے کا حکم دے دیا۔ فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ ایرانی فوج کا ایک بڑا بہادر مالک بن قیس آگے بڑھا، لیکن حضرت خالد بن ولید کے ایک ہی وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دیکھ کر دشمن پر خوف طاری ہوگیا۔ وہ میدان سے بھاگے۔ یہاں تک کہ اپنا پکایا ہوا کھانا بھی چھوڑ گئے۔ یہ کھانا مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس میں میدے کی روٹیاں بھی تھیں۔ مسلمانوں نے اس سے پہلے میدے کی روٹیاں نہیں دیکھی تھیں۔

ایرانیوں کی شکست کے بعد حضرت خالد بن ولید نے ام غیشا شہر کا رخ کیا۔ یہ شہر اُلّیس کے قریب تھا۔ دریائے فرات اور ایک نہر بارقلی کے سنگم پر واقع تھا۔ اس جگہ جنگ نہیں ہوئی۔ شہر کے لوگوں نے جنگ کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان مسلسل فتوحات کا علم ہوا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے فرمایا:

”عورتیں خالد جیسا کوئی بہادر پیدا نہیں کر سکتیں۔“

جنگ اُلّیس میں ایرانیوں کے ستر ہزار کے قریب افراد قتل ہوئے۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

ان مسلسل شکستوں نے ایرانیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی، لیکن ابھی عرب قبائل میں دم خم باقی تھا اور یہ لوگ حیرہ میں تھے۔ یہ عراقِ عرب کا دارالحکومت تھا۔ اس پر قبضہ کرنا ضروری تھا تا کہ ان عرب قبائل کو قابو میں رکھا جاسکے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اب حیرہ کا رخ کیا۔ ایران کی طرف سے حیرہ کا گورنر آزادیہ تھا۔ اسے اسلامی فوج کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے دریا کا راستہ کاٹ دیا، یعنی پانی کا رخ بدل دیا۔ اسلامی لشکر دریا کے راستے آرہا تھا۔ ان کی کشتیاں بے کار ہو گئیں۔ حضرت خالد بن ولید کشتیوں سے اتر آئے۔ اب ان کے سامنے آزادیہ کے بیٹے کا دستہ تھا۔ اسی کے ذریعے آزادیہ نے دریا کا رخ بدلا تھا۔ اسلامی لشکر نے آزادیہ کے بیٹے اور اس کے ساتھ جو دستہ تھا، اسے قتل کر ڈالا۔ پھر آگے بڑھا۔

اسی وقت آزادیہ کو ایران کے شہنشاہ کی موت کی خبر ملی۔ آزادیہ پریشان ہوگیا۔ خود اس کا بیٹا بھی قتل ہو چکا تھا۔ ان حالات میں وہ قلعہ بند ہوگیا۔ مسلمانوں نے حیرہ کے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ آخر آزادیہ نے صلح کی درخواست کی۔ اس نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ خراج پر صلح کرلی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ کی فتح کی خوش خبری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ ساتھ میں انھوں نے کچھ تحفے بھی بھیجے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان تحفوں کو قبول نہ کیا اور ان کا حساب جزیے میں شامل کرلیا۔ حیرہ ربیع الاول 12 ہجری میں فتح ہوا۔

اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے بڑا مرحلہ مدائن فتح کرنے کا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حیرہ میں ایک سال تک ٹھہرے رہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں کا اچھا سلوک دیکھ کر آس پاس کے لوگ بھی حضرت خالد بن ولید سے صلح کرنے لگے اور جزیہ ادا کرنے پر امن حاصل کرتے رہے۔ اس طرح خلیج فارس، حیرہ، عرب علاقے، ان سب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

حضرت خالد بن ولید نے خطوط کے ذریعے چاروں طرف اسلام کی دعوت دی۔ ادھر اسلامی فتوحات سے پریشان ہو کر تمام ایرانی بھی ایک مرکز پر جمع ہوگئے۔ حیرہ کے قریب ہی انبار اور عین التمر کے علاقے تھے، وہ اپنی فوجیں وہاں جمع کرنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید کو اطلاع ملی کہ ایرانی فوجیں انبار میں جمع ہو رہی ہیں تو آپ انبار کی طرف روانہ ہوئے۔ ایرانیوں کو ان کے روانہ ہونے کی خبر ملی تو وہ قلعہ بند ہوگئے۔ اس قلعے کے چاروں طرف خندق تھی۔ اس خندق کی وجہ سے مسلمان قلعے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ایرانی قلعے کی فصیل پر چڑھے ہوئے تھے اور وہاں سے تیروں کی بارش کر رہے تھے۔ اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا:

''ان کی آنکھوں کو نشانہ بناؤ۔''

فصیل پر موجود ایرانیوں کی آنکھوں کا نشانہ لے کر تیر چلائے گئے، اس طرح تقریباً ایک ہزار آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو ''جنگِ ذات العیون'' بھی کہتے ہے۔

ایرانی فوج کے سالار شیرزاد نے صلح کی پیش کش کی، لیکن صلح کی شرائط ایسی تھیں کہ حضرت خالد بن ولید انھیں قبول نہ کرسکے۔ آخر آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا:

''فوج میں جو کمزور اونٹ ہیں، انھیں ذبح کر کے خندق میں ڈالا جائے۔''

ایسا کرنے سے خندق پُر ہوگئی۔ اب مسلمانوں کے لیے خندق کو عبور کرنا آسان ہوگیا۔ یہ منظر دیکھ کر شیرزاد خوف زدہ ہوگیا۔ انھوں نے حضرت خالد کی شرائط پر صلح کرلی، ورنہ پہلے وہ اپنی شرائط پر اڑا ہوا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کا قلعے پر قبضہ ہوگیا۔ شیرزاد وہاں سے نکل گیا۔

انبار سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عین التمر کی طرف روانہ ہوئے۔ عین التمر عراق اور شام کے درمیان صحرا کے کنارے پر واقع ہے۔ تین دن کے سفر کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں ایرانی حکومت کی طرف سے مہران حاکم تھا۔ اس کے پاس ایک بڑی فوج تھی۔ اپنی فوج کے علاوہ عرب قبائل بھی اس کے ساتھ تھے۔ عرب قبائل کا سردار عقہ بن ابی عقہ تھا۔ حضرت خالد کے پہنچنے کی خبر اسے ملی تو اس نے مہران سے ملاقات کی اور کہا:

''لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ ہم بھی عرب ہیں اور خالد کے ساتھی بھی عرب ہیں۔ اس لیے ہمیں ان سے لڑنے دیں۔''

مہران بولا:

"ٹھیک ہے۔"

اس کے لوگوں نے جب اس کی تجویز سنی تو اس پر بگڑے کہ یہ کیا کیا۔ اس پر اس نے کہا:

"یہ میں نے ایک چال چلی ہے۔ یہ تم لوگوں کے لیے بہت مفید ہوگی۔ اگر عقہ خالد کے مقابلے میں کامیاب ہوگیا تو ہم یہی چاہتے ہیں، ایسا نہ ہوا تو عقہ کی فوج سے لڑ کر مسلمان کمزور ہو جائیں گے اور ادھر ہم تازہ دم ہوں گے۔ مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے، لہٰذا فتح ہماری ہوگی۔"

اس پر اس کی فوج خاموش ہوگئی۔ اب عقہ حضرت خالد کی طرف بڑھا۔ اس کی فوج کے دائیں بازو پر بجیر بن فلان تھا، بائیں بازو پر ہذیل بن عمران تھا۔ درمیان میں خود عقہ تھا۔ اس نے اپنی فوج کی صف بندی شروع کی۔ حضرت خالد بن ولید بھی فوج کی صف بندی کرنے لگے۔

عقہ نے آگے بڑھ کر حضرت خالد پر وار کیا۔ آپ نے اس کا وار روکا، دونوں میں وار پر وار ہونے لگے۔ آخر حضرت خالد نے پہلو بچا کر وار کیا اور اسے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور اسے گرفتار کرلیا۔

اس کی گرفتاری سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بدحواس ہوکر بھاگ پڑے۔ مسلمانوں نے بھاگتے دشمن کا پیچھا کیا اور بہت سے ایرانیوں کو قیدی بنالیا۔

مہران کو عقہ کی شکست کی خبر ملی تو اپنا لشکر لے کر قلعے سے نکل بھاگا۔ حضرت خالد بن ولید کے لیے میدان صاف ہوگیا۔ آپ قلعہ عین التمر پہنچے۔ وہاں موجود بچے ہوئے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ عقہ اور اس کے کچھ ساتھی سخت فسادی تھے، انھیں قتل کرایا گیا۔

اس مقام پر حضرت خالد بن ولید کو ایک گرجا نظر آیا۔ اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ حضرت خالد بن ولید کے حکم سے اس دروازے کو توڑا گیا۔ اندر چالیس لڑکے انجیل پڑھ رہے تھے۔ حضرت خالد نے ان سے پوچھا:

"تم لوگ کون ہو؟"

انھوں نے بتایا:

"ہمیں یہاں گروی رکھا گیا تھا۔"

آپ نے ان چالیس لڑکوں کو وہاں سے نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت ابوموسیٰ بن نصیر جو اندلس کے مشہور فاتح ہیں اور ابومحمد بن سیرین جو بصرہ کے مشہور فقیہہ ہیں، یہ دونوں انھی لڑکوں میں شامل تھے۔

عین التمر سے جنوب مغرب میں تین سو میل دور دومۃ الجندل واقع ہے۔ یہ اس راستے پر واقع ہے جو حیرہ اور عراق کی طرف جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاول 5 ہجری میں یہ اطلاع ملی تھی کہ دومۃ الجندل میں کفار کی ایک بڑی فوج جمع ہو رہی ہے۔ یہ خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کی فوج لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، کفار کو یہ خبر ملی تو بھاگ نکلے، اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اکیدر بن عبدالملک کو مقرر فرمایا۔ یہ شخص ایک عربی سردار تھا۔ 9 ہجری میں ایک قیدی کی حیثیت سے آیا تھا اور مسلمان ہوگیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے بھی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر حضرت عیاض بن غنم کو دے کر اس کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ کو امید تھی کہ یہ علاقہ جلد فتح ہو جائے گا، لیکن ایک سال گزرنے پر بھی دومۃ الجندل فتح نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جتنے قبائل حضرت خالد کے ہاتھوں شکست کھا کھا کر بھاگے تھے، انھوں نے دومۃ الجندل میں پناہ لے رکھی تھی اور اس طرح وہاں دشمن کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی اور حضرت عیاض بن غنم انھیں شکست نہیں دے سکے تھے۔

عین التمر کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید نے دومۃ الجندل کا رخ کیا۔ انھیں حضرت عیاض بن غنم کا پیغام یہی ملا تھا کہ عین التمر سے فارغ ہوکر آپ اس طرف آئیں۔ حضرت خالد تو پہلے ہی تیار تھے۔ انھوں نے حضرت عیاض کو پیغام بھیجا:

"ہم آرہے ہیں۔"

اسلامی لشکر روانہ ہوا اور دس دن سے بھی کم مدت میں تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے دومۃ الجندل پہنچ گیا۔ اکیدر خوف زدہ ہوگیا اور اپنی فوج سے نکل کر فرار ہو رہا تھا کہ حضرت خالد بن ولید کو یہ اطلاع مل گئی۔ آپ نے حضرت عاصم بن عمرو کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انھوں نے اسے گرفتار کرلیا، چونکہ یہ مرتد ہوگیا تھا، اس لیے خالد بن ولید کے حکم پر اسے قتل کر دیا گیا۔

اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے صف بندی شروع کی۔ اکیدر کے فرار کے بعد ایرانی فوج کی کمان اب جودی کے ہاتھ میں تھی۔ جودی ایک دستہ لے کر حضرت خالد کی طرف بڑھا۔ دوسرا دستہ حضرت عیاض کی طرف رخ کر رہا تھا۔ اس طرح جودی حضرت خالد کے مقابلے میں آگیا۔ حضرت خالد بن ولید نے اس زور کا حملہ کیا کہ فوراً ہی جودی کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اسے گرفتار کرلیا گیا۔ اس کی فوج بدحواس ہوکر قلعے کی طرف بھاگی۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

قلعے میں پوری فوج تو سما نہیں سکتی تھی، اس لیے جتنے آدمی اندر سما سکتے تھے، انھوں نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ ایک بڑی تعداد جو باہر رہ گئی تھی، مسلمانوں کے ہاتھوں ماری گئی۔ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ قلعے پر حملہ آور ہوئے۔ آخر قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ جودی کو قتل کر دیا گیا۔ اس کی بیٹی بھی گرفتار ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پہلے اسے خریدا، پھر اس سے نکاح کر لیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ابھی دومۃ الجندل ہی میں تھے کہ ایرانیوں اور عراق کے عرب قبائل نے ان کی غیر موجودگی سے شیر ہو کر بغاوت کر دی۔ قبیلہ بنوتغلب اس بغاوت میں سب سے آگے تھے، کیونکہ ان کا سردار عقہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حیرہ میں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر آئے تھے۔ اکیلے ان سب باغیوں سے لڑنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے انھوں نے فوراً بغاوت کی اطلاع بھیج دی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جونہی یہ اطلاع ملی، آپ دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے۔

حیرہ پہنچ کر آپ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو حصہ کے مقام پر مقرر کیا۔ وہاں اس وقت ایرانی سردار روزبر اور روزبہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ ابولیلیٰ کو آپ نے خنافس کے محاذ پر روانہ کیا۔

حصہ کے مقام پر بڑی شدید جنگ ہوئی، لیکن آخر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے فتح پائی۔ روزبر کو قتل کر دیا گیا۔ روزبہ بھی مارا گیا۔

حصہ سے بھاگ کر ایرانی خنافس پہنچ گئے، یہاں ایرانی فوج مہبوذان کے ماتحت تھی۔ یہاں مقابلہ نہیں ہوا۔ مہبوذان حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا۔

اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکروں کو ایک مقام پر جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جب تمام لشکر جمع ہو گئے تب آپ نے ہذیل پر شب خون مارنے کا حکم دیا۔ شب خون مارا گیا۔ ایرانیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، تاہم ہذیل بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس شب خون میں دو مسلمان بھی مارے گئے تھے۔ ان کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تصدیق نامہ موجود تھا، یعنی آپ نے لکھا تھا کہ یہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، لیکن یہ اس شب خون کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کیا اور حکم فرمایا:

"ان کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔"

یہ سارا فتنہ بنوتغلب نے کھڑا کیا تھا۔ ایرانی جو کچھ کر رہے تھے، انھی کی شہ پر کر رہے تھے۔ بنوتغلب اسلام کے بہت پرانے دشمن تھے، شدید مخالف تھے۔ اس بنیاد پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی:

"میں بنوتغلب کو تہس نہس کیے بغیر دم نہیں لوں گا۔"

آپ نے حضرت قعقاع اور ابولیلیٰ کو دو مختلف راستوں سے روانہ فرمایا اور دونوں کے لیے حملہ کرنے کا وقت طے کر دیا، یعنی انھیں حکم تھا کہ ایک ہی وقت میں بنوتغلب پر حملہ کیا جائے گا۔

ان دونوں کو روانہ کرنے کے بعد خود بھی روانہ ہوئے۔ پہلے آپ ثنی میں پھر مقام زمیل میں پہنچے۔ یہ دونوں علاقے بنوتغلب کے خاص مرکز تھے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے تین طرف سے اس قدر زوردار حملہ کیا کہ بنوتغلب کا کوئی شخص نہ بچ سکا۔ اس حملے میں ان کی بعض عورتوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصے میں فراض واقع ہے۔ بنوتغلب کو شکست دینے کے بعد آپ فراض پہنچے۔ آپ نے دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔

فراض روم کی حکومت میں شامل تھا۔ رومیوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس طرح پڑاؤ ڈالے دیکھا تو بہت طیش میں آئے۔ آس پاس کے ایران کے فوجی علاقے بھی ان کے ماتحت تھے۔ انھوں نے ان سب کو فراض پہنچنے کا حکم دیا۔

ان کے علاوہ جو عرب قبائل وہاں آباد تھے اور روم کے ماتحت، ان سے بھی رومیوں نے مدد مانگ لی۔

اس طرح مسلمانوں کے مقابلے میں ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ اب دونوں لشکر آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ دونوں فوجوں کے درمیان بس دریائے فرات تھا۔ آخر رومی دریا پار کر کے اس طرف آ گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوجیں درست

کرنے کا حکم فرمایا:

رومی بھی اپنا لشکر ترتیب دینے لگے:

پھر جنگ شروع ہوئی۔ نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو حکم دیا:

''دشمن کی فوج کو منتشر نہ ہونے دیا جائے۔ اسے گھیرے میں رکھے ہوئے لڑیں۔''

مسلمانوں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ یہ ہدایت اس بنیاد پر دی گئی تھی کہ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اگر وہ منتشر ہو جاتے تو جنگ پھر کئی محاذوں پر ہوتی اور مسلمانوں کو تقسیم ہونا پڑتا۔

مؤرخین لکھتے ہیں، جنگ فراض میں تقریباً ایک لاکھ رومی مارے گئے۔ یہ جنگ تقریباً دس دن تک جاری رہی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تقریباً ایک سال تک عراق میں ٹھہرے۔ اس تھوڑی سی مدت میں انھوں نے حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کیں۔ اس عرصے میں آپ نے خلیج فارس سے شام کی سرحد تک فتوحات کیں۔

یہ جنگیں کسی ایک قوم سے نہیں ہوئی تھیں۔ ان جنگوں میں ایرانی، رومی اور عرب قبائل تین بڑی قومیں شامل تھیں۔ یہ تینوں طاقتیں ساز و سامان اور اسلحے سے لیس تھیں۔ ہر طرح کا ساز و سامان ان کے پاس تھا، ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں بدترین شکستوں سے دوچار کیا۔ ان تمام جنگوں میں کسی ایک موقعے پر بھی مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی۔

مرتدوں سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف توجہ فرمائی۔ شام پر اس وقت قیصر روم کی حکومت تھی۔ اس کا نام ہرقل تھا۔ اس زمانے میں وہ حمص میں رہتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر بھیجا تھا۔ انھیں رومیوں کے مقابلے میں زبردست کامیابی ہوئی تھی۔

مسلمانوں کی اس کامیابی نے قیصرِ روم کو چوکنا کر دیا تھا۔ اس نے اپنی سرحدوں پر حفاظتی انتظامات شروع کر دیے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی فوج میں اضافہ بھی کرنے لگا۔ اس نے بے شمار عرب قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح اس کی فوجوں میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے شام پر حملے کا ارادہ کر لیا۔ اس سلسلے میں آپ نے بڑے بڑے صحابہ کرام سے مشورہ بھی ضروری سمجھا، چنانچہ صفر 13 ھ میں آپ نے ایک مجلس مشاورت طلب کی۔ اس میں حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنھم

محمد ایاز بن محمد اسلم

وغیرہ شامل تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بات شروع کی:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف توجہ فرمائی تھی، لیکن اسی دوران اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ اب میں چاہتا ہوں اسلامی لشکر کو شام کی طرف روانہ کروں، آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔''

اس پر سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

''اے خلیفۂ رسولؐ! آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ آپ ہمیں جو حکم دیں گے، ہم بجالائیں گے۔''

جب تمام صحابہ نے آپ کے مشورے سے اتفاق کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرب کے تمام قبیلوں کو جہاد میں شرکت کے دعوت نامے ارسال فرمائے۔

قبائل کو جونہی یہ دعوت نامے ملے، انھوں نے پر جوش انداز میں کہا:

''ہم حاضر ہیں۔''

اب یہ قبائل گروہ در گروہ مدینہ منورہ کا رخ کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطوط حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ انھوں نے واپس آ کر آپ کو بتایا:

''آپ کی اس دعوتِ جہاد کا یہ اثر ہوا ہے کہ قبائل جس حالت میں تھے، اسی حالت میں اپنے ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہو گئے ہیں۔''

یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ دوسرے دن آپ نے مدینہ والوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر آنے والے قبائل کا استقبال کیا۔ یمن کے قبائل میں سے سب سے پہلے قبیلۂ حمیر پہنچا۔ یہ پوری طرح ہتھیار بند تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابھی ان کا استقبال کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ قبیلوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ مدینہ منورہ کے قریب میدانِ جرف میں ان کے لیے خیمے لگا دیے گئے۔

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیصرِ روم کے نام ایک خط لکھا۔ آپ نے اس خط میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس کے انکار پر آپ نے فوجوں کی تیاری کا حکم فرمایا۔ یہ مہم چونکہ بہت بڑی اور اہم تھی، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھا رہے تھے۔ آخر فوجوں کی روانگی کا دن آ پہنچا۔ (جاری ہے)

ایک تجربہ

ڈاکٹر ایچ پی شوبن نے تجربہ کیا کہ ایک حاملہ کتیا پر دو ماہ تک ٹیلی ویژن کی شعاعیں پڑنے دیں۔ اس کے بعد کتیا نے چار بچوں کو جنم دیا۔ یہ چاروں بچے فالج زدہ تھے اور ان میں تین تو اندھے بھی تھے۔ اس بات سے ٹیلی ویژن کی شعاعوں کے مہلک ہونے کا پتا چلتا ہے۔

جان میکڈونالڈ نے ایک تجربہ کیا۔ انھوں نے ایک طوطا خریدا۔ طوطے کو اس کمرے میں رکھا جہاں گھنٹوں ٹیلی ویژن چلتا رہتا تھا۔ پہلے طوطے کی چونچ پر نیلے رنگ کا ایک نقطہ نمودار ہوا۔ کچھ دنوں بعد اس نر طوطے نے تین انڈے دیے۔ گویا ٹی وی کی ایکسرے شعاعوں نے نر کو مادہ میں تبدیل کر دیا۔ (تحفۃ الطلباء والعلماء)

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر اس عظیم اسلامی لشکر کے مجاہدین کا جائزہ لیا۔ وہ بے حد جوش میں بھرے نظر آئے۔ اس کے بعد آپ نے مجاہدین کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر لشکر میں تین تین ہزار مجاہدین تھے۔

ان میں سے ایک لشکر کے سالار یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لشکر میں مکہ اور یمن کے لوگ شامل تھے۔ دوسرے لشکر کے سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ تیسرے لشکر کے سالار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔ چوتھا لشکر حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھا۔ ان کے علاوہ ایک لشکر حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں پہلے ہی موجود تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لشکروں کو ایک ایک کر کے روانہ کیا۔ آپ نے انھیں الوداع کہا۔ الوداع کہنے کے لیے آپ ہر بار مدینہ منورہ سے باہر آئے۔ مجاہدین کو خاص ہدایات بھی دیں۔ پھر ان کے لیے دعائیں بھی کیں۔ ان لشکروں کو آپ نے جو ہدایات دیں، ان میں سے ایک بڑی ہدایت یہ تھی:

”تم سب ایک ہی راستے سے نہ جانا۔ مختلف راستے اختیار کرنا۔“

حضرت یزید بن سفیان کو دمشق کے محاذ پر بھیجا گیا تھا، انھیں ہدایت کی کہ وہ تبوک کے راستے جائیں۔ حضرت عمرو بن عاص کو فلسطین کے محاذ پر بھیجا گیا تھا، ان سے فرمایا، تم ایلہ کے راستے جاؤ۔ اس طرح سب کے راستے تک مقرر فرمائے۔

یہ لشکر یکم صفر 13 ہجری کو روانہ ہوئے۔ پھر جب آپ کو اطلاع ملی کہ قیصر کے لشکر کی تعداد اڑھائی تین لاکھ کے برابر ہے تو آپ فکر مند ہوگئے، کیونکہ اتنے بڑے لشکر کے لیے بارہ ہزار کا لشکر بہت ناکافی تھا، چنانچہ آپ نے ان کے پیچھے اور لشکر بھی روانہ فرمائے۔ اس طرح اسلامی لشکروں کی کل تعداد چوبیس ہزار کے قریب ہوگئی۔

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ پہلے ہی اپنے لشکر کے ساتھ تیما میں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں ہدایت کر رکھی تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر جنگ نہ کریں۔ اب انھیں قیصر کی فوجوں کے جمع ہونے کی خبریں ملیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع بھیجی۔ پیغام ملنے پر آپ نے انھیں لکھا:

”اچھا ٹھیک ہے! اب تم آگے بڑھو، لیکن ان کے اندر نہ گھستے چلے جانا، ورنہ دشمن تمھیں پیچھے سے آدبائے گا۔“

حضرت خالد بن سعید نے جوش میں اس ہدایت کا خیال نہ کیا۔ انھوں نے رومیوں پر حملہ کیا۔ رومی شکست کھا کر پیچھے ہٹے اور یہ بھول گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں کیا ہدایت دی تھی۔ جوش میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

اس وقت رومی فوج کا افسر باہان تھا۔ وہ اپنے وقت کا نامور ماہر جنگ تھا۔ اس نے پسپا ہو کر دمشق کا رخ کیا۔ خالد بن سعید اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ ادھر یہ پسپائی دراصل باہان کی چال تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنی فوج کو پیچھے ہٹایا تھا۔ اس طرح خالد بن سعید آگے بڑھتے چلے گئے اور باہان اچانک راستہ بدل کر اسلامی فوج کے پیچھے آگیا۔ اسلامی لشکر گھیرے میں آگیا۔ اب پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔

حضرت خالد بن سعید کا ایک بیٹا مسلمانوں کے ایک دستے کے ساتھ کہیں بالکل الگ تھلگ رہ گیا۔ یہ لوگ باہان کے قابو میں آگئے۔ اس نے ان سب کو شہید کر دیا۔

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو بیٹے کے قتل کی خبر ملی تو انھیں شدید صدمہ پہنچا۔ اس حالت میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ میدان چھوڑ کر بھاگ پڑے اور مدینہ منورہ کے قریب ذوالمروہ کے مقام پر پہنچ کر دم لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ کو بھی سخت رنج ہوا۔ آپ نے خالد بن سعید کو لکھا:

”جو ہوا، سو ہوا، اب اپنی جگہ پر موجود رہو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرنے کے خلاف تھے اور دونوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روکا بھی تھا، لیکن آپ نے ان دونوں کی بات نہیں مانی تھی۔ اس موقعے پر آپ نے فرمایا:

”اگر میں عمرو اور ابوعبیدہ کی بات مان لیتا تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔“

قیصر روم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے

بھیجے ہوئے چار لشکروں کی روانگی کی خبریں ملیں تو اس نے بڑے پیمانے پر اپنے لشکر ترتیب دیے۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ اسلامی لشکروں کو کسی ایک جگہ جمع نہ ہونے دیا جائے تاکہ وہ ایک قوت بن کر مقابلہ نہ کرسکیں اور اس کے پاس چونکہ بے تحاشا فوج تھی، اس لیے اسے یقین تھا کہ بہت سے محاذوں پر تقسیم ہو کر مسلمان اس کی فوجوں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ اس سلسلے میں قیصر پہلے خود حمص آیا۔ یہ اس کی ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی۔ اس نے یہاں پہنچ کر لشکروں کی ترتیب اور اسلحے کی فراہمی کا کام شروع کیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں تو اس نے چار لشکر روانہ کیے۔ نوے ہزار کا ایک لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقابلے میں روانہ کیا۔ اس لشکر کا سالار اس کا بھائی تھیوڈرس تھا۔ ادھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس نوے ہزار کے مقابلے میں صرف سات یا آٹھ ہزار کا لشکر تھا۔ گویا رومی لشکر گیارہ گنا بڑا تھا۔

دوسرا لشکر اس نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقابلے میں روانہ کیا۔ اس لشکر کا سالار پیٹر تھا۔ عرب مؤرخوں نے اس کا نام فیقا ابن نسطوس لکھا ہے۔ یہ لشکر ساٹھ ہزار کا تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا لشکر سات ہزار کے لگ بھگ تھا۔

قیصر نے تیسرا لشکر سرجیس کی قیادت میں روانہ کیا۔ عرب مؤرخین نے اس کا نام جرجۃ بن توذرا لکھا ہے۔ اس لشکر کو حضرت یزید بن ابی سفیان کے لشکر کی طرف روانہ کیا گیا۔

چوتھا لشکر درافس کی قیادت میں تھا۔ یہ حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔

مسلمانوں کو جب ان کے بہت بڑے لشکروں کی روانگی کی خبریں ملیں تو وہ فکر مند ہوگئے۔ حضرت عمرو بن عاص سے پوچھا گیا:

''اب کیا کیا جائے۔''

آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا گیا۔ صورتِ حال بتائی گئی۔ آپ نے انھیں پیغام بھیجا:

''تم سب ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔ تمام لشکروں کا ایک لشکر بنالو۔''

آپ نے یہ بھی لکھا:

''اپنی کم تعداد کا غم نہ کرو، تم اللہ کے دین کے مددگار رہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔''

پھر آپ نے حکم بھیجا:

''سب لوگ یرموک میں جمع ہو جاؤ۔''

یرموک ایک دریا کا نام ہے۔ یہ حوران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مختلف پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اردن کے دریا اور بحر منجمد میں جاملتا ہے۔ اس سے تیس چالیس میل دور ایک مقام واقوصہ ہے۔ یہ مقام ایک بڑا نشیبی علاقہ ہے، تین طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ قیصر کی فوجوں نے اپنے لیے اس مقام کو پسند کیا تھا۔ رومی لشکر نے یہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ مسلمان دریائے یرموک کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے سامنے آگئے۔ اب رومی لشکر تین طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا اور ان کے سامنے جو راستہ تھا، اس پر اسلامی فوج آچکی تھی۔ اس طرح وہ گھر کر رہ گئے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس قدرتی صورتِ حال کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور مسلمانوں سے کہا:

''مسلمانو! تمھیں مبارک ہو۔ رومی خود ہی ہمارے گھیرے میں آگئے ہیں۔''

رومی فوج کا سالار تھیوڈرس تھا۔ لشکر کے دائیں بازو پر سرجیس تھا اور بائیں بازو پر باہان تھا۔ درافس میدانِ جنگ کا انچارج تھا۔

دونوں لشکر دو ماہ تک اس میدان میں پڑے رہے۔ اس دوران معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں، کھل کر جنگ نہیں ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ فکر مند ہو گئے۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا:

''عراق میں اپنا قائم مقام حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے فوراً شام کے لیے روانہ ہو جائیں۔''

اس وقت حضرت خالد بن ولید حیرہ میں مدائن پر حملے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن خلیفۂ اول کا حکم تھا اور پھر اس وقت شام کے محاذ کی اہمیت بہت تھی، اس لیے فوراً شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس وقت وہاں حضرت خالد بن ولید جیسے ماہر جنگ جو ہی کی ضرورت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یرموک میں موجود تمام اسلامی لشکروں کی سپہ سالاری آپ کو سونپی تھی۔

آپ تیزی سے منزلیں طے کرتے اور راستے میں مقابلے پر اتر آنے والے قبائل کو شکست دیتے آخر بصریٰ پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت شرجیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان بصریٰ کا محاصرہ کیے پڑے تھے، لیکن وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت خالد نے وہاں پہنچتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ رومیوں کا سالار رومانس پسپا ہوگیا اور شہر کے اندرونی حصے میں گھس گیا۔

یہ شخص پرانی کتابوں کا عالم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رومیوں کا زوال پیغمبرِ عرب کے ہاتھوں ہونا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ شخص مسلمان ہونا چاہتا تھا، لیکن رومیوں نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر تم مسلمان ہوگئے تو ہم تمھیں قتل کردیں گے۔ ان کے خوف سے یہ مسلمان نہیں ہوا تھا، لیکن اب جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو یہ مسلمان ہوگیا۔ بعد میں اس نے اسلام کے لیے نمایاں کارنامے انجام دیے۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

اِسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

بصریٰ کی فتح کے بعد

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دمشق کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ ایسے میں انھیں اطلاع ملی:

''قیصرِ روم نے ایک لاکھ لشکرِ جرار اجنادین میں جمع کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ عیسائی پادریوں نے تمام ملک میں دورہ کیا ہے۔ لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا ہے، اس لیے چاروں طرف سے چھوٹے چھوٹے لشکر اجنادین کا رخ کر رہے ہیں اور اس بڑے لشکر میں اس طرح شامل ہو رہے ہیں جیسے بہت سے دریا سمندر میں آ گرتے ہیں۔''

یہ خبر سن کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تیاریوں میں لگ گئے۔ اسلامی لشکر اس وقت مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ آپ نے تمام لشکروں کے سالاروں کو خط لکھے۔ ان خطوط میں آپ نے انھیں حکم دیا:

''آپ سب اجنادین کے محاذ پر آ جمع ہوں۔''

یہ حکم سنتے ہی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو دمشق کے ہزاروں لوگوں نے ان پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے، ادھر یہ اطلاع حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہوگئی۔ آپ فوراً ایک لشکر لے کر موقعے پر پہنچے اور ان رومیوں پر حملہ آور ہوئے۔ جلد ہی رومی بھاگ نکلے۔ یہاں سے انھوں نے پھر اجنادین کا رخ کیا۔

جس وقت حضرت خالد وہاں پہنچے، عین اسی وقت ایک نامور رومی سپہ سالار ایک بڑا لشکر لیے اجنادین پہنچا۔ دوسری طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ہدایات ملتے ہی حضرت عمرو بن عاص، حضرت یزید بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم بھی اپنے لشکر لے کر وہاں پہنچ گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پوری اسلامی فوج کا جائزہ لیا۔ ان کی صف بندی کی، ایک ایک دستے کے پاس خود چل کر گئے۔ جہاد کی فضیلت ان کے سامنے بیان کی۔ اس جنگ میں خواتین بھی شامل تھیں۔ انھیں مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑا کیا گیا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''اگر کوئی مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگے تو تم اسے غیرت دلانا، شرمندہ کرنا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ جنگ ظہر کی نماز کے بعد شروع فرماتے تھے، اس موقعے پر حضرت خالد نے بھی اس سنت پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ چاہتے تھے، جنگ ظہر کی نماز کے بعد شروع کریں، لیکن رومی صبح ہی جنگ شروع کرنے کے لیے تیار نظر آئے، چنانچہ رومی لشکر اسلامی لشکر کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ اب آپ بھی جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اسلامی فوج کے دائیں بازو پر سالار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے جب کہ بائیں بازو پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت سعید بن زید سالار تھے۔

رومیوں نے دائیں بازو پر اور بائیں بازو پر اس قدر زبردست تیر اندازی کی کہ مجاہدین کے گھوڑے بدک گئے اور اسلامی لشکر میں ہل چل مچ گئی۔ یہ رنگ دیکھ کر حضرت خالد نے سواروں کو حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی ان کے ساتھ آگے بڑھے۔ حضرت خالد نے رومیوں کے درمیانی حصے پر اس قدر زور کا حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے۔ انھوں نے فتح حاصل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ جنگ کئی گھنٹے تک ہوتی رہی۔ پھر اچانک اسلامی فوج سیلاب کے ریلے کی طرح آگے بڑھی اور دشمنوں پر چھا گئی، رومی بھاگے اور ایسے بھاگے کہ حمص اور دمشق میں جا کر دم لیا۔

رومی فوج کا سپہ سالار تھیوڈرس بھاگ کر حمص پہنچا۔ وہاں قیصرِ روم موجود تھا۔ قیصر نے اسے بہت لعنت ملامت کی۔ اسے کھری کھری سنائیں اور ساتھ ہی اسے سپہ سالاری سے معزول کر دیا۔ اسی ذلت کی حالت میں وہ مر گیا۔

اس جنگ میں تین ہزار آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں کا بھی کافی نقصان ہوا۔ یہ جنگ 18 جمادی الاول یا 2 جمادی الآخر 13 ہجری میں لڑی گئی۔ یہ جنگ شام میں سب سے پہلی بڑی جنگ تھی۔

اس شان دار فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید نے عبدالرحمٰن بن حنبل جمحی کو فتح کی خوش خبری کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھی لکھا۔ اس میں آپ نے لکھا:

''ہم میں اور رومیوں میں جنگ ہوئی۔ ان لوگوں نے ہمارے مقابلے میں بڑے بڑے لشکر اجنادین میں جمع کر رکھے تھے۔ یہ لوگ اپنی کتابیں اور

صلیبیں اٹھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ میدانِ جنگ سے نہیں بھاگیں گے اور ہمیں اپنے ملک سے نکال کر رہیں گے۔ ہم اللہ پر بھروسہ کرکے آگے بڑھے۔ پھر ہم نے تیروں سے کام کیا۔ اس کے بعد تلواروں کی باری آئی۔ تلواروں سے بھرپور جنگ ہوئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور اپنا وعدہ پورا فرمایا۔''

یہ جنگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات سے چوبیس دن پہلے ہوئی۔ آپ کو حضرت خالد بن ولید کا خط ملا۔ آپ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مسلمانوں کی مدد کی اور میری آنکھوں کو فتح کی خوش خبری سے ٹھنڈا کیا۔''

اجنادین کی جنگ کے بعد رومی واقوصہ میں جمع ہوگئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تو آپ بھی اسلامی لشکر کے ساتھ واقوصہ پہنچ گئے۔ آپ نے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ یہاں بھی رومی شکست کھا کر بھاگے اور شام کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئے۔

واقوصہ سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولید دمشق پہنچے۔ آپ نے دمشق شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی معاملہ یہیں تک تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی۔ اس لیے آپ نے وہاں آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

O

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حکم سن کر عراق سے شام کی طرف روانہ ہونے لگے تو انھوں نے عراق میں اپنا قائم مقام حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ حضرت خالد بن ولید کے چلے جانے کے بعد حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ہر طرف فوجی چھاؤنیاں مقرر کر دیں اور جاسوس مقرر کر دیے۔

ادھر ایرانیوں نے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید وہاں سے اپنا لشکر لے کر چلے گئے ہیں تو ان کا حوصلہ بڑھا۔ اس وقت تمام ایرانیوں نے اپنا بادشاہ اردشیر بن شہریار کو مان لیا تھا اور اس طرح ایران میں ایک بار پھر ایک مضبوط حکومت بن گئی تھی۔ اردشیر کو حضرت مثنیٰ بن حارثہ کی جنگی تدابیر کی خبریں ملیں تو اس نے اپنے ایک سالار ہرمز کو دس ہزار کا لشکر دے کر حضرت مثنیٰ بن حارثہ کے مقابلے میں روانہ کیا۔ اس لشکر کے ساتھ ہاتھی بھی تھا۔ ہاتھی سے جنگ کرنا عربوں کے لیے پہلا تجربہ تھا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس فوج کی پیش قدمی کا پتا چلا تو آپ نے مختلف چھاؤنیوں میں پھیلی ہوئی اپنی فوج کو جمع کیا۔ اپنے دونوں بھائیوں معنیٰ اور مسعود کو لشکر کے دونوں بازوؤں پر مقرر کیا اور بابل کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں حضرت مثنیٰ کو کسریٰ کا ایک خط ملا۔ اس نے بڑے فخر اور غرور کے لہجے میں لکھا تھا:

''تم لوگوں کی طرف جو لشکر بھیج رہا ہوں، یہ مرغیاں اور سور چرانے والوں کا لشکر ہے اور تمہاری حیثیت یہ ہے کہ میں تمہارے مقابلے میں اسی درجے کے لوگوں کو بھیجوں۔''

اس کے جواب میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ نے اسے لکھا:

''تو یا تو باغی ہے یا جھوٹا، اگر باغی ہے تو اس کا انجام تیرے حق میں برا ہوگا اور ہمارے حق میں اچھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جن جھوٹوں کو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عذاب ہوگا اور دنیا میں جنھیں سب سے زیادہ رسوائی ہوگی، وہ بادشاہ ہیں۔ رہی بات مرغیاں اور سور چرانے کی، تو لگتا ہے، تیرے پاس اب لے دے کے اسی درجے کے لوگ رہ گئے ہیں۔ ہمیں اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔''

کسریٰ کو یہ جواب ملا تو بہت گھبرایا۔ ادھر ایرانیوں کو کسریٰ کے خط کا پتا چلا تو انھوں نے ناراض ہو کر کسریٰ سے کہا:

''نہ آپ ایسا خط لکھتے، نہ جواب میں ایسی باتیں سنتے۔''

آخر بابل میں دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔ جنگ شروع ہوئی۔ ہرمز کا ہاتھی جس طرف کا رخ کرتا، مسلمانوں کی فوج میں ابتری پھیل جاتی۔ یہ صورتِ حال حضرت مثنیٰ کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ آخر انھوں نے ایک دستے کے ساتھ ہاتھی پر حملہ کیا۔ ہاتھی مارا گیا۔ اس کے مرتے ہی ایرانی فوج بھاگ نکلی۔ مسلمانوں نے مدائن تک ان کا تعاقب کیا۔ اس طرح بھاگتے بھاگتے بہت سے ایرانی مارے گئے۔

اردشیر کو اس شکست کی خبر ملی تو وہ بیمار پڑ گیا اور چند ہی دنوں میں مر گیا۔ اب ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنا لیا، لیکن وہ اس قابل نہ ثابت ہوئی، اس لیے اسے جلد ہی تخت سے اتار دیا گیا۔ اس کے بعد سابور بن شہر یزار بادشاہ بنا۔ سابور نے اپنا وزیر فرخ زاد کو مقرر کیا، لیکن اندرونی سازشوں کی وجہ سے وہ قتل کر دیا گیا اور تخت پر آزرمیدخت کو بٹھا دیا گیا۔

حضرت مثنیٰ نے ان کے ان اندرونی حالات سے فائدہ اٹھایا اور اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی اور مدائن تک پہنچ گئے، لیکن ان کے پاس جو فوج تھی، وہ مدائن کو فتح کرنے کے لیے ناکافی تھی۔ اس لیے انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت کیا کر سکتے تھے۔ پورے کا پورا اسلامی لشکر اس وقت شام کے محاذ پر جمع تھا۔ حضرت مثنیٰ کو جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ بہت پریشان ہوئے اور خود مدینہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچنے پر انھیں معلوم ہوا، خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہیں اور ان کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔

(جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت بہت خراب تھی۔ پھر بھی انھوں نے حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ آپ نے ان سے عراق کے محاذ کی پوری روداد سنی اور فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان سے فرمایا:

''مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے مجاہدین روانہ کیے جائیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے لوگوں کے سامنے جہاد کی تعریف میں خطبہ دیا۔ اس وقت وہاں حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے اٹھ کر کہا:

''لوگو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے۔ وہ مردِ میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے ضلعے ہم نے فتح کر لیے ہیں۔''

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر حضرت ابو عبید ثقفی رحمہ اللہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ قبیلہ ثقیف کے سردار تھے۔ آپ نے فرمایا:

''میں تیار ہوں۔''

اس پر مسلمان پکار اٹھے:

''ہم تیار ہیں، ہم تیار ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبید رحمہ اللہ کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ اس لشکر میں مدینہ منورہ اور آس پاس کے لوگ شامل تھے۔ جن ابو عبید رحمہ اللہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سالار مقرر فرمایا، وہ صحابی نہیں تھے، لیکن بہت بہادر اور پُرجوش تھے، اب یہ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔

دوسری طرف ایران کی ملکہ نے اپنے ایک بہادر جرنیل رستم کو اپنا وزیرِ اعظم بنا لیا تھا۔ اس نے رستم کو حکم دیا:

''مسلمانوں کو عراق سے نکال دو۔''

رستم نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اپنے لشکر کے دو حصے مقرر کیے۔ ایک حصے پر جابان کو سالار مقرر کیا، دوسرے حصے پر شہزادہ نرسی کو سالار بنایا۔

جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا۔ اسے عرب سے خاص دشمنی تھی۔ شہزادہ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد تھا۔ یہ دونوں مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے۔

دوسری طرف سے حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابو عبید رحمہ اللہ حیرہ تک پہنچ چکے تھے، لیکن پھر جنگی حکمت عملی کے تحت پیچھے ہٹ آئے اور خفان میں آگئے۔ جابان نے غازق کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابو عبید رحمہ اللہ اپنا لشکر لیے اس کی طرف بڑھے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ جابان کی فوج کے دائیں بازو پر جوشن شاہ سالار تھا، بائیں بازو پر مردان شاہ تھا۔ یہ دونوں بہت ماہر جنگ جو تھے۔ دونوں نے اپنی فوج کو مسلمانوں کے مقابلے میں بڑی بہادری سے لڑایا۔ بہت زبردست جنگ ہوئی۔ مسلمان جہاد کے جذبے سے سرشار تھے۔ جہاد کے جذبے کے سامنے ایرانی ٹک نہ سکے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دونوں سالار موقعے پر ہی گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ کو اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ جابان بچ گیا۔ اسے جس مسلمان نے گرفتار کیا تھا، وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جابان بہت چال باز تھا۔ اس نے مسلمان سے کہا:

''اس بڑھاپے میں میں تمھارے کس کام کا۔ مجھے چھوڑ دو اور بدلے میں مجھ سے جوان غلام لے لو۔''

مجاہد نے اس کی بات منظور کر لی، لیکن اسی وقت لوگوں نے اسے پہچان لیا اور شور مچا دیا، مسلمان کہنے لگے:

''ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔''

اس پر حضرت ابو عبید رحمہ اللہ نے کہا:

''اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔''

ابو عبید رحمہ اللہ نے اس معرکے کے بعد کسکر کا رخ کیا۔ یہاں شہزادہ نرسی اپنی فوج لیے تیار کھڑا تھا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ نرسی کا لشکر بہت بڑا تھا۔ کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی لشکر کے دائیں اور بائیں مقرر تھے۔ نرسی اس وقت جنگ شروع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے خبر ملی تھی کہ اس کی مدد کے لیے ایران سے مزید فوجیں روانہ ہو چکی ہیں۔ وہ ان فوجوں کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب وہ فوجیں آجائیں، تب جنگ شروع کرے۔ دوسری طرف حضرت ابو عبید رحمہ اللہ کو بھی یہ اطلاعات مل چکی تھیں کہ ایرانی فوج کی مدد کے لیے اور فوج روانہ کی جا چکی ہے، اس لیے انھوں نے دیر کرنا مناسب نہ سمجھا اور ایرانی فوج پر حملہ کر دیا۔ بہت زبردست جنگ کے بعد آخر نرسی شکست کھا گیا۔

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ خود وہیں ٹھہر گئے۔ البتہ انھوں نے چاروں طرف اسلامی دستے روانہ کر دیے، تا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جا سکے اور ان کا صفایا

کیا جاسکے۔

اس شکست نے رستم کو آگ بگولا کردیا۔ اس نے بہمن کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا۔ بہمن کا لشکر مروحہ کے مقام پر اسلامی لشکر کے سامنے آگیا، لیکن دونوں لشکروں کے درمیان دریائے فرات تھا۔ بہمن نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا:

''تم اس طرف آتے ہو یا ہم آئیں۔''

حضرت ابوعبید رحمہ اللہ نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سالاروں نے کہا:

''اس سے کہا جائے، وہ دریا پار کر کے آجائے۔''

اس مشورے کے جواب میں حضرت ابوعبید رحمہ اللہ بولے:

''یہ تو بزدلی ہے۔''

حضرت مثنیٰ بن حارثہ وغیرہ حضرت ابوعبید رحمہ اللہ کو ابھی دریا پار کرنے سے روک ہی رہے تھے کہ ایرانی قاصد بول اٹھا:

''ہمارا یہی خیال ہے کہ مسلمان مردِ میدان نہیں ہیں۔''

اس نے یہ بات مسلمانوں کو غصہ اور جوش دلانے کے لیے کہی تھی تاکہ غصے میں آکر مسلمان سپہ سالار غلط فیصلہ کر ڈالے اور یہی ہوا۔ حضرت ابوعبید رحمہ اللہ جوش میں آگئے۔ انھوں نے کہا:

''ہم دریا پار کر کے اس طرف جائیں گے۔''

اس وقت حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ دریا پار کرنا اسلامی لشکر کے لیے خطرناک ہوگا اور اس طرح بہت نقصان پہنچ سکتا ہے، لیکن چونکہ لشکر کے سالار اس وقت آپ ہیں، اس لیے ہم آپ کا حکم مانیں گے، لہٰذا ہم تیار ہیں۔''

اب کشتیوں کا پل بنایا گیا۔ تمام فوج دریا کے دوسرے کنارے پر آگئی۔ ایرانی سپہ سالار بہمن نے یہ چال چلی تھی اور مسلمانوں کے لیے دریا کے کنارے بہت تھوڑی جگہ چھوڑی تھی۔ اسلامی فوج کو صف بندی کے لیے جگہ بھی نہ مل سکی اور نہ وقت مل سکا۔

دوسری طرف ایرانی فوج کے اگلے حصے میں خوف ناک ہاتھی کھڑے تھے، ان پر بڑے بڑے گھنٹے لٹکائے گئے تھے۔ جب یہ ہاتھی چلتے تو وہ گھنٹے زور زور سے بجتے تھے۔ ان کے اوپر جو فوجی سوار تھے، وہ سمور کی لمبی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے تھے۔ وہ خوف ناک قسم کے جانور نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کے عربی گھوڑوں نے ایسے ہاتھی اور سمور کی ٹوپیوں والے لوگ پہلے نہیں دیکھے تھے۔ اس لیے وہ انھیں دیکھ دیکھ کر بدک گئے۔ گھوڑے بدک کے پیچھے ہٹے۔ یہ صورتِ حال خوف ناک تھی۔ جب حضرت ابوعبید رحمہ اللہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے مقابلے میں گھوڑے ناکارہ ثابت ہو رہے ہیں تو اپنے گھوڑے سے کود پڑے۔ مسلمانوں سے بولے:

''جانبازو! ہاتھیوں کو درمیان میں لے لو اور سواروں سمیت انھیں الٹ دو۔''

اس حکم پر مسلمان گھوڑوں سے کود پڑے اور نیزوں اور تلواروں سے ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے ہاتھیوں کی سونڈوں پر حملہ شروع کردیا اور ہاتھیوں کو مارنے کاٹنے لگے، ان کے سواروں کو گرانے لگے۔ اس ساری کوشش اور جواں مردی کے باوجود مسلمانوں کا ہاتھیوں کی وجہ سے بہت نقصان ہو رہا تھا۔ ہاتھی جس طرف کا رخ کرتے، مسلمانوں کی صف پس جاتی۔ یہ خوف ناک صورتِ حال دیکھ کر ابوعبید رحمہ اللہ سفید ہاتھی پر خود حملہ آور ہوئے۔ یہ سب ہاتھیوں کا سردار تھا۔ حضرت ابوعبید رحمہ اللہ نے اس کی سونڈ پر تلوار ماری۔ سونڈ کٹ گئی۔ ہاتھی خوف ناک آواز میں چنگھاڑا اور طیش میں آکر آگے بڑھا۔ حضرت ابوعبید رحمہ اللہ اس کی لپیٹ میں آگئے۔ وہ زمین پر گر پڑے اور ہاتھی نے اپنا پاؤں ان کے سینے پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی ہڈیاں چور چور ہوگئیں۔ وہ اسی وقت شہید ہوگئے۔

ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لے لیا اور پر جوش انداز میں ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ ہاتھی نے ابوعبید رحمہ اللہ کی طرح انھیں بھی پاؤں کے نیچے کچل دیا۔ اس طرح سات مسلمان باری باری علم ہاتھ میں لیے آگے بڑھے اور شہید ہوگئے۔

آخر حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا، لیکن اس وقت تک جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ ایرانی مسلمانوں کو دریا کی طرف دھکیل رہے تھے۔ ایسے میں کسی نے دریا کا پل بھی توڑ دیا۔ اس ہولناک صورتِ حال میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حواس بحال رکھے، پل بندھوایا اور سواروں کو حکم دیا:

''پل پار کرنے میں مسلمانوں کی مدد کریں۔''

پھر خود ایک دستے کو لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

(جاری)

دنیا میں جب کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اس کے گھر والے اور محلے والے پریشان ہوجاتے ہیں اور انھیں کوئی چیز بھی اچھی نہیں لگتی۔ جسم تو سامنے پڑا ہوتا ہے، لیکن اس میں روح نہیں ہوتی۔ اسی لیے سب پریشان ہوتے ہیں۔ اس روح کے نکلنے سے جسم لاش بن جاتا ہے۔ اس روح کی بھی ایک روح ہے اور وہ ہے اسلام۔ لوگوں کی روح میں سے اصل روح یعنی اسلام نکل رہا ہے اور وہ لاشیں بن چکے ہیں۔ اسی لیے آج دنیا پریشان ہے۔

(از مجموعہ بیانات ص235)

قدم بہ قدم

حضرت مثنیٰ بن حارثہ اس وقت اس قدر بہادری سے لڑے کہ دشمن جو برابر بڑھتا چلا آرہا تھا، وہ رک گیا... آگے نہ بڑھ سکا... اس وقت یہ بھی بہت بڑی بات تھی... کیونکہ نو ہزار مسلمانوں میں سے چھ ہزار شہید ہوچکے تھے، حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ باقی مجاہدین کو دریا کے دوسرے کنارے پر لے آنے میں کامیاب رہے... یہ واقعہ رمضان 13 ہجری کا ہے... اس جنگ میں کئی نامور صحابہ کرام شہید ہوئے... ان کے نام یہ ہیں: حضرت سلیط، حضرت ابوزید انصاری، حضرت عقبہ اور عبداللہ بن قبطی بن قیس، حضرت یزید بن قیس انصاری، حضرت ابوامیہ فرازی رضی اللہ عنھم۔

اس شکست سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے میں آگئے۔ آپ نے زور شور سے حملے کی تیاری شروع کر دی۔ پورے عرب میں آپ نے خطیب حضرات روانہ فرمائے۔ انھوں نے جہاد کے موضوع پر بہت پرجوش تقاریر کیں۔ ان کی تقریروں نے پورے عرب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اتنا جوش پیدا ہوا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ قبیلوں کے قبیلے ہر طرف سے مدینہ منورہ کا رخ کرتے نظر آنے لگے۔

قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ حصین بن معبد کے ساتھ بنو تمیم کے ایک ہزار آدمی آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک بڑی تعداد میں لوگوں کو لے کر آئے۔ قبیلہ رباب، بنو کنانہ، قشم، بنو حنظلہ، بنو ضبہ کے بڑے بڑے گروہ اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ جوش کی یہ حالت تھی کہ قبیلہ نمرو تغلب کے کچھ سردار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ عیسائی تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

''اگرچہ ہم عیسائی ہیں، لیکن یہ عرب اور عجم کا مقابلہ ہے، لہٰذا اس قومی معرکے میں ہم بھی شرکت کریں گے۔''

ان سرداروں کے ساتھ ہزارہا لوگ تھے اور یہ سب ایرانیوں کے خلاف پرجوش تھے۔ انھی دنوں حضرت جریر بجلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ ایک مشہور سردار تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوچکے تھے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ انھیں ان کے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی، لیکن اس وقت اس پر عمل نہیں ہوسکا تھا۔ اب یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے تمام گورنروں کو یہ حکم بھیج دیا:

''اس قبیلے کے لوگ جہاں جہاں ہوں، مقررہ تاریخ کو جریر بجلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جائیں۔''

اس طرح حضرت جرید رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑی جماعت کو لے کر حاضر ہوئے تھے۔

دوسری طرف حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تمام سرحدی مقامات پر قاصد دوڑا دیے تھے اور اس طرح ایک بڑی فوج تیار کر لی تھی۔ ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں۔ مسلمانوں کی تیاریوں کا حال سن کر پوران دخت نے حکم دیا:

''خاص فوج میں سے بارہ ہزار سوار الگ کیے جائیں۔ ان پر مہران بن مہرویہ کو سالار مقرر کیا جائے۔''

مہران کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ خود اس نے عرب میں تربیت حاصل کی تھی۔ اسے عربوں کے جنگ کے طریقے معلوم تھے۔ ان کی طاقت کا اندازہ تھا۔

اسلامی فوجیں کوچ کر کے بویب کے مقام پر پہنچ گئیں۔ یہ مقام کوفے کے قریب تھا، ادھر مہران اپنے دارالحکومت سے روانہ ہوا۔ وہ بھی سیدھا بویب پہنچا۔ اس نے دریائے فرات کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ پھر صبح ہوتے ہی وہ دریا پار کر کے اسلامی لشکر کے سامنے پہنچ گیا اور اسی وقت لشکر کی صف بندی شروع کر دی۔

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نہایت مہارت سے اسلامی لشکر کی صفیں ترتیب دیں۔ انھوں نے فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے پر نامور جنگ جو مقرر کیے۔ لشکر کے دائیں بازو پر مزعور، بائیں پر نسیر، پیدل فوج پر مسعود، عقب میں عاصم، گشت والی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہوگیا تو حضرت مثنیٰ نے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک لشکر کا معائنہ کیا اور فوج کے نزدیک ایک ایک سالار کے پاس رک کر ان سے کہا:

''بہادرو! دیکھنا تمہاری وجہ سے عرب پر بدنامی کا دھبہ نہ لگے۔''

اسلامی فوج کا طریقہ یہ تھا کہ سپہ سالار تین بار اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج ہتھیاروں سے آراستہ ہوجاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر ہتھیار سنبھال لیتے تھے۔

تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاتا تھا۔

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ابھی دوسری تکبیر کہی تھی کہ ایرانیوں نے اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور صف سے آگے نکل گئے، حالانکہ ابھی تیسری تکبیر نہیں کہی گئی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے۔ انھوں نے پکار کر کہا:

''مسلمانو! خدا کے لیے اسلام کو رسوا نہ کرو۔''

اس آواز پر لوگ فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ جس شخص کی جہاں جگہ تھی، وہ وہیں جم گیا۔ اس کے بعد حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تیسری تکبیر کہی۔ بس پھر کیا، مسلمان ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے:

ادھر ایرانی اس شان سے گرجتے ہوئے آگے بڑھے کہ سارا میدان ان کے قدموں سے گونج اٹھا۔ ایسے میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ پکارے:

''گھبرانا نہیں، یہ نامردانہ شور ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے عیسائی سرداروں کو بلا کر کہا:

''اگرچہ تم عیسائی ہو، لیکن ہم قوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں۔ تم ساتھ رہنا۔''

وہ ایک آواز ہو کر بولے:

''ہم حاضر ہیں۔''

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان سرداروں کو اپنے دونوں طرف رکھ کر زبردست حملہ کیا اور پہلے ہی حملے میں مہران کے لشکر کا دایاں بازو توڑتے ہوئے اس کے اندر گھستے چلے گئے۔ ایرانی پہلے تو اکھڑ گئے، لیکن پھر انھوں نے سنبھل کر حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر زور دار تھا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر للکارے:

''مسلمانو! کہاں جاتے ہو، میں یہ کھڑا ہوں۔''

اس للکار پر سب پلٹ پڑے۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک جگہ جمع کر کے پھر حملہ کیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھائی مسعود نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ اسی حالت میں ان کے جسم پر گہرے زخم آ گئے۔ زخم کھا کر گرے۔ ان کی کمان میں جو فوج تھی، وہ گھبرا گئی، ان کی گھبراہٹ کو محسوس کر کے حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ پکارے:

''مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کیا پروا۔ شرفا یونہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو! علم جھکنے نہ پائے۔''

خود ان کے بھائی مسعود بن حارثہ نے شہید ہوتے وقت کہا:

''میری شہادت سے بے دل ہونے کی ضرورت نہیں۔''

بہت دیر تک گھمسان کی جنگ جاری رہی۔ جنگ کے دوران عیسائی سردار انس بن بلال زخم کھا کر گرا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے سے اتر کر اس کا سر گود میں لیا۔ پھر اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔

مسلمانوں میں سے بھی کئی بڑے بڑے سالار شہید ہو چکے تھے، لیکن حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے اور اسلامی لشکر کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ ان کی ثابت قدمی سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھتا چلا گیا۔

ایرانی لشکر کا درمیانی حصہ خوب جم کر لڑ رہا تھا۔ ایسے میں ان کا ایک بڑا افسر شہر براز مارا گیا۔ اس کے باوجود فوج کا سپہ سالار ڈٹا ہوا تھا اور جنگ برابر جاری تھی۔ وہ تلوار کے خوب جوہر دکھا رہا تھا کہ اچانک قبیلہ تغلب کے نوجوان نے تلوار سے اس پر وار کیا۔ وار کارگر رہا۔ وہ زخم کھا کر گھوڑے سے گرا۔ جونہی وہ گرا، وہ نوجوان اچھل کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور پکارا:

''میں ہوں تغلب کا نوجوان۔ مہران کا قاتل۔''

مہران کے گرتے ہی ایرانی فوج کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ حوصلہ ہار گئے۔ بدحواسی کے عالم میں پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ انھیں بھاگتے دیکھ کر حضرت مثنیٰ اپنے جوانوں کے ساتھ دریا کے پل پر پہنچ گئے اور بھاگتے ایرانیوں کے راستے میں آ گئے۔ اب تو ایرانیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔

مؤرخوں کا بیان ہے کہ کسی لڑائی میں اس قدر لاشیں نہیں گریں، جتنی اس جنگ میں گریں۔ مدتوں بعد بھی لوگ اس طرف سے گزرے تو انھوں نے وہاں انسانی ہڈیاں بکھری دیکھیں۔

اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ عربوں پر جو ایرانیوں کا رعب چھایا ہوا تھا۔ بالکل ختم ہو گیا۔ انھیں یقین ہو گیا کہ اب ایران کے دن ختم ہوئے۔

خود حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''اسلام سے پہلے میں بہت مرتبہ ایرانیوں سے لڑا تھا۔ اس وقت سو ایرانی ہزار عربوں پر بھاری ہوتے تھے، لیکن آج ایک عرب دس ایرانیوں پر بھاری ہے۔''

اس جنگ کے بعد مسلمان تمام عراق میں پھیل گئے۔ آج جہاں بغداد آباد ہے، وہاں اس زمانے میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس بازار پر حملہ کیا تو بازاری جان بچا کر ادھر اُدھر بھاگے، بے تحاشہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

ایران کے پایہ تخت تک یہ خبریں پہنچیں تو ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

''زنانہ حکومت اور آپس کے اختلافات کا یہی نتیجہ نکلنا تھا۔''

اسی وقت پوران دخت کو تخت سے اتار کر اس کی جگہ یزدگرد کو بٹھا دیا گیا۔ وہ اس وقت سولہ سال کا نوجوان تھا۔ کسریٰ کے خاندان کی وہ ایک ہی نرینہ نشانی رہ گئی تھی۔

یزدگرد کی تخت نشینی کے بعد ایرانی پھر جنگ کی تیاریاں کرنے لگے: (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

88

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

عراق کی جو آبادیاں فتح ہوچکی تھیں... وہاں ایرانی پھر چھا گئے... بہت سے فتح کیے ہوئے علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاعات پہنچیں تو آپ نے فوراً حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا:

''فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد پر لے آؤ۔ عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ربیعہ اور مضر کے قبیلوں کو بھی بلا لو۔ وہ ایک مقررہ تاریخ پر جمع ہوجائیں۔''

یہ پیغام بھیج کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور شور سے بڑے ساز وسامان کے ساتھ فوجی تیاریاں شروع کردیں۔ آپ نے یہ پیغام بھی بھیجا:

''جہاں جہاں کوئی بہادر، دانش مند، شاعر، خطیب ہو، فوراً دربارِ خلافت میں آجائے۔''

وہ زمانہ تھا بھی حج کا۔ اس لیے آپ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ واپس لوٹے تو ہر طرف سے قبائل ہی قبائل آچکے تھے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے تین ہزار مجاہدین روانہ کیے تھے۔ ان میں سے ایک ایک شخص عالم فاضل اور جنگ کا ماہر تھا۔ ان کے علاوہ حضر موت، مذحج، قیس، غیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں جنگ جوؤں کے ساتھ آئے۔ یمن کے بنوتمیم، بنو رباب اور بنو اسد سے ہزاروں آدمی پہنچ گئے۔ اب ہر طرف انسانوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا:

''لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ کیا جائے، میں خود بطور سپہ سالار ساتھ چلوں گا۔''

لشکر کو اس طرح ترتیب دیا گیا کہ اس کے دائیں بازو پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ بائیں بازو پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ ہراول دستہ پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ لشکر ترتیب دیا جاچکا تھا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

''آپ کو اپنا قائم مقام مقرر کرتا ہوں۔''

پھر خود مدینہ منورہ سے نکل آئے۔ آپ کے اس طرح لشکر کے ساتھ چلنے سے ایک عجیب جوش پیدا ہوگیا۔ سب نے سر دھڑ کی بازی لگانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اس وقت چند بڑے بڑے صحابہ نے مشورہ کیا اور آپ سے عرض کیا:

''ہم لوگوں کا مشورہ یہ ہے کہ آپ کا مدینہ منورہ میں ٹھہرنا زیادہ ضروری ہے۔''

دوسری طرف عام لوگوں کی خواہش تھی کہ آپ ساتھ چلیں، لیکن آخر آپ نے بڑے بڑے صحابہ کا مشورہ مان لیا۔ جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں ٹھہریں گے تو سوال یہ پیدا ہوا کہ سپہ سالار کسے مقرر کیا جائے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ ایسے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا:

''میں نے پالیا؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''وہ کون ہے؟''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بہت بڑے رتبے والے صحابی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت مثالی تھی، لیکن جنگ کی تدابیر اور میدانِ جنگ کی حکمت عملی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطمینان نہیں تھا اور اسی لیے انھوں نے ہچکچاہٹ محسوس کی۔ ادھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے تمام لوگ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہی سپہ سالار بنانے کے حق میں تھے، اس لیے آخر آپ نے بھی یہ بات منظور کرلی۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''لشکر کی تمام نقل وحرکت کی نگرانی میں مدینہ منورہ میں بیٹھ کر خود کروں گا اور میرے پیغامات آپ کو وقتاً فوقتاً ملتے رہیں گے۔''

آپ نے لشکر کی منزلیں خود مقرر فرمائیں، یعنی یہ ہدایات بھی دیں کہ کہاں کہاں پڑاؤ کرنا ہے۔ پہلے کہاں پہنچنا ہے وغیرہ۔

آخر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلامی پرچم ہاتھ میں لیا اور روانہ ہوئے۔ سب سے پہلا پڑاؤ ثعلبہ میں کیا۔ ثعلبہ کوفے سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں پانی بکثرت تھا۔ یہاں اسلامی لشکر کا قیام تین ماہ تک رہا۔ ادھر حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں چھ ہزار تو قبیلہ بکر بن وائل کے لوگ تھے۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انتظار میں تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ جونہی مدینہ منورہ سے چلا

ہوا لشکر آپ تک پہنچے گا، آپ اپنے لشکر سمیت اس میں شامل ہو جائیں گے۔ پل والی لڑائی میں آپ بھی زخمی ہوئے تھے۔ وہ زخم ٹھیک نہ ہو سکے اور آپ اسلامی لشکر کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ بہت جری تھے۔ بہت باتدبیر تھے۔ جنگ کے ماہر تھے اور آپ نے اپنے لشکر کو بہت مہارت سے لڑایا۔ فتوحات پر فتوحات حاصل کیں۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین۔ انتقال سے پہلے آپ نے فوج کی کمان اپنے بھائی معنیٰ بن حارثہ کو سونپی۔ انھیں جنگ کے بارے میں کچھ مفید مشورے بھی دیے۔ حضرت معنیٰ جب اسلامی لشکر میں آئے تو انھوں نے وہ مشورے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بتا دیے۔ حضرت سعد ثعلبہ سے روانہ ہوئے اور شراف میں آ ٹھہرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ جہاں لشکر پڑاؤ ڈالے، وہاں کے حالات ساتھ ساتھ لکھ کر ارسال کرتے رہیں۔ حضرت سعد نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، سامانِ اسد وغیرہ کی تفصیلات لکھ بھیجیں۔

مدینہ منورہ سے فوراً ایک تفصیلی حکم آیا۔ اس حکم میں بہت سی ہدایات تھیں۔ فوج کی ترتیب کے طریقے بتائے گئے تھے۔ حضرت سعد نے ان احکامات کے مطابق پوری فوج کا جائزہ لیا۔

اسلامی لشکر کی تعداد اس وقت 30 ہزار سے 36 ہزار تک بیان کی گئی ہے۔ آپ نے لشکر کے دائیں بازو اور بائیں پر الگ الگ سالار مقرر فرمائے۔ ہر اول دستہ پر زہرہ بن عبداللہ قتادہ کو مقرر فرمایا۔ اسلام سے پہلے یہ بحرین کے بادشاہ تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل بن کر حاضر ہوئے تھے اور اسلام لے آئے تھے۔

آپ نے دائیں بازو پر حضرت عبداللہ بن معتصم کو مقرر فرمایا۔ یہ صحابی تھے۔ بائیں بازو پر آپ نے شرجیل بن سمط کو مقرر فرمایا۔ یہ نوجوان آدمی تھے۔ مرتدوں سے جنگ میں انھوں نے بہت جرأت دکھائی تھی۔

لشکر کے پچھلے حصے (ساقہ) پر عاصم بن عمرو تمیمی کو مقرر فرمایا۔ گشت کرنے والی فوج پر سواد بندی مالک کو پیدل فوج پر جمال بن مالک اسدی کو، اونٹ سوار دستے پر عبداللہ بن ذی سمین کو مقرر فرمایا۔

لشکر کے خزانچی عبداللہ بن ربیعہ باہلی مقرر کیے گئے۔ رسد کی ذمے داری حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ بلال ہجری کو ترجمانی کا کام سونپا گیا اور لشکر کے طبیب زیاد بن ابی سفیان مقرر ہوئے۔

لشکر کے بڑے لوگوں میں وہ صحابہ کرام شامل تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ تین سو صحابہ وہ تھے جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ سات سو افراد وہ تھے جو صحابی تو نہیں تھے، صحابہ کی اولاد میں سے تھے۔ یہ وہ صحابہ تھے جو فتح مکہ میں شریک تھے، یعنی یہ سات سو افراد ان کی اولاد تھے۔

اسلامی لشکر ابھی شراف ہی میں تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان آ پہنچا:

''شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں پڑاؤ ڈالو۔''

قادسیہ کوفے سے 35 میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ یہ نہایت سرسبز مقام تھا۔ نہروں اور پلوں کی وجہ سے بہت محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر اسلام سے پہلے اکثر ان مقامات سے گزرتے رہے تھے، اس لیے ان علاقوں سے خوب واقف تھے، چنانچہ آپ نے حضرت سعد کو جو فرمان بھیجا تھا، اس میں قادسیہ کی پوری تفصیل درج تھی، لیکن چونکہ آپ بہت مدت پہلے وہاں جاتے رہے تھے، اس لیے آپ نے حضرت سعد کو یہ بھی لکھا:

''قادسیہ پہنچ کر اس سرزمین کا پورا نقشہ لکھ بھیجو، کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اس لیے نہیں لکھیں کہ موقعے اور مقام کے تمام حالات مجھے معلوم نہیں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تمام حالات لکھ بھیجے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا:

''اب یہاں سے کوچ کرو۔''

قادسیہ پہنچنے کے بعد حضرت سعد نے چاروں طرف جاسوس دوڑا دیے تاکہ وہ دشمن کے بارے میں اطلاعات لا سکیں۔ انھوں نے آ کر بتایا:

''ایرانی فوجوں کا سپہ سالار رستم کو مقرر کیا گیا ہے۔ وہ آرمینیا کا گورنر رہ چکا ہے۔ اس نے مدائن سے کوچ کر کے ساباط میں پڑاؤ ڈالا ہے۔''

یہ اطلاعات سن کر حضرت سعد نے حضرت عمر کو حالات لکھ بھیجے۔ ادھر سے حکم آیا:

''جنگ سے پہلے کچھ لوگوں کو سفیر بنا کر اس کے پاس بھیجیں۔ انھیں اسلام کی دعوت دیں۔''

یہ حکم ملنے پر حضرت سعد نے 14 آدمی سفیر مقرر کیے۔ یہ حضرات عرب کے خاص لوگ تھے۔

اس وقت ایرانیوں کا دارالحکومت مدائن تھا۔ مدائن قادسیہ سے 40 میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ 14 سفیر سفید گھوڑوں پر سوار ہو کر مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ (جاری ہے)

کل اور آج

کل لوگ مرچ اور نمک سے روٹی کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ آج مرغ بریانی کھانے کے بعد کہتے ہیں ''مزا نہیں آیا۔''

کل پردہ عورت کی زینت تھا، لیکن آج پردہ کھڑکی دروازے کی زینت ہے۔

کل کھڑے ہو کر کھانا بدتمیزی سمجھا جاتا تھا، آج کھڑے ہو کر کھانا فیشن سمجھا جاتا ہے۔

قدم بہ قدم

یہ چودہ سوار جدھر سے گزرتے، لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے، یہاں تک کہ ایران کے پایہ تخت تک جا پہنچے۔ حالت یہ تھی کہ ان کے گھوڑوں پر زین نہیں تھی۔ ہاتھوں میں ہتھیار نہیں تھے۔ البتہ بے باکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپک رہی تھی۔ دیکھنے والوں پر ان کا رعب پڑتا تھا۔ جن گھوڑوں پر وہ سوار تھے، ان کے ٹاپوں کی آواز بہت زبردست تھی۔ یہ آواز یزدگرد کے کانوں تک پہنچی۔ اس نے پوچھا:

''یہ کیسی آواز ہے۔''

اسے بتایا گیا:

''اسلامی سفیر آئے ہیں۔''

یہ سن کر اس نے حکم دیا:

''دربار کو خاص انداز سے سجایا جائے۔''

جب دربار کو خوب اچھی طرح سجا دیا گیا، تب اس نے حکم دیا:

''ان سفیروں کو حاضر کیا جائے۔''

یہ چودہ افراد عربی لباس پہنے، ہاتھوں میں کوڑے لیے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ ان دنوں عربوں کی ویسے ہی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ یزدگرد نے ان سفیروں کو دیکھا تو اس پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ایرانی ہر چیز میں فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا:

''تم اس ملک میں کیوں آئے؟''

اس سفارتی وفد کے امیر حضرت لقمان بن مقرن تھے۔ وہ آگے بڑھے:

آپ نے پہلے اسلام کے بارے میں بتایا، پھر فرمایا:

''ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اسلام قبول کر لو یا جزیہ دو، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔''

اس پر یزدگرد نے کہا:

''کیا تمہیں یاد نہیں، تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہیں تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد پار کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا، وہ تمہیں سیدھا کر دیتے تھے۔''

اس پر باقی تو خاموش رہے، حضرت مغیرہ بن زرارہ نہ رہ سکے، اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ سب لوگ عرب کے رئیسوں میں سے ہیں۔ اپنے وقار کی وجہ سے زیادہ بات نہیں کرتے۔ انھوں نے جتنا بتایا، وہی مناسب تھا، جو

چند باتیں رہ گئی ہیں، وہ میں بیان کیے دیتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت تھے، گمراہ تھے۔ آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل کر دیتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا۔ ہم میں ایک پیغمبر بھیجا۔ وہ حسب نسب میں ہم سب سے اعلیٰ تھے۔ شروع شروع میں ہم نے ان کی مخالفت کی۔ انھیں جھٹلایا، ان کی بات ماننے سے انکار کیا، لیکن رفتہ رفتہ ان کی باتوں نے ہمارے دلوں پر اثر کیا، وہ جو کچھ کہتے تھے، اللہ کے حکم سے کہتے تھے۔ جو کچھ کرتے، اللہ کے حکم سے کرتے تھے۔ انھوں نے ہمیں حکم دیا، دین اسلام کو ساری دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں، وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں، جو اسلام قبول نہ کریں اور جزیہ دینا منظور کریں، وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جسے ان دونوں باتوں سے انکار ہو، اس کے لیے تلوار ہے۔''

یزدگرد کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ غصے سے بے تاب ہو گیا، بلند آواز میں بولا:

''اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جا سکتا۔''

اس کے بعد اس نے حکم دیا:

''مٹی کا ایک ٹوکرا لایا جائے۔''

ٹوکرے میں مٹی بھر کر لائی گئی۔ اب اس نے کہا:

''تم میں سردار کون ہے۔''

حضرت عاصم بن عمر نے آگے بڑھ کر کہا:

''میں۔''

اس کے حکم پر درباریوں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا۔ یہ لوگ اسی حالت میں گھوڑے دوڑاتے واپس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ انھیں اس ملاقات کی ساری تفصیل سنائی۔ تفصیل سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''فتح مبارک ہو، دشمن نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی۔''

اس واقعے کے بعد کئی ماہ تک دونوں طرف خاموشی رہی۔ ایرانی سلطنت کی طرف سے اس کے لشکر کا سپہ سالار رستم تھا، وہ ساباط میں اپنا لشکر لیے پڑا رہا۔ ادھر سے یزدگرد اسے برابر لکھتا رہا:

''لڑائی شروع کرو، لڑائی شروع کیوں نہیں کرتے۔''

رستم اسے ٹالتا رہا۔ اس (باقی صفحہ 7 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

دوران مسلمان آس پاس کے علاقوں پر چڑھائی کرتے رہے، اسلامی لشکر کے لیے رسد اور مویشی حاصل کرتے رہے۔ ان لوگوں نے یزدگرد کے پاس جا کر فریاد کی اور بتایا:

''ہمیں روز بروز مسلمانوں کی طرف سے نقصان اٹھانے پڑ رہے ہیں۔''

اب پھر یزدگرد نے رستم کو پیغام بھیجا اور سخت لہجے میں کہا:

''جنگ شروع کرو۔''

آخر رستم کو مجبور ساباط سے نکلنا پڑا۔ اس کے ساتھ ساٹھ ہزار کا لشکر تھا۔ اس نے قادسیہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ راستے میں اس کے فوجی شراب پی پی کر خوب غل غپاڑہ مچاتے رہے۔ اپنے ہی لوگوں کے ساتھ زیادتیاں کرتے رہے۔ اس سے خود ان کے لوگ بھی بدظن ہوئے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے نکلیں، اسی دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جاسوسوں کو پھیلا دیا۔ وہ پل پل کی خبریں آپ کو پہنچا رہے تھے، ان میں سے ایک جاسوس حضرت طلیحہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں جا پہنچے۔ لباس بدلا ہوا تھا۔ ایک جگہ انھیں ایک عمدہ گھوڑا بندھا نظر آیا۔ انھوں نے اس کی رسی تلوار سے کاٹ لی اور اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے باندھ دی۔ اب یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے۔ وہ گھوڑا ان کے پیچھے چلا۔ اس دوران کچھ ایرانی جاگ گئے۔ انھوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس گھوڑے کا مالک ایک مشہور ایرانی سردار تھا۔ اس کی طاقت ایک ہزار سوار کے برابر مانی جاتی تھی۔

اس نے طلیحہ کے قریب پہنچ کر برچھی کا وار کیا۔ انھوں نے وار خالی دیا۔ وہ اپنی جھونک میں نیچے آ گرا۔ طلیحہ نے اپنا نیزہ اس کے سینے میں اتار دیا۔ اس کے ساتھ دو سوار اور تھے۔ ان میں سے ایک ان کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرے نے ان سے امان طلب کی اور کہا:

''میں قیدی بن کر آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔''

انھوں نے منظور کر لیا۔ اسے قیدی بنا کر لے چلے۔ ایسے میں فوج میں اور بہت لوگوں کو خبر ہو گئی۔ وہ دوڑ پڑے اور طلیحہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ لڑتے بھڑتے انھیں مارتے آخر اپنے لشکر میں پہنچ گئے۔ اس قیدی نے حضرت سعد کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کا اسلامی نام مسلم رکھا گیا۔ اس کی وجہ سے بھی دشمن کی فوج کے بہت سے راز معلوم ہوئے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ طلیحہ کے ہاتھ سے جو دو سوار مارے گئے تھے، ہزار ہزار سواروں کے برابر مانے جاتے تھے۔ بعد کے معرکوں میں مسلم شریک رہے اور جنگوں میں ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھاتے رہے۔

رستم لڑنے سے جی چراتا تھا۔ وہ چاہتا تھا، مسلمانوں سے جنگ نہ لڑنی پڑے۔ انھی دنوں اس نے اپنا ایک آدمی حضرت سعد کی طرف بھیجا۔ اس نے آ کر کہا:

''ہمارے سالار صلح کی بات کرنا چاہتے ہیں، آپ کسی کو بات چیت کے لیے بھیج دیں۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ربعی بن عامر کو بھیج دیا۔ یہ حضرت ربعی بن عامر عجیب انداز سے روانہ ہوئے۔ لباس پھٹا پرانا تھا۔ کمر میں رسی کا پٹکا تھا۔ تلوار پر کپڑے کے چیتھڑے لپیٹ رکھے تھے۔ گھوڑے پر سوار تھے۔

ادھر رستم نے ان سے ملاقات کے لیے دربار کو خوب سجایا۔ دیبا کا فرش بچھایا۔ قیمتی گاؤ تکیے رکھے۔ ریشم کے پردے لٹکائے۔ ہیرے جواہرات جڑے تخت پر شان و شوکت سے بیٹھا۔ حضرت ربعی فرش کے قریب پہنچ کر اپنے گھوڑے سے اترے۔ انھوں نے گھوڑے کی باگ کو کسی چیز سے باندھ دیا۔

اس کے محافظوں نے دستور کے مطابق کہا:

''اپنے ہتھیار ہمارے حوالے کر دیں۔''

(جاری ہے)

عبداللہ فارانی

اِسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

ربعی بن عامر نے ان سے کہا:

"آپ لوگوں نے مجھے بلایا ہے... تمہیں میرا آنا پسند نہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں... اپنے ہتھیار تو میں تمہیں نہیں دوں گا۔"

درباریوں نے رستم سے کہا:

"یہ صاحب ہتھیار دینے پر تیار نہیں۔"

رستم نے اجازت دے دی کہ ہتھیار سمیت آنے دو، ربعی بن عامر نہایت بے فکری کے عالم میں آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ آپ کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ آپ اس برچھی کی نوک اس قالین میں چبھوتے جا رہے تھے جو راستے میں بچھایا گیا تھا۔ اس طرح وہ قالین خراب ہوگیا۔ تخت کے نزدیک پہنچ کر آپ نے اپنا نیزہ زور سے زمین پر مارا۔ وہ زمین گڑ گیا۔ اب رستم نے ان سے پوچھا:

"تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟"

انھوں نے جواب دیا:

"ہم اس لیے آئے ہیں کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔"

اس پر رستم نے کہا:

"میں اپنی سلطنت کے ارکان سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔"

اس بات چیت کے دوران کئی درباری اٹھ کر حضرت ربعی کے پاس آئے اور ان کے معمولی قسم کے ہتھیاروں کو چھو کر کہتے رہے:

"ان ہتھیاروں سے تم ایران کو فتح کرو گے۔"

آخر حضرت ربعی بن عامر نے اپنی تلوار میان سے نکالی تو اس کی چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ پھر انھوں نے کہا:

"میری تلوار کا وار روکنے کے لیے تم میں کوئی اپنی ڈھال آگے کرو۔"

ان میں سے ایک نے ڈھال آگے کر دی۔ حضرت ربعی نے اپنی تلوار اس پر ماری تو ڈھال کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ درباری شرم سار ہو کر اپنی اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ انھوں نے اسلامی تلوار کی کاٹ کا اندازہ لگا لیا تھا۔

حضرت ربعی واپس آگئے۔ ان کے بعد پھر حضرت مغیرہ کو بھیجا گیا۔ اس دن ایرانیوں نے خوب ٹھاٹ باٹ سے دربار سجایا۔ تمام درباری تاج پہن کر دربار میں بیٹھے۔ فرش پر قیمتی کپڑا بچھایا گیا۔ حضرت مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے رستم کی طرف آئے اور اس کے برابر تخت پر بیٹھ گئے۔ اہلِ دربار کے نزدیک یہ بہت بڑی گستاخی تھی۔ شور مچ گیا۔ چوب دار آگے بڑھے اور انھوں نے بازوؤں سے پکڑ کر حضرت مغیرہ کو تخت سے اٹھا دیا۔ اس پر حضرت مغیرہ بولے:

"میں خود نہیں آیا، تم نے بلایا تھا۔ اس لیے مہمان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم لوگوں کی طرح ہمارے ہاں یہ دستور نہیں کہ ہم میں سے ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے جھک جائیں۔"

انھوں نے چونکہ عربی میں یہ تقریر کی تھی، اس لیے مترجم نے اس کا ترجمہ کیا۔ تمام درباری بہت متاثر ہوئے، کہنے لگے:

"یہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔"

رستم بھی شرمندہ ہوا۔ اس نے کہا:

"یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا حکم نہیں تھا۔"

پھر اس نے بے تکلفی کے انداز میں حضرت مغیرہ کے ترکش سے تیر نکال کر کہا:

"ان تکلوں سے کیا ہوگا؟"

مطلب یہ تھا کہ ان چھوٹے اور ناقص قسم کے تیروں سے تم ہمارا کیا بگاڑ لو گے۔ اس بات کے جواب میں حضرت مغیرہ نے کہا:

"آگ کی لو چاہے کتنی ہی چھوٹی ہو، پھر بھی آگ ہے۔"

یعنی جلا سکتی ہے، اسی طرح یہ تیر بھی چھوٹے ضرور ہیں، لیکن ہلاک کرنے میں کم نہیں۔ اس کے بعد رستم نے ان کی تلوار کی نیام دیکھ کر کہا:

"یہ کس قدر بوسیدہ ہے۔"

جواب میں حضرت مغیرہ بولے:

"ہاں! یہ بوسیدہ ضرور ہے، لیکن اس میں جو تلوار ہے، اس کی دھار بہت تیز ہے۔"

ان سوالات و جوابات کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی، رستم نے کہا:

"ہماری سلطنت بہت بڑی ہے! بہت طاقت ور ہے، تم اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں... میں تم پر احسان کرتا ہوں... واپس چلے جاؤ... یعنی تمہیں واپس جانے کی مہلت دیتا ہوں... اس صورت میں میں تمہیں کچھ انعام بھی دوں گا۔"

اس کی اس بات کے جواب میں حضرت مغیرہ نے اپنا ہاتھ تلوار کے دستے پر رکھا اور کہا:

"اگر اسلام قبول نہیں کرتے، جزیہ بھی دینا

منظور نہیں تو پھر فیصلہ اس سے ہوگا۔"

مارے غصے کے رستم چیخ پڑا:

"آفتاب کی قسم! کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔"

مغیرہ وہاں سے اٹھ آئے۔ اس طرح صلح کی تمام کوششیں بے کار گئیں۔

O

اس وقت تک رستم برابر لڑائی کو ٹالتا رہا تھا، لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اسے اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت پکار اٹھا:

"جنگ کی تیاری کرو۔"

دونوں لشکروں کے درمیان میں نہر تھی۔ اس کے بارے میں اس نے حکم دیا:

"نہر کو پاٹ دیا جائے اور سڑک بنا دی جائے۔"

اس کی فوج نے یہ کام شروع کر دیا۔ صبح تک سڑک تیار ہو چکی تھی۔ دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے دوسری طرف پہنچ گئی۔ رستم خود بھی جنگ کے لیے تیار ہوا۔ اس نے دوہری زرہ پہنی۔ سر پر لوہے کا خود رکھا۔ پھر اپنا خاص گھوڑا منگایا۔ اس پر سوار ہوا اور پر جوش انداز میں بولا:

"میں عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔"

پاس کھڑے ایک سپاہی نے کہا:

"ہاں! اگر اللہ نے چاہا۔"

وہ بولا:

"اگر اللہ نے چاہا تب بھی اور نہ چاہا تب بھی۔"

اس نے اپنی فوج کو بہت مہارت سے ترتیب دیا۔ آگے پیچھے تین صفیں قائم کیں۔ فوج کے درمیانی حصے کے پیچھے ہاتھیوں کی قطار کھڑی کی۔ ان ہاتھیوں پر ہتھیار بند سپاہی بٹھائے۔ لشکر کے میمنہ یعنی دائیں بازو پر بھی اور میسرہ یعنی بائیں بازو پر بھی ہاتھیوں کی قطاریں کھڑی کیں۔ خبریں پہنچانے کے لیے لشکر سے لے کر مدائن تک (یعنی دارالحکومت تک) فاصلے فاصلے پر آدمی کھڑے کیے تاکہ لشکر میں جو کچھ بھی پیش آتا رہے، اس کی خبر ساتھ ساتھ مدائن تک پہنچتی رہے۔ یہ اس طرح ہوتا تھا کہ لشکر سے ایک شخص چلا کر کوئی پیغام دیتا۔ اس سے اگلا وہ پیغام سن کر چلا کر آگے پہنچاتا۔ وہ سن کر آگے۔ اس طرح یہ خبر مدائن تک پہنچ رہی تھی۔

دونوں لشکر اس وقت قادسیہ کے مقام پر جمع تھے۔ اسی لیے اس جنگ کا نام قادسیہ کی جنگ ہے۔ یہ محرم 14 ہجری 635 میں ہوئی۔ قادسیہ عراق عرب کا ایک مشہور شہر تھا۔ قادسیہ میں ایک بہت پرانا شاہی محل تھا۔ وہ عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ اس وقت حضرت سعد شدید بیمار تھے، اس لیے اس جنگ میں آپ خود شریک نہ ہو سکے، البتہ اس محل کی چھت پر تکیے کے سہارے بیٹھ گئے۔ اپنی جگہ خالد بن عرفطہ کو اپنی جگہ سپہ سالار مقرر کیا، لیکن فوج کو خود لڑانے کا انتظام کر لیا تھا۔ وہ یہ کہ حالات کے مطابق فوج کو جو حکم دینا ہوتا، وہ کاغذ پر لکھ کر اسے کنکر پر لپیٹ کر خالد بن عرفطہ کی طرف پھینک دیتے۔ وہ اٹھا کر ہدایات کو پڑھتے اور فوج کو اسی کے مطابق لڑاتے۔

اس زمانے کی یہ تدبیر حیرت انگیز تھی۔ آج جیسے وسائل تو تھے نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر ذہانت تھی۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شاعر اور خطیب صفوں سے نکل آئے۔ انھوں نے جوش دلانے والے اشعار پڑھے، تقاریر کیں۔ یہ اشعار اور تقاریر اس قدر پر جوش تھیں کہ تمام قبائل اسی وقت مرنے مارنے پر تل گئے۔

ایک تقریر کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

"خاندانِ سعد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن کر جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو، نگاہیں نیچی کر لو، جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو، کیونکہ تیروں کو جہاں راستہ مل جاتا ہے، تلواروں کو نہیں ملتا۔"

اس قسم کی تقاریر کے علاوہ قرآنِ کریم کے قاریین نے سورہ توبہ کی تلاوت کی۔ اس میں جہاد کی آیات ہیں۔ یہ آیات سن کر دل ہل گئے۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

حضرت سعد نے قاعدے کے مطابق تین نعرے لگائے اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی جنگ جو آگے آیا۔ اس نے دیبا کی قبا پہن رکھی تھی۔ سنہری کمر بند باندھا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے تھے۔

اس کے مقابلے میں حضرت عمرو بن معدی کرب نکلے۔ ایرانی جنگ جو نے انھیں آگے آتے دیکھا تو فوراً کمان میں ایک تیر چڑھایا اور تاک کر مارا۔ اس تیر سے عمرو بن معدی کرب بہت مشکل سے بچے۔ اب انھوں نے فوراً گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کے سر پر پہنچ گئے۔ (جاری ہے)

عالمی معلومات

☆ بنارس شہر کی صبح مشہور ہے۔
☆ نیویارک کو فلک بوس عمارتوں کا شہر کہا جاتا ہے۔
☆ قاہرہ کو بازاروں کا شہر کہا جاتا ہے۔
☆ سنگاپور ایشیا کا سب سے صاف ستھرا شہر ہے۔
☆ پاکستان کے شہر پشاور کو پھولوں کی وادی کہا جاتا ہے۔
☆ پاکستان کا سب سے بلند ترین شہر کوئٹہ ہے۔
☆ روم (اٹلی) کو سات پہاڑوں کا شہر کہا جاتا ہے۔
☆ امرتسر کو سکھوں کا مذہبی شہر کہا جاتا ہے۔
☆ جے پور (بھارت) کو گلابی شہر کہا جاتا ہے۔
☆ ڈھاکہ کو مسجدوں کا شہر کہا جاتا ہے۔

حافظہ آسیہ بتول۔ بھلوال

اسلامی جنگیں

91

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

اس کے نزدیک ﷺ

ہی انھوں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ پھر اسے اونچا اٹھایا اور زمین پر دے پٹا۔ ساتھ ہی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی۔ پھر ایرانی فوج سے مخاطب ہو کر بولے:

"یوں لڑا کرتے ہیں۔"

اس ایرانی پہلوان کے مارے جانے پر ایک اور ایرانی جنگ جو میدان میں نکلا۔

اسلامی لشکر سے فوراً ایک نوجوان اس کے مقابلے میں نکلا۔ اس نے ایرانی کا کام فوراً ہی تمام کر دیا۔

اس طرح کے کئی دو مقابلے ہوئے اور ان میں مسلمانوں ہی کو کامیابی حاصل ہوئی۔ آخر باقاعدہ جنگ کی ابتدا ہوئی۔

ایرانی لشکر کے آگے کالے ہاتھیوں کی قطار تھی۔ اسلامی لشکر کا سوار دستہ آگے بڑھا تو عربی گھوڑے ان کالے پہاڑوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ انھوں نے پہلے کبھی ہاتھی نہیں دیکھے تھے۔

ہاتھیوں کا دستہ آگے بڑھا تو عربی گھوڑے بدک گئے۔ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ پیدل فوج نے پاؤں جمائے رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن ہاتھیوں کے مقابلے میں وہ بھی اکھڑ گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اوپر سے یہ منظر دیکھا تو پکارے:

"قبیلہ اسد کے لوگو! ان ہاتھیوں کو سنبھالو، قبیلہ کو سنبھالو۔"

ہاتھیوں کا دستہ بجیلہ کے لوگوں کے پاس تھا۔ یہ بہت بہادر اور جنگ جو تھے۔ ادھر حضرت سعد نے قبیلہ اسد کو جو آواز دی تھی تو وہ بھی اسی لیے دی تھی کہ قبیلہ اسد والے مانے ہوئے بہادر تھے۔ حضرت سعد کی آواز سن کر قبیلہ اسد کے سردار طلیحہ نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا:

"ساتھیو! اسعد نے کچھ سوچ سمجھ کر تمہیں پکارا ہے... آگے بڑھو... قدم پیچھے نہ ہٹیں... آج ایرانیوں کو بتا دو قبیلہ اسد اس طرح لڑتا ہے۔"

ان جملوں نے ان میں خوب جوش بھر دیا۔ نیزے ہاتھوں میں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے حملے سے آگے بڑھتے ہاتھی رک گئے۔ تاہم زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قبیلہ تمیم کو پیغام بھیجا:

"قبیلہ بنو تمیم! تم سے بھی ان ہاتھیوں کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا۔"

اب قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آگے بڑھے...

انھوں نے ہاتھیوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اس قدر تیر برسائے کہ ہاتھیوں پر سوار ایرانی نیچے گرتے چلے گئے... قبیلہ بنو تمیم نے ہاتھیوں کی آنکھوں کا نشانہ لے کر تیر چلائے اور اس طرح بہت سے ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑ دیں... اندھیرا ہونے تک جنگ جاری رہی... اندھیرے میں جنگ جاری نہیں رہ سکتی تھی... اس لیے دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف پلٹ گئے...

قادسیہ کی جنگ کا یہ پہلا دن تھا۔ دوسرے دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ سے شہدا کی لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرائی۔ مرہم پٹی کا کام عورتوں کے ذمے تھا۔

اس کے بعد لشکر کو صف بندی کا حکم دیا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے تھے اور جنگ شروع ہونے والی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھتا نظر آیا۔ سب مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ غبار اٹھنے کا مطلب تھا اس طرف سے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔

گرد نزدیک پہنچی تو پتا چلا، اس میں ایک اسلامی لشکر موجود تھا۔ یہ اسلامی لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے شام کی مہم سے روانہ کیا تھا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان دنوں شام کی مہم پر تھے... انھوں نے عراق میں موجود اسلامی فوج کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو کر ایرانیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے... اس طرح یہ فوج عین اس وقت قادسیہ کے میدان میں پہنچی جب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے اور جنگ شروع ہونے والی تھی...

شام سے آنے والی فوج جونہی نزدیک پہنچی اس نے پرجوش انداز میں نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پہلے سے موجود اسلامی لشکر نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ یہ نعرے اس قدر ولولہ انگیز تھے کہ کفار کے دل دہل گئے۔

اور ایسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا تھا کہ عراق والی فوج کو ایران کے محاذ پر بھیج دیا جائے۔

اسلامی لشکر نے اس فوج کی آمد کو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سمجھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پورا لشکر جوش سے بھر گیا۔

آنے والے لشکر کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ان میں پانچ ہزار مجاہد قبیلہ مضر اور قبیلہ ربیعہ کے تھے اور ایک ہزار حجاز کے۔ اس لشکر کے سالار ہاشم بن عتبہ تھے۔

اس کے ہراول دستے کے سالار حضرت قعقاع تھے۔ یہ میدان میں پہنچتے ہی آگے نکلے اور پکارے:

"ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو میدان میں آئے۔"

ایرانیوں کی فوج سے بہمن آگے آیا۔ جسر کی لڑائی (پل والی لڑائی) میں اسلامی لشکر کے سالار ابو عبیدہ اس کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی قعقاع پکار اٹھے:

"ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی حضرت قعقاع نے تلوار کا وار اس پر کیا۔ اس نے اپنی تلوار پر وار روکا اور پھر خود حملہ آور ہوا۔ حضرت قعقاع نے بھی اس کا وار روک لیا۔ اب دونوں طرف سے تلوار کے وار ہونے لگے۔ آخر حضرت قعقاع نے ایک جھکائی دے کر اس کے پہلو پر وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

بہمن کے مارے جانے پر اسلامی لشکر نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ادھر سے پھر ایک جنگجو میدان میں آیا۔ اسلامی لشکر کی طرف سے بھی مجاہد نکلا۔

اس مرتبہ مقابلے کے لیے آنے والا جنگجو شہر براز تھا۔ اس کے مقابلے میں اسلامی لشکر سے اعوار بن قطبہ آئے اور فوراً ہی اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب رہے۔

بزرجمہر ہمدانی ایک بہت مشہور ایرانی پہلوان تھا۔ وہ مقابلے کے لیے نکلا تو اس کے مقابلے میں پھر حضرت قعقاع نکلے۔ دونوں کے درمیان کچھ دیر تک وار ہوئے اور پھر حضرت قعقاع کا ایک وار کارگر رہا۔ بزرجمہر مارا گیا۔

اس طرح باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ایرانی فوج کے نامور جنگجو مارے گئے۔

اب دونوں فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں۔ شام سے آنے والی فوج کو حضرت قعقاع نے ایک طرف رکھا تھا۔ اس میں سے چھوٹے چھوٹے دستے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے وقفے وقفے سے اسلامی لشکر میں شامل ہونے لگے۔ انھیں یہی ہدایت تھی۔ اس سے کفار کے لشکر پر دھاک بیٹھ گئی۔ انھوں نے سمجھا کہ اسلامی لشکر کے لیے بار بار کمک آ رہی ہے۔ ایک دستہ لشکر کے پاس پہنچتا تو دوسرا ایک اور آتا نظر آتا۔ اس طرح تمام دن دستوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور ایرانیوں کے دل دہلتے رہے۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا آتا۔ حضرت قعقاع اس کے ساتھ مل کر دشمن پر حملہ کرتے اور ان کی صفیں کی صفیں الٹ دیتے۔

دوسرے دن ہاتھیوں کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے قعقاع نے ایک انوکھی ترکیب اختیار کی:

انھوں نے رسیوں سے تیار کی گئی ایک لمبی چوڑی جھول اونٹوں کی قطار پر ڈال دی۔ اس طرح یہ ایک عجیب و غریب دیواری بن گئی۔ ایرانی ہاتھیوں نے ایسی دیواریں نہیں دیکھی تھیں۔ چنانچہ جب یہ دیوار آگے بڑھی تو ایرانی ہاتھی بوکھلا گئے۔ ایرانیوں کے گھوڑے بھی اس دیوار کو دیکھ کر بدک گئے۔ وہ سواروں کے قابو سے باہر ہونے لگے۔ سواروں کو ان پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

عین اس وقت جب جنگ خوب زوروں پر تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے قاصد وہاں پہنچے۔ ان کے ساتھ نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور بہت قیمتی تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے نزدیک پہنچ کر اعلان کیا:

"امیر المومنین نے یہ انعامات ان لوگوں کے لیے بھیجے ہیں جو ان کا حق ادا کریں۔"

اس پر حضرت قعقاع نے یہ تلواریں اور گھوڑے حمال بن مالک، ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو تمیمی اور قبیلہ ربیع کے بہادروں کو دیں۔

اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جس محل کی چھت سے اپنی فوج کو لڑا رہے تھے، اسی محل کے ایک کمرے میں ایک شخص قید تھے۔ ان کا نام ابو محجن ثقفی تھا۔ ان سے شراب پینے کا جرم سرزد ہو گیا تھا۔ اس جرم کی سزا میں انھیں قید کر لیا گیا تھا اور قید کر کے محل کے کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ یہ تھے بہت بہادر۔ اس کمرے کی کھڑکی سے جنگ کا نظارہ کر رہے تھے اور بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ان کا بس چلتا تو زنجیریں توڑ کر اسلامی لشکر میں شامل ہو جاتے اور کفار سے جنگ کرتے۔ اسی خیال کے تحت بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ (جاری ہے)

دلیل کیا ہے؟

ارشاد الٰہی۔ لاہور

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فرزند حضرت حماد رحمہ اللہ نے آپ سے پوچھا:

"عذاب قبر کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"قبر کا عذاب حق ہے۔"

صاحبزادے نے عرض کیا:

"اس کی دلیل کیا ہے؟"

آپ نے قرآن کریم میں سے سورہ طور کی آیت 47 تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں، ایک عذاب ہے، اس عذاب سے پہلے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قیامت کے عذاب سے پہلے عذاب، قبر کا عذاب ہے۔"

(الحمید لابی الشکور السالمی صفحہ 128)

نوٹ: یہ کتاب علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں نصاب میں شامل تھی۔

(رحمت کائنات)

قدم بہ قدم

ایسے میں ان کے منہ سے یہ اشعار نکل گئے:

ترجمہ: ''اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں۔''

جب کھڑا ہوتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے اس طرح بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔

ان کے یہ اشعار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمٰی نے سن لیے۔ اشعار بہت درد بھرے لہجے میں پڑھے گئے تھے۔ انھوں نے اس کے درد کو محسوس کیا۔ اٹھ کر اس کے نزدیک چلی آئیں۔ وہ کہنے لگے:

''آپ مجھے ان زنجیروں سے نجات دلا دیں۔ مجھے لڑائی میں جانے دیں۔ میرا دل کفار سے لڑنے کے لیے بے چین ہوا جا رہا ہے، میں وعدہ کرتا ہوں، اگر زندہ بچا تو آ کر خود بیڑیاں پہن لوں گا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمٰی نے پہلے تو انکار کیا، لیکن پھر ان کے درد بھرے لہجے سے متاثر ہو کر ان کی زنجیر کھول دی۔ وہ وہاں سے سیدھے گھوڑوں کے اصطبل میں گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر زین کسی اور میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھ میں بھالا (نیزہ) تھا۔ یہ بھالے سے جنگ کرنے کے ماہر تھے۔ انھوں نے بھالا ہاتھ میں لیا اور لشکر کے دائیں سرے سے لے کر بائیں سرے تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ جس طرف نکل گئے، صف کی صف الٹ دی۔ اپنا منہ انھوں نے کپڑے سے چھپا لیا تھا۔ اسلامی لشکر حیران تھا کہ یہ کون بہادر ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی محل کی چھت سے انھیں اس قدر بہادری سے لڑتے دیکھا تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے دل ہی دل میں کہا:

''لڑنے کا یہ انداز تو ابو محجن کا ہے، لیکن وہ تو زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔''

اس روز بھی شام تک زبردست جنگ جاری رہی۔ اندھیرا ہونے پر دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں آ گئے۔ ابو محجن ثقفی نے بھی محل میں آ کر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمٰی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ان کا حال کہہ سنایا۔ آپ نے فوراً ان کی بیڑیاں کھول دیں اور فرمایا:

''اللہ کی قسم! جو شخص مسلمانوں پر اس طرح نثار ہو، میں اسے سزا نہیں دے سکتا۔''

یہ سن کر ابو محجن بول اٹھے:

''اور خدا کی قسم! میں بھی آج کے بعد شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔''

اس جنگ میں حضرت خنساءؓ بھی شریک تھیں۔ یہ عرب کی مشہور شاعرہ تھیں۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ چاروں ان کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ جنگ شروع ہوتے وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا:

''پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کے لیے بوجھ نہیں تھے، نہ تم پر قحط پڑا تھا، اس کے باوجود تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لے آئے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔

اللہ کی قسم! جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو، اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو، میں نے تمہارے باپ کے ساتھ بددیانتی نہیں کی۔ نہ تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا اور جاؤ اور مرتے دم تک لڑو۔''

بیٹوں نے ایک ساتھ گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب بیٹے دشمن کے اندر تک گھس گئے اور نظر آنا بند ہو گئے، تب حضرت خنساء نے کہا:

''اے اللہ! ان کی حفاظت فرمانا۔''

اس روز کی جنگ میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ایرانی دس ہزار قتل ہوئے۔ اس روز بھی فتح اور شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

تیسرے روز جنگ شروع ہونے سے پہلے رات کے وقت حضرت قعقاع نے ایک تدبیر کی۔ انھوں نے اسلامی فوج کے چند گھوڑے سوار اور چند پیدل دستوں کو ہدایت دی کہ لشکر سے دور شام کی طرف چلے جائیں۔ جب صبح کا اجالا پھیلنے لگے تو سو سو سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئیں۔ اسی طرح برابر آتے چلے جائیں۔

صبح ہوتے ہی پہلا دستہ نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہوا آتا نظر آیا اور لشکر میں شامل ہو گیا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے ان کا استقبال کیا۔ لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ مدد آ گئی۔

ابھی یہ سلسلہ جاری تھا، یعنی سو سو سواروں کی آمد جاری تھی کہ شام سے سات سو سواروں کا ایک دستہ نعرے لگاتا ہوا لشکر میں آ شامل ہوا۔ ان سات سو سواروں کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کے محاذ سے ایران کے محاذ کی طرف بھیجا تھا۔ اس دستے کے سالار ہشام تھے۔ انھوں نے لشکر میں پہنچ کر مسلمانوں کو خوش خبری سنائی: ''مسلمانو! تمہیں خوش خبری ہو، تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا ہے۔ اللہ کی طرف سے فارس کی فتح کا وعدہ تمہارے ہاتھوں پورا ہوگا۔''

(باقی صفحہ 15 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں

ایک طرف تو سو سو سواروں کے دستے مسلسل آ رہے تھے، دوسری طرف شام سے سات سو سواروں کا یہ دستہ آ پہنچا تھا، اس طرح مسلمانوں کے دل بہت بڑھ گئے۔ ان میں جوش ہی جوش پیدا ہو گیا۔

معمول کے مطابق پہلے ایرانی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح آوازیں نکالتا آگے آیا۔ اس کا قد اس قدر بڑا تھا کہ اسلامی لشکر سے کوئی آگے آتا نظر نہ آیا۔ وہ اکڑ اکڑ کر کہتا رہا:

''آؤ! میرے مقابلے میں کس میں ہمت ہے کہ میرے مقابلے میں آئے۔''

جب بڑے نامی جنگجو آگے نہ آئے تو ایک دبلا پتلا اور کمزور سا مسلمان آگے آیا۔ اس نے نہایت پرسکون آواز میں کہا:

''میں کروں گا تم سے مقابلہ۔''

دیو قامت ایرانی پہلوان اپنے مقابلے پر آنے والے تنک منک سے انسان کو دیکھ کر ہنسا... اب دونوں میں جنگ شروع ہوئی... دبلا پتلا مسلمان بہت پھرتیلا ثابت ہوا... اس نے تلوار کا ایک وار اس مہارت سے کیا کہ ایرانی پہلوان ڈھیر ہو گیا... اسلامی لشکر سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا... تو ایرانیوں کے دل دہل گئے...

ان حالات میں ایرانیوں نے ہاتھیوں کو آگے بڑھایا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ اسلامی لشکر کے گھوڑے ہاتھیوں سے گھبراتے ہیں۔ ہاتھیوں کا پرا (غول) آگے بڑھا تو حضرت عمرو بن معدی کرب پکارے:

''میں اپنے سامنے والے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں، تم ساتھ رہنا۔''

یہ کہتے ہی انھوں نے تلوار سے ہاتھی کی سونڈ پر وار کیا۔ ادھر ایرانی پیدل فوج نے ان پر حملہ کر دیا۔ پیدل فوج کے حملے سے اس قدر گرد اٹھی کہ حضرت عمرو بن معدی کرب اس میں چھپ گئے:

وہ نظروں سے اوجھل ہوئے تو ان کا دستہ ایرانی پیدل فوج پر حملہ آور ہوا... ان کے دستے نے بہت زبردست حملہ کیا اور ایرانیوں کو پیچھے ہٹا دیا... تب کہیں جا کر عمرو بن معدی کرب نظر آئے... ان کا حال یہ تھا کہ تمام جسم خاک میں اٹا ہوا تھا... جسم پر جگہ جگہ برچھیوں اور تلواروں کے زخم تھے... اس حالت میں بھی تلوار ہاتھ میں تھی اور اسے چلا رہے تھے... اسی وقت ایک ایرانی گھوڑے پر ان کے قریب نکلا... انھوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی... اب ایرانی نے گھوڑے کو بار بار ایڑ لگائی، لیکن گھوڑا آگے نہ بڑھ سکا... آخر سوار گھوڑے سے اتر کر بھاگ نکلا اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے...

اس وقت جنگ کی صورتِ حال یہ تھی کہ ایرانی ہاتھی جس طرف کا رخ کرتے، اسلامی لشکر کی صفیں کی صفیں الٹ دیتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ پریشان کن صورتِ حال دیکھی تو کچھ پارسی لوگوں کو بلایا۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''ان کالی بلاؤں کا کیا علاج ہے۔''

وہ بولے:

''ان کے سونڈ کاٹ دیں۔ آنکھیں پھوڑ دیں۔''

ہاتھیوں کے لشکر میں دو ہاتھی سب سے زیادہ خوفناک تھے اور بہت زیادہ ڈیل ڈول والے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ابیض اور دوسرے کا اجرب تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع، حضرت عاصم، حضرت حمال اور حضرت ربیل وغیرہ کو بلا کر ان سے فرمایا:

''ہاتھیوں کی مہم تم لوگوں کے حوالے ہے۔ ان کی سونڈوں اور آنکھوں پر وار کرو۔''

حضرت قعقاع نے اپنے آگے کچھ سوار روانہ کیے، انھیں ہدایت دی:

''ہاتھیوں کو گھیرے میں لے لو۔''

پھر خود برچھا لے کر سفید ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت عاصم ساتھ تھے۔ انھوں نے بھی سفید ہاتھی پر حملہ کیا۔ دونوں نے ایک ساتھ اس کی آنکھوں میں برچھے مارے۔ دونوں برچھے آنکھوں میں لگے۔ ہاتھی ایک خوفناک جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا۔ ساتھ ہی قعقاع نے اس کی سونڈ پر تلوار ماری۔ سونڈ کٹ گئی۔

دوسری طرف رابیل اور حمال نے کالے ہاتھی پر حملہ کیا۔ وہ جو زخم کھا کر پیچھے مڑ کر بھاگا تو اس کے ساتھ تمام ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنی فوج کو کچلتے چلے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھیوں کا بادل چھٹ گیا۔

اب اسلامی لشکر کا حوصلہ بڑھا۔ ہاتھی درمیان سے ہٹ چکے تھے۔ انھوں نے ایرانیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ نعروں کی گونج سے دل دہل گئے۔ ایرانیوں کی فوج درہم برہم ہو گئی۔

انھوں نے فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور اسے نئے سرے سے ترتیب دیا۔ انھوں نے فوج کی تیرہ صفیں قائم کیں۔

دوسری طرف مسلمانوں نے بھی پورے لشکر کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع کیا۔ انھوں نے تین صفیں آگے پیچھے قائم کیں۔ پھر حضرت سعد نے حکم دیا:

''تیسری تکبیر پر حملہ کرنا۔'' (جاری ہے)

قدم بہ قدم

اب حضرت سعد نے پہلی تکبیر کہی۔ دوسری طرف ایرانیوں نے حملہ کر دیا اور ادھر ابھی پہلی تکبیر ہوئی تھی اور سپہ سالار کا حکم یہ تھا کہ تیسری تکبیر سے پہلے حملہ نہ کیا جائے۔ ایرانیوں نے حملہ کیا تو حضرت قعقاع نے دو تکبیروں کا انتظار نہ کیا اور حملہ کر دیا۔ جنگی لحاظ سے یہ بات نافرمانی میں داخل تھی، لیکن لڑائی کا ڈھنگ دیکھ کر قعقاع رک نہ سکے۔ اس پر حضرت سعد پکارے:

''اے اللہ! قعقاع کو معاف فرما اور اس کی مدد فرما۔''

قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد کے لوگ اور ان کی دیکھا دیکھی بنو نخع، بنو بجیلہ اور بنو کندہ کے لوگ ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے رہے:

''اے اللہ! انھیں معاف کرنا، ان کی مدد کرنا۔''

شروع میں سواروں کے دستے نے حملہ کیا۔ ادھر ایرانی فوجیں دیوار کی مانند ڈٹی کھڑی تھیں۔ انھوں نے اس قدر جم کر مقابلہ کیا کہ سواروں کا دستہ انھیں پیچھے نہ دھکیل سکا۔ یہ دیکھ کر سب کے سب سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور پیدل حملہ آور ہوئے۔

قبیلہ جمیضہ کے لوگوں نے ایرانیوں کے ایک دستے پر زوردار حملہ کیا۔ وہ دستہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ جمیضہ کے لوگوں کی تلواریں ان کی زرہوں پر پڑیں اور اچٹ اچٹ گئیں۔ قبیلے کے سردار نے طیش میں آ کر کہا:

''زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ برچھے کام آتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا برچھا ایک ایرانی کی زرہ پر دے مارا۔ برچھا اس ایرانی کی کمر کو توڑتا دوسری طرف نکل گیا۔ یہ دیکھ کر باقی لوگوں نے بھی تلواریں نیاموں میں ڈالیں اور برچھے سنبھال لیے اور اس بہادری سے برچھوں سے حملہ کیا کہ لوہے میں غرق ایرانی دستہ درہم برہم ہو گیا۔ یہ اس معرکے میں ایک اہم کامیابی تھی۔

تمام دن جنگ جاری رہی، یہاں تک کہ رات ہونے پر بھی لڑائی نہ رکی۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے۔ اس حالت میں ان پر نیند بھی طاری ہونے لگی تھی اور جنگ جاری تھی۔ فتح اور شکست کے دور دور تک آثار نہیں تھے۔ حضرت قعقاع نے یہ بات محسوس کرتے ہوئے چند بہادر الگ کیے۔ انھیں ساتھ لے کر ایرانی سپہ سالار رستم کا رخ کیا۔ ساتھ میں انھوں نے کئی مشہور قبیلوں کے سرداروں کے نام لے لے کر انھیں پکارا اور کہا:

''دیکھو! میں بہادروں کو لے چلا ہوں۔ کہیں تم ان سے پیچھے نہ رہ جانا۔''

ان سرداروں نے جب یہ الفاظ سنے تو اپنے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس قدر زوردار تقاریر کیں کہ پورے لشکر میں آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے۔ تیر کمان پھینک دیے، تلواریں نیاموں سے نکال لیں اور پھر پوری فوج سیلاب کی طرح بڑھی۔ کئی طاقت ور اور زبردست جنگ جو قبیلوں کو دھکیلتے ہوئے یہ حضرات رستم کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا جب اس نے یہ حالت دیکھی تو تخت سے کود پڑا اور مردانہ وار جنگ کرنے لگا، لیکن جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔

ہلال نامی ایک مسلمان نے اسے بھاگتے دیکھ لیا۔ انھوں نے اپنے گھوڑے پر اس کا تعاقب شروع کیا۔ آگے نہر آ گئی۔ رستم گھوڑے سے کود پڑا تا کہ تیر کر نکل جائے، لیکن ساتھ ہی ہلال بھی کود پڑے اور اسے ٹانگوں سے پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ انھوں نے لاش خچر کے پیروں تلے ڈال دی اور خود تخت پر چڑھ کر پکارے:

''میں نے رستم کا خاتمہ کر دیا ہے۔''

ایک روایت کے مطابق رستم پر حملہ کرنے والے تین حضرات عمرو بن معدی کرب، طلیحہ بن خویلد اور قرط بن حجاج تھے۔ ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔

لوگوں نے جب یہ آواز سنی تو رستم کے تخت کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ رستم تخت پر نظر نہ آیا۔ خالی تخت دیکھتے ہی ایرانی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ بدحواس ہو کر بھاگے۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور ان کی لاشوں کے ڈھیر لگاتے چلے گئے۔ میدانِ کارزار ہزار ہا لاشوں سے پٹ گیا۔

کچھ ایرانی افسر میدان میں ڈٹے رہے اور انھوں نے مردانہ وار جنگ کی۔ ان کے نام شہر یار، ابن الہرید، فرخان اہوازی، خسرو شنوم ہمدانی ہیں۔ یہ بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ یہ سب کے سب ریاستوں کے حاکم تھے۔

ہرمزان اہوز، قارن میدان سے بھاگ گئے۔ ایرانیوں کی لاشوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں تھا، مسلمان بھی چھ ہزار شہید ہوئے۔ اس فتح میں چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ شریک نہیں تھے، اس لیے اسلامی فوج

خلاف اس قسم کے اشعار تک کہے:

''میں برابر لڑتا گیا، یہاں تک کہ خدا نے مدد بھیجی، لیکن سعد قادسیہ کے دروازے ہی سے لپٹے رہے۔

ہم واپس پھرے تو سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں، لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی۔

یہ اشعار اس وقت بچے بچے کی زبان پر تھے۔ ہر کوئی ان اشعار کو دہرا رہا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تک بھی یہ شعر پہنچے۔ آپ نے پوری فوج کو جمع فرمایا اور ان سے فرمایا:

''مجھ تک یہ شعر پہنچے ہیں، گویا لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں جہاد سے جی چرا تا رہا ہوں، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ لو میں تمہیں اپنے آبلے دکھاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر آپ نے کپڑا اٹھا کر بڑے بڑے آبلوں کے زخم دکھائے تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ واقعی معذور تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فتح کی تفصیلات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجیں۔ دونوں طرف کے مقتولوں کی تعداد بھی لکھی۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتح کی خبر کا بہت بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان کی بے چینی کا حال یہ تھا کہ روزانہ صبح سورج نکلنے کے بعد شہر سے باہر آجاتے اور قاصد کی راہ تکتے رہتے۔

پھر ایک دن اسی طرح دور نظریں جمائے بیٹھے تھے کہ ایک اونٹ سوار آتا نظر آیا۔ فوراً بے چینی کے عالم میں آگے بڑھے اور اس کے قریب پہنچ کر بولے:

''کہاں سے آرہے ہو؟''

قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہچانتا نہیں تھا۔ اس نے روکھے انداز میں کہا:

''قادسیہ سے آرہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر چونک اٹھے۔ اس کے اونٹ کی لگام تھام لی۔ بے قرار ہو کر پوچھا:

''کیا تمہیں جنگ کا حال معلوم ہے۔''

''ہاں! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔''

اب صورتِ حال یہ تھی کہ وہ اونٹ پر تیز تیز چلا جارہا تھا اور مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ اب یہ سوال کرتے جارہے ہیں اور وہ اونٹ پر بیٹھا جواب دیتا جارہا ہے۔ اسی طرح سوالات پوچھتے اور جواب دیتے شہر آگیا۔ قاصد شہر میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ پیدل دوڑتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ ادھر شہر میں لوگوں نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس طرح دوڑتے دیکھا تو کہنے لگے:

''یاامیر المومنین! السلام علیکم! السلام علیکم یا امیر المومنین۔''

اب قاصد کو معلوم ہوا کہ جس شخص کو وہ اتنی دور سے پیدل دوڑاتا لا رہا ہے... وہ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں... جن سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے... بہت گھبرایا، رنگ اڑ گیا... اس نے فوراً اونٹ کو روکا اور جلدی سے نیچے اتر پڑا، اس نے کہا:

''امیر المومنین! آپ نے مجھے اپنا نام کیوں نہ بتایا... میں یہ گستاخی تو نہ کرتا۔''

جواب میں مسلمانوں کے خلیفہ نے فرمایا:

''کوئی بات نہیں... تم بات کو درمیان میں نہ چھوڑو... اسی طرح اونٹ پر سوار چلتے رہو... میں اسی طرح دوڑتے ہوئے جنگ کے حالات سنتا رہوں۔''

چنانچہ آپ اسی طرح اس کے اونٹ کے ساتھ پیدل چلتے رہے اور جنگ کے حالات اس کی زبان سے سنتے رہے۔ آخر آپ نے مسلمانوں کے مجمعے میں پہنچ کر فتح کی خبر سنائی۔

آپ نے اس موقعے پر ایک پراثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا:

''مسلمانو! میں بادشاہ نہیں کہ تمہیں غلام بنالوں، میں تو خود خدا کا غلام ہوں، بس اتنا ہے کہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح کام کروں کہ تم اپنے گھروں میں آرام اور سکون سے سوؤ تو یہ میری سعادت ہے اور اگر میری خواہش یہ ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری بدبختی ہے۔ میں تمہیں تعلیم دینا چاہتا ہوں، لیکن باتوں سے نہیں عمل سے۔'' (جاری ہے)

نظم

ہم تہی دست تھے تمہیں عطا کیا کرتے
بہروں کے شہر میں ہم صدا کیا کرتے
شہر میں تیرے جب انصاف نہیں ہے
مظلوم بغاوت نہ کرتے تو کیا کرتے
میسر نہیں ہے اک لقمہ بھی اب تو
غریب فاقے نہ کرتے تو کیا کرتے
وطن پہ مر مٹنے کی کھائی تھی قسم
پکار پہ ہم نہ کٹتے تو کیا کرتے
وہی کہتا ہے جو اس نے ہے لکھا
اعتبار شاہد نہ کرتے تو کیا کرتے

محمد شاہد فاروق۔ بھکر

دُنیا کی مُجمل تاریخ

''حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس کا فاصلہ ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ایک ہزار ایک سو بیالیس برس کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پانچ سو پینسٹھ برس کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت داؤد علیہ السلام تک پانچ سو انہتر اور حضرت داؤد علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ہزار تین سو چھپن برس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھے سو برس کا فاصلہ گزرا ہے۔

اس حساب سے حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پانچ ہزار بتیس سال ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مشہور قول کے موافق نو سو ساٹھ سال ہوئی ہے۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے کے تقریباً چھ ہزار تین سو بانوے سال بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز عالم ہوئے۔'' (تاریخ ابن عساکر بحوالہ: محمد بن اسحٰق)

حافظ عبدالرزاق۔ ڈی آئی خان

قدم بہ قدم

قادسیہ کی جنگ میں کچھ عجمی اور عربی لوگ بھی مسلمانوں سے لڑے تھے۔ یہ لوگ اپنی خوشی سے ایرانی لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے، بلکہ زبردستی پکڑ کر لائے گئے تھے۔ بہت سے لوگ اسی وجہ سے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد ایسے بہت سے لوگ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے درخواست کی:

''ہمیں امن دیا جائے، ہم نے جنگ میں حصہ نہیں لیا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے صحابہ کو بلا لیا۔ ان سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ اس مشورے میں سب کو امن دینا منظور ہوا، چنانچہ پورے ملک کو امن دیا گیا۔ جو لوگ گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، وہ بھی واپس آگئے اور اپنے گھروں میں پھر سے آباد ہوگئے۔ اس طرح آپس میں تعلقات پیدا ہوئے۔ میل جول بڑھنے لگا۔

قادسیہ سے بھاگ کر ایرانی بابل جا پہنچے۔ یہ ایک بہت محفوظ اور بہت مضبوط مقام تھا... ایرانیوں نے اب اس مقام پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں... لشکر کا سردار فیروزن کو مقرر کیا گیا تھا...

15 ہجری، 636ء میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بابل پر حملے کا ارادہ فرمایا... پہلے چند سردار آگے روانہ کیے، تاکہ وہ راستہ صاف کرتے جائیں...

اسلامی لشکر کے اس ہراول دستے کے مقابلے میں پہلے ایک ایرانی، حاکم بصرہ آیا۔ جنگ ہوئی، یہ زخمی ہوا اور بابل کی طرف بھاگ نکلا۔ اسلامی لشکر آگے بڑھا تو ان کے سامنے برس کا علاقہ تھا۔ برس کا حاکم بسطام تھا۔ اس نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور آگے بڑھنے کے سلسلے میں اسلامی لشکر کی بہت مدد کی۔

اس طرح اسلامی لشکر آسانی سے بابل تک جا پہنچا۔ یہاں نخیر جان، ہرمزان، مہران اور مرجان جیسے بڑے بڑے ایرانی سردار جمع تھے، لیکن جونہی اسلامی لشکر وہاں پہنچا، یہ سب بڑے بڑے سردار پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود تو بابل کے مقام پر ٹھہرے اور کچھ فوج آگے روانہ کی۔ اس فوج کے سالار زہرہ تھے۔ ادھر ایرانی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں جا پہنچی تھیں۔ ان فوجوں کا سردار شہریار تھا۔ زہرہ کوثی پہنچے تو شہریار مقابلے میں نکلا۔ وہ آگے نکل کر للکارا:

''اسلامی لشکر میں سے جو سب سے بہادر ہو، وہ میرے مقابلے کے لیے آئے۔''

زہرہ نے اس کی بات سن کر کہا:

''میرا ارادہ تھا کہ میں تم سے مقابلہ کروں گا، لیکن تمہاری بات سن کر یہ فیصلہ بدل دیا ہے اور اب تمہارے مقابلے کے لیے ایک غلام کو بھیجتا ہوں۔''

یہ کہہ کر انھوں نے قبیلہ بنی تمیم کے ایک غلام نابل کو اشارہ کیا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ شہریار قد و قامت کے لحاظ سے پورا دیو تھا۔ اس کے مقابلے میں نابل بہت دبلا پتلا اور کمزور سا تھا۔ اسے کمزور پا کر شہریار نے تلوار ہاتھ سے گرادی۔ گویا بتانا چاہتا تھا، اسے ختم کرنے کے لیے تلوار کی کیا ضرورت ہے، اسے تو میں اپنے ہاتھ سے ہلاک کر سکتا ہوں۔ نابل نے بھی تلوار گرادی۔ تلوار پھینک کر اس نے پھرتی سے نابل کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ ایک جھٹکا مار کر اسے نیچے گرادیا اور اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ ایسے میں شہریار کی ایک انگلی نابل کے ہاتھ میں آگئی۔ بس پھر کیا تھا، نابل نے اس کی انگلی چبا ڈالی۔ شہریار بلبلا اٹھا۔ انگلی چھڑانے کے چکر میں شہریار اس کے سینے سے اتر گیا۔ بس نابل کو موقع مل گیا۔ زمین پر پڑی تلوار اٹھائی اور اس کے پیٹ میں جھونک دی۔ خون کا ایک فوارہ اس کے پیٹ سے بہت تیزی سے نکلا۔

وہ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے جسم پر زرہ بھی بہت قیمتی تھی۔ نابل نے زرہ وغیرہ اتار لی اور لاکر زہرہ کے آگے ڈال دی۔ انھوں نے نابل سے کہا:

''شہریار کا لباس اور زرہ پہن کر سب کے سامنے آؤ۔''

اس نے ایسا ہی کیا... جب وہ یہ شاہانہ لباس پہن کر دونوں لشکروں کے درمیان میں گھوما تو لوگوں کو دنیا کی حقیقت نظر آگئی...

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہیں قید میں ڈالا تھا۔ قید خانے کی وہ جگہ اس وقت بھی محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کے لیے آئے۔

کوثی سے آگے ایک مقام بہرہ شیر تھا۔ یہاں ایرانیوں کی ایک فوج رہتی تھی۔ (باقی صفحہ 15 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں

وہ فوج روزانہ یہ کہا کرتی تھی:

"جب تک ہم ہیں،
ایرانی سلطنت کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔"

یہاں ایک شیر پالا گیا تھا۔ وہ شیر کسریٰ سے بہت مانوس تھا۔ اسی لیے اس شہر کا نام بہرہ شیر مشہور ہوگیا تھا۔ اسلامی لشکر بہرہ شیر کے قریب پہنچا تو وہ شیر گرج کے باہر نکل آیا۔ اسلامی فوج کے ہراول دستے کے افسر ہاشم نامی بہادر تھے۔ انھوں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کردیا۔

اب اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر بہرہ شیر کا محاصرہ کرلیا۔ شہر کے باہر آس پاس جتنے قبیلے تھے، ان سب نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ البتہ شہر پر اسلامی لشکر کا قبضہ نہ ہوسکا۔ دو ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ ایرانی کسی وقت اچانک باہر نکل کر حملہ آور ہوتے، کچھ دیر جنگ کرتے اور پھر قلعے میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیتے۔

آخر وہ فیصلہ کن جنگ کے ارادے سے نکلے۔ اسلامی لشکر ان کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ اسلامی لشکر کے سالار زہرہ سب سے آگے تھے اور حال یہ تھا کہ ان کی زرہ کی کئی کڑیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ لوگوں نے کہا بھی کہ زرہ دوسری پہن لیں۔ جواب میں بولے:

"میں ایسا خوش قسمت کہاں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری طرف ہی آئیں۔"

یعنی یہ شہادت کی تڑپ تھی۔ چاہتے تھے، کسی طرح شہادت کا رتبہ نصیب ہوجائے۔ اللہ کی قدرت کہ پہلا تیر انھی کو آکر لگا۔ لوگوں نے تیر نکالنے کا ارادہ کیا تو انھیں روک دیا۔ کہنے لگے:

"جب تک یہ میرے جسم میں رہےگا، میں زندہ ہوں۔"

اسی حالت میں دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ ایک ایرانی افسر شہر براز سامنے آیا۔ اسے اپنی تلوار سے جہنم رسید کیا۔ جنگ تھوڑی دیر ہی جاری رہی، پھر ایرانی بھاگ نکلے۔ شہر کے لوگوں نے صلح کا جھنڈا بلند کردیا، یعنی یہ اعلان تھا:

"ہم صلح کے لیے تیار ہیں۔"

بہرہ شیر کی فتح کے بعد حضرت سعد آگے بڑھے۔ ایرانی دارالحکومت مدائن اس جگہ سے بالکل نزدیک تھا۔ درمیان میں دریائے دجلہ تھا۔ حضرت سعد کے سامنے اب دریا تھا۔ ایرانیوں نے اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر تمام پل توڑ دیے تھے۔ اب یہاں نہ پل تھے، نہ کشتیاں۔

صورتِ حال کو دیکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر سے فرمایا:

"برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہوکر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کرلو تو میدان صاف ہے۔"

یہ کہہ کر آپ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ انھیں ایسا کرتے دیکھ کر پورے اسلامی لشکر نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔

دریا میں اس وقت شدید طغیانی تھی۔ خوف ناک قسم کی موجیں اٹھ رہی تھیں۔ یہ موجیں بار بار گھوڑوں سے ٹکرا رہی تھیں، لیکن مسلمانوں نے بھی اس وقت بے مثال جرأت کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ان موجوں سے ذرا نہیں گھبرائے۔ اسی موقعے کے لیے علامہ اقبال نے کہا تھا۔

دشت و دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اور حالت یہ تھی کہ اسلامی لشکر کی ترتیب تک میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ جو ترتیب دریا کے کنارے پر تھی، وہی ترتیب دریا میں برقرار رہی۔

ادھر دریا کے دوسرے کنارے پر ایرانی لشکر موجود تھا۔ وہ یہ انوکھا منظر دیکھ رہا تھا۔ مارے حیرت کے ان کا برا حال ہوچلا تھا۔ انھوں نے ایسے انسان پہلے کب دیکھے تھے۔ انھوں نے خیال کیا۔ یہ لوگ انسان نہیں، جن ہیں جن۔ چنانچہ چلا اٹھے:

"دیوان آمدند، دیوان آمدند۔"

یعنی: دیو آگئے! دیو آگئے۔"

اور یہ کہتے ہوئے بدحواس ہوکر بھاگے۔ ایرانی لشکر کا سپہ سالار خرزار البتہ دریا کے کنارے ڈٹا رہا۔ اس کے ساتھ تھوڑی سی فوج بھی موجود تھی۔ اس نے دریا کے گھاٹ پر تیرانداز دستے مقرر کردیے۔ ایک ایرانی دستہ دریا میں اترا، تاکہ مسلمانوں کو روک سکے، لیکن مسلمان بہتے دھارے کی طرح آگے بڑھتے چلے گئے۔ انھوں نے تیراندازوں کا صفایا کردیا۔

ایران کا شہنشاہ یزدگرد اپنے خاندان کو پہلے ہی مدائن سے حلوان بھجوا چکا تھا۔ مسلمانوں کے اس طرح آگے بڑھنے کی خبریں سن کر خود بھی بھاگ کھڑا ہوا (ایک وہ وقت تھا، قیصر و کسریٰ مسلمانوں سے اس طرح ڈرتے تھے۔ افسوس! آج کے مسلمان ان سے اس طرح ڈرتے ہیں) (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، یعنی سب بھاگ گئے تھے۔ شاہی دربار میں شاہی تخت کی جگہ منبر رکھا گیا۔ جمعے کی نماز وہیں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا تھا۔

دو تین روز بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حکم دیا:

''شاہی خزانہ اور تمام قیمتی ساز و سامان ایک جگہ جمع کیے جائیں۔''

وہاں نوشیرواں عادل تک کے زمانے کی نادر چیزیں موجود تھیں۔ چین کے شہنشاہ، ہندوستان کے راجہ داہر اور قیصرِ روم وغیرہ کی زرہیں اور تلواریں مالِ غنیمت میں شامل تھیں۔ نوشیرواں کا تاج بھی تھا۔ اس کا شاہی لباس، سونے کا ایک گھوڑا بھی ان چیزوں میں شامل تھا۔ گھوڑے پر زمرد جڑے ہوئے تھے۔ اس سامان میں چاندی کی ایک اونٹنی بھی تھی۔ اس پر سونے کی پالان تھی۔ اس کی مہار میں قیمتی یاقوت پروئے گئے تھے۔ اونٹنی پر ایک سوار بھی تھا۔ اس پر سر سے پیر تک جواہرات جڑے گئے تھے اور ان تمام چیزوں سے زیادہ عجیب ایک فرش تھا۔ ایرانی اس فرش کو بہار کہتے تھے۔ جب بہار کا موسم گزر جاتا تو یہ لوگ اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس کے درمیان میں سبزہ لگایا گیا تھا۔ چاروں طرف طرح طرح کے درخت اور پھولوں کے پودے تھے اور یہ سب کچھ مصنوعی تھا۔ جواہرات سے تیار کیا گیا تھا، یعنی اس فرش کی زمین سونے کی تھی۔ درخت بھی سونے چاندی کے تھے۔ درختوں پر جو پھل لٹک رہے تھے، وہ بھی جواہرات کے تھے۔ یہ تمام سامان ایرانی فوج کی شکست اور بھاگنے کے دوران ہاتھ آیا، لیکن لشکر کے لوگوں کی ایمان داری کا حال ملاحظہ ہو، جسے جو چیز ملی، لا کر اپنے افسر کے پاس جمع کرا دی، چنانچہ جب یہ سب سامان ایک جگہ جمع کیا گیا تو آس پاس کا سارا علاقہ جگ مگ جگ مگ کرنے لگا۔ اس سارے سامان کو دیکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے:

''جن لوگوں نے ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا، وہ حد درجے دیانت دار ہیں۔''

غنیمت کا یہ مال اسلامی قاعدے کے مطابق تقسیم ہوا۔ کل مال کا پانچواں حصہ دربارِ خلافت بھیجا گیا۔ وہ فرش اور دوسرے نوادرات اپنی اصلی حالت میں بھیجے گئے۔

یہ سارا ساز و سامان جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈھیر کیا گیا تھا تو آپ بھی بہت حیران ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ایک شخص محکم نامی تھا۔ اس کا قد بہت مناسب اور جسم خوب صورت تھا۔ آپ نے حکم دیا:

''نوشیرواں کا لباس محکم کو پہنایا جائے۔''

اب یہ لباس مختلف حالتوں کے لحاظ سے تھے، یعنی دربار کا لباس اور تھا، سواری کا اور تھا، مبارک باد وصول کرنے اور جشن منانے کا الگ تھا۔ محکم کو باری باری یہ لباس پہنائے گئے۔ اس کے سر پر تاج بھی رکھا گیا۔ تمام لوگ محکم کو اس لباس میں دیکھ دیکھ کر حیرت زدہ ہوتے رہے۔ ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دیر تک لوگ یہ تماشا دیکھتے رہے۔ فرش کے بارے میں لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اسے توڑا نہ جائے، اسی طرح رہنے دیا جائے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی، لیکن حضرت علی نے مشورہ دیا کہ اسے توڑ دیا جائے۔

اس طرح اس فرش پر بھی خزاں آئی جس کا نام ایرانیوں نے بہار رکھا تھا۔

○

مدائن کی فتح عراق کے لحاظ سے آخری فتح تھی۔ مدائن سے بھاگ کر ایرانی جلولا میں جمع ہو گئے۔ اب انھوں نے وہاں جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ انھوں نے یہاں بھی ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ یہ رستم کا بھائی تھا۔ اس نے یہ تدبیر کی کہ شہر کے گرد ایک خندق کھدوا دی۔ اسلامی لشکر کے راستے پر گوکھرو بچھوا دیے۔ (گوکھرو لوہے کے چھوٹے چھوٹے گولوں کو کہتے ہیں جن پر چار نوکیلے کانٹے ابھرے ہوتے ہیں اس طرح جب اسے زمین پر رکھا جاتا ہے تو ایک کانٹا ہر حال میں اوپر اُٹھا رہتا ہے اور اس طرح جب کوئی لشکر اس راستے سے گزرتا ہے تو گھوڑوں اور اونٹوں کے پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب یہ اطلاعات ملیں تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع بھیجی۔ ادھر سے جواب آیا:

''ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار فوج دے کر جلولا بھیجا جائے۔ اس فوج کا ہراول دستہ حضرت قعقاع کی کمان میں روانہ کیا جائے۔ فوج کے دائیں بازو پر مضر بن مالک کو اور بائیں بازو پر عمرو بن مالک کو مقرر کیا جائے۔ لشکر کے عقب میں عمرو بن مرہ کو مقرر کیا جائے۔''

9/0 B

اس حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ چار دن کا سفر کر کے جلولا پہنچے۔ انھوں نے حکم دیا:

"شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔"

یہ محاصرہ کئی ماہ جاری رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعے سے نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوتے اور پھر بھاگ کر قلعے میں بند ہو جاتے۔ اس طرح چھوٹے بڑے 80 معرکے ہوئے۔

شہر میں چونکہ ساز و سامان کی بہت بڑی تعداد موجود تھی اور خوراک کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا، اس لیے شہر کے لوگوں کو اسلامی لشکر کے محاصرے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ تعداد بھی ان کی لاکھوں میں تھی۔

آخر ایک دن بڑے زور شور سے نکلے۔ مسلمانوں پر زبردست حملہ کیا۔ انھوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا، اللہ کی شان کہ اچانک بہت زبردست آندھی شروع ہوگئی۔ گرد و غبار کی وجہ سے اس قدر اندھیرا ہو گیا کہ ہزارہا ایرانی خندق میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ ایرانیوں نے اس طرح موت کے منہ میں جانے سے بچنے کے لیے کئی جگہ سے خندق کو پاٹ دیا اور اپنے لیے راستے بنا لیے۔ مسلمانوں کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انھوں نے موقعے کو غنیمت جانا اور حملہ کرنے کی تیاریاں کر لیں۔ ایرانیوں کو بھی پل پل کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ انھوں نے راستوں پر گوکھرو بچھا دیے اور فوج کو قلعے کے دروازے پر جمع کر لیا۔

مسلمان ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی بھی جان توڑ کر لڑے۔ دونوں طرف سے زبردست مقابلہ ہوا۔ پہلے دونوں لشکروں نے ایک دوسرے پر تیر برسائے۔ جب تیر ختم ہو گئے، تب انھوں نے نیزے سنبھال لیے، جب نیزے بھی ٹوٹ گئے تو تلواریں نکال لیں۔

اس وقت حضرت قعقاع نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ یہ برابر آگے بڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ قلعے کے دروازے تک جا پہنچے۔ جب کہ فوج کے سالار ہاشم پیچھے رہ گئے۔ فوج کا بڑا حصہ انھی کے ساتھ تھا۔ ایرانی فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ اسلامی فوج کا سالار قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگے اور اپنے بچھائے ہوئے گوکھروؤں کی زد میں آ گئے۔ ادھر مسلمانوں نے ان کا قتلِ عام جاری رکھا، چنانچہ بڑی تعداد میں ایرانی مارے گئے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس مقام پر تقریباً ایک لاکھ ایرانی مارے گئے۔ تین کروڑ کا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت کے پانچویں حصے کے ساتھ فتح کی خوش خبری مدینہ منورہ بھیجی۔ یہ خوش خبری زیاد نامی مجاہد لے کر آئے تھے۔ انھوں نے نہایت تفصیل سے جنگ کے حالات سنائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"یہ تمام واقعات مسلمانوں کے مجمعے کے سامنے بیان کرو۔"

چنانچہ سب لوگوں کو جمع کیا گیا، تمام حالات اور واقعات پوری تفصیل کے ساتھ سنائے گئے۔ انھوں نے اس طرح منظر کشی کی کہ حضرت عمر بول اٹھے:

"خطیب اسے کہتے ہیں۔"

اس کے بعد زیاد نے مالِ غنیمت کا ذخیرہ پیش کیا، لیکن اس وقت تک تاریکی پھیل چکی تھی، اس لیے اس کی تقسیم دوسرے دن پر اٹھا رکھی گئی۔ مسجد کے صحن میں سارے مال کا ڈھیر لگایا گیا۔ اس پر ایک چادر ڈال دی گئی۔ رات بھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہما نے پہرہ دیا۔

دوسرے دن صبح کے وقت اس مال پر سے چادر ہٹائی گئی تو لوگوں نے دیکھا، وہ درہم و دینار اور جواہرات کا ایک بڑا ڈھیر تھا۔ اس مال کو دیکھ کر حضرت عمر بے ساختہ رو پڑے۔ لوگوں نے انھیں روتے دیکھا تو بہت حیران ہوئے اور پکار اٹھے:

"امیر المومنین! یہ رونے کا کون سا مقام ہے۔"

(جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جہاں دولت کا قدم آتا ہے، وہاں رشک اور حسد بھی ساتھ آتا ہے۔''

یزدگرد کو جلولا میں ایرانی فوجوں کی شکست کی خبر پہنچی۔ اس نے حلوان کی حفاظت کے لیے ایک نامور افسر خسرو شنو کو مقرر کیا۔ اس کی کمان میں چند ایرانی دستے دیے اور خود حلوان سے ''رے'' چلا آیا۔

ادھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خود جلولا میں ٹھہرے رہے۔ حلوان کی طرف انھوں نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ حلوان سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام قصرِ شیریں تھا۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ ابھی وہاں تک پہنچے تھے کہ خسرو شنو اپنی فوج کے ساتھ مقابلے کے لیے نکل پڑا اور قصرِ شیریں پہنچ گیا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانی فوج کو یہاں بھی شکست فاش ہوئی۔ خسرو بھاگ نکلا۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ وہاں سے آگے بڑھے اور حلوان پہنچ گئے۔ آپ نے حلوان میں ہر طرف امن کا اعلان کر دیا۔ اس طرح چاروں طرف کے ایرانی سردار خود ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور جزیہ ادا کرنے لگے۔ اس طرح وہ پورا علاقہ اسلام کے سایے میں آ گیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی عراق کا پورا علاقہ بھی گویا فتح ہو گیا۔

O

اب ہم شام کا رخ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 13 ہجری سن 634ء میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حمص کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق کی طرف، حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کو اردن کی طرف، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین کی طرف روانہ فرمایا تھا۔

ان تمام فوجوں کی مجموعی تعداد 24 ہزار کے قریب تھی۔ اسلامی لشکروں کے یہ افسر جب اپنا اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے تو ہر ہر قدم پر انھیں رومیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ لوگ پہلے ہی مسلمانوں سے مقابلے کی تیاریاں شروع کر چکے تھے۔ قیصرِ روم نے پورے ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے میں فوجیں روانہ کی تھیں۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر اسلامی لشکروں کے سالاروں نے مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ تمام فوجیں ایک جگہ جمع ہو جائیں، کیونکہ رومی فوجوں کی تعداد بے تحاشا تھی۔ مسلمان الگ الگ مقام پر ان سب سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

یہ فیصلہ کر کے اسلامی سالاروں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ان کی مدد کے لیے اور فوجیں روانہ کی جائیں۔ اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا گیا۔ وہ عراق کی مہم پر تھے۔ وہاں سے چل کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جو چھوٹے موٹے لشکر ملتے گئے، ان کا صفایا بھی کرتے گئے۔ اس طرح آپ دمشق پہنچ گئے۔ آپ نے دمشق کو صدر مقام قرار دیا اور وہیں ٹھہر گئے۔ اب پورا اسلامی لشکر آپ کی کمان میں تھا۔

ادھر قیصرِ روم نے ایک بڑا لشکر اسلامی لشکر کے مقابلے میں روانہ کیا، یہ لشکر اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں زور شور سے کرنے لگا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی اور اجنادین پہنچ گئے۔ دوسرے اسلامی لشکروں کے سالاروں کو پیغام بھیجا کہ آ کر ان کے ساتھ مل جائیں، چنانچہ حضرت شرحبیل، حضرت یزید، حضرت عمرو بن عاص یہ سب مقررہ وقت پر اجنادین پہنچ گئے۔

13 ہجری 18 جمادی الاول، 634ء میں اجنادین کا معرکہ ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر رومی فوجوں پر حملہ کیا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ ہزار ہا رومی مارے گئے، مسلمان بھی تین ہزار کے قریب شہید ہوئے۔ مسلمانوں کو کامل فتح نصیب ہوئی۔

اس مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دمشق کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر دمشق شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شروع ہوا، لیکن یہاں جنگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔

یہ شہر شام کا بڑا شہر تھا اور تھا بھی صدر مقام۔ اسلام سے پہلے عرب تجارت کی غرض سے اکثر یہاں آتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہاں کے تجارتی سفر کیے تھے۔ پورے عرب میں اس شہر کی شہرت تھی۔

ان تمام حالات کی بنا پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شہر کے تمام دروازوں پر بڑے بڑے نامور افسروں کو مقرر کیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بابِ توما پر، حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کو باب الفرادیس پر، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو باب الجابیہ پر مقرر کیا۔ خود حضرت خالد بن ولید باب الشرق پر ڈٹ گئے۔ ان کے ساتھ پانچ ہزار مجاہد تھے۔ (باقی صفحہ 15 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں

محاصرے کے اس انتظام کو دیکھ دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے پست ہو ہو جاتے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے جاسوس ادھر اُدھر چھوڑ رکھے تھے۔ وہ جب آتے، مسلمانوں کی تیاریاں اور جوش اور جذبے کی باتیں بتاتے تھے تو رومیوں کے دل ڈوب ڈوب جاتے تھے۔ تاہم وہ یہ سوچ کر جمے رہے کہ شہنشاہِ روم سر پر موجود ہے۔ وہ حمص سے امدادی فوجیں روانہ کر چکا ہے۔

ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو گئے۔

یہ خبر سن کر عیسائیوں کا حوصلہ بڑھ گیا... ان کا خیال تھا... مسلمانوں کے خلیفہ کے انتقال کے بعد مسلمانوں کا جوش اور جذبہ ماند پڑ جائے گا... ان کا ایک خیال یہ تھا کہ مسلمان اس علاقے کی سردی برداشت نہیں کر سکیں گے اور محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے... لیکن ان کے یہ دونوں خیال غلط ثابت ہوئے... نہ شدید سردی نے مسلمانوں کا جوش اور جذبہ کم کیا... نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ان کے جذبے پر اثر انداز ہوئی...

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک جنگی حکمتِ عملی یہ اختیار فرمائی کہ ایک مسلمان سالار ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر مقرر کر دیا اور انھیں ہدایت کر دی کہ ادھر سے کوئی رومی لشکر مدد کے لیے نہ آنے پائے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روم کے شہنشاہ ہرقل نے مدد کے لیے فوجیں بھیجیں، انھیں ذوالکلاع کے لشکر نے راستے ہی میں روک لیا۔ اس طرح دمشق والے بالکل مایوس ہو گئے۔ ان حالات میں ایک خاص واقعہ پیش آ گیا۔

ہوا یہ کہ ایک دمشقی سردار کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ اس خوشی میں پورے شہر میں دھوم دھام سے خوشی منائی گئی۔ خوب شراب پی گئی۔ شراب نے سب کو مدہوش کر دیا۔ ان پر گہری نیند طاری ہو گئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رات کو کم سوتے تھے۔ وہ اپنے لشکر اور دشمن کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے۔ انھیں یہ خبریں ملیں کہ رومی لشکر شراب کے نشے میں دھت پڑا ہے۔ بس اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے ساتھ چند بہادر ساتھیوں کو لیا۔ رومیوں نے خندق میں پانی چھوڑ رکھا تھا۔ خندق پانی سے لبریز تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پانی ایک مشک کے ذریعے خندق عبور کر گئے، ان کے ساتھیوں نے بھی خندق پار کر لی۔ اب فصیل پر کمند پھینکی گئی۔ اس کے ذریعے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شہر کی فصیل پر چڑھ گئے اور اوپر سے رسی کی سیڑھی نیچے لٹکا دی۔ رسی کی سیڑھی کے ذریعے ان کے ساتھی بھی اوپر آ گئے۔

اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے فصیل پر موجود سپاہیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کیا... پھر نیچے اتر کر بڑے دروازے کے قفل توڑ ڈالے اور دروازہ کھول ڈالا... دروازے پر اسلامی فوج تیار تھی... سیلاب کی طرح اندر داخل ہو گئی... جو رومی راستے میں آئے، انھیں موت کی نیند سلا دیا گیا... اس طرح اسلامی لشکر آگے بڑھتا رہا... بے شمار رومی مارے گئے... شراب نے انھیں اس قابل چھوڑا ہی کب تھا کہ جنگ کر سکتے... یہ حالت دیکھ کر انھوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی:

''ہمیں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بچایئے۔''

اس وقت تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شہر کا ایک بڑا حصہ فتح کر چکے تھے، لیکن ادھر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کی صلح کی پیش کش منظور کر لی۔

اس کے ساتھ ہی دمشق فتح ہو گیا۔ مسلمانوں کو یہ فتح 14 ہجری سن 635ء میں ہوئی۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

دمشق کی شکست نے رومیوں کو آگ بگولا کر دیا۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے دمشق سے اردن کا رخ کیا ہے۔ اس خبر کے بعد وہ چاروں طرف سے اردن کا رخ کرنے لگے اور بیسان شہر میں جمع ہونے لگے۔ بیسان اردن کا شہر تھا۔

شہنشاہ ہرقل نے دمشق میں جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں، وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔ اب ان فوجوں نے بھی بیسان کا رخ کیا۔ اس طرح تیس چالیس ہزار رومی بیسان میں جمع ہو گئے۔ اس لشکر کے سالار کا نام سکلار تھا۔

ملک شام اس وقت چھ صوبوں میں تقسیم تھا۔ ان میں دمشق، حمص، اردن اور فلسطین مشہور نام ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے۔ یہ دمشق سے چار میل دور ہے۔ طبریہ کے مشرق میں بارہ میل لمبی ایک جھیل تھی۔ اس کے قریب ہی چند میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اس کا پرانا نام فحل ہے۔

یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ آج کل یہ مقام ویران پڑا ہے۔ بیسان طبریہ کے جنوب میں 18 میل دور واقع ہے۔

اس طرح رومی فوجیں بیسان میں اور اسلامی فوجیں فحل میں خیمہ زن ہوئیں، رومی سالار نے اپنی فوج کو حکم دیا۔

''آس پاس جتنی نہریں ہیں، سب کے بند توڑ دیے جائیں۔''

رومی فوجوں نے اپنے سالار کے حکم کی تعمیل کی۔ اب بیسان سے فحل تک پانی ہی پانی ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے، لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا، اسلامی لشکر آگے بڑھ آیا۔ یہ دیکھ کر رومی حوصلہ ہار گئے۔ انھوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا:

''اپنا کوئی شخص بھیج دیں۔ ہم بات کرنا چاہتے ہیں۔''

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے راستے میں مخمل کا فرش بچھایا گیا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رک گئے۔ ایک عیسائی نے ان سے کہا:

''آپ کا گھوڑا میں تھام لیتا ہوں، آپ دربار میں جا کر بیٹھیں۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی زندگی کو عیسائی بھی جانتے تھے۔ اس لیے وہ ان کا ادب کرتے تھے۔ عیسائی کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''میں مخمل کے فرش پر نہیں بیٹھوں گا۔'' یہ فرمایا اور زمین پر بیٹھ گئے۔

اس پر عیسائیوں نے کہا:

''افسوس! ہم آپ کی عزت کر رہے ہیں، لیکن آپ کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں۔''

یہ سن کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور فرمایا:

''جسے تم عزت خیال کرتے ہو، مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا طریقہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر اللہ کا کون غلام ہو سکتا ہے۔''

رومی ان کی بات سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ ایک شخص نے پوچھا:

''مسلمانوں میں تم سے بڑھ کر بھی کوئی ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ کی پناہ! یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں۔''

رومی خاموش ہو گئے جب کچھ دیر خاموشی کے عالم میں گزری، تو آپ نے فرمایا:

''اگر تم کوئی بات نہیں کرنا چاہتے، تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔''

رومی بولے:

''ہمیں آپ سے پوچھنا ہے کہ آپ لوگ اس طرف کیوں آئے۔ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا ہے، ہم تعداد میں آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں کے برابر ہیں۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''ہماری درخواست یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑ دو، سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دینا منظور کرو۔ یہ بھی منظور نہیں تو تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی اور تم نے جو یہ کہا ہے کہ تم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں کے برابر ہو تو ہمیں تمہاری زیادہ تعداد کی قطعاً پروا نہیں۔ تمہیں اگر اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جسے تمہاری جان و مال کا اختیار ہے تو سن لو، ہم نے جسے اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ اپنے (باقی صفحہ 15 پر)

آپ کو کسی بات میں ترجیح نہیں دیتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسے بھی دڑے لگائے جائیں گے۔ چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں وہ ہم سے زیادہ نہیں۔"

آپ کی یہ باتیں سن کر رومی افسر نے کہا:

"اچھا ہم تمہیں بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے، دے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس چلے جاؤ۔"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہمیں یہ منظور نہیں۔"

یہ کہہ کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ رومیوں نے سوچا، ان کے سپہ سالار سے بات کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس مرتبہ انھوں نے ایک اور قاصد بھیجا۔ یہ قاصد رومیوں کا کوئی خاص آدمی تھا۔ وہ اسلامی لشکر میں پہنچا تو اس وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زمین پر بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تیر تھے۔ وہ ان تیروں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار وہ ہوں گے، لہٰذا اس نے سپہ سالار کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی بہت شان و شوکت ہوگی، لیکن جب اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو سب کے سب ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آئے۔ ان میں کوئی کسی سے شان و شوکت میں بڑھ چڑھ کر نظر نہ آیا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ اس نے بوکھلا کر پوچھا:

"تمہارا سردار کون ہے؟"

لوگوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اور زیادہ حیران ہوا، بولا:

"کیا واقعی تم سردار ہو؟"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بولے:

"ہاں!"

اب اس نے کہا:

"ہم تمہاری پوری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں (سونے کے سکے) دیں گے۔ بس تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انکار میں سر ہلا دیا اور بولے:

"ہمیں یہ بات منظور نہیں۔"

قاصد یہ سن کر طیش میں آگیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ آپ نے جان لیا کہ اب عیسائی جنگ کریں گے۔

آپ نے یہ تمام حالات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب موصول ہوا:

"ثابت قدم رہیں، اللہ آپ کا مددگار ہے۔"

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا تھا اور اسلامی لشکر جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھا، لیکن رومی مقابلے پر نہ آئے۔

دوسرے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خود سواروں کا ایک دستہ ساتھ لے کر میدان میں نکلے۔ رومیوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے پہلا حصہ میدان میں بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت قیس بن ہبیرہ کو اشارہ کیا انھوں نے صف سے نکل کر انھیں روکا۔ زبردست معرکہ ہوا۔ یہ جنگ ابھی جاری تھی کہ رومیوں کی دوسری فوج میدان میں نکلی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت [illegible]رہ بن مسروق کو اشارہ کیا۔ اس فوج کے مقابلے کے لیے وہ آگے بڑھے۔ اتنے میں تیسرا لشکر ساز و سامان کے ساتھ نکلا۔ اس لشکر کا سالار ایک مشہور سردار تھا۔ وہ بڑی تدبیر سے اپنی فوج کو آگے لایا۔ (جاری ہے)

Scanned by CamScanner

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

سیلاب آگے بڑھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہراول دستے پر تھے، اس لیے پہلے انھی سے مقابلہ ہوا۔ رومی تیراندازوں نے تیروں کی اس قدر بارش کی کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے قدم رک گئے۔ انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کنی کترائی اور رومی فوج کے بائیں قریب پہنچ کر وہ خود ٹھہر گیا اور ایک سالار کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ حملہ بھی نہایت بہادری سے روکا۔ جب کوئی پیش نہ گئی تو سالار نے خود حملہ کیا۔ پہلی دونوں فوجیں بھی اس کے ساتھ آملیں۔ دیر تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کو جما ہوا پا کر رومیوں نے سوچا، واپس لوٹ جائیں، کیونکہ لڑنا بیکار نظر آرہا تھا۔ ان میں واپسی کے آثار دیکھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پکارے:

''بہادرو! رومی اپنا زور لگا چکے۔ اب ہماری باری ہے۔''

اس آواز کے ساتھ ہی مسلمان اچانک رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں دباتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ادھر عیسائی مدد کے انتظار میں تھے اور جنگ کو طول دے رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کی اس چال کو سمجھ گئے۔

انھوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''رومی ہمارے رعب میں آچکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے۔''

انھوں نے جواب میں فرمایا:

''ٹھیک ہے۔''

اب پوری فوج میں اعلان کرادیا گیا کہ کل حملہ کیا جائے گا۔ فوج ساز و سامان سمیت تیار رہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ رات کے پچھلے پہر اٹھے۔ آپ نے لشکر کی ترتیب شروع کی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فوج کے دائیں پہلو پر مقرر فرمایا۔ ہاشم بن عتبہ کو بائیں پہلو پر مقرر کیا۔ پیدل فوج پر حضرت سعید بن زید مقرر ہوئے۔ سوار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دیے گئے۔ جب پوری فوج تیار ہوگئی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا چکر لگایا۔ ایک ایک علم بردار کے پاس جا کر کھڑے ہوتے اور کہتے:

''اللہ سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو، کیونکہ اللہ ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔''

رومیوں کی تعداد اس وقت پچاس ہزار تھی۔ آگے پیچھے انھوں نے پانچ صفیں قائم کی تھیں۔ ان کی ترتیب یہ تھی:

پہلی صف میں ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو تیرانداز تھے۔ نقارے بجائے جارہے تھے۔ اس طرح رومی فوجوں کا پہلو پر حملہ آور ہوئے۔ اس طرف تیرانداز نہیں تھے اور ان کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ لشکر کا یہ حصہ باقی لشکر سے الگ ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ انداز ایسا تھا گویا رومیوں کے دباؤ کی وجہ سے پسپا ہو رہے ہوں، لیکن یہ آپ کی حکمتِ عملی تھی۔ اس طرح رومی فوج کا یہ دستہ باقی لشکر سے بالکل کٹ گیا اور دور نکل آیا۔ اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس پر زبردست حملہ کیا اور رومیوں کو درہم برہم کردیا۔ ان کی صفیں الٹ ڈالیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ان کے گیارہ بڑے بڑے افسر مارے گئے۔

ادھر یہ حال تھا، دوسری طرف حضرت قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے دائیں پہلو پر حملہ کیا اور ان کا یہ بازو بھی کمزور کردیا۔ اتنا کچھ ہوجانے کے باوجود رومی لشکر کا قلب محفوظ تھا اور ایسا تیراندازوں کی وجہ سے تھا۔ اس وقت حضرت ہاشم بن عتبہ نے اپنا علم لہرایا اور پکارے:

''اللہ کی قسم! جب تک میں اس علم کو دشمن کے قلب میں نہیں گاڑوں گا، واپس نہیں آؤں گا۔''

یہ کہا اور گھوڑے سے کود پڑے۔ ایک ہاتھ میں علم تھا اور دوسرے میں تلوار، اس قدر دلیری سے لڑے کہ آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ مکمل ایک گھنٹے تک لڑے۔ میدان خون سے رنگین ہوگیا۔ یہ آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ دشمن کے قلب میں جا پہنچے۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ اس کے ساتھ ہی پورا لشکر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوش خبری کا پیغام بھیج دیا۔

اس فتح کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر آسانی سے فتح ہوتے چلے گئے۔ صلح کی شرائط میں ہر جگہ یہ لکھ کر دے دیا گیا:

''فتح کیے گئے علاقوں کے لوگوں کی جان، مال،

زمین، مکانات، گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لیے کسی قدر زمین لی جائے گی۔"

فحل کی فتح کے بعد شام کے اب صرف تین شہر، حمص، انطاکیہ اور بیت المقدس رہ گئے تھے۔ ان تینوں کے فتح ہو جانے کا مطلب تھا پورا شام فتح ہو گیا۔ لہٰذا فحل کی فتح کے بعد مسلمان اب حمص کی طرف بڑھے کیونکہ حمص اس وقت زیادہ قریب تھا۔ یہاں رومیوں کی تعداد باقی دو شہروں کی نسبت کم تھی۔ حمص کے راستے میں ایک چھوٹا سا شہر بعلبک تھا۔ وہ نہایت آسانی سے فتح ہو گیا۔

اسلامی لشکر حمص کے نزدیک پہنچا تو رومی خود مقابلے کے لیے آگے بڑھ کر جوسیہ کے مقام پر آ گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ آپ کے پہلے ہی حملے میں رومی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت سبرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کی طرف روانہ کر دیا۔ راستے میں رومیوں کی جو ٹکڑیاں ملیں، حضرت سبرہ ان کا صفایا کرتے چلے گئے۔ اس طرح حمص پہنچ گئے۔

حمص کی جنگ میں شرجیل حمیری نے سات رومیوں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہو کر حمص کی طرف بڑھے۔ رومیوں نے انھیں تنہا پا کر ان پر حملہ کیا۔ انھوں نے نہایت ثابت قدمی سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ دس گیارہ رومی اور ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس پر رومی بھاگ نکلے۔

رومیوں نے بھاگ کر ایک گرجے میں پناہ لی۔ اس گرجے کا نام دیر مسحل تھا۔ یہ بھی تعاقب کرتے وہاں پہنچا۔ اب گرجے میں کافی تعداد میں رومی موجود تھے۔ انھوں نے اوپر سے پتھر برسانے شروع کر دیے۔ اس طرح پتھروں کی بارش سے حضرت شرحبیل حمیری نے شہادت کا جام پیا۔

سبرہ بن مسروق کو حمص کی طرف بھیجنے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بھی حمص کا رخ کیا۔ اب حمص کا محاصرہ کر لیا گیا۔

ان دنوں سردی بہت شدید تھی۔ رومیوں کو موسم کی شدت کی وجہ سے یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہیں لڑ سکیں گے۔ دوسری طرف ہرقل نے قاصد بھیج کر یہ پیغام دیا تھا کہ بہت جلد ان کی مدد کے لیے فوج بھیجی جا رہی ہے۔ اس لیے بھی حمص کے لوگوں کو اطمینان تھا۔

ہرقل نے ایک بڑا لشکر حمص کی طرف روانہ کیا۔ یہ خبر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ملی۔ وہ اس وقت عراق کی مہم پر تھے۔ انھوں نے اس لشکر کو روکنے کے لیے کچھ فوج بھیج دی۔ اس فوج نے ہرقل کی فوج کو روک لیا اور یہ حمص نہ پہنچ سکی۔

جب ہرقل کا لشکر حمص نہ پہنچا، بلکہ رومیوں کو یہ اطلاعات ملیں کہ ان کی مدد کے لیے آنے والے لشکر کو اسلامی لشکر نے راستے ہی میں روک لیا ہے تو وہ مایوس ہو گئے اور صلح کی درخواست کر ڈالی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مان لی۔ رومیوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔

اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ آگے شیرز تھا۔ اس علاقے کے لوگوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ اس سے آگے معرۃ النعمان تھا۔ اس کے لوگوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ ان سے فارغ ہو کر اسلامی لشکر نے لاذقیہ کا رخ کیا، یہ ایک بہت پرانا شہر تھا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ کیا۔ آپ نے اور حضرت خالد بن ولید نے دور رہ کر اس شہر کا جائزہ لیا اور جان لیا کہ یہ بہت مضبوط ہے۔ اس کی مضبوطی کا اندازہ لگا کر ایک بالکل انوکھی جنگی چال چلی گئی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے میدان میں کچھ غار کھدوائے۔ یہ غار اس قدر احتیاط سے کھدوائے گئے کہ رومیوں کو بالکل پتا نہ چلا۔ پھر ایک دن فوج کو وہاں سے واپس کوچ کا حکم دے دیا گیا۔

اسلامی فوج نے محاصرہ ختم کر دیا اور واپس حمص کی طرف چل پڑا۔ لاذقیہ شہر کے رومی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ مسلمان تنگ آ کر واپس جا رہے ہیں۔ میدان صاف دیکھ کر انھوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے اور اسلامی لشکر حقیقت میں تو واپس گیا ہی نہیں تھا۔ وہ تو رات کی تاریکی میں واپس لوٹ آیا تھا اور ان غاروں میں چھپ گیا تھا۔ قلعے کے دروازے کھلے اور رومی اپنے کام کاج کے لیے باہر نکلے تو اسلامی لشکر، اچانک غاروں سے نکل آیا اور اس نے شہر پر حملہ کر دیا۔ اس طرح رومی بوکھلا گئے۔ مقابلہ کر ہی نہ سکے اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح لاذقیہ جو مضبوط ترین شہر تھا، نہایت آسانی سے فتح ہو گیا۔

اب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ بیت المقدس کا رخ کرنے کا تھا، لیکن مدینہ منورہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پیغام بھیجا:

"اس سال مزید آگے نہ بڑھا جائے۔"

اس حکم کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس دمشق چلے گئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اردن چلے گئے اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ خود حمص ہی میں رہے۔ (جاری ہے)

کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں۔ دونوں میں بارہ بارہ حروف ہیں اور دونوں حصے نقطوں کے بغیر ہیں۔ پہلا حصہ "مقصدِ زندگی" سکھاتا ہے جب کہ دوسرا حصہ "طرزِ زندگی" سکھاتا ہے۔

لیاقت علی۔ تلمبہ

قدم بہ قدم

رومی شکست کھا کر دمشق اور حمص سے بھاگ بھاگ کر انطاکیہ پہنچے۔ وہ ہرقل کے سامنے حاضر ہوئے اور پکارے:

''عربوں نے تمام شام کو پامال کر دیا۔''

ہرقل نے ان کی فریاد سنی تو ان میں سے چند عقل مند اور ہوشیار لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا:

''عرب تم سے طاقت میں، تعداد میں اور ساز و سامان میں کم ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ان کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔''

یہ سن کر ان سب کے سر مارے شرم کے جھک گئے۔ ان میں سے کوئی اس کے سوال کا جواب نہ دے سکا۔ البتہ ایک تجربہ کار بوڑھے نے کہا:

''عربوں کے اخلاق ہم سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو اپنے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ دن میں روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ ایک دوسرے سے برابری کی بنیاد پر ملتے ہیں۔ کوئی خود کو دوسروں سے بڑا نہیں سمجھتا جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں۔ اقرار کی پابندیاں نہیں کرتے۔ اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش پایا جاتا ہے، مستقل مزاجی پائی جاتی ہے۔ ہم ہر کام بے ہمتی سے کرتے ہیں، ہم میں مستقل مزاجی نہیں ہے۔''

یہ سب باتیں سن کر قیصر نے فیصلہ کیا کہ اب وہ مسلمانوں کے مقابلے میں پورا زور صرف کرے گا۔ اس نے روم، قسطنطنیہ، جزیرہ آرمینیا اور ہر جگہ پیغامات بھیجے کہ تمام فوجیں پایا تخت انطاکیہ میں ایک مقررہ تاریخ کو جمع ہو جائیں۔

اس نے تمام ضلعوں کے افسران کو لکھا کہ جس قدر آدمی مہیا ہو سکیں، ادھر روانہ کر دیے جائیں۔ اب تو ہر طرف سے فوجوں کا طوفان امڈ پڑا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف فوجیں ہی فوجیں نظر آ رہی تھیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان تمام حالات کی خبریں برابر مل رہی تھیں اور ایسا خود رومیوں کے ذریعے ہو رہا تھا، کیونکہ اس وقت تک جو رومی علاقے فتح ہو چکے تھے، وہ خود رومی حکمرانوں کے اس قدر ستائے ہوئے تھے کہ وہ نہیں چاہتے تھے، دوبارہ رومی حکومت کے تحت آ جائیں۔ لہٰذا انطاکیہ میں فوجوں کے جمع ہونے کی تمام تفصیلات انھی لوگوں کے ذریعے پہنچ رہی تھیں

ان تمام حالات کی اطلاع ہوئی تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے تمام افسران کو جمع فرمایا۔ ان کے سامنے کھڑے ہو کر ایک زبردست تقریر کی۔ اس تقریر کے کچھ الفاظ یہ ہیں:

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بار بار آزمایا... تم ہر بار آزمائش میں پورے اترے... چنانچہ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر بار کامیابی عطا فرمائی... اب تمہارا دشمن اس قدر ساز و سامان سے تمہارے مقابلے میں آیا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے... یعنی وہ اس قدر تعداد اور ساز و سامان کے ساتھ مقابلے پر آیا... لہٰذا اب تم بتاؤ.. تمہاری کیا رائے ہے۔''

اس پر حضرت یزید بن ابی سفیان (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی) اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا:

''میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود لشکر لے کر باہر نکلیں۔ اس کے ساتھ ہی حضرت خالد اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کے لیے آئیں۔''

شرحبیل رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اس موقعے پر ہر شخص کو اپنی آزادانہ رائے دینے کا حق ہے۔ یزید نے جو رائے دی ہے، بلاشبہ خیر خواہی سے دی ہے، لیکن میں اس تجویز کے خلاف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں۔ ممکن ہے وہ تعصب کی بنیاد پر ہمارے بیوی بچوں کو پکڑ کر ہرقل کے حوالے کر دیں یا خود انھیں مار ڈالیں۔''

یہ سن کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔''

یہ سن کر حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ نے کہا:

''لیکن ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ انھیں شہر سے نکال دیں۔ ہم نے عیسائیوں کو امن اس شرط پر دیا ہے کہ وہ شہر میں امن سے رہیں اور ایسا کر کے ہم عہد کو توڑنے والے بن جائیں گے۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

''ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔ میری رائے غلط تھی۔''

اس کے بعد کچھ افسروں نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوجوں کا انتظار کیا جائے۔''

اس کے جواب میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

نے کہا:

"لیکن ہمارے پاس اتنا وقت کہاں ہے۔"

آخر یہ طے پایا کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور عرب کی سرحد بھی قریب ہے۔ جب یہ طے پا گیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب بن مسلمہ کو بلایا۔ یہ خزانے کے افسر تھے۔ آپ نے ان سے کہا:

"اس وقت صورتِ حال ایسی ہے کہ ہم عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکے... اور ہم ان کی حفاظت کے سلسلے میں ان سے جزیہ لیتے رہے ہیں... اس لیے اب تک ان سے جو وصول ہوا ہے، سب انھیں واپس کر دو اور ان سے کہہ دو کہ ہمیں تمہارے ساتھ جو تعلق تھا، وہ اب بھی ہے، لیکن چونکہ ہم اس وقت تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے، اس لیے حفاظت کے سلسلے میں جو جزیہ ہم نے اب تک لیا ہے، وہ واپس کرتے ہیں۔"

اس وقت تک کئی لاکھ کی رقم وصول کی جا چکی تھی۔ وہ کل کی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس سلوک کا اتنا اثر ہوا کہ بے تحاشا رونے لگے۔ روتے جاتے تھے اور جوش کی حالت میں کہتے جاتے تھے:

"خدا تم لوگوں کو واپس لائے۔"

عیسائیوں کے علاوہ اس بات کا یہودیوں پر بھی اثر ہوا۔ وہ بولے:

"توراۃ کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں، قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔"

اس طرح انھوں نے مسلمانوں کے نکلنے کے بعد شہر کے دروازے بند کر لیے اور ہر طرف پہرہ بٹھا دیا:

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے صرف حمص کے لوگوں کے ساتھ ہی یہ سلوک نہیں کیا، بلکہ جس قدر ضلعے فتح ہو چکے تھے، ان سبھی کو جزیے کی رقمیں لوٹا دیں

آخر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے تمام حالات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر بہت رنج ہوا کہ مسلمان حمص سے نکل آئے ہیں، لیکن جب انھیں بتایا گیا کہ تمام افسران کی رائے یہی تھی تو انھیں اطمینان ہوا۔ آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کے تحت تمام مسلمانوں کو اس رائے پر جمع فرمایا ہوگا۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو لکھا:

"میں مدد کے لیے سعید بن عامی کو بھیج رہا ہوں، لیکن فتح اور شکست فوج کی کثرت پر نہیں ہے۔"

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسران کو جمع فرمایا۔ ان سب سے مشورہ طلب کیا۔ تمام افسران نے مختلف مشورے دیے۔ ابھی یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ اسی وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قاصد خط لے کر پہنچا۔

(جاری ہے)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

"اردن کے ضلعوں میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی ہر طرف سے آمد نے ہل چل مچا دی ہے۔ حمص کو چھوڑ کر آنا ہمارے حق میں مضر ثابت ہوا ہے۔"

اس خط کے جواب میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے لکھا:

"حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو جابجا پھیلی ہوئی ہیں، وہ ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹو۔ میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔"

دوسرے دن حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ دمشق کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ نے اردن کی حدود میں پہنچ کر یرموک کے مقام پر قیام کیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی یہیں آپ سے آملے۔

جنگ کے لیے یہ مقام بہت مناسب تھا، کیونکہ عرب کی سرحد یہاں سے بالکل قریب تھی۔ مطلب یہ کہ ضرورت کے وقت آسانی سے پیچھے ہٹ سکتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک فوج روانہ کی تھی، وہ فوج ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ دوسری طرف رومیوں کی آمد برابر جاری تھی اور ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ خبریں مسلمانوں کے لیے پریشان کن تھیں۔

اب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ایک اور قاصد دوڑایا اور آپ کو یہ پیغام بھیجا:

"رومی لشکر اور تیزی سے ابل پڑے ہیں۔ ان کے جوش وخروش کا یہ عالم ہے کہ جس طرف سے رومی فوجیں گزرتی ہیں، راستے کے سب راہب اور پادری نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جا رہے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ کبھی اپنے گرجوں اور خانقاہوں سے باہر نہیں نکلے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خط ملا تو آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سنایا۔ خط سن کر مسلمان بے اختیار رونے لگے اور جوش کے عالم میں پکارے:

"اے امیر المومنین! اللہ کے لیے ہمیں حکم فرمائیے کہ ہم اپنے بھائیوں پر نثار ہو جائیں، اللہ نہ کرے، کہیں انھیں نقصان پہنچا تو ہمارا جینا بے کار ہوگا۔"

مہاجرین اور انصار کا جوش وخروش بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اے امیر المومنین! آپ خود سپہ سالار بنیں۔ ہمیں ساتھ لے کر چلیں۔"

باقی صحابہ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور یہ رائے دی کہ امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاصد سے پوچھا:

"دشمن کہاں تک آ گیا ہے۔"

اس نے بتایا:

"یرموک سے تین چار منزل دور ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور زیادہ غمگین ہوئے اور فرمایا:

"افسوس! اب کیا ہو سکتا ہے، اتنے کم وقت میں امداد کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو نہایت پراثر انداز میں خط لکھا۔ جس دن یہ خط حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، اسی روز حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ اسلامی لشکر تک پہنچ گئے۔ انھوں نے نزدیک پہنچتے ہی اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے۔ اس سے مسلمانوں کی ڈھارس بندھ گئی۔ انھیں اطمینان کا احساس ہوا۔ اب انھوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

ایسے میں رومی فوجیں یرموک تک آ گئیں۔ انھوں نے دیر الجبل کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کی صف آرائی شروع کی۔ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لشکر کے دائیں بازو پر مقرر کیا۔ حضرت معاذ بن جبل بڑے رتبے کے صحابی ہیں۔ قباث بن اشیم کو لشکر کے بائیں بازو پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کا سالار مقرر کیا۔ خود آپ کے اپنے حصے کے جو مجاہدین تھے، ان کے چار حصے کیے۔ ان چار میں سے ایک کو اپنے ساتھ رکھا۔ باقی تین حصوں پر قیس بن ہبیرہ، میسرہ بن مسروق اور عمرو بن طفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بہادر پورے عرب میں چوٹی کے تھے۔ فارس العرب کہلاتے تھے۔

ادھر رومی بھی بڑے ساز و سامان کے ساتھ آگے آئے۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ لشکر کی کل چوبیس صفیں تھیں۔ ان تمام صفوں کے آگے ان کے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لیے چل رہے تھے۔ وہ اپنی فوجوں کو جوش دلا رہے تھے۔ آخر دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔

رومی لشکر میں سے ایک پہلوان آگے نکلا، اس نے پکار کر کہا:

"میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں، کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔"

اس کی للکار سن کر میسرہ بن مسروق نے گھوڑا آگے بڑھایا، لیکن رومی پہلوان ان کے مقابلے میں بہت ڈیل ڈول والا تھا، یہ بات محسوس کر کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

"نہیں میسرہ! تم نہیں۔"

یہ کہہ کر آپ نے قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا۔ اس پر میسرہ بن مسروق رک گئے اور قیس بن ہبیرہ آگے بڑھے۔ اس وقت انھوں نے یہ شعر پڑھا:

"پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو
کیا میں لڑائی کے دن بہادروں جیسے کام نہیں کرتا۔"

شعر پڑھتے ہی قیس بن ہبیرہ رومی پہلوان پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔ وہ ابھی تک اپنے ہتھیار نہیں سنبھال پایا تھا کہ ان کا وار کارگر رہا۔ ان کی تلوار اس کے سر پر پڑی۔ تلوار فولاد کے خود کو کاٹتی گردن تک اتر گئی۔ وہ گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس نعرے کی گونج نے رومیوں کے دل دہلا دیے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا:

"ابتداء اچھی ہوئی، اب اللہ نے چاہا تو فتح نصیب ہوگی۔"

عیسائی سالاروں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں الگ الگ دستے روانہ کیے مگر سب نے باری باری شکست کھائی، لیکن ایسے میں سورج غروب ہو گیا اور ہاتھ روک لیے گئے۔

رات ہوئی تو رومی لشکر کے (باقی صفحہ 10 پر)

بقیہ : اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

سالار باہان نے تمام سالاروں کو جمع کیا اور ان سے کہا:

"عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ گیا ہے، بہتر یہ ہے کہ مال و دولت کا لالچ دے کر انھیں یہاں سے ٹال دیا جائے۔"

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ انھوں نے دوسرے دن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد روانہ کیا۔ قاصد نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"تم اپنے کسی معزز افسر کو ہماری طرف بھیجو! ہم بات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس قاصد کا نام جارج تھا۔ جب یہ اسلامی لشکر میں پہنچا تھا، اس وقت شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر بعد مغرب کی نماز شروع ہو گئی۔ مسلمان ذوق اور شوق سے تکبیر کہہ کر نماز پڑھنے لگے۔ قاصد انھیں حیران ہو کر دیکھتا رہا۔ جوں جوں مسلمان نماز پڑھ رہے تھے، اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر نماز ہو گئی تو وہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

(جاری ہے)

عبداللہ فارانی

102 اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

اس نے کہا:

"تم لوگوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا عقیدہ ہے۔"

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیات تلاوت کیں:

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور اللہ کی شان میں سوائے پکی بات کے نہ کہو۔ بے شک مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے۔ سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس بات کو چھوڑ دو، تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ بے شک وہ اکیلا معبود ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کارساز کافی ہے"۔

ترجمہ کرنے والے نے جب ان آیات کا ترجمہ کیا تو جارج پکار اٹھا:

"بے شک یہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کے اوصاف ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ وہ واپس اپنے لشکر میں نہیں جانا چاہتا تھا، لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"کل یہاں سے جو سفیر جائے گا، اس کے ساتھ واپس چلے جانا تاکہ بدعہدی نہ ہو (مناسب موقع پا کر تم ادھر آ جانا)

دوسرے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شان و شوکت دکھانے کے لیے راستے کے دونوں طرف دور تک سوار کھڑے کر رکھے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ حضرت خالد نے ان کی شان و شوکت کی طرف کوئی توجہ نہ دی، بلکہ انھیں حقارت سے دیکھا اور اس طرح قدم آگے بڑھاتے رہے جیسے شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔

آپ باہان کے خیمے تک پہنچے۔ اس نے آپ کا استقبال بہت احترام سے کیا۔ آپ کو اپنے پاس بٹھایا۔ اب ترجمہ کرنے والے کے ذریعے بات چیت شروع ہوئی۔ باہان نے ابتدائی بات چیت کے بعد اپنی تقریر شروع کی۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف بیان کی۔ اس کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا:

"ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔"

مترجم نے ابھی ان الفاظ کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

"تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا، لیکن ہم نے جسے سردار بنا رکھا ہے، اسے اگر ایک لمحے کے لیے بھی بادشاہت کا خیال آ جائے تو ہم فوراً اسے معزول کر دیں۔"

اب باہان نے اپنی تقریر پھر شروع کی:

"تمہاری قوم کے لوگ ہمارے ملک میں آ کر آباد ہوئے۔ ہم نے ہمیشہ ان سے دوستانہ سلوک کیا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس اچھے سلوک کی وجہ سے تمام عرب ہمارا شکر گزار ہوگا، لیکن اس کے الٹ تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ بہت سی قوتوں نے بارہا ایسے ارادے کیے، لیکن وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اب تم آئے ہو، ساری دنیا میں تم سے جاہل اور وحشی کوئی قوم نہیں ہوگی۔ بے سر و سامان ہو اور ہم پر چڑھ آئے ہو۔ اتنا حوصلہ ہوگیا تمہارا، ہم اس پر بھی درگزر سے کام لیتے ہیں۔ یہی نہیں، اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ایک ایک ہزار دینار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دیں گے۔"

باہان یہ تقریر کر کے خاموش ہوگیا تو حضرت خالد بن ولید اٹھے... انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، پھر فرمایا:

"اس میں شک نہیں کہ تم دولت مند ہو، مال دار ہو، صاحبِ حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، وہ بھی ہمیں معلوم ہے، لیکن یہ تمہارا کوئی احسان نہیں تھا... بلکہ تم نے اپنے مذہب کی اشاعت کی تدبیر کی تھی... اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہیں... ہم سے لڑتے ہیں... یہ بھی ٹھیک ہے کہ ہم نہایت تنگ دست تھے، خانہ بدوش تھے... ہماری جہالت اور ظلم کا یہ حال تھا کہ طاقت ور کمزور کو پیس ڈالتا تھا... قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہو جاتے تھے... ہم نے بہت سے خدا بنا رکھے تھے اور انھیں پوجتے تھے... ان خداؤں کو... ہم خود پتھر تراش کر بناتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا، ہم میں ایک پیغمبر بھیجے، وہ خود ہماری قوم سے تھے... ہم میں سب سے زیادہ شریف تھے... پاک تھے... انھوں نے ہمیں توحید سکھائی اور بتایا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں... اس کی کوئی بیوی یا اولاد نہیں... وہ بالکل یکتا ہے... اس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان عقاید کو تمام

476-B

دنیا کے سامنے پیش کریں جس نے ان کو مانا، وہ مسلمان ہے، ہمارا بھائی ہے جس نے نہ مانا، لیکن جزیہ دینا قبول کیا... ہم اس کے محافظ ہیں، جسے ان دونوں صورتوں سے انکار ہو، اس کے لیے تلوار ہے۔"

باہان نے جزیے کا نام سن کر ایک سرد آہ بھری۔ اپنے درباریوں کی طرف اشارہ کر کے بولا:

"یہ کبھی بھی جزیہ دینا قبول نہیں کریں گے۔"

اس طرح کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ حضرت خالد وہاں سے چلے آئے۔ ان کے جانے کے بعد باہان نے اپنے سرداروں سے کہا:

"تم نے سنا، اہلِ عرب کیا کہتے ہیں... وہ کہتے ہیں جب تک ہم ان کی رعایا نہ بن جائیں، ان کے حملے سے محفوظ نہیں رہیں گے، کیا تمھیں ان کی غلامی منظور ہے۔"

ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

"ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت قبول نہیں کریں گے۔"

صبح ہوئی تو رومی اس قدر جوش میں بھرے اور پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان میں نکلے کہ مسلمانوں کو بھی دیکھ کر حیرت ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید نے یہ دیکھ کر نئے سرے سے لشکر کی صفیں قائم کیں۔ اسلامی لشکر کی تعداد چھتیس ہزار کے قریب تھی۔ آپ نے اس کے 36 حصے کیے۔ آگے پیچھے نہایت ترتیب سے اتنی ہی صفیں قائم کیں۔ فوج کا قلب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ دائیں بازو پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور شرحبیل رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ بائیں بازو پر حضرت یزید بن سفیان تھے۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ افسر مقرر تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جنھیں فنون سپہ گری میں بہت شہرت تھی۔ لشکر میں خطیب بھی زبردست تھے۔ اپنی تقریروں سے ہل چل مچا دیتے تھے۔ انھیں اس کام پر مقرر کیا گیا کہ لوگوں کو جوش دلائیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس وقت یہ کہہ رہے تھے:

"یارو! نگاہیں نیچی رکھو، برچھیاں تان لو، اپنی جگہ پر جمے رہو۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو انھیں آنے دو۔ یہاں تک کہ برچھیوں کی نوک پر آ جائیں۔ پھر شیروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔"

اسلامی لشکر کی تعداد اگرچہ دشمن کے مقابلے میں کم تھی، لیکن یہ لوگ تمام عرب کے چنے ہوئے لوگ تھے۔ ان میں وہ بزرگ بھی موجود تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ ایسے حضرات کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ ایک سو کے قریب وہ بزرگ تھے جنھوں نے جنگِ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ لڑی تھی۔ عرب کے جنگ جو قبیلوں میں سے بڑے جنگ جو قبیلے ازد کے لوگ تھے۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان کے علاوہ قبیلہ حمیر، ہمدان، خولان، لخم اور جذام وغیرہ کے لوگ تھے، یہ سب کے سب مشہور بہادر تھے، اس جنگ کی ایک خاص بات یہ تھی کہ جو مسلمان خواتین بھی اس میں شامل تھیں، انھوں نے بھی نہایت بہادری سے جنگ میں حصہ لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بھی شامل تھیں اور آپ کی بہن حضرت جویریہ نے بھی نہایت دلیری سے جنگ میں حصہ لیا۔

اسلامی لشکر میں حضرت مقداد بھی شامل تھے۔ یہ قرآنِ کریم بہت ہی اچھی آواز سے پڑھتے تھے۔ اس وقت یہ سورہ انفال سے جہاد کی آیات تلاوت کر رہے تھے۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

103

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

دوسری طرف رومیوں کے جوش کا عالم یہ تھا کہ تیس ہزار جنگ جوؤں نے پیروں میں زنجیریں پہن لی تھیں۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ انھیں پیچھے ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔

آخر جنگ شروع ہوئی۔ جنگ رومیوں نے شروع کی۔ دو لاکھ رومی ایک ساتھ مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ ہزاروں پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے آگے آگے تھے۔ وہ نعرے لگا رہے تھے:

"عیسیٰ علیہ السلام کی جے۔"

ان کی تعداد، ساز و سامان اور جوش و خروش دیکھ کر ایک مسلمان کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے:

"اللہ اکبر! کتنی بے انتہا فوج ہے۔"

یہ سن کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ جھلا کر بولے:

"چپ رہو! رومی اتنی ہی فوج اور لے آئیں تو بھی پروا نہیں۔"

عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا۔ انھوں نے جنگ کا آغاز تیروں کی بارش سے کیا۔ تیر برساتے جاتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ ان کا ابتدائی حملہ اس قدر زوردار تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا بایاں بازو درہم برہم ہو گیا۔ مسلمان نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے اور اس قدر پیچھے ہٹے کہ عورتوں کے خیموں تک جا پہنچے۔

عورتوں نے جو مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو انھیں شدید غصے نے آلیا۔ طیش میں آکر انھوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں:

"اگر تم ہم تک آئے تو ان چوبوں سے تمہارے سر توڑ دیں گی۔"

اس وقت حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اشعار پڑھ کر مسلمانوں کو جوش دلا رہی تھیں:

مسلمانوں کی یہ حالت یہ دیکھ کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے۔ یہ اس وقت بائیں بازو پر سالار تھے۔ گھوڑے سے کودتے ہوئے انھوں نے فرمایا:

"میں تو اب پیدل جنگ کروں گا، ہاں کوئی بہادر میرے گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔"

یہ سن کر ان کے بیٹے فوراً بول اٹھے:

"ٹھیک ہے... یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر اچھی طرح جنگ کر سکتا ہوں۔"

اب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند نے مل کر حملہ کیا اور اس قدر زوردار حملہ کیا کہ رومیوں کی صفوں میں کھلبلی مچا دی۔ اس طرح پیچھے ہٹتے مسلمانوں کے قدم جم گئے اور وہ نہایت جواں مردی سے لڑنے لگے۔

ان حالات میں قبیلہ زبید کے سردار حجاج پانچ سو آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھے۔ انھوں نے عیسائیوں کا حملہ روک لیا۔ عیسائی جو برابر آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ رک گئے:

اسلامی لشکر کا دایاں بازو شروع سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے اپنا سارا زور صرف کر ڈالا، لیکن وہ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے۔ جنگ کی شدت کا حال یہ تھا کہ میدان میں ہر طرف سر، بازو اور ہاتھ کٹ کٹ کر گر رہے تھے، لیکن پیچھے ہٹنے کو کوئی تیار نہیں تھا۔

عمرو بن طفیل اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ یہ تلوار چلاتے جاتے تھے، لیکن پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ جنگ کی شدت اس قدر تھی کہ پاؤں ہٹائے نہیں ہٹ رہے تھے۔ عمرو بن طفیل کہہ رہے تھے:

"دیکھو ازدیو! آج تمہاری وجہ سے مسلمانوں پر حرف نہ آئے۔"

بڑے بڑے نو رومی جنگ جو صرف ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ آخر خود انھوں نے شہادت پائی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اچانک صف کو چیرتے ہوئے آگے نکلے۔ انھوں نے اپنے دستے کے ساتھ اس قدر زوردار حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں کی صفیں الٹ دیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے بیٹے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے کفار کے ساتھ مسلمانوں سے لڑتے رہے تھے۔ بہت بہادر تھے۔ یہ بھی آگے بڑھے اور پکارے:

''عیسائیو! میں کسی زمانے میں کفر کی حالت میں مسلمانوں سے لڑ چکا ہوں۔ تو کیا آج تمہارے مقابلے میں میں پیچھے ہٹ سکتا ہوں۔''

یہ کہہ کر فوج کی طرف مڑے اور بولے:

''مرنے پر کون بیعت کرتا ہے۔''

چار سو مجاہدین نے ان سے مرنے پر بیعت کر لی۔ ان میں حضرت ضرار بن ازور بھی تھے۔ یہ سب اس قدر بہادری سے لڑے کہ تقریباً سب کے سب وہیں شہید ہو گئے، لیکن ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی لاش لاشوں کے ڈھیر میں ملی۔ اس وقت تک کچھ دم باقی تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا سر اپنی ران پر رکھا۔ گلے میں پانی ٹپکایا۔ اس کے ساتھ ہی جان دے دی۔

یہ چار سو آدمی شہید تو ہو گئے، لیکن ہزاروں رومیوں کو کاٹ گئے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے تابڑ توڑ حملوں نے رومیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی اور آخر وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انھیں مسلسل دھکیلتے رہے، آگے بڑھتے رہے۔ آپ اس قدر آگے بڑھے کہ ان کے سپہ سالار درنجار تک پہنچ گئے۔

رومی افسروں نے انھیں دیکھ کر اپنی آنکھوں پر کپڑے ڈال لیے کہ شکست کا منہ نہ دیکھیں۔

دوسری طرف لشکر کے دائیں بازو پر جنگ کا بازار گرم تھا۔ اس طرف رومیوں کا سالار ابن قناطر تھا۔ اس نے مسلمانوں کے بائیں بازو پر حملہ کیا۔

رومی لشکر کے اس حصے میں قبیلہ لخم اور قبیلہ غسان کے آدمی تھے۔ یہ لوگ شام کے آس پاس کے علاقوں کے رہنے والے تھے اور ان کی عمر رومیوں کو خراج دیتے ہوئے گزری تھی۔ اس وجہ سے رومیوں کا ان پر بہت رعب تھا۔

یہ اس رعب کا اثر تھا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس وقت اگر فوج کے افسر حوصلہ ہار جاتے تو جنگ کا پانسہ رومیوں کے حق میں پلٹ چکا تھا۔

رومی ان کا پیچھا کرتے ہوئے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے تھے۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر عورتیں خیموں سے نکل آئیں اور عیسائیوں کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ انھوں نے نہایت دلیری سے عیسائیوں کے ریلے کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس حصے کے سالاروں میں قباث بن اشیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، شرحبیل بن حسنہ شامل تھے۔ یہ سب کے سب انتہائی بہادر دلیر اور ماہر جنگ جو تھے۔ اس نازک وقت میں ان حضرات نے بھاگتے نوجوانوں کو سنبھالا۔

حضرت قباث بن اشیم کا تو یہ حال تھا کہ ان کے ہاتھ پر نیزے اور تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ کوئی نیزہ یا تلوار ٹوٹتی تو وہ پکارتے:

''کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے، جس نے اپنے اللہ سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔''

لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کی طرف اچھال دیتے اور یہ پھر جنگ شروع کر دیتے۔ دشمن پر ٹوٹ پڑتے۔

حضرت سعید بن زید غصے میں گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے۔ ایسے میں رومی ان کی طرف بڑھے تو یہ شیر کی طرح جھپٹے۔ انھوں نے ایک پل میں رومی سالار کا کام تمام کر دیا۔ (جاری ہے)

104

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

حضرت یزید بن ابی سفیان (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے۔ ایسے میں ان کے والد حضرت ابی سفیان رضی اللہ عنہ ان کی طرف آ نکلے۔ وہ مسلمانوں کو جوش دلاتے پھر رہے تھے۔ بیٹے پر نظر پڑی تو فوراً بولے:

''میرے بیٹے! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے... تو تو ان پر سالار ہے... سپاہیوں کی نسبت تجھ پر شجاعت کا حق زیادہ ہے... تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تم سے بازی لے گیا... تو یہ بات تیرے لیے بہت شرم کی ہوگی۔''

حضرت شرحبیل بن حسنہ کا حال یہ تھا کہ رومیوں نے انھیں پوری طرح چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ یہ ان سب کے درمیان پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے:

''اللہ کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایے بننے والے کہاں ہیں۔''

یہ آواز جس جس کے کان میں پڑی، فوراً ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ جس جس کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، سب کے سب پلٹ پڑے۔ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ساتھ لے کر اس قدر زوردار حملہ کیا، رومی فوج کے آگے بڑھتے قدم رک گئے۔

ادھر خیموں سے عورتیں نکل نکل کر ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں اور وہ کہہ رہی تھیں:

''میدان سے پیچھے قدم ہٹایا
تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔''

اس وقت تک لڑائی برابر کی تھی... بلکہ رومیوں کا پلہ قدرے بھاری تھا... ایسے میں قیس بن ہبیرہ لشکر کے عقب سے نکل کر آگے آئے... حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوج کے ایک دستے پر انھیں سالار مقرر کیا تھا... اور فوج کے بائیں بازو کے پیچھے انھیں رکھا تھا... یہ اپنے دستے کے ساتھ رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر زوردار حملہ کیا کہ رومی فوج کی صفیں کی صفیں الٹ دیں... رومیوں نے قدم جمائے رکھنے کے لیے بہت زور لگایا، لیکن ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور پیچھے ہٹنے لگے... اس کے ساتھ ہی حضرت سعید بن زید نے فوج کے قلب سے نکل کر حملہ کیا... یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ رومی پیچھے ہٹتے چلے گئے... رومی اس قدر پیچھے ہٹے کہ میدان کے پچھلے سرے پر واقع نالے تک پہنچ گئے... جلد ہی وہ نالہ ان کی لاشوں سے بھر گیا... رومیوں میں ایسی بھگدڑ مچی کہ پھر ان کے قدم جم نہ سکے... مسلمانوں نے دور دور تک ان کا تعاقب کیا اور ان کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیے...

حباش بن قیس ایک بہت بہادر جنگ جو تھے... یہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ کسی رومی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری... ان کا پاؤں کٹ کر الگ ہوگیا، لیکن انھیں خبر تک نہ ہوئی... کچھ دیر بعد پتا چلا تو کہتے پھرتے تھے:

''ارے میرا پاؤں کہاں گیا۔''

ان کے قبیلے کے لوگ بہت مدت تک فخر کے انداز میں یہ واقعہ بیان کرتے رہے:

اس لڑائی میں اس قدر رومی قتل ہوئے کہ ان کی تعداد مختلف کتابوں میں مختلف آئی ہے... طبری نے ایک لاکھ تعداد لکھی ہے اور بلاذری نے ستر ہزار... مسلمان صرف تین ہزار کے قریب شہید ہوئے... ان میں حضرت ضرار بن ازور، حضرت ہشام بن عاص، حضرت ایان اور حضرت سعید وغیرہ شامل ہیں...

روم کا شہنشاہ قیصر اس وقت انطاکیہ میں تھا۔ اسے وہاں اس شکست کی خبر پہنچی۔ اس نے اسی وقت قسطنطنیہ جانے کی تیاری کر لی۔ چلتے وقت اس نے شام کی طرف منہ کر کے کہا:

''الوداع اے شام۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ فتح کی خبر لے کر روانہ ہونے والوں میں حضرت حذیفہ بن یمان بھی تھے۔

ادھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یرموک کی خبر کا شدت سے انتظار تھا۔ وہ خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہیں تھے۔ فتح کی خبر سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

○

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یرموک سے حمص کی طرف کوچ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے پہلے تو مقابلہ کیا، پھر جزیے کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تنوخ مدت پہلے آ کر آباد ہوگیا تھا۔ پہلے یہ لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ پھر انھوں نے وہاں رہنے کے لیے عمارتیں بنا لیں۔ اس طرح مستقل طور پر وہیں کے ہوگئے تھے۔ مطلب یہ

کہ اسلام کی دعوت ان تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ اب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان سب نے قبول کر لی اور مسلمان ہوگئے۔ قبیلہ بنوطے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انھوں نے بھی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حلب کا رخ کیا۔ اس شہر میں میدان سے باہر بہت سے عرب قبیلے آباد تھے۔ انھوں نے جزیہ دینا منظور کرلیا اور صلح کر لی۔ پھر جلد ہی سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

حلب والوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر قلعے کے دروازے بند کر لیے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو شہر کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ اسلامی لشکر کے ہراول دستے کے سالار تھے۔ چند روز تک شہر کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر انھوں نے بھی صلح کر لی۔

حلب کی فتح کے بعد مسلمانوں نے انطاکیہ کا رخ کیا۔ یہ عیسائیوں کا خاص دارالسلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور دوسرے عیسائیوں نے یہاں آ کر پناہ لی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ آخر چند روز کے محاصرے کے بعد عیسائیوں نے صلح کر لی۔ ان بڑے بڑے صدر مقامات کی فتح نے مسلمانوں کا رعب ہر طرف قائم کر دیا، بلکہ پورا شام رعب میں آ گیا۔ پھر تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ کوئی مسلمان سالار تھوڑی سی فوج لے کر کسی طرف نکل جاتا تو عیسائی خود آ کر صلح کی درخواست کر دیتے تھے۔

انطاکیہ کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ اس طرح چھوٹے چھوٹے علاقے مثلاً بوقا، جومہ، سرمین، توزی، تورس، قل غراز، لوک اور رعبان یہ سب مقامات آسانی سے فتح ہوگئے۔ ان مقامات کی فتح کے لیے خون کا ایک قطرہ بھی بہانا نہیں پڑا۔

انطاکیہ کے نزدیک ایک مقام بغراس نام کا تھا۔ یہاں عرب کے بہت سے قبائل آباد تھے۔ یہ سب لوگ وہاں سے نکل کر ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان لوگوں نے زبردست مقابلہ کیا۔ آخر شکست کھائی۔ ان میں سے ہزاروں قتل ہوئے۔ بغراس کے پاس ہی مرعش پر بھی حملہ کیا گیا۔ ان لوگوں سے اس شرط پر صلح ہوگئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔ (جاری ہے)

عشق کی قبولیت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دادا حضرت شاہ وجیہ الدین رحمہ اللہ بڑے پرہیزگار بزرگ تھے۔ انھیں قرآن مجید سے خاص لگاؤ تھا۔ آپ اورنگ زیب عالمگیر کی فوج میں ملازم تھے اور فوجی زندگی کے عادی تھے، لیکن اس کے باوجود بھی آپ روزانہ تہجد میں قرآن پاک پڑھتے۔ تہجد کی نماز کے بعد کئی سپارے سوز و گداز سے پڑھنے کا معمول تھا۔ ایک رات تہجد کے بعد تلاوت فرما رہے تھے کہ اچانک ڈاکوؤں کا حملہ ہوا اور آپ شہید ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کو ان کا قرآن سے عشق اور لگاؤ پسند آ گیا اور ان کے خاندان کی کئی نسلوں کو قرآن مجید اور خدمتِ دین کے لیے قبول فرما لیا۔ ان میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ جیسے جید اکابر سرفہرست ہیں۔

محمد نصراللہ جلوی۔ ملتان

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

105

قدم بہ قدم

ان تمام فتوحات کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے صلح کی درخواست کی، لیکن شرط یہ رکھی کہ مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس صلح کے لیے خود آئیں۔ صلح کا معاہدہ ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ان کی یہ شرط سن کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ آپ نے اس خط میں لکھا:

''بیت المقدس کے عیسائی صلح کے لیے تیار ہیں، لیکن وہ صلح اس شرط پر کریں گے کہ آپ خود یہاں آئیں اور صلح کا معاہدہ اپنے ہاتھ سے تحریر کریں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خط ملا تو آپ نے بڑے بڑے صحابہ کو جمع فرمایا اور ان سے فرمایا:

''بیت المقدس کے محاذ سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا یہ خط ملا ہے۔ اس بارے میں آپ لوگ اپنی رائے دیں۔''

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''عیسائی دباؤ میں آچکے ہیں۔ آپ ان کی درخواست ماننے سے انکار کر دیں۔ اس طرح وہ اس شرط کے بغیر ہتھیار ڈال دیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے امیر المومنین! میرے خیال میں تو آپ کو جانا چاہیے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر پر اس شان سے روانہ ہوئے کہ ان کے ساتھ کوئی لشکر نہیں تھا... نہ سازو سامان تھا... یہاں تک کہ خیمہ تک ساتھ نہیں تھا... جس میں راستے میں رات بسر کی جاتی... بس چند مہاجرین اور انصاری ساتھ تھے... اور سواری کے لیے اونٹ تھا...

آپ نے فوج کے سالاروں کو پیغام بھیجا:

''میں آرہا ہوں... آپ سب حضرات مجھ سے جابیہ کے مقام پر ملیں۔''

یہ اطلاع ملنے پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ جابیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔

ملک شام کے ماحول میں رہنے سے ان حضرات پر بھی ان کی بودوباش کے اثرات آگئے تھے۔ ان کے جسموں پر اس وقت حریر اور دیبا کی چکنی قبائیں تھیں۔ پوشاکیں بھی شان و شوکت والی تھیں۔ یہ حضرات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے اور آپ نے ان کے لباس دیکھے تو آپ کو بہت غصہ آیا۔ آپ نے کنکریاں اٹھا کر ان کی طرف پھینکیں اور فرمایا:

''اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراض کے جواب میں ان حضرات نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں۔'' (یعنی سپہ گری کا جوہر ضائع نہیں کیا)

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے، پھر کوئی مضائقہ نہیں۔''

آپ بیت المقدس شہر کے قریب پہنچے تو آپ نے ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ وہاں سے غوطہ شہر کے سبزہ زار اور دمشق کے بلند و بالا مکانات نظر آئے۔ ان کو دیکھ کر دل پر اثر ہوا۔ رنج محسوس ہوا۔

جابیہ میں آپ نے کئی روز قیام فرمایا۔ ادھر عیسائیوں کو آپ کی آمد کی خبر مل چکی تھی۔ خبر سن کر شہر رئیسان کے کچھ لوگ آپ سے ملنے کے لیے آگئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ ایسے میں کچھ سوار آتے نظر آئے۔ وہ گھوڑوں پر دوڑے چلے آرہے تھے۔ ان کی کمروں سے لٹکی تلواریں چمک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لیے۔ آپ نے پوچھا:

''کیا بات ہے! خیر تو ہے۔''

انھوں نے آنے والے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا تو جان لیا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا:

''فکر کی کوئی بات نہیں، یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں۔''

اور یہی بات نکلی، وہ امان طلب کرنے کے لیے ہی آئے تھے۔ پھر آپ بیت المقدس شہر کی طرف روانہ ہوئے اور عجیب شان سے روانہ ہوئے۔ آپ کا لباس موٹا جھوٹا تھا۔ اس میں پیوند بھی لگے ہوئے تھے۔ اس وقت وہاں موجود سالاروں نے عرض کیا:

''آپ کا لباس خستہ ہے، آپ یہ تبدیل کر لیں۔ عیسائی کیا کہیں گے۔''

یہ کہہ کر ان حضرات نے ایک قیمتی پوشاک پیش کی۔ اس پر ایک نظر ڈال کر آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عزت دی ہے، وہ اسلام سے

دی ہے۔لباس سے نہیں اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔"
یہ کہا اور اس لباس کو پہننے سے انکار کر دیا۔اس کے بعد آپ کی سواری کے لیے ایک قیمتی گھوڑا لایا گیا۔آپ اس پر سوار ہوئے تو وہ شوخی پر اتر آیا۔آپ نے فرمایا:
"کم بخت! تو نے یہ غرور کی چال کہاں سے سیکھی۔"
یہ فرمایا اور گھوڑے سے اتر آئے۔آپ پیدل بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سالار استقبال کے لیے آئے۔
ایسے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انھوں نے عرض کیا:
"اے امیر المومنین! ہمارے افسر پرندوں کا گوشت اور میدے کی روٹیاں کھاتے ہیں جب کہ عام مسلمانوں کو عام کھانا بھی دستیاب نہیں۔"
یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسروں کی طرف دیکھا۔انھوں نے فوراً کہا:
"اے امیر المومنین! اس ملک میں تمام چیزیں سستی ہیں۔جس قیمت میں حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے، اتنی قیمت میں یہاں پرندے کا گوشت مل جاتا ہے۔"
یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
"خیر! اس صورت میں تو یہ کھا سکتے ہو۔"

پھر آپ نے حکم فرمایا:
"مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر مجاہد کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔"
اس کے بعد آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب داؤد کے پاس سجدۂ داؤد کی آیت پڑھی، وہاں سجدہ کیا۔اس کے بعد عیسائیوں کے گرجے میں آئے۔ ادھر اُدھر گھومے پھرے۔
ایک دن نماز کے وقت آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
"بلال! آج اذان آپ دیں۔"
انھوں نے عرض کیا:
"اے امیر المومنین! میں عزم کر چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اذان نہیں دوں گا، لیکن آج صرف آپ کا حکم پورا کرنے کے لیے اذان دوں گا۔"
یہ کہہ کر آپ نے اذان شروع کر دی۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دور یاد آگیا۔سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تو روتے روتے بے تاب ہو گئے۔حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ہچکی بندھ گئی۔دیر تک سب لوگوں پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا اثر طاری رہا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن مسجدِ اقصیٰ گئے۔آپ نے حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے پوچھا:
"نماز کہاں پڑھی جائے۔" (جاری ہے)

عالمی معلومات

- ☆ ترکی کا قومی نشان بھیڑیا ہے۔
- ☆ دنیا کی سب سے بلند جھیل کا نام "ٹیٹی کاکا" ہے۔
- ☆ دنیا میں سب سے زیادہ چاندی ارجنٹائن میں پائی جاتی ہے۔
- ☆ دنیا کا سب سے غریب ترین ملک "روانڈہ" ہے۔
- ☆ آسٹریلیا کا سب سے بڑا شہر سڈنی ہے۔
- ☆ "فلسطین" کو انجیل کی سرزمین کہا جاتا ہے۔
- ☆ ایران کا قومی پھل "تربوز" ہے۔
- ☆ ایشیاء کا سب سے قدیم شہر دمشق ہے۔
- ☆ دنیا میں سب سے زیادہ چائے بھارت میں پائی جاتی ہے۔ (حافظہ آسیہ بتول۔ بھلوال)

عبداللہ فارانی

اِسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''صخرہ کی طرف۔''

مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے۔ یہ سابقہ انبیاء کرام کی یادگار ہے۔ اس پتھر کو صخرہ کہتے ہیں۔ یہودی بھی اس پتھر کی تعظیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمان حجرِ اسود کی تعظیم کرتے ہیں۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ اسی لیے تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتا اتارا۔''

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ دراصل اسلام لانے سے پہلے یہودی عالم تھے۔

اسلامی فتوحات روز بروز زیادہ ہوتی جارہی تھیں اور اسلامی حکومت آگے ہی آگے پھیلتی جارہی تھی۔ اس وجہ سے آس پاس کی حکومتیں خوف میں مبتلا ہو چکی تھیں اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اب ہماری باری بھی آئے گی۔ اسی خوف کی وجہ سے جزیرے حمص کے قریب ایک شہر سے لوگوں نے قیصر کو لکھا:

''آپ ایک بار پھر کوشش کریں! ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔''

اس پر قیصر نے ایک بڑی فوج تیار کی اور اسے حمص کی طرف روانہ کیا۔ جزیرے کے لوگ تیس ہزار کا لشکر لے کر اس لشکر کی مدد کے لیے بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کی تیاریوں کی اطلاعات مل چکی تھیں۔ آپ نے لڑائی کی تیاری شروع کر دی اور حمص کے باہر فوجیں جمع کر کے صف آرا ہو گئے۔ ساتھ ہی آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اطلاع دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ ہر چھاؤنی میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، تاکہ کہیں بھی تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت پیش آجائے تو فوراً بھیجے جاسکیں۔ آپ کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو آپ نے ہر طرف قاصد دوڑا دیے۔ قعقاع بن عمرو اس وقت کوفے میں تھے۔ انھیں لکھا:

''فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔''

اس کے ساتھ ہی آپ نے سہل بن عدی کو حکم بھیجا:

''جزیرہ پہنچ کر جزیرے کے لشکر کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔''

ساتھ ہی آپ نے عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عتبہ کو حکم دیا:

''جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام لیں جو جزیرے میں آباد تھے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام اقدامات کو کافی نہیں سمجھا، خود بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آگئے۔ جب جزیرے والوں نے سنا کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود پہنچ گئے ہیں تو گھبرا گئے۔ حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرے کی طرف چلے گئے۔ آخر اسلامی لشکر جزیرے کی طرف بڑھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوج کے سامنے ایک زبردست تقریر کی۔ مسلمان جوش میں بھر گئے۔

اسلامی لشکر کے دائیں بازو پر حضرت خالد بن ولید تھے، بائیں پر حضرت عباس اور لشکر کا قلب یعنی درمیانی حصہ خود حضرت ابوعبیدہ کی کمان میں تھا۔

حضرت قعقاع کوفے سے چار ہزار کا لشکر لے کر آرہے تھے، وہ اس وقت حمص سے چند میل دور تھے کہ انھوں نے جنگ شروع ہو جانے کی خبر سنی۔ اب تو ان سے رہا نہ گیا۔ فوج کو چھوڑ کر صرف سو سواروں کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے لشکر سے آملے۔

عیسائی لشکر بے تحاشا تھا، لیکن عرب قبائل جنگ کے شروع ہی میں عیسائی لشکر سے الگ ہو گیا۔ ان کے الگ ہونے سے عیسائی لشکر میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے۔ عرب قبائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر خوف زدہ ہو گئے تھے، اس لیے جنگ شروع ہوتے ہی الگ ہو کر واپس چلے گئے۔ اس بنیاد پر عیسائی زیادہ دیر جم کر نہ لڑ سکے۔ ان کے قدم اکھڑ گئے اور شکست ان کا مقدر بنی۔

عیسائیوں کے ساتھ یہ مسلمانوں کا آخری مقابلہ تھا۔

O

17 ہجری میں ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔

اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی اور خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ پہنچ کر آپ سے گلہ کیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا:

''اللہ کی قسم! خالد تم مجھے بہت محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے تمام گورنروں کو اس مضمون کا خط لکھا: (باقی صفحہ 7 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

"میں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا، لیکن میں دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے شیدائی ہوتے جا رہے تھے۔ اس لیے میں نے انھیں معزول کرنا مناسب سمجھا، تاکہ لوگ جان لیں کہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کرتا ہے۔" (طبری)

O

انھی دنوں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت یزید بن ابی سفیان کو سپہ سالار مقرر فرما لیا اور انھیں حکم فرمایا:

"قیساریہ کی مہم پر جائیں۔"

حضرت یزید بن ابی سفیان 17 ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے شہر کا محاصرہ کر لیا، لیکن 18 ہجری (639ء) میں بیمار ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یعنی اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے دمشق آ گئے اور یہیں وفات پائی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا... شہر والے کئی بار باہر نکلے... مقابلہ کیا اور پھر اندر چلے گئے... اس طرح قلعہ فتح نہ ہو سکا... ایک روز ایک یہودی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا... اس کا نام یوسف تھا... اس نے آپ کو ایک سرنگ کے بارے میں بتایا... سرنگ قلعے کے اندر لے جاتی تھی... چند بہادر اس راستے سے قلعے میں داخل ہو گئے اور انھوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا... باہر فوج تیار کھڑی تھی... اس نے زوردار حملہ کیا اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیے... اسی ہزار کے قریب فوج تھی... تقریباً ساری ہی ماری گئی... اس طرح شہر فتح ہو گیا...

ان مسلسل فتوحات نے عیسائیوں کی آنکھیں کھول دیں... اب انھوں نے تمام علاقوں میں عربوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں... سب سے پہلے جزیرے کے لوگوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کیں... جزیرے کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی... حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان حالات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لیے عبداللہ بن معتم کو مقرر فرمایا...

عبداللہ بن معتم تکریت کی طرف بڑھے۔ تکریت جزیرہ کا ابتدائی شہر ہے۔ انھوں نے تکریت کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ 24 مرتبہ حملہ کیا گیا، لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ اس وقت دراصل صورتِ حال یہ تھی کہ عجمیوں کے ساتھ عرب قبائل بھی ملے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے بھی مشکل پیش آ رہی تھی۔ عبداللہ بن معتم نے انھیں پیغام بھیجا:

"تم عرب ہو کر عجمیوں کی غلامی کر رہے ہو، شرم کرو۔"

اس پیغام کا عجیب اثر ہوا۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور عبداللہ بن معتم کو پیغام بھیجا:

"آپ شہر پر حملہ کریں، ہم عین موقعے پر عجمیوں سے الگ ہو کر آپ سے آ ملیں گے۔"

اس طرح مقررہ تاریخ کو حملہ کیا گیا اور عین جنگ کے دوران عرب قبائل نے عجمیوں پر حملہ کر دیا۔ اس طرح عجمی درمیان میں پھنس گئے۔ انھیں بہت بڑی شکست ہوئی۔

اس فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا:

"جزیرہ پر چڑھائی کی جائے۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ ایک معمولی سی جنگ کے بعد جزیرے والوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس طرح جزیرے کے تمام علاقے فتح ہو گئے۔ (جاری ہے)

خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی تھی، مغیرہ بن شعبہ 15 ہجری میں بصرے کے حاکم مقرر ہوئے، انھوں نے سوچا جب تک خوزستان کو فتح نہیں کیا جاتا، اس وقت تک پائیدار امن و امان قائم نہیں ہوسکتا۔ یہ خوزستان کی فتح کے ارادے سے آگے بڑھے۔ اہواز تک پہنچے تھے کہ ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حاکم مقرر ہوئے۔ اس دوران اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کردی اور اعلانیہ بغاوت کردی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اہواز پر چڑھائی کردی۔ زبردست جنگ ہوئی۔ آخر اہواز فتح ہوگیا۔ بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ہزاروں لونڈی غلام بھی ہاتھ آئے۔ ان کو آپس میں تقسیم کیا گیا، لیکن جب یہ اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے ان سب کو رہا کرنے کا حکم دے دیا، چنانچہ ان سب کو چھوڑ دیا گیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی بہادری سے اس حملے کو روکا۔ مسلمانوں کی فوج میں حضرت مہاجر بن زیاد بھی تھے۔ یہ کسی طرح قلعے میں داخل ہوگئے، لیکن انھیں پکڑ لیا گیا۔ دشمنوں نے ان کا سر کاٹ کر بُرج کے کنگرے پر لٹکا دیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن ربیع کو مناذر کی طرف بھیجا۔ انھوں نے مناذر کو فتح کرلیا اور اپنے بھائی کا سر بُرج پر سے اتارا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خود سوس کی طرف بڑھے۔ سوس پہنچ کر آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ خوراک پہنچنے کے راستے کاٹ دیے۔ قلعے میں کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا۔ مجبوراً شہر کے حاکم نے صلح کی درخواست دی اور اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعے کے سو آدمیوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ شرط منظور کر لی۔ حاکم نام پکارتا گیا اور ایک ایک کو قلعے سے نکالا جاتا رہا۔ اس طرح سو نام پورے ہوگئے۔ حاکم اپنا نام شامل کرنا بھول گیا۔ اس طرح اس کے بغیر سو کی شرط پوری ہوگئی۔ وہ اندر ہی رہ گیا، چنانچہ اسے قتل کردیا گیا۔

سوس کے بعد شہر رامہرز کا محاصرہ ہوا۔ اس شہر کے لوگوں نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔

اس وقت یزدگرد قم میں تھا۔ شاہی خاندان کے تمام ارکان اس کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فتوحات کی خبریں اسے برابر ملتی رہی تھیں۔ ان حالات میں ہرمزان یزدگرد کے پاس آیا۔ یہ بہت طاقت ور سردار تھا۔ اس نے یزدگرد سے کہا:

"اگر اہواز اور فارس میری حکومت میں شامل کر دیے جائیں تو میں عربوں کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک سکتا ہوں۔"

یزدگرد نے اسی وقت فرمان جاری کردیا اور ایک بڑی فوج اس کے ساتھ کردی۔ ہرمزان اپنی فوج لے کر شوشتر پہنچا۔ یہ خوزستان کا صدر مقام تھا۔ فوجی چھاؤنی بھی تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے قلعے کی مرمت کرائی۔ خندقیں کھدوائیں۔ بُرج بنوائے، اس طرح اسے مضبوط کیا۔ ہر طرف لوگ دوڑائے، تاکہ مزید فوجیں آکر شامل ہوجائیں۔ اس طرح وہاں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہوگیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ تمام حالات لکھ بھیجے اور مدد کی درخواست کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا، یہ اس وقت کوفے کے حاکم تھے۔ آپ نے انھیں حکم بھیجا:

"نعمان بن مقرن کو ایک ہزار مجاہد دے کر بھیجا جائے۔"

یہ ایک ہزار فوج حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پھر لکھا:

"آپ نے جو ایک ہزار آدمی بھیجے ہیں، وہ بہت کم ہیں۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔"

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"آدھی فوج کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفے میں رہنے دو اور باقی تمام فوج کو لے کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مدد کو جاؤ۔"

آپ کے حکم پر حضرت عمار اپنی فوج کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ حضرت جریر بجلی، جلولا سے ایک بڑی فوج کے ساتھ مدد کو پہنچ گئے۔ اب اس سارے ساز و سامان کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شوشتر کا رخ کیا۔ آپ نے شہر کے قریب جا کر پڑاؤ ڈالا۔

ہرمزان کے پاس اب بھی مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑی فوج تھی۔ وہ اپنی فوج (باقی صفحہ 7 پر)

بقیہ : اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

کے گھمنڈ میں شہر سے نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بڑی مہارت سے صف آرائی کی۔ فوج کے میمنہ (دائیں بازو) پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ میسرہ (بائیں بازو پر) حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سواروں کا دستہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رکاب میں تھا۔

دونوں فوجیں جان توڑ کر لڑیں۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ مارتے کاٹتے شہر کی فصیل کے دروازے تک پہنچ گئے۔

ادھر ہرمزان نہایت بہادری سے فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین دروازے پر دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، انھیں شہید ہوتے دیکھ کر مخراۃ بن ثور نے آگے بڑھ کر ہرمزان پر وار کیا۔

ہرمزان نے وار روک لیا اور خود وار کیا اور حضرت مخراۃ بن ثور بھی شہید ہو گئے، تاہم دروازے پر ایک ہزار کے قریب عجمی مارے گئے۔ چھ سو زندہ گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد ہرمزان نے شہر کا دروازہ بند کرنے کا حکم دے دیا۔ دروازہ بند کر کے اس نے لڑائی جاری رکھی۔

جنگ اسی طرح کچھ دن تک جاری رہی۔ پھر ایک عجمی چھپ کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا:

''اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا سکتا ہوں۔''

آپ نے اس کی بات مان لی۔ اس نے کہا:

''مجھے ایک آدمی دے دیں۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اشرس نامی ایک عرب کو اس کے ساتھ کر دیا۔ وہ شخص اشرس کو دریائے دجلہ کی ایک نہر کے پاس لے آیا۔ یہ نہر شوشتر کے نیچے بہتی تھی۔ اس نے نہر پار کی اور اشرس کو ایک تہہ خانے میں لے آیا۔ اس طرح وہ اسے شہر کے اندر لے آیا۔ پھر شہر کے گلی کوچوں سے ہوتا ہرمزان کے محل تک آ گیا۔

ہرمزان اپنے درباریوں کے ساتھ مجلس جمائے بیٹھا تھا۔ یہ تمام جگہیں دکھا کر وہ عجمی اشرس کو واپس حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ اشرس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میں اندر ہو آیا ہوں۔ اگر آپ دو سو آدمی میرے ساتھ کر دیں تو شہر فتح ہو جائے گا۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو جانباز فوراً تیار ہو گئے۔ انھوں نے کہا:

''اللہ کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔''

اشرس اسی راستے سے دو سو مجاہدین کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ انھوں نے پہرے داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیے۔ دروازوں پر پہلے ہی فوج پہنچ چکی تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بالکل تیار کھڑے تھے۔ دروازے کھلتے ہی تمام مجاہدین اندر داخل ہو گئے۔ اسلامی لشکر عجمیوں پر ٹوٹ پڑا۔ ان میں کھلبلی مچ گئی۔ ہرمزان بھاگ کر شہر کے اندر موجود قلعے میں گھس گیا اور اس کے بُرج پر چڑھ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے کہا:

''میرے ترکش میں اب بھی سو تیر باقی ہیں۔ جب تک میں سو آدمیوں کو تیروں سے ہلاک نہ کر دوں گا، گرفتار نہیں ہوں گا، تاہم میں اس شرط پر اتر سکتا ہوں تم مجھے مدینہ پہنچا دو۔ میرے بارے میں جو کچھ فیصلہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہو۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کی بات مان لی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور کیا کہ اسے مدینہ منورہ لے جائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اسے لے کر روانہ ہوا۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے سردار اور رئیس اس کے ساتھ تھے۔ اس کے خاندان کے افراد بھی ساتھ تھے۔ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر اس نے خود کو اور اپنے تمام ساتھیوں کو خوب ٹھاٹھ باٹھ سے آراستہ کیا۔ اپنے سر پر جڑاؤ تاج رکھا۔ دیبا اور حریر کا لباس پہنا۔ عجم کے بادشاہوں کے طریقے کے مطابق زیورات پہنے۔ کمر سے جڑاؤ تلوار لٹکائی، غرض اس شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ خاک کے فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سیکڑوں تماشائی جمع ہو چکے تھے۔

(جاری ہے)

اسلامی جنگیں

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

وہ اس کے زرق برق لباس کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ کے سامنے عجمی شان و شوکت کا ایک مجموعہ کھڑا تھا۔ آپ نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''یہ اس فانی دنیا کی دلفریبیاں ہیں۔''

اس کے بعد آپ ہرمزان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابھی ترجمہ کرنے والا نہیں آیا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فارسی کسی قدر جانتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ترجمہ کرنے کی کوشش کی، لیکن بات نہ بنی۔

قادسیہ کی جنگ کے بعد ہرمزان نے کئی مرتبہ صلح کی تھی، لیکن ہر بار اقرار سے پھر جاتا تھا۔ شوستر کے معرکے میں اس کے ہاتھوں دو بڑے مسلمان مارے گئے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فیصلہ فرما چکے تھے کہ اسے قتل کرائیں گے۔

ملاقات کے دوران اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے عمر! جب تک اللہ ہمارے ساتھ تھا تو تم ہمارے غلام تھے۔ اب اللہ تمہارے ساتھ ہے تو ہم تمہارے غلام ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ پانی آ گیا تو اس نے کہا:

''مجھے ڈر ہے! میں ابھی یہ پانی نہیں پی سکوں گا کہ آپ مجھے قتل کرنے کا حکم دیں گے۔ کیا آپ مجھے ضمانت دیتے ہیں کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں، آپ میرے قتل کا حکم نہیں دیں گے۔''

''ٹھیک ہے! جب تک تم یہ پانی نہیں پی لوگے، تمھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔''

یہ سنتے ہی اس نے پیالے کا پانی گرا دیا اور بولا:

''اب آپ میرے قتل کا حکم نہیں دے سکتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی چالاکی پر حیرت زدہ رہ گئے۔ اسی وقت ہرمزان نے کہا:

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔''

اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے کہا:

''میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا، لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں، موت کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے، آپ نے اسے مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے فارس وغیرہ کی جنگوں میں اکثر مشورہ لیا کرتے تھے۔

○

شوشتر سے آگے جندی سابور پر حملہ ہوا۔ یہ جگہ شوشتر سے 24 میل کے فاصلے پر ہے۔ کئی روز تک اس کا محاصرہ رہا۔ آخر ایک دن شہر کے لوگوں نے خود شہر کے دروازے کھول دیے اور نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے کام کاج میں مشغول ہو گئے، مسلمانوں کو اس پر بہت حیرت ہوئی۔ انھوں نے شہر کے لوگوں سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی:

انھوں نے کہا:

''تم ہمیں جزیے کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا۔''

یہ سن کر سب بہت حیران ہوئے کہ انھیں امن کس نے دیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک مسلمان غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ انھیں لکھ دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا:

''ایک غلام کی بات حجت نہیں ہو سکتی۔ اسے امن دینے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔''

شہر والوں نے کہا:

''ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔''

آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا گیا۔ انھوں نے جواب میں لکھا:

''مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے۔ جسے اس نے امان دے دی، اسے تمام مسلمان امان دے چکے۔''

اس شہر کی فتح کے بعد پورے خوزستان پر اسلام چھا گیا۔ اس ملک کا نام بھی فتح کیے ہوئے علاقوں میں شامل ہو گیا۔

○

جلولا کی شکست کے بعد یزدگرد رے چلا گیا تھا، لیکن یہاں کے حاکم آبان جادویہ نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس پر وہ رے سے نکل کر اصفہان گیا۔ وہاں سے کرمان اور کرمان سے ہوتا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے مرو میں قیام کیا اور ایک بار پھر ٹھاٹ باٹ سے حکومت کرنے لگا۔ ایسے میں اسے خبر ملی۔ عربوں نے عراق کے بعد خوزستان کو بھی فتح کر لیا ہے اور ہرمزان کو زندہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ یہ حالات سن کر وہ طیش میں آ گیا۔ اگرچہ اب اس کا پہلے جیسا مقام نہیں رہ گیا تھا۔ پھر آخر کئی ہزار سال سے یہ خاندان حکومت کر رہا تھا اور حکومت کا نشہ مشکل سے اترتا ہے، اس

لیے مقابلے پر تل گیا۔

ایرانی اس وقت تک اس خیال میں تھے کہ عرب کا سیلاب سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گا، اس لیے انھیں اپنی سلطنت کی طرف سے پریشانی نہیں تھی، لیکن جب مسلمانوں نے خوزستان بھی فتح کرلیا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ اس کے ساتھ ہی یزدگرد کے پیغامات ان تک پہنچے تو گویا ان میں آگ لگ گئی۔ طبرستان، جرجان، نہاوند، رے، اصفہان، ہمدان، خراسان اور سندھ تک ہل چل مچ گئی۔ ڈیڑھ لاکھ کا ایرانی لشکر قم میں آکر قیام پذیر ہوا۔ یزدگرد نے اپنے بیٹے مروان شاہ کو سپہ سالار مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکے میں درخش کادیانی نکالا گیا۔ یہ ایک جھنڈا تھا۔ اس جھنڈے کو ایرانی نیک فال خیال کرتے تھے۔ مبارک خیال کرتے تھے۔ مروان شاہ روانہ ہوا تو اس کا علم اس پر سایہ کر رہا تھا:

اس وقت کوفے کے گورنر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ان تمام حالات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ خط لیے مسجدِ نبوی میں آئے اور سب کو سنانے کے بعد فرمایا:

''اے گروہِ عرب! اس مرتبہ تمہارے مقابلے میں سارا ایران اٹھ کھڑا ہوا ہے، تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔''

یہ سن کر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا:

''اے امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہمیں تو آپ جو حکم دیں گے، ہم اسے بجالائیں گے۔''

اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اٹھے۔ آپ نے فرمایا:

''امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ شام، یمن اور بصرہ کے افسران کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کی طرف روانہ ہو جائیں اور آپ خود مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے روانہ ہوں۔ کوفے میں تمام فوجیں آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوں۔ پھر وہاں سے نہاوند کا رخ کیا جائے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کو سب نے پسند کیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''آپ کیوں خاموش ہیں۔ آپ بھی اپنی رائے دیں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''شام اور بصرے سے فوجیں ہٹائی گئیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف افراتفری مچ جائے گی۔ خود اپنے ملک کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں۔ شام یمن اور بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیے جائیں کہ جہاں جس قدر فوجیں ہیں، ان کا تیسرا تیسرا حصہ ادھر روانہ کر دیا جائے۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میری بھی یہی رائے تھی، لیکن میں تنہا یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے آپ سب سے مشورہ لے لیا۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''اب سوال یہ ہے کہ اس مہم کا سپہ سالار کسے بنایا جائے۔''

لوگوں نے ہر طرف خیال دوڑائے، لیکن کوئی رائے قائم نہ کر سکے۔ اس موقعے پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی۔ آپ کا کمال یہ تھا کہ آپ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف کے بارے میں جانتے تھے، چنانچہ اس موقعے پر آپ نے حضرت نعمان بن مقرن کا نام تجویز کیا۔ سب نے اس سے اتفاق کیا۔ چنانچہ حضرت نعمان بن مقرن تیس ہزار کا لشکر لے کر کوفے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ ان میں خاص طور پر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن جریر رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت نعمان بن مقرن نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نہاوند تک کا راستہ صاف ہے، چنانچہ آپ نہاوند تک بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے نو میل پہلے ایک مقام اسپ ہان ہے، آپ نے وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان اطراف میں جہاں جہاں اسلامی فوجیں تھیں، انھیں لکھا:

''ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف نہ آنے پائیں۔'' (جاری ہے)

خوشبوئے آم

شمارہ نمبر 467 میں آثر جون پوری صاحب کی ایک نظم ''خوشبوئے آم'' شائع ہوئی جس کا پہلا شعر کچھ اس طرح ہے:

آم کو ہم نے جو موضوع بنا رکھا ہے
ناقدِ آم نے کیوں شور مچا رکھا ہے

سوچا کہ ہم بھی اسی قافیہ کے تحت کچھ ''دل کی بات'' کہہ دیں۔ سو چند اشعار حاضر ہیں۔

آم کے نام پہ کیوں شور مچا رکھا ہے
آم کو آپ نے کیوں سر پہ چڑھا رکھا ہے

جلوہ گر آم ہے، اس کے ہی چرچے ہر سُو
دیگر اثمار کو منڈی سے بھگا رکھا ہے

آم اور شعر کا ناطہ، یہ تعلق کیسا
کیوں قلم اس کے خصائل پہ چلا رکھا ہے

ہم نے جب غالب و اقبال سے پوچھا، بولے
آم میں خاص اثر رب نے چھپا رکھا ہے

کھایا جب ہم نے بھی اک آم تو چلا اٹھے
واقعی! اس میں مزہ بیش بہا رکھا ہے

ضیاء اللہ محسن۔ ساہیوال

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کا یہ بہت بڑا فائدہ ہوا۔ دشمن کو چاروں طرف سے جو امدادی فوجیں پہنچنے والی تھیں، ان کو روک لیا گیا۔ عجمیوں نے حضرت نعمان بن مقرن کو بات چیت کے لیے پیغام بھیجا۔ اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ سفیر بن کر گئے۔ وہ یہ کام پہلے بھی کر چکے تھے۔ عجمیوں نے دربار کو بہت زبردست طریقے سے آراستہ کیا۔ مروان شاہ کو تاج پہنا کر تخت پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک کے شہزادے ریشم کے لباس پہنے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ ہر شہزادے کے پیچھے دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم تھیں۔ ان سپاہیوں کے ہاتھوں میں ننگی چمکتی تلواریں تھیں۔ ان کی طرف دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔

آخر مترجم کے ذریعے بات شروع ہوئی۔ مروان شاہ نے کہا:

''اے اہلِ عرب! سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک کوئی قوم ہو سکتی ہے تو وہ تم ہو۔ یہ تیر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں، ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے، لیکن میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان کے تیر تمہارے گندے خون سے ناپاک ہوں۔ اب بھی اگر تم واپس لوٹ جاؤ تو میں تمہیں واپس جانے دوں گا۔''

اس کے خاموش ہونے پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں! ہم ایسے ہی حقیر اور ذلیل تھے جیسا کہ تم نے کہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر مہربانی فرمائی۔ ہم میں اپنا رسول بھیج دیا۔ تم یہ بتاؤ۔ مجھے کس لیے بلایا ہے؟''

''یہ کہنے کے لیے کہ واپس چلے جاؤ۔ اسی میں تم لوگوں کا فائدہ ہے۔''

اس طرح کوئی بات نہ ہو سکی اور حضرت مغیرہ واپس آ گئے۔ دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فوج کے دائیں بازو پر حضرت حذیفہ بن یمان اور بائیں بازو پر حضرت سوید بن مقرن کو مقرر کیا۔ فوج کے درمیان میں حضرت قعقاع کو اور لشکر کے پچھلے حصے پر حضرت مجاشع کو مقرر کیا۔

دوسری طرف ایرانی لشکر کے دائیں بازو پر زردک تھا تو بائیں بازو پر بہمن۔ ایک انھوں نے یہ کام کیا کہ میدانِ جنگ میں گوکھرو (یہ لوہے کی کانٹوں والی گولیاں ہوتی تھیں) بکھیر دیے۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ہر ایک گوکھرو پر چار کانٹے ہوتے تھے۔ اس طرح گولی کا ایک کانٹا بہر حال اوپر کی طرف ہوتا تھا جو گھوڑوں، اونٹوں یا پیدل فوجیوں کے پیروں میں چبھ جاتا تھا۔ اس طرح ایرانی جب چاہتے، شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیتے اور جب چاہتے، بھاگ کر قلعہ بند ہو جاتے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت نعمان بن مقرن نے تمام افسروں کو جمع کیا اور ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ رائے لی۔ آخر سب نے سوچ بچار کر کے ایک حکمتِ عملی طے کی۔ اس کے مطابق اسلامی لشکر اس میدان سے چھ سات میل دور چلا گیا۔ پھر حضرت قعقاع کو تھوڑے سے مجاہدین کا ایک دستہ دے کر شہر کی طرف بھیجا گیا۔ عجمیوں نے جب ایک چھوٹے سے لشکر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو فوراً شہر سے نکل کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ وہ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ ساتھ میں ایرانی گوکھرو بچھاتے آتے تھے، تاکہ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ ہٹنے پائے۔

ایرانی برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت قعقاع نے جنگ شروع کر دی اور ساتھ ساتھ پیچھے ہٹتے رہے۔ گویا نظر یہ آ رہا تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو رہی ہے۔ ایرانی اور جوش میں آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ پیچھے ہٹتے ہٹتے آخر اس مقام پر آ گئے جہاں باقی فوج چھپی ہوئی تھی اور ایرانیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ اب جونہی وہ ان کی زد پر آئے، مسلمانوں نے حملہ کرنا چاہا، لیکن حضرت نعمان بن مقرن نے انھیں روک دیا۔ ادھر عجمی ایرانی برابر تیر برسا رہے تھے اور ادھر حکم تھا کہ حملہ نہیں کرنا۔ لہٰذا اطاعت کا عالم یہ تھا کہ تیر تو کھا رہے تھے، خود حملہ نہیں کر رہے تھے۔ اس طرح بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ ادھر حضرت مغیرہ بار بار کہہ رہے تھے:

''آپ فوج کو کیوں حکم نہیں دیتے کہ حملہ کریں۔ ہمارے ساتھی شہید ہو رہے ہیں، موقع ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔''

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اس خیال سے رکے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا۔ آخر انھوں نے تین نعرے لگائے۔ تیسرے نعرے پر مسلمانوں نے حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ ایرانیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔ ان حالات میں (باقی صفحہ 10 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

حضرت نعمان کا گھوڑا بھی پھسل کر گرا، آپ خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہوگئے۔ جونہی وہ گرے، ان کے بھائی نعیم بن مقرن حرکت میں آئے۔ انھوں نے فوراً علم کو تھام لیا۔ ان کی کلاہ سر پر رکھ لی اور قبا پہن لی، تاکہ دشمنوں کو معلوم نہ ہو کہ مسلمانوں کا سپہ سالار گر گیا ہے، کلاہ، علم اور قبا سپہ سالار کے نشان تھے۔ اس طرح سپہ سالار کے گرنے کا کسی کو علم نہ ہوا اور لڑائی بدستور جوش و خروش سے جاری رہی۔ اس مبارک زمانے میں یوں بھی مسلمانوں میں بہت نظم اور ضبط ہوتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ حضرت نعمان جس وقت گرے تھے تو انھوں نے ساتھ ہی یہ کہہ دیا تھا کہ مر جاؤں تو بھی کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک مجاہد ان کی طرف آنکلا۔ ان میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آگیا۔ انھیں اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

رات ہونے سے پہلے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بری طرح بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یہ تعاقب بہت دور تک جاری رہا اور ایرانیوں کی لاشوں پر لاشیں گرتی چلی گئیں۔

فتح کے بعد دیکھا گیا کہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے کچھ سانس باقی تھے۔ آنکھیں کھول کر پوچھا:

''جنگ کا کیا انجام ہوا؟''

انھیں بتایا گیا:

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔''

چہرے پر رونق آگئی، اللہ کا شکر ادا کیا، پھر فرمایا:

''فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دو۔''

O

حضرت نعمان بن مقرن کی جگہ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے تھے۔ یہ ایرانیوں کا تعاقب کرتے کرتے میدان تک پہنچے، پھر وہاں سے نہاوند تک آگئے۔ اب اسلامی لشکر نے یہاں پڑاؤ ڈالا۔

نہاوند میں ایک بہت بڑا آتش کدہ تھا۔ یہ آگ کی پوجا کرتے تھے۔ آگ کو خدا مانتے تھے، اس لیے بہت بڑے آتش کدے بناتے تھے۔ ان میں آگ بجھنے نہیں دیتے تھے۔ اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو اس آتش کدے کا پجاری حضرت حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آکر عرض کیا:

''اگر مجھے امن دیا جائے تو میں ایک بہت بڑے خزانے کا پتا بتا سکتا ہوں۔''

حضرت حذیفہ نے اسے امان دے دی۔ اس نے کسریٰ پرویز کے ہیرے اور جواہرات تک مسلمانوں کو پہنچا دیا۔ یہ بہت بڑا خزانہ تھا۔ حضرت حذیفہ نے مال غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیج دیا۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت دنوں سے جنگ کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اب آکر فتح کی خبر ملی تو حد درجے خوش ہوئے، لیکن جب حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو رو پڑے۔ سر پر ہاتھ رکھ کر دیر تک روتے رہے۔ انھیں اور بہت سے شہید ہو جانے والوں کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہا گیا:

''اور بہت سے لوگوں کے تو میں نام بھی نہیں جانتا۔''

یہ سن کر آپ روئے، پھر فرمایا:

''کسی کو ان کے نام معلوم ہوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہیں۔''

جواہرات کو دیکھ کر ناراض ہوئے اور فرمایا:

''یہ واپس لے جاؤ، حذیفہ سے کہو، انھیں بیچ کر رقم مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔''

چنانچہ وہ جواہرات واپس لا کر فروخت کیے گئے۔ چار کروڑ میں فروخت ہوئے۔ عراق کی اس لڑائی میں تیس ہزار ایرانی مارے گئے۔ اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا گیا۔ اس فتح کے بعد عجم پھر کبھی زور نہ پکڑ سکا۔ اسی جنگ میں فیروز بھی قیدیوں میں شامل تھا۔ وہ فیروز جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

110

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

اس فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے علم تیار کیے۔ احنف بن قیس کو علم دے کر خراسان کی طرف روانہ فرمایا۔ اسی طرح مجاشع بن مسعود کو سابور اور اردشیر کا علم دیا۔ عثمان بن عاص کو اصطخر کا حکم ہوا۔ ساریہ بن زنیم کنانی کو فسا کی طرف روانہ فرمایا۔ سہیل بن عدی کو کرمان، عاصم بن عمرو کو سیستان، حکم بن عمرو کو مکران اور عتبہ کو آذربائی جان اور عبداللہ بن عبداللہ کو اصفہان کی طرف روانہ فرمایا۔

21 ہجری میں عبداللہ بن عبداللہ نے اصفہان پر چڑھائی کی۔ یہاں کے حاکم کا نام استندار تھا۔ اس نے ایک بڑی فوج جمع کر رکھی تھی۔ اس کی فوج کے ہر اول دستے کا افسر جادویہ تھا۔ یہ بہت تجربہ کار تھا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو جادویہ نے للکارا:

"جسے بہادری کا دعویٰ ہو، وہ تنہا میرے مقابلے پر آئے۔"

اسلامی لشکر کے سالار عبداللہ بن عبداللہ نے اس کی للکار سنی تو خود اس کے مقابلے پر آئے۔ یہ جونہی اس کے نزدیک پہنچے، اس نے اپنی تلوار سے ان پر وار کیا۔ عبداللہ بن عبداللہ نے ڈھال پر وار کو روکا اور اپنی تلوار سے وار کیا۔ جادویہ ان کے وار کو روک نہ سکا اور تلوار اس کے جسم کے پار ہو گئی۔

ادھر جادویہ مرا ادھر ایرانی لشکر بھاگ نکلا اور اس طرح مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ استندار نے صلح کر لی لیکن ابھی اصفہان کا شہر باقی تھا۔ عبداللہ بن عبداللہ آگے بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر کے رئیس کا نام فاذوس فان تھا۔ اس نے عبداللہ بن عبداللہ کو پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں۔ میں اور تم لڑ کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ عبداللہ بن عبداللہ نے یہ بات مان لی۔ دونوں میدان میں آئے، لیکن جونہی فاذوس فان کی نظر عبداللہ بن عبداللہ پر پڑی، وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

"میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ اس شرط پر شہر حوالے کرتا ہوں کہ جو یہاں رہنا چاہے، جزیہ دے اور جو جانا چاہے، اسے روکا نہ جائے۔"

عبداللہ بن عبداللہ نے یہ شرط مان لی۔

اسی دوران خبر ملی کہ ہمدان میں بغاوت ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا۔ نعیم بن مقرن بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ ہمدان کی طرف بڑھے اور جلد ہی پورے ہمدان کو فتح کر ڈالا۔

اس کے بعد "رے" تھا۔ رے کا سالار یلم تھا۔ اس نے بڑی بھاری تعداد میں فوجیں جمع کی تھیں۔ چاروں طرف امداد کے پیغامات بھجوائے تھے، اس طرح ہر طرف سے ایرانی لڈی دل چلے آ رہے تھے۔ اس کی ان تیاریوں کی خبریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو آپ پریشان ہو گئے۔ انھیں پتا چلا تھا کہ آذربائی جان سے اسفندیار یعنی رستم کا بھائی بڑی فوج لے کر آیا ہے۔

دونوں لشکر وادیٔ رود میں آمنے سامنے ہوئے۔ اس قدر گھمسان کی جنگ ہوئی کہ نہاوند کے معرکے کی یاد تازہ ہو گئی۔ آخر یلم کو شکست ہوئی۔ عروہ اس فتح کی خبر لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے آنے سے پہلے بہت بے چین تھے اور اسلامی لشکر کے لیے امدادی فوج بھیجنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ حضرت عروہ پہنچ گئے۔

یہ وہی عروہ تھے جو جسر یعنی پل کی جنگ میں مسلمانوں کی دردناک شکست کی خبر لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آج یہ بہت بڑی فتح کی خبر لے کر آئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عروہ کو دیکھا تو گھبرا گئے کہ کہیں یہ پھر شکست کی خبر نہ لائے ہوں، چنانچہ فوراً پڑھا:

"اناللہ وانا الیہ راجعون۔"

اسی وقت عروہ بولے:

"امیر المومنین! گھبرائیے نہیں! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعیم بن مقرن کو لکھا:

"ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے "رے" کی طرف روانہ ہوں۔"

رے کا حکمران سیاوش تھا۔ یہ بہرام کا پوتا تھا۔ اس نے طبرستان اور جرجان وغیرہ کے رئیسوں سے مدد طلب کی۔ ہر طرف سے امدادی فوجیں آ گئیں۔ نعیم اپنا لشکر لے کر ایرانی لشکر سے ٹکرائے۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اس طرح ہمدان بھی فتح ہو گیا۔

نعیم بن مقرن خود رے میں ٹھہرے۔ اپنے بھائی سوید بن مقرن کو قومس کی طرف بھیجا۔ یہ جنگ کے بغیر فتح ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائی جان کی طرف عتبہ بن فرقد اور بکیر کو روانہ فرمایا تھا۔ ان کے آگے بڑھنے کے راستے بھی مقرر فرما دیے تھے۔ بکیر اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا تو اسفندیار سے سامنا ہو گیا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہوا۔

اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کے مقابلے پر آیا، لیکن اس نے بھی شکست کھائی۔

اس سلسلے میں دوسری روایت یہ ہے کہ آذربائی جان حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ آذربائی جان دراصل ایک آتش کدہ تھا اور اس کا نام آذر آبادگان تھا۔ آذر آگ کو کہتے ہیں اور بائی گان محافظ کو کہتے ہیں، یعنی آگ کے محافظ۔ آذربائی گان سے یہ نام آذربائی جان بن گیا۔

اسی دوران حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ بلوا لیا گیا تو وہاں بغاوت پھیل گئی۔ عتبہ بن فرقد نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

نعیم بن مقرن کے بھائی سوید قومس کو فتح کرنے کے بعد جرجان کی طرف بڑھے۔ یہ طبرستان کا مشہور ضلع تھا۔ جرجان کے رئیس روزبان نے سوید کو پیغام بھیجا:

''اسلام لے آؤ یا پھر جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ صلح نامہ لکھا گیا۔ اس میں لکھا گیا:

''مسلمان جرجان اور آس پاس کے دوسرے علاقوں کے امن کے ذمے دار ہوں گے اور جو لوگ بیرونی حملوں کو روکنے میں مسلمانوں کی مدد کریں گے، ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔''

اس معاہدے کی شرائط سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ پانچ لاکھ درہم سالانہ جزیہ دیا کرے گا۔

ادھر بکیر آذربائی جان کے بعد آرمینیہ کی طرف بڑھے۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کے لیے ایک نئی فوج تیار کر کے بھیج دی۔ پہلے شہر باب راستے میں آیا۔ اس کے رئیس کا نام شہر براز تھا۔ یہ مجوسی تھا اور ایران کی سلطنت کے ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر خود بکیر کے سامنے حاضر ہوا اور صلح کی درخواست پیش کی۔ بکیر نے اس کی درخواست مان لی۔

اس کے بعد طفیر، بیضا، توقان وغیرہ فتح ہوئے اور اسلامی سلطنت میں شامل کر لیے گئے۔

علا بن حضرمی 17 ہجری میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے تھے۔ انھوں نے دربار خلافت کی اجازت کے بغیر دریا کے راستے فارس پر چڑھائی کر دی۔ اصطخر کے مقام پر جہاز سے لشکر اتارا اور فوجیں کنارے پر آ گئیں۔

یہاں کا حاکم ہیربد مقابلے کے لیے ایک بڑی فوج لے کر آیا۔ مسلمانوں کی تعداد اس کے لشکر کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ ہیربد نے دریا پار کرتے ہی مسلمانوں کے جہاز پر قبضہ کر لیا۔ اس پر بھی اسلامی لشکر کے سالار حضرت علا بن حضرمی نے ہمت نہ ہاری اور اپنی فوج کو مخاطب کر کے پکارا:

''مسلمانو! بے دل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن اللہ نے چاہا تو جہازوں کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارے قبضے میں ہوگا۔''

اسلامی لشکر بہت جواں مردی سے لڑا۔ اگرچہ مقابلہ ایک بہت بڑی فوج سے تھا، لیکن آخر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں اسلامی لشکر کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ اس لیے حضرت علا بن حضرمی کے لیے آگے بڑھنا ممکن نہ رہا۔ دشمن نے ان کے جہاز بھی تباہ کر دیے تھے۔

اس لیے خشکی کے راستے بصرے کا رخ کیا۔ ادھر بھی ایرانیوں نے راستے روک رکھے تھے۔ اس طرح علا بن حضرمی کا لشکر پھنس کر رہ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاعات پہنچیں تو آپ حضرت علا بن حضرمی پر بہت ناراض ہوئے۔ انھیں ایک سخت خط لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ان مسلمانوں کو بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار کریں اور فارس بھیجیں۔ عتبہ نے حکم ملتے ہی بارہ ہزار کا لشکر ابو سبرہ کی قیادت میں روانہ کیا۔ ابو سبرہ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور فارس کے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں علا بن حضرمی پھنسے ہوئے تھے۔ (جاری ہے)

جنت کی تلاش

ایک دن میرے ذہن میں یہ بات سمائی کہ جنت کو تلاش کروں۔ اسی جستجو میں بھٹکتی بھٹکتی باغ میں گئی۔ وہاں پھول مسکرا رہے تھے۔ پھولوں کی مسکراہٹ نے بھنوروں کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اس معطر اور خوب صورت ماحول میں ''کوئل'' کی کوکو کی آواز سنتے ہوئے جھومتی ہوئی پھولوں کے سردار کے پاس گئی اور اس سے جنت کا راستہ پوچھا۔ وہ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر بکھیر کر بولا: ''نادان گھر لوٹ جاؤ۔''

میں نے چاند کی حسین چاندنی سے فریاد کی تو اس کی دلکش کرنیں گویا ہوئیں:

''نادان گھر لوٹ جاؤ۔''

میں نے شفق سے جنت کا راستہ پوچھا تو اس نے اپنا چہرہ غصے سے سرخ کر کے کہا: ''نادان گھر لوٹ جاؤ۔''

میں نے آسمان کی زینت خوب صورت تاروں سے پوچھا تو ان کی سرگوشی سنائی دی: ''نادان گھر لوٹ جاؤ۔''

میں نے پھولوں کے محافظ کانٹوں سے پوچھا، وہ ہاتھ میں چھپے تو خون اور کانٹوں نے بیک وقت کہا:

''نادان گھر لوٹ جاؤ۔''

میں قدرت کی ان حسین و دلکش چیزوں سے مایوس ہو کر اداس و پریشان اور شکستہ دل گھر لوٹی تو مجھے شہد سے زیادہ میٹھی، دل میں اتر جانے والی آواز سنائی دی:

''بیٹا تم اتنی پریشان کیوں ہو۔''

میں نے نظریں اٹھائیں تو دنیا کی سب سے حسین ہستی کو اپنے روبرو دیکھا اور نظریں جھکائیں تو جنت کی پوری رعنائی کو اپنے سامنے پایا۔ جب میں اس ہستی، ماں کے قدموں میں جھکی تو کائنات کی تمام رنگینیوں نے خوش ہو کر مجھے جنت کو پا لینے کی مبارک باد دی۔

عائشہ صدیقہ۔ کراچی

مجوسیوں کو اسلامی لشکر کی مدد کے لیے آنے والی فوج کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے ہر طرف پیغامات بھیج دیے۔ اس طرح ہر طرف سے مجوسی اُمڈ آئے۔ ایک عظیم لشکر تیار ہوگیا۔ اس لشکر کا سالار شہرک تھا۔ دونوں فریق آمنے سامنے آئے، زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں لشکر جان توڑ کر لڑے۔ آخر ابوسبرہ نے فتح حاصل کی۔ انھیں آگے بڑھنے کا حکم نہیں تھا، اس لیے واپس چلے آئے۔

اس کے بعد اسلامی لشکروں نے سابور، اردشیر، توج اور اصطخر وغیرہ سب باری باری فتح کر لیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دنوں میں یعنی 23 ہجری میں عثمان بن ابی عاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو فارس کے حاکم شہرک نے بغاوت کر دی۔ اس طرح یہ تمام علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ اس کے جواب میں عثمان بن عاص نے اپنے بھائی حکم کو ایک بڑا لشکر دے کر بھیجا۔

قدم بہ قدم

حکم نے جزیرہ ابرکاوان کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی بنالی۔ وہاں مسجدیں تعمیر کیں۔ اس طرح عرب کے بہت سے قبائل وہاں جمع ہوگئے۔ ان کی مدد سے حکم نے وہ تمام علاقے پھر واپس لے لیے جو ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس پر شہرک بہت طیش میں آیا۔ اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور توج کی طرف بڑھا۔ ابھی شہرک توج نہیں پہنچا تھا کہ حکم اپنا لشکر لے کر اس کی طرف بڑھے اور رامشہر کے قریب اس کے سامنے آگئے۔

شہرک نے نہایت مہارت سے صف بندی کی۔ اس نے فوج کا ایک دستہ پورے لشکر کے پیچھے رکھا اور اسے حکم دیا:

"جو سپاہی پیچھے ہٹے، اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔"

آخر جنگ شروع ہوئی۔ بہت دیر تک معرکہ جاری رہا، آخر پارسیوں کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں شہرک بھی مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان بن عاص نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی خوب دھاک بیٹھ گئی تھی، چنانچہ اسلامی لشکر جس طرف کا بھی رخ کرتا تھا، شہر کے شہر فتح ہوجاتے تھے۔ اس کے ہاتھوں پر گازرون، نوبند جان، ارجان شیراز، سابور، یہ سب علاقے فتح ہوگئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سہیل بن عدی کو کرمان کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ یہ 23 ہجری میں کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ لشکر کے ہراول دستے پر عمر عجلی مقرر تھے۔ یہاں کا حاکم مرزبان تھا۔ اس نے ادھر اُدھر سے مدد طلب کر کے عمر عجلی کے دستے پر حملہ کیا۔ جنگ کے دوران مرزبان مارا گیا۔ اس کے لشکر کو شکست ہوئی۔ اب اسلامی لشکر بغیر روک ٹوک کے آگے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ جیرفت تک پہنچ گیا۔ جیرفت کرمان کی تجارتی منڈی تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو بہت مال ہاتھ لگا۔ اس کے ساتھ سرجان بھی فتح ہوگیا۔ یہ کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

23 ہجری ہی میں عاصم بن عمر کے ہاتھ پر سیستان فتح ہوا۔ یہاں برائے نام لڑائی ہوئی اور پھر یہاں کے لوگ بھاگ نکلے۔ عاصم بن عمر برابر آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ سیستان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ سیستان کے لوگوں نے اس شرط پر صلح کرلی کہ ان کی زمینیں انھی کی ملکیت میں رہیں گے۔ عاصم بن عمر نے یہ شرط مان لی اور اسلامی لشکر نے اس شرط کو حد تک پورا کیا کہ وہاں سے کسی طرف جانا ہوتا تو ان زمینوں کے پاس سے بہت جلدی سے گزرتے۔

اس ملک کے قبضے میں آنے کا بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جس قدر علاقے تھے، ان پر حملہ کرنا آسان ہوگیا۔

مکران پر حکم بن عمرو تغلبی عامل مقرر ہوئے تھے۔ 23 ہجری میں حکمران کی طرف روانہ ہوئے۔ مکران کی نہر کے اس پار فوجیں اتاریں۔ مکران کے بادشاہ کا نام راسل تھا۔ اس نے نہر پار کی اور مقابلے پر آگیا۔ دونوں لشکروں نے صف آرائی کی۔ آخر جنگ شروع ہوئی۔ ایک بڑی جنگ ہوئی۔ آخر راسل کو شکست ہوئی۔ مکران پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس جنگ میں چند ہاتھی بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ حکم نے فتح کی خوش خبری کے ساتھ یہ ہاتھی بھی مدینہ منورہ بھیج دیے۔ فتح کی خبر صحار عبدی لے کر گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مکران کے حالات پوچھے۔ اس کے بعد آپ نے فوجوں کو وہیں رکے رہنے کا حکم فرمایا۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس کو خراسان کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ احنف بن قیس نے 22 ہجری میں خراسان کا رخ کیا۔ طبسین کے راستے ہرات پہنچے۔ ہرات کو فتح کر کے مرو شاہ جہاں کی طرف بڑھے۔ فارس کا شہنشاہ یزدگرد یہیں تھا۔ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر مرورود (باقی صفحہ 6 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

چلا گیا۔ اس نے چین کے بادشاہ اور دوسرے ملکوں کے حکمرانوں کو خطوط لکھے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں ان سے مدد طلب کی۔ احنف بن قیس یہ خبریں سن کر مرورود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد نے جب سنا کہ احنف بن قیس مرورود کی طرف بڑھ رہے ہیں تو وہ یہاں سے بھی بھاگ نکلا اور بلخ پہنچا۔ اس دوران کوفے سے تازہ دم فوج احنف بن قیس کے لشکر کی مدد کے لیے آگئی۔ احنف نے تازہ دم فوج کے ساتھ بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا پار کر کے چین کے حکمران خاقان کے پاس چلا گیا۔ اب احنف بن قیس کے لیے میدان خالی تھا۔ انھوں نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ نیشاپور تخارستان تک فتح کر لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

''اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے خراسان پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا ہے۔''

آپ نے انھیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ادھر یزدگرد چین کے بادشاہ خاقان کے پاس پہنچا۔ اس نے ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور خراسان پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت احنف بن قیس چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ خاقان کی آمد کی خبر سن کر مرورود آگئے۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچ گیا۔ یہاں سے یزدگرد اس سے الگ ہو کر مروشاہ جہاں کی طرف بڑھا، تاکہ مسلمانوں پر دو طرف سے دباؤ ڈالا جاسکے۔

احنف بن قیس نے وہاں مقابلہ کرنا پسند نہ کیا۔ نہر پار کر کے ایک میدان میں آگئے۔ اس میدان کی پشت پر پہاڑ تھا۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے لشکر کی صف بندی کی۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے پڑی رہیں۔ اس طرح بہت دن گزر گئے۔ خاقان کی فوج صبح تیار ہو کر میدان میں آتی، لیکن اسلامی لشکر کی طرف سے کوئی جواب نہ دیا جاتا تو شام کو واپس لوٹ جاتی۔ ایک دن احنف بن قیس اکیلے میدان میں گئے۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار کو تنہا میدان میں دیکھ کر عجمی لشکر سے ایک بہادر میدان میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں علم لہرا رہا تھا اور اس کے پیچھے طبل بجایا جا رہا تھا۔ احنف بن قیس نے اس پر حملہ کیا، اس نے حملے کا جواب دیا۔ دیر تک حملے پر حملہ ہوتا رہا۔ آخر احنف بن قیس نے نیزے کا ایک وار کیا۔ نیزہ اس کے جسم کے پار ہوگیا۔

اس کے بعد دو اور بہادر میدان میں اترے اور احنف کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس کے بعد خاقان خود میدان میں آیا، لیکن جب اس نے تین لاشیں پڑی دیکھیں تو اس نے اسے برا شگون خیال کیا اور بولا:

''ہم پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی فوج کو واپس کوچ کا حکم دے دیا۔ یزدگرد کو یہ اطلاع ملی کہ خاقان اپنی فوج لے کر واپس چلا گیا ہے تو اسے اپنی فتح کی کوئی امید نہ رہی۔ اس نے اپنا خزانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا رخ کیا۔ اس کے درباریوں نے جب یہ دیکھا کہ ملک کی دولت باہر جارہی ہے تو اسے روکنے کی کوشش کی۔ جب وہ نہ مانا تو انھوں نے تمام مال واسباب، زر و جواہر اس سے چھین لیے۔ وہ بے سروسامان خاقان کے پاس چلا گیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک وہیں فرغانہ میں رہا۔ فرغانہ خاقان کا دارالسلطنت تھا۔

احنف بن قیس نے فتح کی خوش خبری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ یہ خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو جمع فرمایا۔ ان کے سامنے تقریر کی اور اس میں فرمایا:

''آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن اگر تم بھی راہِ راست پر نہ رہے تو اللہ تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دیں گے۔'' (جاری ہے)

فصیل سے اتر کر قلعے کا دروازہ کھول دیا... تمام فوج اندر داخل ہوگئی... شکست کے آثار دیکھ کر رومی حکمران مقوقس نے صلح کی درخواست کی... چنانچہ انھیں امان دے دی گئی...
ایک روز عیسائیوں نے مسلمان فوج کے افسران کی دعوت کی... حضرت عمرو بن عاص اور فوج

قدم بہ قدم

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ ان کے ساتھ چار ہزار فوج تھی۔ یہ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور عریش پہنچے۔ عریش سے چل کر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے واقع تھا۔ اب یہ ویران پڑا ہے۔ رومیوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ تقریباً ایک ماہ تک معرکے ہوتے رہے۔ آخر رومیوں نے شکست کھائی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ چھوٹے چھوٹے علاقے فتح کرتے ہوئے قسطاط پہنچے۔ اس زمانے میں یہ میدان تھا۔ یہ میدان دریائے نیل اور مقطم پہاڑ کے درمیان میں تھا۔ چراگاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس میدان کے دوسری طرف رومیوں کا قلعہ تھا اور یہ ایک بہت زیادہ مضبوط قلعہ تھا۔ اس کی مضبوطی کو محسوس کر کے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا:
"یہ قلعہ بہت مضبوط ہے، اسے فتح کرنے کے لیے مزید فوج درکار ہوگی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار فوج مزید روانہ فرمائی اور اس فوج کے ساتھ چار سالار بھی روانہ کیے اور ان کے بارے میں لکھا:
"یہ چار سالار ایک ایک ہزار سواروں کے برابر ہیں۔"
یہ چار سالار حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ فوج وہاں پہنچی تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے مرتبے کے لحاظ سے افسر انھیں بنا دیا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کے گرد کھودی گئی خندق کے گرد ایک چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا، وہاں وہاں مناسب تعداد میں سوار اور پیادے مقرر فرما دیے۔ ساتھ ہی آپ نے منجنیقوں سے قلعے کی دیواروں پر پتھر برسانے کا حکم فرمایا:
اس طرح سات ماہ گزر گئے۔ فتح اور شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن تنگ آ کر فرمایا:
"آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔"
یہ کہا اور ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر قلعے کی دیوار تک پہنچ گئے۔ سیڑھی لگائی اور قلعے کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے آپ کا ساتھ دیا۔ وہ بھی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔
فصیل پر پہنچتے ہی سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ساتھ ہی نیچے موجود پوری فوج نے نہایت بلند آواز میں نعرہ لگایا... اس نعرے سے زمین دہل گئی... عیسائی یہ سمجھے کہ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے ہیں، چنانچہ بدحواس ہو کر بھاگے... ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے

کے بڑے افسر دعوت میں گئے... دوسرے دن حضرت عمرو نے ان لوگوں کو دعوت دی... وہ شان و شوکت کے ساتھ آئے... ادھر حضرت عمرو بن عاص نے حکم دیا تھا کہ بالکل سادہ کھانا تیار کیا جائے... سب مسلمان عربی لباس میں تھے اور سادہ طریقے سے کھانے پر بیٹھے... جب کہ رومی اپنی کرسیاں ساتھ لائے تھے، وہ ان پر بیٹھے... مسلمانوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیوں کو دانتوں سے اس طرح نوچا کہ جھٹکے لگنے سے شوربے کے چھینٹے رومیوں کے قیمتی لباس پر پڑے... انھوں نے کہا:
"وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے کل ہمارے ہاں دعوت کھائی تھی۔"
یعنی وہ تو ایسے نہیں تھے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا:
"وہ افسران تھے اور یہ عام سپاہی ہیں۔"
روم کے شہنشاہ کو جب مقوقس کے صلح کرنے کا پتا چلا تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اسی وقت ایک عظیم لشکر تیار کیا اور مقوقس کی مدد کے لیے بھیج دیا اور یہ 42 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس طرح وہ صلح ختم ہوگئی۔ مقوقس اب اسکندریہ میں تھا۔
حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:
"قسطاط فتح ہو چکا ہے... اب آپ اجازت دیں تو اسکندریہ پر حملہ کیا جائے۔"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔
حضرت عمرو بن عاص نے اس میدان سے کوچ کا حکم دے دیا۔ خیمے اکھاڑے جانے لگے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا خیمہ اکھاڑنے کی باری آئی تو حضرت عمرو بن عاص کی نظر ایک کبوتر پر پڑی۔ اس کبوتر نے خیمے میں گھونسلا بنا لیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرو بن عاص نے حکم دیا:
"اس خیمے کو نہ اکھاڑو۔ یونہی رہنے دو، تاکہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ پہنچے۔"
چنانچہ خیمے کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا۔ حضرت

جواہرات سے قیمتی

- عالم بے عمل پارس (پتھر) کی طرح ہے جو اوروں کو تو سونا بناتا ہے، خود ہمیشہ پتھر رہتا ہے۔
- آدمی کی زندگی کا بہترین حصہ وہ ہے، جس میں وہ اچھے کام کر کے بھول چکا ہوتا ہے۔
- خطرات کے باوجود زندگی وقت سے پہلے ختم نہیں ہوسکتی۔
- جب تک انسان علم سیکھتا رہتا ہے، وہ عالم رہتا ہے جب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ علم سیکھ چکا ہے تو جاہل بن جاتا ہے۔
- اپنی زبان کی تیزی اس ماں پر نہ آزماؤ جس نے تمھیں بولنا سکھایا۔
- اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھو۔
- کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس مکھی کی طرح ہے جو سارا خوب صورت جسم چھوڑ کر صرف زخم پر بیٹھتی ہے
- مخلوق کو ناپسند کرنے والا کبھی خالق کا پسندیدہ بندہ نہیں ہوسکتا۔
- ادیب مر جاتا ہے، لیکن اس کا ادب باقی رہ جاتا ہے۔
- حریص کی جیب بھری ہوئی ہو، تب بھی اس کا دل خالی ہوتا ہے۔

ارسال کرنے والے: سہیل اکرم۔ ملائکہ اکرم وہاڑی۔ حافظ محمد شعیب معاویہ، حافظ محمد حسنین معاویہ۔

عمرو بن عاص نے اسکندریہ سے واپس آکر اس میدان میں ایک شہر بسایا اور اس شہر کا نام قسطاط رکھا۔ عربی میں قسطاط خیمے کو کہتے ہیں۔

21 ہجری میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ قسطاط اور اسکندریہ کے درمیان میں عیسائی آبادیاں تھیں۔ رومیوں نے ان سے مل کر مسلمانوں کو روکنے کا فیصلہ کرلیا، چنانچہ ایک عظیم لشکر لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ اس لشکر میں ہزارہا لوگ قبیلہ قبطی کے بھی تھے۔ اس بڑے لشکر کا ارادہ مسلمانوں کو وہیں روک لینے کا تھا، تاکہ وہ اسکندریہ نہ پہنچنے پائیں۔ کربون کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت جوش میں آکر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملے میں بے شمار رومی مارے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے اسلامی لشکر کے راستے میں آنے کی بالکل کوشش نہ کی اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔

حالات اپنے خلاف دیکھ کر مقوقس پھر صلح کرنا چاہتا تھا، لیکن ہرقل اور عیسائیوں کے ڈر سے کر نہیں پارہا تھا، چنانچہ اس نے یہ کوشش کی کہ ایک مقررہ مدت کے لیے صلح کرلی جائے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس بات کے ماننے سے انکار کردیا۔ اب مقوقس نے مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لیے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا:

''ہتھیار لگا کر شہر کی فصیل پر صف بنا کر کھڑے ہوجائیں۔ عورتیں بھی ایسا کریں۔''

عورتوں کے منہ مسلمانوں کی طرف سے پھیر کر دوسری طرف کرادیے گئے، تاکہ مسلمانوں کو یہ نہ پتا چلے کہ فصیل پر عورتیں بھی شامل ہیں۔

فصیل پر اتنی تعداد میں لوگوں کو دیکھ کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا:

''ہم تمھارا مطلب سمجھ گئے ہیں، لیکن تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ اب تک ہم نے جو ملک حاصل کیے ہیں، وہ فوج کی کثرت کی بنیاد پر نہیں کیے۔ تم جانتے ہو، تمھارا شہنشاہ کس قدر ساز و سامان کے ساتھ ہمارے مقابلے پر آیا تھا، لیکن انجام جو ہوا، تمھیں معلوم ہی ہے۔''

مقوقس نے حضرت عمرو بن عاص کی باتیں مان لیں، لیکن رومی فوج بگڑ گئی۔ اس پر مقوقس نے حضرت عمرو بن عاص کو خفیہ پیغام بھیجا:

''میں اس جنگ میں الگ رہوں گا، یعنی قبطی لوگ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ لہٰذا آپ کی فوج قبطیوں پر حملہ نہ کرے۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کی بات مان لی۔ اس طرح جب جنگ شروع ہوئی تو مقوقس اور اس کی قوم جنگ سے الگ رہے۔ انھوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ جنگ میں حصہ نہیں لیا، بلکہ مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ مسلمانوں کو رسد پہنچائی اور ان کے لیے راستے بھی ہموار کیے۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ کبھی کبھی رومی فوج باہر نکل کر حملہ کرتی اور لوٹ جاتی۔

ایک دن ایک رومی جنگ جو نے میدان میں نکل کر للکارا:

''جسے بہادری کا دعویٰ ہو، وہ تنہا میرے مقابلے پر آئے۔''

مسلمہ بن مخلد نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا، لیکن ایک رومی نے اچانک آگے آکر انھیں زمین پر دے پٹخا۔ ساتھ ہی اس نے تلوار کا وار کرنا چاہا، لیکن ایک مسلمان نے آگے آکر اس کا وار روک لیا۔ اس طرح مسلمہ بن مخلد بچ گئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان پر سخت غصہ آیا۔ ان کے مرتبے کا خیال بھی نہ رکھا اور یہ کہہ بیٹھے:

''زنخوں کو میدانِ جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔''

حضرت مسلمہ بن مخلد کو ان کا جملہ بہت ناگوار گزرا، لیکن مصلحت کی وجہ سے خاموش رہے۔

(جاری ہے)

عبداللہ فارانی

اِسلامی جنگیں

113

اس طرح اکا دکا مقابلے جاری رہے... آخر مسلمانوں نے مل کر حملہ کیا اور اس طرح جان توڑ کر مقابلہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعے کے اندر گھس گئے... قلعے کے میدان میں بہت دیر تک گھمسان کی جنگ جاری رہی... پھر اچانک تمام رومی جمع ہوگئے... انھوں نے مل کر مسلمانوں پر ایک بھرپور حملہ کیا... مسلمان اس حملے کی وجہ سے پسپا ہونے پر مجبور ہوگئے... رومیوں نے اور دباؤ ڈالا اور مسلمانوں کو قلعے سے باہر نکال دیا... اور قلعے کے دروازے اندر سے بند کردیے... لیکن مسلمانوں میں سے دو اندر ہی رہ گئے... وہ دروازے سے کہیں آگے رومیوں میں گھرے ہوئے تھے اور یہ دونوں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ تھے... وہی مسلمہ بن مخلد... جنھیں حضرت عمرو بن عاص نے سخت سست کہہ دیا تھا... اب یہ دونوں رومیوں کے مقابلے میں اندر رہ گئے تھے اور باقی مسلمان قلعے سے باہر چلے گئے تھے... اس حالت میں بھی دونوں نہایت جواں مردی سے زبردست انداز میں جنگ کررہے تھے... رومیوں نے انھیں زندہ گرفتار کرنا چاہا، لیکن کر نہ سکے... آخر رومیوں نے کہا... تم دونوں میں سے ایک ہمارے ایک جنگ جو کا مقابلہ کرے... اگر تم جیت گئے تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے... ورنہ تم ہتھیار ڈال دینا... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات خوشی سے مان لی... اور خود مقابلہ کرنے کے لیے آگے جانا چاہا... حضرت مسلمہ بن مخلد نے دبی آواز میں ان سے کہا:

''میں مقابلے کے لیے جاؤں گا... کیونکہ آپ کا جانا مناسب نہیں۔''

یہ کہہ کر انھوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی... دوسری طرف سے ایک رومی پہلوان پہلے ہی تیار کھڑا تھا... تلوار اس کے ہاتھ میں بالکل تیار تھی... دونوں میں چند وار ہوئے... پھر اچانک حضرت مسلمہ نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا... رومیوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ دوسرا ساتھی خود مسلمانوں کا سپہ سالار ہے... انھوں نے وعدے کے مطابق دونوں کو چھوڑ دیا... یہ وہاں سے صحیح سلامت نکل آئے... اس وقت حضرت عمرو نے حضرت مسلمہ کی تعریف کی... ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنی سخت بات کی معافی مانگی... حضرت مسلمہ بن مخلد نے انھیں فوراً خوش دلی سے معاف کردیا...

اب پھر قلعے کا محاصرہ شروع تھا... اور یہ محاصرہ طول پکڑتا جارہا تھا... اس بات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت پریشان تھے... آخر آپ نے حضرت عمرو کو خط لکھا:

''شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست ہوگئے ہو، ورنہ قلعہ فتح ہونے میں اتنی دیر نہ لگتی... اب جونہی میرا یہ خط ملے، تمام

قدم بہ قدم

مسلمانوں کو جمع کرواور انھیں جہاد پر خطبہ دو، پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن چار افراد کو میں نے افسر مقرر کر کے بھیجا تھا... انھیں پوری فوج سے آگے رکھو... پورا لشکر ایک ہی بار دشمن پر ٹوٹ پڑے... حضرت عمرو بن عاص کو یہ خط ملا تو انھوں نے سارے لشکر کو جمع کیا اور جہاد کے موضوع پر خطبہ دیا اور بہت پراثر انداز میں دیا... سب مسلمان جوش میں بھر گئے... حضرت عمرو بن عاص نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب بلایا اور ان سے کہا:

''آپ اپنا نیزہ مجھے دیں۔''

یہ کہہ کر اپنا عمامہ سر سے اتارا... اسے حضرت عبادہ کے نیزے پر رکھ کر انھیں تھمادیا اور بولے:

''یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج سے آپ سپہ سالار ہیں۔''

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہما کو لشکر کے ہراول دستے پر مقرر کیا... غرض اس خاص اہتمام کے بعد قلعے پر حملہ آور ہوئے... اور اللہ کی شان کہ پہلے ہی حملے میں قلعہ فتح ہوگیا... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسی وقت حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں حکم دیا:

''اسی وقت امیر المومنین کی طرف روانہ ہوجاؤ اور جس قدر تیز جاسکتے ہو جاؤ... اور امیر المومنین کو فتح کی خوش خبری سناؤ۔''

حضرت معاویہ بن خدیج منزلوں پر منزلیں طے کرتے جب مدینہ پہنچے تو وہ وقت دوپہر کا تھا... انھوں نے خیال کیا... یہ وقت امیر المومنین کے آرام کا ہوگا... اس لیے سیدھے مسجد نبوی چلے آئے... ان کے گھر نہیں گئے... ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی ادھر آنکلی... اس نے حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ سفر کرکے آرہے ہیں... چنانچہ پوچھا:

''کون ہیں اور کہاں سے آرہے ہیں۔''

انھوں نے کہا:

''اسکندریہ سے آرہا ہوں۔''

لونڈی نے اسی وقت جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر سنائی۔ آپ نے فوراً فرمایا:

"جاؤ! انھیں بلا کر لے آؤ۔"

لونڈی گئی اور انھیں لے آئی ... ادھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے انتظار نہیں ہو رہا تھا ... وہ خود چلنے کے لیے چادر سنبھال رہے تھے کہ حضرت معاویہ بن خدیج پہنچ گئے ...

فتح کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے اور سجدۂ شکر بجالائے ... پھر اٹھ کر مسجد میں آئے اور اعلان کرا دیا کہ سب لوگ مسجد میں آجائیں ... اعلان سنتے ہی پورا مدینہ اُمڈ پڑا ... آپ نے حضرت معاویہ بن خدیج کو حکم دیا:

"جنگ کے حالات تفصیل سے سناؤ۔"

انھوں نے تمام حالات سنائے ... فارغ ہوئے تو حضرت انھیں گھر لے آئے اور لونڈی سے پوچھا:

"کچھ کھانے کو ہے۔"

لونڈی گئی اور روٹی اور روغنِ زیتون لے آئی ... کھانا مہمان کے سامنے رکھا ... حضرت عمر نے ان سے پوچھا: "آپ سیدھے میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے تھے۔"

وہ بولے: "میں نے خیال کیا تھا، دوپہر کا وقت ہے، آپ آرام فرما رہے ہوں گے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "افسوس! تم نے میرے بارے میں ایسا کیسے سوچ لیا، میں دن میں سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔"

O

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ کی فتح کے بعد واپس قسطاط چلے گئے۔ آپ نے وہاں شہر بسایا۔ اسی شہر کا نام قسطاط ہے۔ اب رومیوں کا کوئی بڑا علاقہ باقی نہیں رہا تھا ... بس چھوٹے موٹے علاقے مصر کے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ... آپ نے تھوڑی تھوڑی فوج ہر طرف روانہ کر دی ... تمام علاقے آسانی سے فتح ہو گئے ... کچھ نے لڑ کر ہار مان لی ... کسی نے جزیہ دینا قبول کر لیا ... مطلب یہ کوئی خاص جنگ لڑنے کی نوبت نہیں آئی ...

ان تمام لڑائیوں میں رومی اور قبطی بہت کثرت سے گرفتار ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور آپ سے پوچھا:

"ان گرفتار شدگان کا کیا کیا جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا:

"ان سب کو بلا کر ان سے کہہ دو کہ انھیں اختیار ہے، مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر رہیں۔ اگر اسلام قبول کریں گے تو انھیں وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، ورنہ جزیہ دینا ہوگا، یعنی جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ وہی ان سے لیا جائے گا۔"

یہ قیدی ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بلا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم سنایا:

اس وقت تک قیدی مسلمانوں کا رہن سہن اور عبادت کا طریقہ سب دیکھ چکے تھے، لہٰذا یہ اعلان سن کر بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے ... جب کہ بہت سے اپنے مذہب پر بھی قائم رہے ... جب کوئی مسلمان ہونے کا اعلان کرتا تو سب مسلمان نعرۂ تکبیر بلند کرتے ... خوش ہوتے ... اور جب کوئی عیسائی رہنے کا اعلان کرتا تو عیسائی اسے مبارک باد دیتے ... دیر تک یہ دلچسپ سلسلہ جاری رہا ... فتوحات کا یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ (جاری ہے)

شُکر کی بُنیاد

- O جس نے اللہ کی تعریف بیان کی، اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
- O جس نے اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کی، اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
- O جس نے اللہ سے محبت کی، اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
- O جس نے نعمتوں کا اعتراف کیا، اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
- O اور جس نے اللہ کی مرضی کے مطابق اس کی نعمتوں کو استعمال کیا، اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ پانچ باتیں شکر کی بنیاد ہیں۔

خادم حسین ۔ لاہور

عبداللہ فارانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد فتوحات کے سلسلے کو جاری رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بحری جنگوں کی اجازت نہیں دی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سمندر میں لڑائی کا آغاز کیا۔ اس لحاظ سے آپ پہلے مسلمان خلیفہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو گورنر مقرر کیا۔

روم کے شہنشاہ کو اطلاعات ملیں تو اس نے سوچا، اب مسلمانوں پر حملہ کرنے کا وقت ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وفات پا چکے ہیں اور ان کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے ہیں اور انھوں نے حضرت عمرو بن عاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا دیا ہے، لہٰذا اتنی تبدیلیوں کے بعد ان کے لیے سنہری موقع ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے بحری بیڑے کے کمانڈ مینول کو تین سو جہازوں کا بیڑہ دے کر روانہ کیا۔

مسلمان اس اچانک صورتِ حال کے لیے تیار نہیں تھے۔ یوں بھی انھیں بحری جنگوں کا ابھی تجربہ نہیں تھا، اس لیے مقابلہ کرنے کے باوجود شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی اور اسکندریہ پر پھر سے رومیوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال 25 ہجری میں ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی شکست کی خبر ملی تو فوراً حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے پر بحال کیا۔ آپ نے انھیں حکم دیا:

''اسکندریہ کو واپس لینے کے لیے چڑھائی کریں۔''

حضرت عمرو بن عاص نے فوراً حملے کی تیاری شروع کر دی، ایک لشکرِ جرار لے کر روانہ ہوئے، نکیوٹی کے مقام پر دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس قدر زوردار حملہ کیا کہ دشمن اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور زبردست جانی اور مالی نقصان اٹھا کر بھاگ نکلا۔ اس طرح اسکندریہ پر پھر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس فتح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''تم فوج کے سپہ سالار رہو گے جب کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مالیاتی نظام چلائیں گے۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا اور اپنی ذمے داری بھی عبداللہ بن سعد کو سونپ کر واپس آ گئے۔ اس طرح پورے مصر کے امیر اب عبداللہ بن ابی سرح ہو گئے۔ ان کے دور میں مصر کی آمدنی میں زبردست اضافہ ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ ابی سرح کو لکھا:

''افریقہ کی طرف پیش قدمی کی جائے۔''

عبداللہ بن ابی سرح نے پیش قدمی کی، لیکن افریقہ فتح نہ ہو سکا۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک لشکرِ جرار تیار کیا۔ اس لشکر میں حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم جیسے بڑے لوگوں کو شامل کیا۔ عبداللہ بن ابی سرح اس لشکر کو لے کر آگے بڑھے۔ ادھر سے رومی لشکر آگے بڑھا۔ طرابلس کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس مقام پر رومیوں کو شکست ہوئی۔ طرابلس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس جنگ میں رومی فوج کا سالار گری گوری حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ اس جنگ میں بے تحاشا مالِ غنیمت لگا۔ یہ مال کس قدر تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک سوار کو تین تین ہزار دینار اور ہر پیادے کو ایک ایک ہزار دینار ملے۔

اس عظیم فتح کے بعد بھی حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے پیش قدمی جاری رکھی۔ وہ مشرق سے مغرب کی طرف بڑھے۔ راستے میں جو شہر اور قلعے ملتے گئے، وہ فتح ہوتے چلے گئے۔ اس طرح الجزائر فتح ہوا۔ آخر عبداللہ بن ابی سرح نے جبلِ طارق پہنچ کر دم لیا۔ یہ مراکش کا آخری سرا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر سے لے کر مراکش تک پورے علاقے پر خلافتِ عثمانی کا پرچم لہرانے لگا۔ رومی فوجوں کا اس پورے علاقے سے مکمل طور پر صفایا ہو گیا۔

مراکش کے فتح ہونے سے مسلمانوں کے لیے اسپین تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ 27ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن نافع بن حصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو لکھا:

تم دونوں اندلس کی طرف پیش قدمی کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ قسطنطنیہ کی فتح اندلس کے راستے ہوگی۔''

ان حضرات نے حکم کی تعمیل کی۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی طاقت اور شوکت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

قبرص رومی حکومت کا ایک بہت بڑا بحری مرکز تھا۔ شام کے ساحل کے قریب واقع تھا۔ اس کی طرف سے مسلمانوں کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا، اسی لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس جزیرے پر چڑھائی کی اجازت مانگی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت نہیں دی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بحری جنگیں پسند نہیں تھیں، اس لیے انھوں نے اجازت نہیں دی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کو بھی یہ اجازت نہیں ملی تھی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عراق کے گورنر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب یہ اجازت مانگی گئی تھی تو آپ نے جواب میں یہ فرمایا تھا:

''مسلمانوں کے اور میرے درمیان سمندر حائل نہیں ہونا چاہیے۔''

28 ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبرص پر چڑھائی کی اجازت مانگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے انھیں اجازت مل گئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر حملہ کر دیا، یہاں کے باشندوں نے جلد ہی ہتھیار ڈال دیے۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ یہاں کے باشندوں نے سات ہزار دینار سالانہ منظور کیے جو صلح نامہ لکھا گیا، اس کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مسلمانوں پر کوئی تیسری طاقت حملہ کرے گی تو یہ لوگ مسلمانوں کی مدد کریں گے۔

38 ہجری میں جزیرہ قبرص کے لوگوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ مسلمانوں کی مدد کرنے کے بجائے رومیوں کا ساتھ دیا۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کر لیا۔

یہ بحری جنگ تھی اور پہلی سمندری لڑائی تھی۔ جزیرہ قبرص کی فتح کے ایک سال بعد ہی جزیرہ ارداد فتح ہوا. جزیرہ ارداد قسطنطنیہ کے قریب تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ اس جزیرے کی فتح میں تاریخ کے اعتبار سے اختلاف ہے۔

اس کے بعد جزیرہ روڈس کی باری آئی۔ یہ بحیرۂ روم میں واقع تھا اور سطح سمندر سے بہت بلند تھا، اس لیے بہت اہم تھا۔ اس کے بارے میں خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''سمندر (یعنی بحیرۂ روم) میں ایک اور جزیرہ ہے۔ اس کا نام روڈس ہے، اسے بھی فتح کرنے کی اجازت دی جائے، کیونکہ جغرافیائی اعتبار سے اس کی بہت اہمیت ہے۔'' (باقی صفحہ 7 پر)

بقیہ: اسلامی جنگیں

''سمندر (یعنی بحیرۂ روم) میں ایک اور جزیرہ ہے۔ اس کا نام روڈس ہے، اسے بھی فتح کرنے کی اجازت دی جائے، کیونکہ جغرافیائی اعتبار سے اس کی بہت اہمیت ہے۔''

ان کے خط کے ملنے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجلسِ شوریٰ سے مشورہ کیا، پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جواب لکھا:

''جس چیز کی تم نے اجازت مانگی ہے، تمہیں اس کی اجازت دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، دور اندیشی کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ اگر تمہیں سمندر کا ذرا سا بھی ڈر ہو تو پھر چڑھائی نہ کرنا، کیونکہ سمندر کا ہول بہت ہوتا ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت ملنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا بحری بیڑہ لے کر روانہ ہوئے۔ جزیرہ روڈس کے لوگوں نے سمندر ہی میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ نہایت سخت جنگ ہوئی، اس جنگ میں روڈس کے جو لوگ مارے جانے سے بچ گئے، انھوں نے بھی خودکشی کر لی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کے حالات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے۔ آپ ان کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ جزیرہ روڈس فتح تو ہو گیا تھا، لیکن یہ ویران تھا، کیونکہ اس کے سب لوگ مارے گئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس جزیرے کو آباد کیا۔ مسلمانوں کو وہاں بسایا، اس میں مسجد تعمیر کرائی، اس طرح یہ جزیرہ مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط چھاؤنی بن گیا۔ اس لحاظ سے حضرت عبداللہ بن ابی سرح اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے بحری سالار ہیں۔ (جاری ہے)

115

اسلامی جنگیں

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

بحیرہ روم کے درمیان میں ایک بہت اہم جزیرہ صقلیہ (سسلی) تھا۔ اسلام سے پہلے یونانی اور رومی وغیرہ قومیں اس جزیرے کے لیے ایک دوسرے سے لڑتی رہی تھیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظروں سے بھی اس کی اہمیت چھپی نہ رہ سکی، چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''آپ ہمیں جزیرہ صقلیہ (سسلی) پر چڑھائی کی اجازت دے دیں، یہ بہت اہم فوجی مقام ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب ملا:

''تمہیں اجازت دی جاتی ہے۔''

اجازت ملنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تین سو کشتیوں کا بیڑہ لے کر سمندر میں کود پڑے۔ یہ بیڑہ ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس تھا۔

صقلیہ کے بادشاہ کو یہ اطلاع ملی:

''مسلمانوں کا بحری بیڑہ صقلیہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔''

یہ سن کر اس نے پہلے بات چیت کی کوشش کی، لیکن اس میں کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ آخر دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔ اب پہلے رومیوں کی طرف سے ایک پہلوان مقابلے کے لیے نکلا۔ ادھر سے ایک مسلمان میدان میں آیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ رومی پہلوان مارا گیا۔

اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی۔ صقلیہ کا بادشاہ خود اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ رومی فوج نے اسلامی لشکر کے بائیں بازو پر بہت زبردست حملہ کیا، مسلمان دباؤ میں آ گئے اور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے باوجود فوج کا درمیانی حصہ اور دایاں بازو اپنی جگہ پر قائم رہے۔ جنگ دن بھر جاری رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ ایسے میں اطلاع ملی:

''شاہِ روم نے صقلیہ کی مدد کے لیے چھ سو مسلح سپاہیوں کا ایک بحری بیڑہ اور روانہ کیا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر مسلمان فکرمند ہوئے۔ انھوں نے پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ کیا اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اسلامی بیڑہ صقلیہ سے واپس روانہ ہو گیا اور شام کے ساحل پر جا پہنچا۔

یہ واقعہ 32 ہجری یعنی سن 652 میں پیش آیا۔

رومی اب یہ بات اچھی طرح محسوس کرنے لگے تھے کہ مسلمان روز بروز کامیابیاں حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کے علاقے ان کے قبضے سے نکل نکل کر اسلامی حکومت میں شامل ہوتے جا رہے ہیں اور اب تو رومی سلطنت کے بحری مرکز بھی ان کے ہاتھوں سے نکل رہے ہیں۔ اس بنا پر قیصرِ روم قسطنطین بن ہرقل ایک عظیم بحری بیڑے کے ساتھ شام پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس عظیم بحری بیڑے میں چھ سو یا ایک ہزار جہاز شامل تھے۔ شہنشاہ روم خود اس بحری بیڑے کا سپہ سالار تھا۔ یہ تمام جہاز اسلحہ اور جنگی ساز و سامان سے لدے ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی اس قدر بڑے پیمانے پر جنگی تیاریوں اور شام کی طرف روانگی کی اطلاعات ملیں تو آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

”تمہارے پاس جو شامی لشکر ہے، اسے لے کر روانہ ہو جاؤ۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے۔ دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ابی سرح کو لکھا:

”تم مصر کا لشکر لے کر سمندر میں اترو۔“

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کے گورنر تھے۔ آپ نے ایک خط حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ کو بھی لکھا۔ آپ نے انھیں لکھا:

”تم ان دونوں لشکروں کی مدد کرو۔“

اس حکم کے مطابق مصر اور شام کی فوجیں بڑے سازوسامان اور اسلحے کے ساتھ عکا شہر پہنچیں۔ یہاں دونوں نامور بحری سپہ سالاروں کی مشترکہ قیادت میں پانچ سو جہازوں کا بیڑہ سمندر میں روانہ ہوا۔ ان جہازوں پر گھوڑے، ہر قسم کا اسلحہ اور سازوسامان بڑی تعداد اور مقدار میں لدوایا گیا تھا۔

اسلامی فوج سمندر میں اتری ہی تھی کہ قیصرِ روم کے جنگی بیڑے سے اس کا سامنا ہو گیا۔

اس وقت کی خاص بات یہ تھی کہ ہوا بہت تند اور تیز چل رہی تھی۔ مسلمانوں نے رومی بیڑے کی طرف دیکھا تو وہ کالی گھٹا کی مانند سامنے کھڑا نظر آیا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں نے نہایت خلوص سے اللہ سے دعا کی۔ ان پر عاجزی طاری تھی اور وہ اللہ کے حضور گڑگڑا رہے تھے۔ اسلامی لشکر نے لنگر ڈالے تو سامنے ہی رومی لشکر نے لنگر ڈال دیے۔ ایسے میں ہوا رک گئی۔ تاریکی گہری ہو گئی۔ مسلمانوں نے وہ رات قرآنِ کریم کی تلاوت اور ذکر میں ہی گزاری جب کہ دوسری طرف رومی تمام رات شراب پینے اور ناچ گانے میں مصروف رہے۔

صبح ہوئی تو دونوں طرف جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ اس موقعے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی نے شہنشاہ روم کو یہ پیغام بھیجا:

”اگر آپ مناسب سمجھیں تو دونوں لشکر ساحل پر چل کر یہ جنگ کر لیتے ہیں۔ جو کمزور ہوگا، وہ شکست کھا جائے گا۔“

رومی شہنشاہ نے اس پیش کش کو ماننے سے انکار کر دیا اور یہ پیغام بھیجا:

”اب ہماری اور مسلمانوں کی تقدیر کا فیصلہ سمندر ہی میں ہوگا۔“

آخر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ صف بندی شروع ہوئی۔ نیزے، تلواریں، تیر کمان سب کے ہاتھوں میں تھے۔ ان حالات میں غضب کی جنگ شروع ہوئی۔ یہ اس قدر شدید جنگ تھی کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ نیزہ بازی اور تیر اندازی کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ تلواروں اور خنجروں کی دست بدست جنگ شروع ہو گئی تھی۔

دونوں طرف کے جانبازوں کا اس قدر خون بہا کہ سمندر کا پانی سرخ ہو گیا۔ لاشوں کے ٹیلے بن گئے۔ جنگ ابھی جاری تھی کہ اچانک شہنشاہ روم کے سر پر زخم آ گیا۔ ساتھ ہی سینے پر بھی کئی زخم آئے۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹا۔ اس نے اپنے بیڑے کا لنگر دکھایا اور بھاگ نکلا۔

اسے بھاگتے دیکھ کر رومیوں کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور اس طرح بھاگے کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ اب مسلمانوں کا بیڑہ فتح کے پرچم اڑاتا عکا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سعد نے فتح کی خبر کا خط لکھ کر مدینہ منورہ روانہ کیا۔ آپ نے فتح کی خوش خبری کا خط پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا اور مسلمانوں کے درمیان خوشی کا اظہار فرمایا۔

بحری جنگ کے لحاظ سے اس جنگ کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ بحری زبان میں یہ جنگ ”ذو الصواری“ کے نام سے مشہور ہے، یعنی مستونوں کی جنگ۔ دراصل اس وقت رومی حکومت بحری بیڑے کے لحاظ سے بہت نمایاں تھی اور اسے مسلمانوں پر بحری لحاظ سے برتری حاصل تھی۔ رومیوں کی شکست نے بحری برتری ختم کر دی اور اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کی بہت عظیم فتح تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سعد دونوں نے اس کے بعد کئی چھوٹے چھوٹے علاقے بھی فتح کیے۔

○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران کے بڑے بڑے شہر فتح ہو گئے تھے۔ ان میں ایک شہر اصطخر تھا۔ اصطخر ایک مشہور شہر تھا۔ ایران کے صوبے فارس کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ اس پورے صوبے کا حاکم مہرزبان نام کا ایک مجوسی سردار تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد 29 ہجری میں اس شہر کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ دراصل ان کا خیال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اسلامی حکومت کمزور ہو گئی ہے، لہٰذا ایسے میں بغاوت کی جا سکتی ہے۔ اس شہر کی بغاوت کی اطلاع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو لکھا:

”ماہک بن شاہک تیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوا ہے۔ مسلمانوں کے قبضے میں جو علاقے ہیں، وہ پھر ان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، لہٰذا تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور فارس سے لے کر خراسان تک کے تمام شہر فتح کرو۔“

حضرت عبداللہ بن عامر اس وقت بصرے کے گورنر تھے۔ حکم ملتے ہی آپ بصرے سے روانہ ہوئے۔ فارس کے قریب پہنچے تھے کہ صحرائے اصطخر میں دشمن ان کے سامنے آ گیا۔ (جاری ہے)

اِسلامی جنگیں

عبداللہ فارانی

صبح سویرے جنگ شروع ہوئی اور ظہر کے وقت تک زبردست جنگ ہوئی۔ آخر ماہک شکست کھا کر بھاگا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ یزید بن حکم ازدی تعاقب کرتا اس کے نزدیک پہنچ گیا، اس نے تلوار بلند کی ہی تھی کہ ماہک چلا اٹھا:

''امن امن!''

ساتھ ہی اس نے اپنا تاج اتار کر یزید کی طرف پھینک دیا۔ یزید نے تاج اٹھالیا اور ماہک کو عبداللہ بن عامر کے سامنے پیش کر دیا۔ جزیہ ادا کرتے رہنے کی شرط پر عبداللہ بن عامر نے اسے اصطخر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اصطخر فارس کا سب سے بڑا مرکزی شہر تھا۔ اس کے فتح ہوتے ہی مسلمانوں کا فارس پر قبضہ ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن عامر نے اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق خراسان کا رخ کیا۔ خراسان کی سرحد پر پہنچ کر مجاشع مسعود کو کرمان کا گورنر مقرر کیا اور انھیں ایک ہزار سوار فوج کے ساتھ ادھر روانہ کر دیا۔ خود خراسان کی طرف بڑھے۔ ہراول دستے کا انچارج احنف بن قیس کو مقرر کیا۔ لشکر نیشاپور پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے مقابلہ کیا۔ جنگ جاری تھی کہ ایک امیر کناریک نے عبداللہ بن عامر کو پیغام بھیجا کہ آپ مجھے جان کی امان دے دیں تو میں نیشاپور کی فتح میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ عبداللہ بن عامر نے یہ بات منظور کر لی۔ اس کے بعد طوس کا امیر ایک لشکر لے کر عبداللہ بن عامر کی خدمت میں آ گیا۔

اب دونوں لشکر نیشاپور کی طرف بڑھے۔ نیشاپور کا بادشاہ اسوار ایک بڑا لشکر لے کر مقابلے پر آیا۔ جنگ شروع ہوئی اور کئی روز تک جاری رہی۔ آخر اسوار نے جان کی امان لے کر شہر کے دروازے کھول دیے۔ عبداللہ بن عامر نے نیشاپور پر قبضہ کر لیا۔ طوس کے امیر کناریک نے چونکہ مسلمانوں کی مدد کی تھی اور وفاداری نبھائی تھی، اس لیے اسے نیشاپور کا امیر مقرر کر دیا گیا۔

نیشاپور کے بعد مرو تھا۔ اس کے لوگوں نے جب نیشاپور کی فتح کی خبر سنی تو وہ ہمت ہار بیٹھے اور صلح کی پیش کش کی۔ عبداللہ بن عامر نے ان کی پیش کش منظور کر لی۔ تین لاکھ سالانہ جزیے پر صلح ہوگئی۔ مرو کا امیر عبداللہ بن عوف حنظلی کو مقرر کر دیا گیا۔

مرو کی فتح کے بعد ہرات کا بادشاہ کشمود عبداللہ بن عامر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا:

''میں اس شرط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں کہ ہرات اور فوشنج دونوں اس کے قبضے میں رہنے دیے جائیں، وہ ہر سال ایک لاکھ درہم بطور جزیہ ادا کرتا رہے گا۔''

قدم بہ قدم

عبداللہ بن عامر نے یہ بات منظور کر لی اور اسے تحریر لکھ دی۔ اس کے بعد سرخس کا حکمران عبداللہ بن عامر کے پاس آیا۔ اس نے بھی یہ بات کہی۔ عبداللہ بن عامر نے اس کی بات بھی منظور کر لی۔ اس طرح باری باری نسا اور ابیورد کا حکمران، فاریاب اور طالقان کا فرماں روا، اداد یہ اوران کے آس پاس کے علاقوں کے حاکم عبداللہ بن عامر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے سالانہ جزیہ دینے پر رضا مندی ظاہر کی۔ عبداللہ بن عامر نے ان کی شرائط بھی مان لیں۔ اس طرح ان سب علاقوں پر ان لوگوں کی امارت کو برقرار رکھا گیا اور اس لحاظ سے یہ علاقے بھی اسلامی حکومت کے زیر سایہ آ گئے۔

ان علاقوں کے بعد سیستان اور کابل کی باری آئی۔ سیستان حضرت عمر کے آخری دنوں میں فتح ہو چکا تھا، لیکن حضرت عثمان کے زمانے میں جو بغاوت ہوئی، اس میں سیستان بھی شامل تھا، یعنی وہاں بھی بغاوت ہوئی۔ عبداللہ بن عامر نے فارس اور خراسان کی مہمات سے فارغ ہونے کے بعد سیستان کی طرف توجہ کی۔ اپنے چچا زاد بھائی عبدالرحمٰن بن سمرہ بن جندب ایک لشکر کے ساتھ سیستان کی مہم پر روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن شہر کے قریب پہنچے تو شہر والوں نے مقابلہ کیا۔ دونوں طرف سے سخت جنگ ہوئی۔ آخر کار اسلامی لشکر فتح یاب ہوا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن سمرہ نے لشکر کے مشورے سے کابل کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر شہر کے باہر میدان میں پڑاؤ کیا۔ کابل کا بادشاہ ایک لشکر جرار لے کر شہر سے نکلا۔ اس کا نام اعرج تھا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ شدید جنگ ہوئی، لیکن فتح اور شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ اعرج اپنی فوج واپس قلعے میں لے آیا۔ اب اس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جب موقع ملتا، قلعے سے باہر آ جاتا اور جنگ چھیڑ دیتا۔ پھر قلعے میں چلا جاتا ہے۔ ایک سال تک یہی ہوتا رہا۔ اسلامی لشکر

مشکلات میں گھر ا رہا۔ آخر عبدالرحمٰن نے لشکر کو لے کر ایک بھرپور حملہ کیا اور یہ ٹھان کر کیا کہ فتح ہو یا شکست، فیصلے کے بغیر جنگ بند نہیں کریں گے۔ بس اس روز مسلمانوں کو فتح ہوگئی۔ کابل کا بادشاہ اعرج گرفتار ہوا۔ اسے عبدالرحمٰن کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ عبدالرحمٰن نے اس کی حیثیت کے مطابق اس کا احترام کیا۔

عبدالرحمٰن نے فتح کی خبر عبداللہ بن عامر کو بھیج دی، ساتھ میں مالِ غنیمت کا حساب کر کے پانچواں حصہ عبداللہ بن عامر کی طرف روانہ کیا۔ خود اپنے لشکر کے ساتھ کابل میں ٹھہرے۔

اس کے ساتھ ہی ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ وہ ایسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کا آخری حکمران یزدگرد مدائن کی شکست کے بعد بھاگ کر حلوان چلا گیا تھا۔ حلوان سے بھاگ کر اصفہان آیا۔ اصفہان فتح ہوگیا تو اصطخر پہنچا۔ اصطخر فتح ہوا تو یہ وہاں سے کرمان چلا گیا۔ کرمان میں بھی حالات خراب نظر آئے تو سیستان چلا گیا۔ سیستان سے خراسان پہنچا اور آخر خراسان کے شہر مرو میں اسے موت نے آلیا۔

اس طرح بارہ سو سال سے قائم ایرانی حکومت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوگیا۔ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک بہت اہم کارنامہ ہے۔

O

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آذربائی جان اور آرمینیہ فتح ہوگئے تھے۔ یہ دونوں شہر روس کے علاقے میں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد ان دونوں شہروں میں بغاوت ہوگئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے باغی ہونے کا پتا چلا تو آپ نے فوراً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام حکم بھیجا کہ ان کا بندوبست کریں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے نامور سالار حبیب بن مسلمہ فہری کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ فوج دے کر بھیجا۔ حبیب بن مسلمہ فوج لے کر روانہ ہوئے۔

شمشاد کے قریب خبر ملی۔

"ان علاقوں کا حکمران مرزبان تیس ہزار فوج کے ساتھ شمشاد میں موجود ہے۔"

حبیب بن مسلمہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال سے باخبر کیا۔ انھوں نے حضرت عثمان کو لکھا۔ آپ نے کوفے کے گورنر عقبہ بن معیط کو یہ حکم بھیجا:

"تم دس ہزار مجاہدین کا ایک لشکر سلمان بن ربیعہ باہلی کی قیادت میں حبیب بن مسلمہ کی مدد کے لیے بھیجو۔"

ولید بن عقبہ نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس لشکر کے سالار خود عقبہ بن معیط تھے۔ اس لشکر کا وہاں پہنچنا تھا کہ آذربائی جان فتح ہوگیا۔

اب سلمان بن ربیعہ باہلی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام بھیجا:

" آرمینیہ کی طرف بڑھو۔"

سلمان بن ربیعہ باہلی اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں آنے والے چھوٹے بڑے شہر اور قلعے فتح کرتے ہوئے جب یہ بلنجر ایک شہر تک پہنچے تو ان علاقوں کا بادشاہ تین لاکھ کا لشکر ان کے مقابلے میں لے آیا جب کہ مسلمان صرف دس ہزار تھے۔ تین لاکھ کا بھلا دس ہزار سے کیا مقابلہ۔ پھر بھی مسلمان نہایت دلیری سے لڑے اور اس قدر مردانہ وار جنگ کی کہ لڑتے لڑتے سب کے سب شہید ہوگئے۔ ان میں ایک بھی نہ بچا۔

ان سب شہدا کی قبریں آج تک بلنجر میں موجود ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سانحے کی اطلاع ملی تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اس قدر بے چین ہوئے کہ رات کی نیند اڑ گئی۔ آپ نے حبیب بن مسلمہ کو حکم بھیجا:

"آرمینیہ کا رخ کرو۔"

حبیب بن مسلمہ صرف چھ ہزار کا لشکر لے کر اس طرف روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں سوار بھی تھے اور پیدل بھی۔ راستے میں جو شہر اور قلعے ملتے گئے، یہ انھیں فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ ایک شہر سراج تک پہنچ گئے۔ یہ شہر آرمینیہ ہی کا ایک حصہ تھا۔ (جاری ہے)

اسلامی جنگیں

117

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

سرحد کے حاکم نے اسی ہزار درہم سالانہ جزیے پر صلح کرلی۔ حبیب بن مسلمہ نے اسی شہر کو اپنا ہیڈکوارٹر بنایا اور یہیں سے رفتہ رفتہ آرمینیہ کے مختلف علاقوں میں فوجی دستے بھیج کر ان پر قبضے کرتے رہے یہاں تک کہ پورا آرمینیہ ہی مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مراکش سے لے کر مشرق میں کابل تک کا پورا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہوگیا۔ فارس کی فتح کے بعد دور دراز علاقے خراسان کی باری آئی۔ وہ بھی فتح ہوگیا۔ اس کے علاوہ بلوچستان کا ساحلی علاقہ مکران بھی فتح ہوگیا۔ اس فتح نے عربوں کو ہندوستان کی سرحد پر پہنچا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عراق کے گورنر عبداللہ ابن عامر کو حکم بھیجا تھا:

"ہندوستان کی سرحدی طرف کسی ایسے شخص کو روانہ کرو، جو اس ملک کے حالات سے باخبر ہو۔ جب وہ واپس آئے تو اسے میرے پاس بھیج دیا جائے۔"

اس حکم کے مطابق عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان بھیجا۔ جب یہ واپس آئے تو عبداللہ بن عامر نے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ حکیم بن جبلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے ہندوستان کے حالات سنے، لیکن آپ ہندوستان پر چڑھائی کا حکم نہ دے سکے، کیونکہ انہی دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فسادیوں نے اپنی مہم شروع کردی اور آپ اس فساد کی لپیٹ میں آگئے۔ تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کا عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ آپ کے دور میں بحری جنگوں کا آغاز ہوا۔ بحری بیڑہ تیار ہوا اور سمندر میں بھی مسلمانوں نے رومیوں کو شکست پر شکست دی۔

اس موڑ پر آکر اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور یہ سب عبداللہ ابن سبا یہودی کی سازشوں سے ہوا۔ عبداللہ ابن سبا کی سازشوں نے اسلام کو عظیم نقصانات پہنچائے۔ یہ شخص یہودی تھا۔ یمن کا رہنے والا تھا۔ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا۔ ظاہر ہے، یہ اعلان اس کی سازشوں کی بنیاد تھا۔ عبداللہ ابن سبا کی تحریک دراصل اسلام کے خلاف یہودیوں کی بہت گہری سازش تھی۔ یہ شخص نام کا مسلمان تھا۔ اس نے سب سے پہلی خرابی یہ کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنا شروع کیا، وہ خدا ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا:

"ایک زمانہ آئے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں پھر ظہور ہوگا۔"

وہ کہتا تھا:

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو اور نبی آخر الزماں کا نہ ہو۔"

یہ شخص کہتا تھا:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ناجائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق چھین لیا ہے۔" اپنی اس بات کو پھیلانے کے لیے یہ شخص حضرت عثمان کی خلافت میں بہت عیب بیان کرتا پھرتا تھا۔ یہ شخص یہ تمام کام خفیہ طور پر کرتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ سب سے پہلے حجاز گیا۔ پھر کوفے گیا اور اس کے بعد اس نے بصرے کا سفر کیا۔ مصر کے بعد دمشق پہنچا۔ یہاں کے لوگوں نے دمشق سے نکال دیا تو مصر کا رخ کیا۔ بعض وجوہات کی وجہ سے اس کی تحریک زور پکڑنے لگی۔ لوگ اس کے ہم خیال ہونے لگے۔

ہم یہ تفصیل اس لیے بیان کررہے ہیں کہ آخر کار اس کی سازشوں کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور اس کے بعد عالم اسلام کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ سب اس کی انہی سازشوں کی بنیاد پر ہوا۔

عبداللہ ابن سبا نے اپنی ان کوششوں اور پروپیگنڈے کے بل پر اپنے ماننے والوں کا ایک حلقہ بنالیا تھا۔ یہ لوگ اصل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش میں مصروف تھے۔ آخر ان کی سازشیں رنگ لائیں۔ باغیوں کا ایک گروہ مدینہ منورہ پہنچ آیا۔ وہ دن حج کے تھے۔ قریب قریب تمام لوگ حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں بہت کم لوگ تھے۔

باغیوں کا یہ گروہ تین شہروں بصرہ، کوفہ اور مصر سے آیا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد ڈھائی اور تین ہزار

کے قریب تھی۔ اپنے اپنے شہروں سے یہ ٹولیوں کی شکل میں چپ چاپ نکلے تھے۔ کسی کو ان پر شک نہ ہو سکا۔ بعد میں مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر سب اکٹھے ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے ان لوگوں نے مدینہ منورہ کے لوگوں کے خیالات جاننے کی کوشش کی، چنانچہ انھوں نے دو آدمیوں کو بھیجا۔ یہ دو آدمی زیاد بن نضر اور عبداللہ بن الاصم تھے۔ ان دونوں نے مدینہ منورہ میں حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنھم وغیرہ سے ملاقات کی۔ امہات المومنین رضی اللہ عنھم سے بھی ملے۔ ان حضرات سے انھوں نے کہا:

"ہم لوگ اس لیے آئے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے استعفیٰ لیں، کیونکہ ان کے بعض گورنروں نے بہت اندھیر مچا رکھا ہے۔"

یہ سن کر سب حضرات نے کہا:

"تم لوگ بالکل غلط ہو۔ ہم تمھیں مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔"

یہ دونوں واپس آئے اور اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ مدینہ کے بڑے بڑے حضرات نے کیا جواب دیا ہے۔

اب یہ لوگ الگ الگ گروہ کی صورت میں حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے ملے اور ان سے کہا:

"ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔"

ان حضرات نے انھیں جھڑک دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبردار کرنے کے لیے اپنے صاحب زادوں کو ان کی طرف بھیج دیا۔ یہ لوگ پھر مدینہ منورہ سے باہر آ گئے اور تین میل کے فاصلے پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ اس انتظار میں کہ لوگ حج کے لیے چلے جائیں تو حملہ کریں گے۔

اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور بتایا:

"آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ ان لوگوں کے سامنے ایک تقریر کریں۔ ہو سکتا ہے، اس طرح یہ لوگ اپنے خطرناک ارادوں سے باز آ جائیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے ایک بہت پر اثر تقریر کی۔ آپ نے اس خطبے سے پہلے توبہ استغفار کیا۔ آپ نے ان سے یہ بھی کہا:

"آئندہ تم لوگوں کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ میرا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہے۔ جسے کوئی شکایت ہو، وہ بلا تکلف میرے پاس چلا آئے اور اپنی شکایت بیان کرے۔"

آپ نے یہ خطبہ اس قدر پر اثر انداز میں دیا کہ مدینہ کے لوگ رونے لگے۔ بہت سوں کی ہچکی بندھ گئی۔ مدینہ منورہ کے لوگ اس خطبے سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ اب یہ فتنہ ٹل جائے گا۔ سازش ختم ہو جائے گی جب کہ فتنہ پروروں میں بھلا اس کا کیا اثر ہو سکتا تھا، لہٰذا اس وقت تو یہ لوگ واپس چلے گئے، لیکن ایک دن اچانک مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ اچانک شور گونجا تو لوگوں کو پتا چلا کہ باغی پھر آ گئے ہیں۔ انھوں نے آتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنھم کو اطلاع ہوئی تو یہ تینوں حضرات مدینہ منورہ کے اور بہت سے لوگوں کے ساتھ ان لوگوں کے سربراہوں سے الگ الگ ملے۔ ان حضرات نے ان سے پوچھا:

"تم لوگ تو واپس چلے گئے تھے، پھر کیوں آ گئے؟"

ان لوگوں نے جواب دیا:

"ہم واپس چل پڑے تھے، لیکن راستے میں ہمیں ایک سوار ملا، ہم نے اسے چیک کیا تو اس کے پاس سے ایک خط ملا۔ ہم نے اس خط کو پڑھا تو اس میں خلیفہ نے مصر کے گورنر کو لکھا تھا کہ یہ لوگ جب مصر پہنچیں تو ان کے سربراہوں کو قتل کر دیا جائے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جب اس خط کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے صاف فرمایا:

"میں نے یہ خط ہرگز نہیں لکھا۔"

اب اس خط پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر بھی لگی ہوئی تھی اور مہر والی وہی انگوٹھی کنویں میں گر گئی تھی۔ اس کی تلاش میں کنویں کا سارا پانی نکلوا دیا گیا تھا، لیکن انگوٹھی نہیں ملی تھی۔ ظاہر ہے، وہ کسی سازشی نے چھپائی تھی اور اس موقعے پر جو جعلی خط لکھا گیا، اس پر مہر اسی گم شدہ انگوٹھی سے لگائی گئی تھی، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس خط کے لکھنے سے صاف انکاری تھے اور اگر انھوں نے وہ خط لکھا ہوتا تو ہرگز انکار نہ کرتے۔ ثابت ہوا، یہ بلوائیوں کی سازش تھی۔ ان لوگوں نے حضرت علی اور محمد بن مسلمہ سے کہا:

"ہم آپ کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ان سے ملاقات کا انتظام کر دیں۔" انھوں نے کہا:

"ٹھیک ہے! ہم ملاقات کا انتظام کر دیتے ہیں۔"

اسی دن یا دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد یہ ملاقات ہوئی۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

اس ملاقات کے موقعے پر ان فتنہ پردازوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس طرح سلام نہیں کیا جس طرح ایک خلیفہ کو کرنا چاہیے تھا، بہر حال گفتگو شروع ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن عدیس مصر کے لوگوں کا لیڈر تھا۔ اس نے کہا:

''ہمیں مصر کی گورنری کے لیے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح پسند نہیں۔ آپ نے اور جن لوگوں کو عہدوں پر مقرر کیا ہے، وہ بھی ہمیں پسند نہیں، آپ ان سب کو معزول کر دیں اور جن لوگوں کے نام ہم بتاتے ہیں، انھیں مقرر کر دیں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس طرح تو حکومت تم لوگوں کی ہوگی۔ میرے ہاتھ میں نہیں، اس لیے میں تم لوگوں کا یہ مطالبہ نہیں مان سکتا۔''

اس پر عبدالرحمٰن بن عدیس نے کہا:

''ہم پہلے بھی آئے تھے، لیکن صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ہمیں یہ یقین دلایا تھا کہ ہماری شکایات دور کر دی جائیں گی، اس لیے ہم مطمئن ہو کر واپس چل دیے تھے، لیکن راستے میں آپ کا بھیجا ہوا ایک پیغامبر ملا۔ اس کے پاس ایک مہر لگا ہوا خط تھا۔ وہ خط مصر کے گورنر کے نام تھا۔ اس خط میں آپ نے گورنر مصر کو حکم دیا ہے کہ ہم سب جب وہاں پہنچیں تو ہمیں قتل کر دیا جائے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا:

''میں نے وہ خط ہرگز نہیں لکھا۔''

اس کے جواب میں عبدالرحمٰن بن عدیس نے کہا:

''کچھ بھی ہو، آپ ہمارے نزدیک خلافت کے حق دار نہیں ہیں، لہٰذا آپ خلافت چھوڑ دیں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں وہ قمیص نہیں اتاروں گا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔'' (یعنی خلافت مجھے اللہ تعالیٰ نے دی ہے، تم لوگوں کے کہنے پر میں اسے چھوڑ نہیں سکتا)

اس پر مصری وفد کے سردار نے کہا:

''ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک آپ کو خلافت سے نہیں ہٹا دیتے ... یا آپ کو قتل نہیں کر دیتے اور اگر آپ کے ساتھیوں نے ہمارا راستہ روکا تو ہم ان سے جنگ کریں گے ... یہاں تک کہ ہم آپ تک پہنچ جائیں گے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے قتل ہو جانا منظور ہے، خلافت سے دست بردار ہونا منظور نہیں، رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم میرے ساتھیوں سے جنگ کرو گے تو میں انھیں کسی شخص سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دوں گا۔''

اس طرح بات ختم ہوگئی۔ مصری وفد وہاں سے واپس آ گیا۔ اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا:

''آپ مصر کے لوگوں کو میری طرف سے مطمئن کریں کہ ان کی جائز شکایات اور مطالبات پر غور ہوگا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ لوگ میری بات نہیں مانیں گے۔''

یہ کہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے آئے ... اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک دن جمعے کی نماز کے لیے مسجدِ نبوی میں تشریف لائے۔ یہاں مصری وفد موجود تھا۔ معمول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے اور مصری وفد کی طرف منہ کر کے فرمایا:

''اے دشمنو! اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرو! مدینہ منورہ کے لوگ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں لعنتی ہو۔ پس تم لوگوں نے جو خطائیں کی ہیں، نیک اعمال کر کے ان کا ازالہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ نیکیوں کے ذریعے گناہوں کو ختم کرتے ہیں۔''

آپ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ محمد بن مسلمہ فوراً بول اٹھے:

''آپ نے بالکل سچ فرمایا، میں اس کا گواہ ہوں۔''

جونہی محمد بن مسلمہ نے یہ کہا، مصری وفد کے ارکان مدینہ منورہ کے لوگوں سے جھگڑ پڑے۔ مصریوں نے کنکر پتھر اٹھا کر مدینہ منورہ کے لوگوں پر پھینکے۔ اس پتھراؤ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوگئے اور اس کے بعد بے ہوش ہوگئے۔ آپ کو اسی حالت میں گھر پہنچایا گیا۔

صحابہ کرام میں سے حضرت زید بن ثابت، حضرت سعد بن مالک، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنھم وہاں موجود تھے۔ انھوں نے

مصریوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا، لیکن اس وقت تک مصری مسجد سے نکل کر جا چکے تھے۔ صحابہ کرام نے مصریوں کا تعاقب کرنا چاہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے کہلا بھیجا:

''مصریوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔''

حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنھم کو اس واقعے کا علم ہوا تو حضرت عثمان کی مزاج پرسی کے لیے آئے۔ انھوں نے اس واقعے پر افسوس کیا۔

اس واقعے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مصری لوگ فتنہ اور فساد برپا کرنے کی ٹھان چکے تھے ... اور وہ ہر حالت میں ایسا کر کے رہیں گے ... اسی لیے اس بارے میں کچھ سوچنے کی ضرورت تھی، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں اور فوج کے امرا وغیرہ کو خطوط لکھے ... انھیں صورتِ حال سے خبردار کیا ... اور امداد طلب کی ... لیکن اس امداد طلب کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان کے لیے فتنہ پرداز کسی مسلمان کی جان نہ لیں ... خون ریزی نہ ہو ... جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ سب لوگ آئیں گے تو باغی جان بچانے کے لیے بھاگ جائیں گے ...

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حکم ملنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ معاملات میں الجھے ہونے کی وجہ سے فوراً مدد روانہ نہ کر سکے۔ کچھ تاخیر سے حبیب بن مسلمہ فہری اور بصرے سے مجاشع بن مسعود سلمی لوگوں کی بڑی تعداد کے ساتھ روانہ ہوئے، لیکن یہ حضرات مدینہ منورہ سے ابھی تین میل کے فاصلے پر تھے کہ انھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کر دیے جانے کی اطلاع ملی۔ مطلب یہ کہ یہ امداد وقت پر مدینہ منورہ نہ پہنچ سکی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان خطوط کے علاوہ مختلف شہروں کے لوگوں کے نام بھی پیغامات ارسال فرمائے۔ ان پیغامات کا مقصد یہ تھا کہ باغیوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ صرف وہی لوگ فتنہ برپا کر رہے ہیں اور کسی کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اور بات تھی بھی یہی ... تمام صحابہ اور تمام مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وفادار تھے۔

ان پیغامات میں شرپسندوں کے بارے میں وضاحت کی گئی تھی ... جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام شہروں میں پڑھ کر سنایا گیا تو لوگوں میں بہت جوش پیدا ہوا ... شام سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ، فہری، مصر سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے معاویہ بن حدیج سکونی کو روانہ کیا۔ کوفے کی طرف سے قعقاع بن عمر روانہ ہوئے ... ان کے علاوہ کوفے، بصرے اور اردن میں جو صحابہ اور تابعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وفادار اور حامی تھے، یہ سب مدینہ منورہ جانے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن جب ان حضرات نے دیکھا کہ گورنروں نے مدینہ منورہ کی طرف دستے روانہ کیے ہیں تو یہ لوگ رک گئے ...

تقریباً ایک ماہ تک باغی گروہ پڑاؤ ڈالے پڑا رہا ... اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے جاتے رہے ... لیکن جونہی انھیں اطلاعات ملیں کہ تین شہروں سے مسلمان ان کے خلاف روانہ ہوئے ہیں تو ان فسادیوں نے آپ کو مسجد میں آنے سے بھی روک دیا ... اور اعلان کر دیا:

''اب ان کا سردار امیر غافقی نماز پڑھائے گا۔''

یہ لوگ جو سختی پر اتر آئے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ باغیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خطوط لکھنے کا علم ہوا تھا ... دوسرے یہ کہ حج کے دن بھی ختم ہونے والے تھے، اس لیے ان لوگوں نے سوچا کہ حاجیوں کی واپسی سے پہلے پہلے اپنا منصوبہ مکمل کر لینا چاہیے، ورنہ ان کے لیے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا ... اسی بنیاد پر باغیوں نے اب محاصرہ شدید کر دیا تھا ... اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھر میں قید ہو کر رہ گئے ... ان حالات میں باغیوں نے آپ کے گھر میں گھسنے کی کوشش کی ... لیکن چھ سو کے قریب جانثار پہرہ دے رہے تھے ... ان میں اکابر صحابہ، تابعین شامل تھے ... حضرت حسن بن علی، حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھم بھی شامل تھے ...

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب سے خلیفہ بنے تھے، اس وقت سے ہر سال امیر المومنین کی حیثیت سے حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے ... اس موقعے پر آپ تمام گورنروں اور عاملوں کو بلاتے تھے ... ہر ایک سے اس کے صوبے کے حالات پوچھتے تھے ... لوگوں کے دکھ درد معلوم کرتے تھے ... اس طرح پوری ریاست کے حالات سے باخبر رہتے تھے ... لیکن اس سال آپ حج پر نہیں جا سکے تھے ... اپنی جگہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، آپ نے ان سے فرمایا تھا:

''اس مرتبہ تم میری طرف سے حج کے لیے جاؤ۔''

انھوں نے عرض کیا تھا:

''ان باغیوں سے جہاد کرنا میرے نزدیک حج کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا تھا:

''نہیں تم حج کے لیے چلے جاؤ۔''

اس پر وہ حج کے لیے چلے گئے تھے ... باغیوں نے جب گھیرا تنگ کر دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حجت تمام کرنے کے لیے ان سے خطاب فرمانے کا ارادہ فرمایا: (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

119

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

آپ نے ان سے فرمایا:

''میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، سچ کہو، کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یہ رومہ کنواں خرید کر اس کا پانی تمام مسلمانوں کے لیے وقف نہیں کر دیا تھا۔''

یہ سن کر سب نے کہا:

''ہاں! ایسا ہی ہے۔''

پھر آپ نے فرمایا:

''مسجدِ نبوی تنگ تھی، اس میں سب نمازی نہیں سما سکتے تھے۔ کیا میں نے اس کے ساتھ والی زمین خرید کر اسے وسیع نہیں کر دیا۔''

سب نے کہا:

''ہاں! ایسا ہی ہے۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اور کیا میں نے ایک مرتبہ اسلامی لشکر کی مکمل تیاری کا بندوبست نہیں کیا تھا اور کیا میرے اس کام سے خوش ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جنت کی بشارت نہیں دی تھی۔''

سب نے ایک آواز ہو کر کہا:

''ہاں! ایسا ہی ہے۔''

اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا:

''اے اللہ! تو گواہ رہ۔''

اس کے علاوہ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

''اور ایک مرتبہ جب حرا پہاڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور میں تینوں کھڑے تھے تو پہاڑ لرزنے لگا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یہ نہیں فرمایا تھا، اے حرا ٹھہر! اس وقت تیری پشت پر ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے۔''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زور دے کر پوچھا:

''لوگو! بتاؤ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا۔''

سب نے ایک آواز ہو کر کہا:

''ہاں! یہی بات ہے۔''

اس تقریر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ باغیوں کو جھنجوڑیں... انھیں احساس دلائیں کہ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں... لیکن ان لوگوں کے تو ضمیر مردہ ہو چکے تھے... اس لیے ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہر سوال کا جواب ہاں میں دینے کے باوجود اپنا مطالبہ نہ بدلا... یہی کہتے رہے کہ آپ کو خلافت چھوڑنا ہوگی... ورنہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے...

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر کے گورنر کو لکھے جانے والے خط کے بارے میں فرمایا:

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ خط میں نے نہیں لکھا تھا۔''

آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا:

''تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو... لیکن یہ تو بتاؤ... تمہارے پاس مجھے قتل کرنے کا جواز کیا ہے... میں نے تو کبھی اسلام لانے سے پہلے بھی شراب نہیں پی، زنا نہیں کیا، نہ کسی کو قتل کیا... اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر اس کے بعد تم کبھی آپس میں محبت سے نہیں رہو گے... آپس میں ہمیشہ لڑتے رہو گے... تم ایک جماعت کی حیثیت سے نہیں رہو گے... بکھر جاؤ گے۔''

ان لوگوں نے آپ کی ان باتوں کا بھی کوئی اثر نہیں لیا... ان حالات میں صورتِ حال بہت خطرناک ہو چکی تھی... آپ نے اعلان فرما دیا تھا:

''میری خاطر ان لوگوں سے جنگ نہ کی جائے۔''

اس وقت آپ کے گھر کے اردگرد جو جانثار آپ کی حفاظت کے لیے موجود تھے، انھوں نے آپ سے بار بار درخواست کی تھی کہ ان باغیوں سے جنگ کرنے کی انھیں اجازت دی جائے، لیکن آپ نے یہ اجازت نہیں دی تھی... اب باغیوں کو اطمینان تھا کہ ان پر تو حملہ ہوگا ہی نہیں... دوسری طرف حج کے دن ختم ہونے والے تھے... حج کے بعد مدینہ منورہ کے لوگوں کی آمد شروع ہو جاتی، اس بنا پر باغیوں نے سوچا کہ اپنا کام جلد کر ڈالیں... امیر المومنین پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالیں... تاکہ وہ حکومت چھوڑنے کا اعلان کر دیں...

اسی بنا پر محاصرہ شدید تر کر دیا گیا... اب صورتِ حال یہ تھی کہ مکان کے اندر سے کوئی شخص باہر نہیں آ سکتا تھا اور باہر کا کوئی آدمی ان باغیوں کی مرضی کے بغیر اندر نہیں جا سکتا تھا... انھوں نے یہی نہیں کیا، بلکہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پانی بند کر دیا...

ام المومنین امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر ملی تو آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے اٹھیں۔

آپ کے گھر پر آئیں، لیکن باغیوں نے انھیں بھی اندر نہ جانے دیا۔ آپ سے بہت بدتمیزی سے پیش آئے، آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر دیا۔ وہ نیچے گر گیا۔ موقعے پر جو چند لوگ موجود تھے، انھوں نے آپ کو ان باغیوں کے گھیرے میں سے نکالا۔

اس وقت مدینہ منورہ میں خوف و ہراس کا عالم تھا۔ اس قسم کے موقعوں پر خوف و ہراس تو پھیلا ہی کرتا ہے۔ بہت سے کمزور اور بوڑھے صحابہ اپنے گھروں میں دبک گئے۔ کچھ مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ان حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملنے کی کوشش کی۔ باغیوں نے ان کا راستہ بھی روک دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ اتار کر ایک قاصد کو دیا اور اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور فرمایا:

”جو حالت تم دیکھ رہے ہو، امیر المومنین سے عرض کر دینا۔“

ایسے میں یہ اطلاعات بھیجیں:

”عراق سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے جو فوج بھیجی گئی ہے، وہ مدینہ کے قریب پہنچ چکی ہے اور شام سے روانہ ہونے والی فوج بھی وادی قرا تک آ چکی ہے۔“

یہ خبر سن کر باغی پریشان ہو گئے۔ ان حالات میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے کے قریب آئے اور بلند آواز میں پکارے:

”امیر المومنین! انصار دروازے پر حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم پھر انصار بننے کے لیے حاضر ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اگر مقصد جنگ کرنا ہے تو میں اجازت نہیں دوں گا۔“

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ الفاظ فرمائے:

”میرا سب سے بڑا معاون اور مددگار وہ شخص ہوگا جو اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکے رہے۔“

اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے عرض کیا:

”امیر المومنین! جنگ کی اجازت دیں۔“

آپ نے فرمایا:

”ابوہریرہ! کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ مجھے اور سب لوگوں کو تہ تیغ کر دو۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”نہیں!“

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اگر تم نے ایک آدمی کو بھی قتل کیا تو گویا سبھی کو قتل کر دیا۔“

یہ سن کر حضرت ابوہریرہ لوٹ گئے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور زور دے کر بولے:

”آپ باغیوں سے جنگ کریں۔ اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کے لیے ان لوگوں سے جنگ کرنا حلال کر دیا ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی وہی جواب دیا اور جنگ کرنے کی اجازت نہ دی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی آئے اور بولے:

”آپ امت کے امام اور خلیفہ برحق ہیں۔ اس وقت جو صورتِ حال درپیش ہے، اس کے پیشِ نظر صرف تین صورتیں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک اختیار فرمائیے۔ ایک یہ کہ آپ کے پاس کافی طاقت ہے۔ اسے لے کر نکلیے اور دشمنوں کا مقابلہ کیجیے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، دوسری صورت یہ ہے کہ گھر کے صدر دروازے پر باغیوں کا ہجوم ہے، اسے چھوڑ کر ہم پچھلی طرف ایک دروازہ بنا دیتے ہیں۔ آپ اس سے نکل کر سواری پر بیٹھ کر مکہ معظمہ کی طرف چلیے۔ وہاں حرم میں لوگ جنگ نہیں کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ پچھلے دروازے سے نکل کر شام چلیے۔ وہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ شام کے لوگ وفادار بھی ہیں۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تینوں باتوں میں سے کسی بات کو ماننے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا:

”میں یہ مقابلہ نہیں کروں گا، کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کے ہاتھوں امت میں خوں ریزی ہو، میں مکہ بھی نہیں جاؤں گا، کیونکہ یہ فساد برپا کرنے والے وہاں بھی آ جائیں گے۔ رہا شام جانا، وہاں کے لوگ ضرور وفادار ہیں، لیکن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس نہیں چھوڑ سکتا، مدینہ منورہ سے جدائی کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔“ (جاری ہے)

گناہوں سے معافی کی مختصر دعا

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور رحم فرما اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“۔

(المؤمنون 118)

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دے کر دراصل امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی ہے کہ وہ بھی استغفار کریں۔

قدم بہ قدم

جوں جوں وقت گزر رہا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کی وجہ سے اپنی شہادت کا یقین ہوتا جا رہا تھا۔ آپ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی تھی۔

جس روز آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، آپ اس روز روزے سے تھے۔ روزے کی حالت میں نیند طاری ہوئی۔ نیند سے بیدار ہوئے تو فرمایا:

"میں نے نیم خوابی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے۔ آپ فرما رہے تھے، عثمان آج کا روزہ تم ہمارے ساتھ افطار کرنا۔" اس روز آپ نے بیس غلام آزاد کیے۔ ایک پاجامہ کسی وقت خریدا تھا، لیکن اسے پہنا نہیں تھا، اس روز وہ پہنا۔

آپ اپنے جان نثاروں کو ہتھیار اٹھانے سے منع کر چکے تھے۔ ادھر باغیوں نے جب یہ سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بھیجی گئی کمک قریب آ گئی ہے تو وہ طیش میں آ گئے۔ آپ کے گھر کے دروازے پر آئے اور اسے آگ لگا دی۔ اندر جو لوگ موجود تھے، آگ لگائے جانے پر باہر نکل آئے اور باہر موجود بلوائیوں سے الجھ پڑے۔ اس ٹکراؤ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم شدید زخمی ہوئے۔ کچھ لوگ شہید بھی ہوئے۔ آپ کے گھر کے ساتھ حضرت عمرو بن حزم کا مکان تھا۔ اس مکان کی ایک کھڑکی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں کھلتی تھی۔ دروازے پر جھڑپ جاری تھی کہ محمد بن ابی بکر اور چند ساتھی اس کھڑکی سے اندر داخل ہو گئے۔

وہ وقت عصر کا تھا۔ آپ کی بیوی نائلہ آپ کے پاس بیٹھی تھیں۔ آپ کے سامنے قرآن کھلا ہوا تھا اور آپ تلاوت کر رہے تھے۔ اس عالم میں محمد بن ابی بکر نے اندر آ کر آپ کی ڈاڑھی مبارک پکڑی اور بدکلامی کی۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"بھتیجے! میری ڈاڑھی چھوڑ دے۔ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو ہرگز اس بات کو پسند نہ کرتا۔"

اس پر محمد بن ابی بکر شرمندہ ہو کر باہر نکل گیا۔ تب کنانہ بن بشر نے لوہے کی سلاخ سے آپ پر وار کیا۔ آپ پہلو کے بل گر پڑے۔ آپ کی پیشانی سے خون بہہ کر ٹپکا اور کھلے ہوئے قرآن پر گرا۔ یہاں تک کہ آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وهو السميع العليم پر پہنچ کر خون رک گیا۔ سودان بن حمران نے آپ پر تلوار کا وار کیا تو آپ کی بیوی حضرت نائلہ نے اس کا وار اپنے ہاتھ پر روکا۔ اس وار سے ان کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ عمرو بن حمق نے آپ کے سینے پر چڑھ کر نیزے کا وار کیا۔ اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کو شہید کرنے کے بعد ان لوگوں نے آپ کے گھر کو لوٹا، جس کے ہاتھ جو چیز لگی، وہ لے گیا۔ یہ عظیم سانحہ عصر اور مغرب کی نماز کے وقت پیش آیا۔ اس روز ذی الحجہ کی 18 تاریخ تھی، سن 35 ہجری تھا۔

باغیوں نے مدینہ منورہ میں اس قدر خوف و ہراس پھیلا دیا تھا، گویا پورے شہر پر ان کا قبضہ ہے۔ لوگ گھروں میں بند تھے، کسی کو باہر نکلنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ آپ کا جنازہ رات کے وقت لے جایا گیا۔ جنازہ پچھلے دروازے سے باہر نکالا گیا، کیونکہ صدر دروازے پر بلوائی بدستور موجود تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ کا جنازہ بھی نہ لے جانے دیا جائے۔ جنازے میں ستر آدمی شامل تھے۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ جنازے میں صرف چار آدمی شریک تھے۔ یہ حضرات جنازے کو جنت البقیع میں لائے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ جنت البقیع کے پہلو میں حش کوکب نام کا ایک نخلستان تھا۔ یہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا۔ آپ کو وہاں اسی لباس میں دفن کیا گیا جو شہادت کے وقت آپ کے بدن پر تھا، یعنی کفن نہیں دیا گیا۔

اس وقت جنت البقیع اور حش کوکب کے درمیان میں ایک دیوار تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس دیوار کو گروا دیا اور حش کوکب کو جنت البقیع سے ملا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اس قدر دردناک واقعہ تھا کہ جس نے سنا، رونے لگا، آپ کی زندگی مبارک میں آپ پر جن لوگوں نے اعتراضات کیے تھے، وہ بھی رو پڑے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

"اے اللہ! تو گواہ رہ! میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج سے واپس تشریف لا رہی تھیں۔ انھیں راستے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! عثمان مظلوم قتل کیے گئے ہیں، ان کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ ضرور کروں گی۔''

پھر سیدہ عائشہ ذاتِ عرق (جگہ کا نام) پہنچ گئیں۔ ان کے ساتھ بے شمار لوگ تھے۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔ ان کے جذبات بھی سیدہ عائشہ جیسے تھے۔ آپ کی شہادت کی خبر سن کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر لوگ عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لیں گے تو ان پر آسمان سے پتھر برسیں گے۔''

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اب اسلام میں اتنا بڑا شگاف پیدا ہو گیا ہے کہ پہاڑ بھی اسے بند نہیں کر سکتا۔''

حضرت ثمامہ بن عدی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے صنعا کے گورنر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ تھے۔ انھیں شہادت کی خبر پہنچی تو رو پڑے۔ دیر تک روتے رہے، پھر بولے:

''امتِ محمد یہ سے خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ملوکیت کا دور دورہ ہوگا۔ زبردستی کی حکومت ہوگی۔ جو شخص جس چیز پر غالب آ جائے گا، اسے ہڑپ کر جائے گا۔''

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے۔ انھیں شہادت کی خبر ملی تو اللہ سے عہد کیا کہ اب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غم میں فلاں فلاں کام نہیں کریں گے۔ کبھی ہنسیں گے بھی نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حال تو یہ تھا کہ جب بھی یہ سانحہ یاد آ جاتا تھا، ہائے ہائے کر کے رونے لگتے تھے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے روتے دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ انھیں شہادت کی اطلاع ملی تو بے ساختہ بولے:

''آج عرب تباہ ہو گئے۔''

بہت سے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں آپ پر تنقید کرتے تھے، لیکن آپ کی شہادت کے بعد شرم سار ہوئے۔ عبداللہ بن حکیم بھی انھیں میں سے تھا۔ شہادت کی خبر سن کر کہنے لگا:

''اللہ کی قسم! اب میں کسی خلیفہ کے قتل میں مدد نہیں کروں گا۔''

کسی نے اس سے پوچھا:

''کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں تیرا بھی ہاتھ ہے۔''

جواب میں اس نے کہا:

''میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برائی کیا کرتا تھا، اس لیے میں اس بات کو قتل میں مدد خیال کرتا ہوں۔''

حضرت عمار بن یاسر مصریوں کے بہکاوے میں آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گئے تھے، لیکن اب کہتے تھے:

''جب ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ہم ان سے راضی تھے۔ پھر لوگوں نے انھیں قتل کیوں کیا۔''

حضرت زید بن صوحان رضی اللہ عنہ نے آپ کی شہادت کی خبر سن کر کہا:

''اب مسلمانوں کے دل قیامت تک ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے۔''

حضرت ام سلیم ایک صحابیہ ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

''اب مسلمانوں میں باہم خون خرابے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔''

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم نے عثمان کے ساتھ جو کچھ کیا، حق یہ ہے کہ تم پر احد پہاڑ گرایا جانا چاہیے۔''

ابومسلم خولانی رحمہ اللہ تابعی ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا انجام وہی ہوگا جو قومِ ثمود کا ہوا، کیونکہ خلیفہ کا قتل اونٹنی کے قتل سے کہیں زیادہ بڑی مصیبت ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر بہت سے شاعروں نے مرثیے بھی لکھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی مرثیہ لکھا۔ ایک شاعر اصمعی نے لکھا:

''عثمان دنیا کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ امن پسند تھے، تو کیا اب ان کے بعد بھی یہ امت خیر کی امید کر سکتی ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمان امت کے حالات ابتر ہو گئے۔ آپس کی جنگوں کا آغاز ہوا۔ باغیوں کے تین گروہ اگرچہ اکٹھے آپ کو قتل کرنے کے لیے آئے تھے، لیکن قتل کے بعد ان میں بھی آپس میں اختلاف ہوا۔ مصر کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ کوفے کے لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اور بصرے کے لوگ حضرت زبیر بن عوام کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک خارجی کے ہاتھوں شہید ہوئے، حضرت

ختم نبوت زندہ باد

☆ قرآن مجید کی ایک سو آیات سے ختم نبوت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سو دس احادیث میں ختم نبوت کا ذکر ہے۔

☆ مجاہدینِ ختم نبوت کے سالار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆ ختم نبوت کے پہلے شہید حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆ جو مدعی نبوت سے دلیل طلب کرے، وہ کافر ہے اور جو مدعی نبوت کے لیے استخارہ کرے وہ بھی کافر ہے۔ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ)

☆ قادیان مرزائیت کی جائے پیدائش، ربوہ اعصابی مرکز، تل ابیب تربیتی کیمپ، لندن پناہ گاہ، ماسکو استاد اور واشنگٹن اس کا بنک ہے۔
(آغا شورش کشمیری)

☆ قادیانیت یہودیت کا حربہ ہے۔ (علامہ اقبال)

طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ جنگِ جمل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی، اس میں تیرہ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ایک سال بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی۔ اس جنگِ صفین میں دونوں طرف کے ستر ہزار مسلمان مارے گئے۔ جنگِ صفین کے بعد ہی نہروان کی جنگ ہوئی۔ اس میں خارجیوں کے ساتھ نہایت خوں ریز جنگ ہوئی اور بڑی تعداد میں لوگ قتل ہوئے۔ غرض کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا پورا دور آپس کی جنگوں میں بسر ہوا۔ ان خانہ جنگیوں میں بڑی بھاری تعداد میں مسلمان قتل ہوئے۔ اتنے مسلمان ہلاک ہوئے کہ پہلے تین خلفا کے دور میں کفر اور اسلام کی تمام جنگوں میں کل ملا کر بھی شہید نہیں ہوئے تھے۔

یہی نہیں، آگے چل کر حضرت علی کے دو فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ پھر یزید بن معاویہ کے دور میں مسلم بن عقبہ نے مدینہ منورہ میں قتلِ عام کیا۔ اسے واقعہ حرہ کہا جاتا ہے۔

یہ تمام خوں ریزی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی وجہ سے ہوئی، بلکہ اس کے بعد بھی قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری رہا۔ تفصیلات آپ آئندہ اقساط میں پڑھیں گے۔ (باقی آئندہ)

اسلامی جنگیں

121

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا گیا۔ جب آپ سے بیعت کر لی گئی تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما آپ کے پاس آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بڑے بڑے حضرات بھی آئے۔ انھوں نے کہا:

''آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار کریں۔ ان سے قتل کا بدلہ لیں۔''

ان کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ ایک دو افراد نہیں ہیں۔ ان لوگوں کے بہت مددگار ہیں۔ فوری طور پر یہ کام انجام دینا ممکن نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئی ہی تھیں کہ آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کیے جانے کی خبر ملی۔ اس پر آپ واپس مکہ چلی آئی تھیں۔ ان دونوں حضرات نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا اور بصرہ آ گئے۔ یہاں پہنچ کر ان حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ شروع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مدینہ منورہ سے عراق روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا۔ یہ ابتدائی دور کے صحابی ہیں اور بدر میں شریک ہوئے تھے۔ احد کی جنگ میں ثابت قدم رہے تھے۔ آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔ انھیں قائم مقام بنا کر آپ روانہ ہوئے، پھر آپ نے انھیں بھی بلا لیا اور ان کی جگہ مدینہ منورہ پر ابوالحسن مازنی کو والی مقرر کیا۔ آپ نے راستے میں ذوقار کے مقام پر قیام کیا۔ یہاں سے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو کوفے والوں کے پاس بھیجا۔ انھیں پیغام بھیجا:

''وہ لوگ بھی ان کے ساتھ نکلیں۔''

کوفے کے نو ہزار لوگ آپ کے پاس پہنچ گئے۔ اب آپ ان سب کو لے کر بصرے پہنچے۔ وہاں حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

اس وقت بصرے کا حال یہ تھا کہ وہاں تین گروہ تھے۔ ایک گروہ تو غیر جانب دار تھا یعنی وہ ان دونوں فریقوں میں سے کسی کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ دوسرا گروہ حضرت علی کا طرف دار تھا اور تیسرا گروہ حضرت عائشہ، حضرت زبیر و حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کا طرف دار تھا۔

خانہ جنگی کی تیاریوں کو دیکھ کر پہلے گروہ نے کوشش کی کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں۔ جنگ ٹل جائے۔ آپس میں صلح ہو جائے۔ تمام نیک نیت لوگ یہی چاہتے تھے۔ خود حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی چاہتے تھے۔

دونوں لشکر نزدیک آ گئے تو سب نیک لوگوں نے صلح پر زور دیا، آخر صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔ دونوں طرف کے لوگوں کی یہی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو، آپس کے اختلافات بات چیت کے ذریعے طے ہو جائیں۔ بات چیت جاری رہی، یہاں تک کہ رات ہو گئی اور طے پایا کہ باقی بات چیت صبح ہو گی، چنانچہ دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔ سب لوگ آرام اور سکون سے سو گئے۔

جو نیک نیت لوگ تھے، وہ سب تو سو گئے، لیکن جو مسلمانوں کو آپس میں لڑانا چاہتے تھے، انھیں نیند کہاں آ سکتی تھی... وہ تو چاہتے تھے، بس مسلمانوں میں کسی طرح جنگ چھڑ جائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کی آپس میں لڑائیاں شروع ہو جائیں... اور صلح ہو جانے کی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو اپنی جانوں کا خوف تھا... بدلے میں انھیں قتل کیا جاتا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ کسی طرح دونوں فریق آپس میں لڑ پڑیں... اسی صورت میں ان کی جانیں بچ سکتی تھیں۔

اب ظاہر ہے، یہ لوگ وہی بلوائی تھے... جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چالیس دن تک گھیرے رکھا تھا اور انھی میں سے کچھ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا...

صلح ہونے کی صورت میں ہوتا یہ کہ تسلی سے معاملے کی تحقیقات کی جاتیں، قاتلوں کی نشان دہی ہو جاتی اور لوگ ان کے خلاف گواہیاں بھی دیتے اور انھیں قتل کے جرم میں قتل کر دیا جاتا۔

عبداللہ بن سبا کے لوگ دونوں طرف موجود تھے (طبقات ابن سعد اور اصول الدین عبدالقاہر بغدادی) یہی اصل سازشی لوگ تھے۔ مسلمانوں کو لڑانا ہی ان کا مقصد تھا (اور آج تک یہ لوگ اسی فارمولے پر عمل

ڈالیں) بس ایسے لوگوں نے رات کے وقت سوئے ہوئے لوگوں پر اچانک دونوں طرف حملہ کردیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی یہ سمجھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج نے ان پر حملہ کردیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھی یہ سمجھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی فوج پر حملہ کردیا ہے۔ دونوں طرف سے جنگ شروع ہوگئی۔ یوں بھی رات کا وقت تھا۔ اصل بات کا پتا چل ہی نہیں سکتا تھا۔ ان حالات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ پر سوار ہوگئیں، تاکہ فوج کو روک سکیں، لڑنے سے باز رکھ سکیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ساتھیوں کو روکنے کی پوری کوشش کی، لیکن اس وقت تک جنگ کی آگ بھڑک چکی تھی، رک نہ سکی۔ الٹا یہ ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج نے جیسے ہی آپ کو اونٹ پر سوار دیکھا تو خیال کیا کہ آپ جنگ پر آمادہ ہیں، لہٰذا وہ اور زیادہ جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج میں محمد بن طلحہ سوار فوج کے افسر تھے۔ عبداللہ بن زبیر پیدل فوج کے افسر تھے اور مجموعی طور پر پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

جنگ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

"اے ابو عبداللہ! کیا تمھیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا، کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو تو تم نے عرض کیا تھا، اے اللہ کے رسول! ہاں میں علی کو دوست رکھتا ہوں، یاد کرو، اس وقت تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا۔ کیا یہ نہیں فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔" (مستدرک حاکم)

یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہاں! مجھے یاد آگیا۔"

یہ کہہ کر حضرت زبیر لڑائی سے الگ ہوگئے۔

انھوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے کہا:

"اے پیارے بیٹے! علی نے مجھے ایک ایسی بات یاد دلا دی ہے کہ جنگ کا سارا جوش ختم ہوگیا ہے۔ بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، لہٰذا تم بھی جنگ سے باز آجاؤ اور میرے ساتھ چلو۔"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں تو میدان جنگ سے نہیں ہٹوں گا۔"

بیٹے کی بات سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اکیلے ہی میدان جنگ سے نکل آئے اور بصرے کی طرف چل پڑے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ سے نکل کر جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی بدل گیا۔ وہ بھی میدان جنگ سے نکل آئے۔ ان حالات میں ایک تیر کسی طرف سے آکر ان کے پاؤں کو لگا۔ زخمی حالت میں بھی انھوں نے سفر جاری رکھا۔ پھر آپ کی شہادت اسی زخم سے ہوئی۔

جنگ کے دوران عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے کی کئی بار کوشش کی، لیکن آپ کے جاں نثار ساتھی انھیں منہ توڑ جواب دیتے رہے، وہ لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جاں نثار ان کے راستے کی رکاوٹ بن گئے اور ان کی ایک نہ چلنے دی۔ ان کی لاشوں پر لاشیں گرتی رہیں، لیکن وہ آپ کی حفاظت سے نہ رکے۔ ان کی بہادری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ ان کی جاں نثاری کی وجہ سے جنگ طول پکڑتی جارہی تھی۔ دونوں فریقوں کا بہت نقصان ہورہا تھا۔ یہی حال رہتا تو نہ جانے نقصان کہاں تک پہنچتا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ایک گرتا تو دوسرا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی نکیل پکڑ لیتا۔ ان حالات میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے اونٹ کی نکیل پکڑی۔ یہ زخمی ہوئے تو ایک اور نے پکڑ لی۔ وہ بھی زخمی ہوئے تو ایک اور نے پکڑ لی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے 70 آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کردیا۔ (تاریخ طبری)

بصرے کا شہسوار عمرو بن جرہ بہت جوش سے لڑ رہا تھا۔ اسی طرح اور بھی لوگ بہت بہادری دکھا رہے تھے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوچا، جب تک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ نہیں بیٹھے گا، اس وقت تک یہ خون ریزی جاری رہے گی۔ یہ سوچ کر آپ نے ایک شخص کو اشارہ کیا کہ پیچھے سے جا کر اونٹ پر وار کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اونٹ زخمی ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوج ہمت ہار گئی۔ جنگ کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوگیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً اعلان کیا:

"بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دے، اسے امن ہے۔"

اس اعلان کے بعد آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ ان کا حال پوچھا۔ چند دن انھیں آرام و آسائش سے بصرے میں ٹھہرایا۔ پھر ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔ بصرے کی چالیس معزز عورتیں ان کے ساتھ روانہ کیں۔ رخصت کرتے وقت چند میل ان کے ساتھ گئے۔ ایک منزل تک اپنے صاحب زادوں کو ساتھ بھیجا۔ رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میرے بچو! ہماری آپس کی کشمکش غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علی میں کوئی جھگڑا نہیں تھا۔"

(جاری ہے)

جواہرات سے قیمتی

- آنکھ میں کوئی خوبی نہیں، اگر وہ نہ روئے۔
- اپنے آپ کو خود نصیحت کر، کسی کی نصیحت کا انتظار نہ کر۔
- اس شخص سے بچو جو اپنی برائیاں فخر کے ساتھ لوگوں میں بیان کرتا ہے۔
- علم سے آدمی کی وحشت دور ہوتی ہے۔
- ہمیں مسائل کو ایک ہی نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔
- کسی چیز کا حاصل کرنا اصل خوبی نہیں، اصل خوبی اسے عمدہ طریقے سے استعمال کرنا ہے۔
- ہمیں اپنے دوستوں میں خوبیاں تلاش کرنی چاہییں، واقف کاروں میں کردار اور دشمنوں میں دماغ۔
- جو شخص کوئی ایسی اچھی بات تم میں بیان کرے جو تم میں نہیں ہے، اس سے خبردار رہو، کیونکہ وہ کوئی ایسی بری بات بھی بیان کرے گا جو تم میں نہیں۔
- علم کو روٹی کمانے کا ذریعہ بناؤ، علم اپنا صلہ آپ ہے۔
- جو دوسروں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتا، دوسرے اس کے حالات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

ارسال کرنے والے: ظفر احمد سیال، سعدیہ ظفر احمد پوسیال

اسلامی جنگیں

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی بات کی تائید کی اور فرمایا:

''یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں۔ ان کی تعظیم اور توقیر ضروری ہے۔''

رجب 36 ہجری کو سیدہ عائشہ رضی صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

آپ چونکہ اس جنگ میں اونٹ پر سوار تھیں، اس لیے اس جنگ کو جنگِ جمل کہا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا:

''حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے حامیوں کا مالِ غنیمت ان کے درمیان تقسیم کیا جائے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ آپ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پورا پورا اکرام کیا۔ رخصت کرتے وقت پہرے داروں کی ایک جماعت ساتھ بھیجی۔ بصرے کی چالیس معزز خواتین کو ان کے ساتھ بھیجا۔ بارہ ہزار کی رقم پیش کی۔

اس جنگ میں ایک تیر سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہلکی سی خراش آئی، اس کے علاوہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ جب آپ روانہ ہونے لگیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور لوگ بھی آئے، وہاں کھڑے رہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں سے فرمایا:

''میرے بچو! یہ لڑائی ایک غلط فہمی کا نتیجہ تھی، علی رضی اللہ عنہ امت کے صلحا میں سے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ تک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ پہنچے تو آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! ہمارے اور ان کے درمیان بس اتنی ہی بات تھی، وہ تمہارے نبی کی دنیا اور آخرت میں زوجہ ہیں۔''

آپ کئی میل تک ان کے ساتھ چلے۔ اس واقعے پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اکثر ندامت ظاہر فرماتی تھیں اور کہا کرتی تھیں:

''کاش! میں یوم جمل سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہوتی۔''

اس واقعے کو یاد کر کے رویا کرتی تھیں۔

جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل ہونے والوں کی لاشوں کا معائنہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے تمام مقتولین پر نماز جنازہ پڑھی اور انھیں دفن کرنے کا حکم دیا:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس جنگ سے پیچھے ہٹے تو ان کے راستے میں ایک وادی آ گئی۔ وادی کا نام السباع تھا۔ عمرو بن جرموز نامی ایک شخص نے ان کا پیچھا کیا، وہ اس وادی میں اس وقت پہنچا جب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ اسی حالت میں اس نے انھیں قتل کر دیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگ کے دوران ایک تیر لگا تھا۔ ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔ وہ میدانِ جنگ سے ہٹ کر بصرے کے ایک گھر میں آ گئے۔ اس گھر میں ان کا آخری وقت آ گیا، لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ میدانِ جنگ ہی میں شہید ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ان کی لاش کو خون میں لت پت دیکھا تو رو کر فرمایا:

''اے ابو محمد! تم پر اللہ کی رحمت ہو، میرے لیے یہ انتہائی دردناک بات ہے کہ تمہیں آسمان کے ستاروں کے نیچے پڑا پاؤں۔ کاش میں بیس سال پہلے دنیا سے رخصت ہو گیا ہوتا۔''

عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد ان کا سر تن سے جدا کیا اور سر لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کارنامے پر انعام دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا:

''اسے جہنم کی خوش خبری سنا دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل جہنمی ہوگا۔''

O

بصرے میں چند دن ٹھہرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کی طرف کوچ کیا۔ آپ 12 رجب 36ھ میں شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کے لوگوں نے بصرے کے ایک محل میں آپ کو ٹھہرانا چاہا۔ وہاں آپ کی دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ آپ نے اس میں ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے، مجھے بھی ان کی ضرورت نہیں، میرے لیے میدان کافی ہے۔''

آپ نے میدان میں قیام فرمایا۔ اب آپ نے کوفے میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ دارالحکومت بھی عراق کو قرار دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے حرم نبوی کی بہت توہین ہوئی تھی، شاید اسی لیے آپ نے سیاسی مرکز تبدیل کر دیا۔ ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے

کہ اس وقت کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔

کوفے آنے کے بعد آپ ملک کے انتظام میں لگ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرے کا گورنر مقرر کیا۔ اسی طرح دوسرے علاقوں پر اپنے امیر مقرر کیے۔ جزیرہ موصل پر اشتر نخعی کو مقرر کیا۔ یہ علاقہ شام کے ساتھ تھا۔ اشتر نے آگے بڑھ کر کچھ علاقوں پر قبضہ کرلیا، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر ضحاک بن قیس نے اس کا مقابلہ کیا اور وہ علاقے اس سے واپس لے لیے۔ اشتر پھر موصل چلا گیا۔ تاہم اس نے شامی فوجوں سے جھڑپیں جاری رکھیں۔

آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی خلافت کو تسلیم کرلیں، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہلا بھیجا:

"آپ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کریں۔ اس صورت میں میں اور تمام اہلِ شام آپ کی بیعت کرلیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر پیغام بھیجا:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں میرا کوئی حصہ نہیں، آپ بیعت کرلیں، اس کے بعد ہم قاتلوں کے خلاف کارروائی کریں گے۔"

اس طرح صلح کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔ آپ تقریباً 80 ہزار لشکر کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ دریائے فرات پار کرکے آپ شام کی سرحد پر جا پہنچے۔

اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوالدعور سلمی مقرر تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہراول دستے کو روکا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت ابوالدعور نے محسوس کیا کہ ان کے پاس اتنی فوج نہیں ہے کہ مقابلہ کرسکیں، چنانچہ رات کی تاریکی میں اپنی فوج لے کر پیچھے ہٹ گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ اطلاع ملتے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج لے کر روانہ ہوئے اور صفین کے مقام پر پہنچ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔

اب اس مقام پر پھر جنگِ جمل والی کیفیت پیدا ہوگئی۔ دونوں فریق دل سے چاہتے تھے کہ جنگ نہ ہو، کیونکہ دونوں طرف مسلمان تھے، لہٰذا صلح کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر صلح کے لیے ایک وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ دونوں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنھم موجود تھے۔ ان میں حافظِ قرآن اور عالم بھی تھے۔ ان سب نے پوری پوری کوشش کی کہ کسی طرح صلح ہوجائے، لیکن یہاں بھی معاملہ وہی تھا، یعنی جنگِ جمل والا۔ سبائی گروپ بھلا کب صلح کو پسند کرتا۔ اس کی کوشش تھی کہ ہر حال میں جنگ ہو۔

یہ کوششیں تین ماہ تک جاری رہیں۔ ان تین ماہ میں ان شرپسندوں نے ان مفسدوں نے پچاسی مرتبہ جنگ چھیڑنے کی کوشش کی، لیکن دونوں طرف جو بزرگ صحابہ تھے عالم اور فاضل حضرات تھے، وہ ہر بار درمیان میں پڑ کر جنگ کو ٹالتے رہے اور آخر وہ کیوں یہ کوششیں نہ کرتے، آخر دونوں طرف مسلمان تھے، لیکن ان دونوں کے درمیان ایسا طبقہ موجود تھا جو صلح کی کوششوں کو ناکام بنانے پر تلا تھا۔ اس طبقے کی سازشیں مسلسل جاری رہیں۔

میدانِ جنگ میں بھی دونوں فریقوں کا موقف وہی رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مخلص ساتھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مخلص ساتھیوں سے یہ کہتے تھے:

"تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنا چاہتے ہو، کیا وہ خلافت کے تم سے زیادہ حق دار نہیں ہیں۔"

جواب میں کہا جاتا:

"ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ناحق خون کا بدلہ لینے کے لیے میدان میں آئے ہیں۔ قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں تو یہ جنگ ٹل سکتی ہے۔"

اس طرح صلح کی ہر کوشش ناکام بنادی گئی۔ رجب سے لے کر محرم 37ھ کے آخر تک دونوں لشکر اسی طرح پڑے رہے۔

اور آخر صفر کا مہینا آگیا۔ حضرت علی اس صورتِ حال سے تنگ آگئے تھے۔ انھوں نے فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کرلیا۔ آپ نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی۔ اس تقریر سے فوج میں جوش پیدا ہوگیا۔ معاملات کو ان حالات تک پہنچانے میں بھی سبائی گروپ ہی کا ہاتھ تھا۔ ان کی سازشوں سے آخر جنگ چھڑ کر رہی۔

چند دن تک جنگ جاری رہی۔ یہاں تک کہ جمعے کا دن آگیا۔ اس روز بہت ہولناک جنگ ہوئی، یہاں تک کہ رات کو بھی نہ رک سکی۔ دوسری صبح تک جاری رہی۔ اس جنگ سے زمین کانپ کانپ گئی۔ شاید اس لیے کہ دونوں طرف مسلمان کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور شرپسند اس آگ کے لگنے پر خوشیاں منا رہے تھے کہ آخر وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

صبح ہوئی تو شہیدوں کی لاشیں اٹھانے اور زخمیوں کو جمع کرکے مرہم پٹی کے لیے جنگ روک دی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر اپنی فوج کے سامنے تقریر کی:

دوسری طرف حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اگر مسلمان آپس میں اسی طرح لڑتے رہے تو سارا عرب ویران ہوجائے گا، پھر ہم رومیوں کے رحم و کرم پر ہوں گے، کیونکہ ان جنگوں کی وجہ سے ہماری طاقت ختم ہوچکی ہوگی۔" (جاری ہے)

عمر فاروقؓ

ہیں زمانے بیشتر فاروقؓ
کوئی اُن سا نہیں مگر فاروقؓ

فارقِ حق و باطل ان کی ذات
نام جب ہی تو ہے عمر فاروقؓ

تھے جو بے چارے خستہ حال و مریض
ان کے حق میں تھے چارہ گر فاروقؓ

آج بھی آپ کے تصور سے
کانپ جاتے ہیں اہلِ شر فاروقؓ

چودہ پیوند ایک کُرتے میں
مردِ درویش سربسر فاروقؓ

فقر سے جتنے ہیں گریزاں ہم
اتنے بیزارِ مال و زر فاروقؓ

شاہِ بطحا ﷺ ہیں آپ کے داماد
بامقدر ہیں کس قدر فاروقؓ

سطحِ ہستی سے کفر مٹ جاتا
جیتے دس سال اور گر فاروقؓ

ہے اثرؔ قابلِ مبارکباد
مدحتِ حضرتِ عمر فاروقؓ

اثر جونپوری

بدعت

ارشاد الٰہی

"ہر مومن کو سنت اور جماعت کی پیروی کرنا واجب ہے۔ سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے اور جماعت اسے کہتے ہیں جس پر چاروں خلفائے راشدین نے اپنی خلافت کے زمانے میں اتفاق کیا۔ یہ لوگ سیدھی راہ دکھانے والے تھے، کیونکہ انھیں سیدھی راہ دکھائی گئی تھی۔" (شیخ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین صفحہ 185)

قدم بہ قدم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے ساتھیوں نے بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خیالات کی تائید کی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا:

خط کے الفاظ یہ تھے:

''اگر ہمیں اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول پکڑ جائے گی تو شاید ہم دونوں اسے چھیڑنا پسند نہ کرتے، بہر حال اب ہمیں اس تباہ کن جنگ کو روک دینا چاہیے۔ ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں، اس لیے صلح ایسی ہو کہ دونوں کی عزت و آبرو برقرار رہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں صلح کرنے سے انکار کر دیا اور دوسری صبح اپنی فوج کے ساتھ میدان میں آگئے، لیکن دوسری طرف جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تدبیر کی۔ انھوں نے پانچ ساتھیوں کو نیزوں پر قرآن اٹھا کر چلنے کا حکم دیا۔ یہ پانچ ساتھی نیزوں پر قرآن اٹھائے جب سامنے آئے تو اور جتنے لوگوں کے پاس قرآن تھے، ان سب نے اپنے اپنے نیزوں پر قرآن کو اٹھا لیا۔ اگلے چند افراد نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا:

''اللہ تعالیٰ ہم سب کو رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھوں سے بچائے۔ اگر جنگ اسی طرح جاری رہی تو ضرور ہم فنا ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ یہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔'' (یعنی یہ فیصلہ کرے گی)

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں بھی یہ آواز بلند ہوئی کہ ٹھیک ہے۔ قرآن سے فیصلہ ہونا چاہیے اور اگر اس فیصلے کو نہ مانا گیا تو فوج سے الگ ہو جائیں گے۔ اس موقعے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک وفادار اشعث بن قیس نے کہا:

''اے امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جانثار تھا، اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن حکیم کو حکم مان لینا چاہیے۔''

آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح جنگ رک گئی۔ اب دونوں فریقوں میں بات چیت شروع ہوئی۔ یہ بات چیت خطوط کے ذریعے ہوئی۔ پھر دونوں طرف کے عالم فاضل لوگ جمع ہوئے۔ آخر طے پایا کہ خلافت کا مسئلہ حل کرنے کے لیے دو حکم مقرر کر دیے جائیں۔ وہ جو فیصلہ کریں، اس پر عمل کیا جائے۔ شامیوں کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اشعث بن قیس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام لیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام تجویز کیا، اس پر کچھ لوگوں نے کہا:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ تو ایک ہی ہیں، حکم تو غیر جانب دار ہونے چاہییں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کا نام لیا۔ اس پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا:

''جنگ کی آگ تو بھڑکائی ہی اشتر نے ہے، یہ تو آخر وقت تک جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھا، اسے کس طرح حکم مقرر کیا جا سکتا ہے۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ٹھیک ہے! تم جسے چاہو حکم مقرر کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا۔ وہ اس جنگ سے بیزار ہو کر شام کے ایک گاؤں میں چلے گئے تھے۔ اس طرح دونوں طرف کے حکم ایک جگہ جمع ہوئے اور ایک معاہدہ لکھا گیا۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ تھے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے طرف دار آپس میں رضا مندی سے یہ عہد کرتے ہیں کہ دونوں حکم یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قرآن و سنت کے مطابق جو فیصلہ کریں گے، اس کو تسلیم کرنے میں انھیں کوئی پس و پیش نہیں ہوگا۔ اس لیے دونوں فریق کے لیے ضروری ہے کہ کسی حالت میں اس فیصلے سے انکار نہ کریں۔ ہاں اگر فیصلہ قرآن اور سنت کے خلاف ہوگا تو اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر جنگ شروع کر دیں۔''

یہ معاہدہ 23 صفر 37 ہجری کو لکھا گیا۔ اشعث بن قیس کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ تمام قبیلوں کے سرداروں سے اس پر دستخط کرائیں۔ اشعث بن قیس نے یہ کام شروع کیا۔ وہ سرداروں کے ہاں جا جا کر معاہدہ سنا سنا کر دستخط کروانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں بہت سے لوگوں نے اس

معاہدے کو ناپسند کیا اور انھوں نے دستخط سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے فرمایا:

''ہمیں یہ معاہدہ منظور نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں سنی۔ اس پر وہ لوگ ناراض ہو گئے۔ اس سارے معاملے سے الگ ہو گئے۔ اس طرح ان کا ایک الگ فرقہ بن گیا۔ یہ فرقہ خارجی کہلایا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

دونوں حکموں کے اجلاس کے لیے ایک مقام دومۃ الجندل مقرر کیا گیا۔ یہ مقام عراق اور شام کے درمیان واقع ہے۔ ان دونوں حکموں کے ساتھ چار چار سو آدمی تھے، یعنی چار سو آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ فرمائے اور چار سو آدمی ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ فرمائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو چار سو آدمی روانہ کیے گئے۔ ان کے افسر ''شریح بن ہانی'' تھے۔

کچھ بزرگ صحابہ ایسے تھے جو اس جنگ سے بالکل الگ رہے تھے۔ اب جب کہ انھوں نے سنا کہ دونوں طرف سے صلح کی کوشش ہو رہی ہے اور اس غرض کے لیے حکم مقرر کیے گئے ہیں، تو وہ بھی اس موقعے پر دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ ان صحابہ کرام کے نام حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنھم ہیں۔

ان میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس قسم کے معاملات میں بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ انھوں نے دونوں حکموں سے الگ الگ ملاقات کی۔ اس طرح ان کے خیالات معلوم کر کے اندازہ لگا لیا کہ اس طرح بھی کوئی خوش گوار نتیجہ نکلنے کی امید نہیں ہے۔ انھوں نے اپنا یہ خیال دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو بتا بھی دیا۔

ادھر دونوں حکم ایک جگہ مل بیٹھے۔ ان کی آپس میں بات چیت شروع ہوئی۔ کافی دیر کی بات چیت کے بعد آخر دونوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمان نئے سرے سے اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ دونوں یہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کے درمیان واپس آئے۔ مسجد میں لوگوں کو جمع کیا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آپ منبر پر آ کر فیصلہ سنا دیں۔''

اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ فضل اور کمال میں ہمارے بزرگ ہیں، لہٰذا آپ کے مقابلے میں پہل کیسے کر سکتا ہوں۔ پہلے آپ منبر پر آئیں اور فیصلہ سنائیں۔''

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ منبر پر آئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''صاحبو! ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کرتے ہیں۔ مجلسِ شوریٰ پھر سے خلیفہ کا انتخاب کرے۔''

اب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی باری آئی۔ (جاری ہے)

قدم بہ قدم

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

"ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی، وہ تم نے سن لی ہے۔ انھوں نے اپنے امیر کو معزول کر دیا ہے اور میں نے بھی انھیں معزول کر دیا ہے۔ میں اپنا امیر معاویہ کو قائم کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مددگار اور ان کے خون کے بدلے کا مطالبہ کرنے والے ہیں۔ وہ سب لوگوں سے زیادہ ان کی جگہ پر کھڑے ہونے کے حق دار ہیں۔"

دراصل حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس وقت لوگوں کو بغیر امیر کے چھوڑ دیا گیا تو اس سے بھی زیادہ طویل اختلافات پڑ جائیں گے۔ بس آپ نے اس مصلحت کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قائم رکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو ناپسند فرمایا اور دوبارہ فوج کو تیار کرنے لگے تھے کہ خارجیوں کی بغاوت کے بارے میں علم ہوا۔

خارجیوں کا مختصر سا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حکم مقرر کرنے کو پسند نہیں کیا تھا اور جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا گیا تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے الگ ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ ان کی تعداد بارہ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دین کے معاملات میں کسی کو بھی حکم مقرر نہیں کیا جا سکتا اور ایسا کرنا کفر ہے۔

اب انھوں نے دوسرے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ وہ حکم مقرر کرنے کو کفر مانتے ہیں یا نہیں۔ جس نے ان کی بات سے اتفاق کیا، اسے انھوں نے زندہ چھوڑ دیا اور جس نے اختلاف کیا، اسے قتل کرایا۔ اس طرح ان لوگوں نے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا۔ جب یہ خبریں حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ان لوگوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا، چنانچہ پہلے ایک قاصد خارجیوں کی طرف بھیجا۔ ان لوگوں نے آپ کے اس قاصد کو بھی قتل کر دیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر ان کا رخ کیا اور نہروان کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا، تاکہ وہ ان سے بات چیت کر کے انھیں سمجھانے کی کوشش کریں۔ خارجیوں نے ان کی بات بھی نہ سنی۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے ایک شخص کو بلایا، تاکہ خود بات کریں۔ اس طرح جو شخص آیا، اس کا نام ابن الکوا تھا۔ آپ نے اسے سمجھانے کی پوری کوشش کی، لیکن ان کے دل سیاہ ہو چکے تھے۔ سمجھانے کی ہر کوشش ناکام رہی۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔

خارجیوں کا سردار عبداللہ بن وہب راسبی تھا۔ آخر جنگ شروع ہوئی۔ بہت خوف ناک جنگ لڑی گئی۔ خارجیوں میں سے بہت سے لوگ جنگ سے جان بچانے کے لیے پہلے ہی میدان سے نکل گئے تھے۔ اس طرح عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ صرف چار ہزار آدمی رہ گئے تھے۔ تاہم یہ چار ہزار میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ میدان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رہا۔

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل ہونے والوں میں سے کسی کو تلاش کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں آپ سے پیش گوئی فرمائی تھی، یعنی ان لوگوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے بارے میں فرمایا تھا اور ان کے درمیان قتل ہونے والے ایک شخص کا حلیہ بیان فرمایا تھا تو اس وقت حضرت علی دراصل اس حلیے والے شخص کو تلاش کر رہے تھے اور آخر آپ کو وہ شخص لاشوں کے درمیان مل گیا۔ اس کا حلیہ بالکل وہی تھا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پکار اٹھے:

"اللہ اکبر! اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل درست فرمایا تھا۔"

اس جنگ کا نام جنگ نہروان ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ فرمایا، لیکن اس موقع پر اشعث بن قیس نے کہا:

"امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے، تلواروں کی دھاریں مڑ گئیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے، اس لیے جنگ سے پہلے ہمیں تیاری کرنے کی

مہلت دیں۔ آپ نے انھیں مہلت دی اور نخیلہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ آپ کے ہمراہی جنگ سے تنگ آچکے تھے۔ لہٰذا رات کی تاریکی میں کھسکنے لگے، یہاں تک کہ آپ کے اردگرد صرف ایک ہزار افراد رہ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس کوفہ چلے آئے۔

اس کے بعد آپ کی زندگی کے دن بغاوتوں کے خلاف کوششوں میں بسر ہوتے رہے۔ دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طاقت بڑھانے میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کی جنگ کے بعد چند خارجی حج کے موقعے پر جمع ہوئے۔ انھوں نے اس وقت کے حالات پر بات چیت شروع کی۔ کافی دیر کی بحث کے بعد انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب تک تین آدمی دنیا میں موجود ہیں، اسلامی دنیا کو خانہ جنگیوں سے نجات نہیں مل سکے گی اور وہ تین آدمی یہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ اس پر ان میں سے تین آدمی ان تینوں حضرات کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا:

''میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔''

نزال نامی شخص نے کہا:

''میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کروں گا۔''

تیسرے شخص عبداللہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی ذمے داری لی۔ تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔

رمضان 40 ہجری میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت ان تینوں حضرات پر حملہ کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اتفاقی طور پر بچ گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وار اوچھا پڑا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس روز امامت کے لیے آئے ہی نہیں۔ ان کی جگہ نماز پڑھانے کے لیے کوئی اور آیا اور ان کی جگہ مارا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ آپ مسجد میں تشریف لائے۔ ابنِ ملجم پہلے ہی آکر مسجد میں لیٹ گیا تھا۔ آپ نے اسے اٹھا دیا۔ جب آپ نے نماز شروع کی تو اسی حالت میں اس بدبخت اور سنگ دل شخص نے تلوار کا وار کیا، وار سر پر لگا۔ ابن ملجم کو لوگوں نے بھاگنے کی مہلت نہ دی اور گرفتار کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوئے۔ آپ نے فوراً محسوس کر لیا کہ اس زخم سے بچ نہیں سکیں گے۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر نصیحتیں فرمانے لگے۔

اس وقت جندب بن عبداللہ نے پوچھا:

''امیر المومنین! آپ کے بعد ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟''

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

اس کے بعد آپ نے اپنے قاتل کے بارے میں فرمایا:

''اس سے معمولی انداز سے بدلہ لیا جائے۔''

ابن ملجم کی تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ زہر نے اپنا کام کیا۔ آپ اس زخم سے بچ نہ سکے اور 20 رمضان 40 ہجری جمعے کی رات کو اپنے اللہ سے جا ملے۔ علم اور فضل کا سورج غروب ہو گیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (جاری ہے)

☆ استاد: جمہوری طرز حکومت کسے کہتے ہیں۔
شاگرد: امریکہ کی فرماں برداری کو۔ (بلال حمزہ۔ جھنگ سٹی)

☆ تھانے دار: تمہاری مادری زبان کیا ہے۔
ملزم: کوئی نہیں۔
تھانے دار: وہ کیوں؟
ملزم: میری ماں گونگی تھی۔ (اسما نور۔ پرانا گولی مار کراچی)

☆ شوہر: میں تمہیں کوئی تحفہ دینا چاہتا ہوں، بتاؤ، کیا دوں؟
بیوی: کوئی سونے کی چیز دے دیں۔
شوہر بازار گیا اور بیوی کے لیے ایک تکیہ خرید لایا۔ (امیر معاویہ، سید زبیر ہاشمی۔ کراچی)

☆ ایک بہت موٹے آدمی نے چور کو پکڑا اور اس کے اوپر بیٹھ گیا، پھر اپنے ملازم سے بولا:
''پولیس کو بلا کر لے آؤ۔''
نوکر نے گھبرا کر کہا:
''جناب چپل نہیں مل رہی۔''
اس پر چور نے گھبرا کر کہا:
''میری چپل پہن لو اور جلدی سے چلے جاؤ۔'' (الفت انعام۔ پتی کرک)

☆ ایک دوست: آج میری جمعے کی نماز رہ گئی۔
دوسرا دوست: وہ کیسے؟
پہلا دوست: امام صاحب نے کہا، اپنے اپنے موبائل بند کر دو، میرا موبائل گھر رہ گیا تھا، وہ بند کرنے چلا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وفات سے پہلے پوچھا گیا:

''کیا آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں اپنے حال میں مشغول ہوں۔ تم جسے پسند کرو، اس کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔''

آپ کے اس جملے سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اجازت دی ہے، چنانچہ لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سب سے پہلے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ آتے رہے اور بیعت کرتے رہے۔

حضرت بیعت لیتے وقت کہتے تھے۔

''میرے کہنے پر عمل کرنا جس سے میں جنگ کروں، تم بھی اس سے جنگ کرنا اور جس سے میں صلح کروں، تم بھی اس سے صلح کرنا۔''

دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا:

''صلح جنگ سے بہتر ہے اور بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے خلیفہ تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔''

اس موقعے پر خارجیوں اور منافقوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ایسی صلح یقیناً خیر کا باعث تھی مگر ان ظالموں نے پروپیگنڈے کے ذریعے گویا اسے ایک سازش کے طور پر مشہور کر دیا، ساتھ ہی انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر کفری کا فتویٰ لگا دیا۔ اس فتوے نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہل چل مچا دی۔ وہ دو حصوں میں بٹ گئے اور آپس ہی میں لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے میں بھی گھس آئے اور آپ کا لباس پکڑ کر کھینچنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کا لباس تار تار ہو گیا۔ وہ لوگ آپ کی چادر اور خیمے کی ہر چیز لوٹ کر لے گئے۔ ان حالات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قبیلہ ربیعہ اور ہمدان کو آواز دی۔

یہ دونوں قبیلے آپ کی مدد کو آ گئے اور شر پسندوں کو آپ کے پاس سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح شور شرابا ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ مدائن کی طرف جا رہے تھے کہ ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے آپ پر نیزے کا وار کیا، نیزہ آپ کی ران پر لگا۔ آپ کو اٹھا کر مدائن میں لایا گیا۔ جراحوں نے آپ کے زخم کا علاج کیا اور آخر زخم ٹھیک ہو گیا۔

ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا:

''میں صلح کرنے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں، اگر آپ میری چند شرائط مان لیں۔''

صلح کی یہ شرائط آپ نے عبداللہ بن عامر کے ہاتھ روانہ کیں۔ عبداللہ بن عامر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور یہ شرائط بیان کیں، ساتھ ہی اپنی طرف سے یہ شرائط بھی پیش کر دیں۔

''جب آپ فوت ہو جائیں تو خلافت کے حق دار حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہوں گے اور جب تک آپ زندہ ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ہر سال پانچ لاکھ درہم سالانہ بیت المال سے بھیجتے رہیں گے۔ ایک شرط یہ ہے کہ علاقہ اہواز اور فارس کا خراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ملا کرے گا۔''

یہ شرائط سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے یہ سب شرائط منظور ہیں اور اگر حسن رضی اللہ عنہ کچھ اور شرائط بھی پیش کریں گے تو میں وہ بھی منظور کروں گا، کیونکہ ان کی نیت نیک ہے اور وہ مسلمانوں میں صلح کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔''

یہ کہہ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگائی اور عبداللہ بن عامر کو دیتے ہوئے فرمایا:

''یہ کاغذ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو، جو شرائط چاہیں، اس کاغذ پر لکھ دیں۔ میں تمام شرائط ماننے کے لیے تیار ہوں۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کے زمانے سے حالات کو دیکھتے چلے آ رہے تھے۔ وہ آپس کی جنگوں سے بیزار تھے، چنانچہ عبداللہ بن عامر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دستخط اور مہر والا

کاغذ لے کر آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان شرائط کو پڑھا تو ناراض ہوئے اور فرمایا:

"مجھے یہ شرط ہرگز پسند نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد میں خلیفہ بنایا جاؤں۔ اگر مجھے خلافت کی خواہش ہوتی تو میں اس وقت ہی کیوں اسے چھوڑنے پر تیار ہوتا۔"

یہ فرمانے کے بعد آپ نے کاتب کو بلوایا اور صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا، صلح نامہ اس طرح لکھا گیا:

"یہ صلح نامہ حسن بن علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان لکھا جاتا ہے، دونوں ان باتوں پر رضا مند ہوگئے ہیں، خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی۔ ان کے بعد مسلمان مصلحت کے تحت جسے چاہیں گے، خلیفہ بنالیں گے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں گے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سب کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف داروں کو کچھ نہیں کہیں گے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معاہدہ ملا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے اسے بخوشی منظور فرمایا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفے کی مسجد میں پہنچ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت لی تو کوفہ والوں نے بھی آپ کی بیعت کی۔

بیعت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"میں مسلمانوں میں فتنے کو بہت مکروہ سمجھتا ہوں، اپنے جدِ امجد کی اُمت میں سے فتنے اور فساد کو دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال محفوظ کرنے کے لیے میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی ہے اور انھیں اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کیا ہے۔ اگر امارت اور خلافت ان کا حق تھا تو انھیں پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے یہ حق انھیں بخش دیا۔"

اس صلح کے بعد تمام معاملات طے ہوگئے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرادے گا۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ خطبہ دے کر منبر سے نیچے اُترے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے ابو محمد! آج آپ نے ایسی جواں مردی اور بہادری دکھائی ہے کہ آج تک کوئی نہیں دکھا سکا۔"

یہ صلح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چھ ماہ بعد 41 ہجری میں ہوئی۔ اسی لیے 41 ہجری کو عام الجماعت (جماعت کا سال) کہا گیا۔ صلح کے مکمل ہونے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفے سے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نہایت عزت اور احترام سے پیش آتے رہے۔

آپ کی وفات 50 ہجری یا 51 ہجری میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کچھ سازش کرنے والوں نے زہر دیا تھا۔ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کے نو بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگیوں کا دور ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔ آمین ثم آمین۔

- عقل مند وہ ہے جو جاہل کی بے ہودگی کو خاموشی کے ذریعے ختم کردے۔
- وقت کے چھوٹے چھوٹے لمحے سونے کے قیمتی ذرے ہیں۔
- جو شخص کام کو اس کے وقت پر کرنے کا عادی نہیں ہے، وہ درحقیقت اپنا مالک آپ نہیں۔

قدم بہ قدم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہوگئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پورے عالم اسلام کے خلیفہ ہوگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس طرح آپس کی جنگوں کا دور ختم ہوگیا۔ امن و امان قائم ہوگیا اور مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ربیع الاوّل 41ھ میں خلیفہ بنے۔

آپ کی خلافت سے پہلے جو علاقے فتح ہوچکے تھے، آپ کے خلیفہ بننے پر ان میں سے بعض علاقوں کے لوگوں نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔

41ھ میں بلخ، ہرات اور بادغیس میں بغاوت ہوئیں۔ ان کو بڑی خوبی سے دبادیا گیا۔

43ھ میں کابل میں بغاوت ہوئی۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ انھوں نے اس بغاوت کو ختم کیا۔

47ھ میں اہلِ غور نے بغاوت کی۔ حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ انھوں نے اس بغاوت کو ختم کیا۔ اس طرح فتح شدہ علاقوں میں سے کسی علاقے کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی لشکر سندھ تک پہنچ چکا تھا، لیکن ابھی فتوحات مکمل نہیں ہو پائی تھیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں 44 ہجری میں خیبر کے راستے ہندوستان پر حملہ کیا گیا۔

حضرت مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ کابل کو پار کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ انھوں نے قیقان میں فتوحات حاصل کیں اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس آئے۔ مالِ غنیمت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ان کی تعریف کی۔ ایک روایت کے مطابق بنوں فتح کیا اور قلات تک پہنچے۔ حضرت مہلب بن ابی صفرہ کے بعد عبداللہ بن سوار عبدی کو سرحدی علاقوں کا حاکم بنایا گیا۔ انھوں نے پہلے تو سرحدی علاقوں میں بہت سی فتوحات حاصل کیں اور بڑی مقدار میں مالِ غنیمت لائے۔ دوسری بار انھیں بھیجا گیا تو شہادت پائی۔ آپ ہندوستان ہی میں دفن ہوئے۔

ان کے بعد عباد بن زیاد مقرر ہوئے۔ انھوں نے قندھار پر حملہ کیا۔ قندھار کے ساتھ آس پاس کے علاقے فتح کیے اور بہت سی اہم فوجی چھاؤنیوں پر قبضہ کیا:

ان کے بعد سندھ کا حاکم منذر بن جارود کو بنایا گیا۔ انھوں نے چھوٹی بڑی بہت سی ریاستوں کو فتح کیا اور آخر اپنی فوجیں قیقان اور یوقان کی سرحدوں تک لے آئے۔ اس طرح فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

54ھ میں ابن زیاد ترکستان کے اہم فوجی مرکز پر حملہ آور ہوا اور بہت تھوڑے عرصے میں بخارا تک جا پہنچا۔ اس کے بعد اس نے رامنی اور بیکند کے پہاڑی علاقوں کو فتح کیا۔

55ھ میں حضرت سعید بن عثمان رحمہ اللہ حکمران مقرر ہوئے۔ آپ دریائے جیحون کو پار کر کے آگے بڑھے۔ یہ علاقہ بہت زرخیز تھا اور اہم بھی تھا۔ یہاں کے لوگوں نے جنگ کے بجائے صلح کی پیش کش کی۔ حضرت سعید بن عثمان نے ان کی درخواست منظور کرلی اور یہ تمام علاقہ اپنی نگرانی میں لے لیا۔

بخارا کی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے سمرقند کا رخ کیا۔ سمرقند والوں نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر شہر کے دروازے بند کرلیے اور جنگ کی تیاری میں لگ گئے۔ آخر وہ شہر کی فصیلوں پر آکھڑے ہوئے اور اسلامی لشکر پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ ادھر مسلمان شہر کا محاصرہ کرچکے تھے۔ تیروں کی بارش کے باوجود یہ محاصرہ ختم نہ ہوسکا۔ اس جنگ میں حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ کی ایک ایک آنکھ کام آگئی۔ محاصرے میں پھر بھی کوئی فرق نہ آیا۔ آخر اہلِ سمرقند نے سات لاکھ سالانہ خراج پر صلح کرلی۔

اس مہم کے بعد مسلمان ترمذ پہنچے۔ یہ علاقہ بہت اہم تھا، لیکن یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کرلی۔ اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسلامی لشکر کو دینا منظور کرلیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں افریقہ کا بہت سا حصہ مسلمانوں کے ہاتھ آچکا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس میں بہت اضافہ کیا۔ 41 ہجری میں مواتہ اور زناطہ پر حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا، لیکن جنگ کے بغیر صلح ہوگئی۔ 42 ہجری میں غدامس اور 43ھ میں سوڈان کے علاقے فتح ہوئے۔ برزت اور جربہ بھی فتح ہوئے۔ 45 ہجری میں سوسہ اور جلولہ فتح ہوئے۔

50 ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو افریقہ کے باغی قبائل کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے ان باغی قبائل کا

خاتمہ کیا۔ یہاں تک کہ قیروان پہنچے۔

قیروان ایک بہت بڑا جنگل تھا اور بہت خوفناک بھی تھا۔ اس میں ہر طرح کے درندے آباد تھے۔ سانپ اور بچھو بھی بہت بڑے اور بڑی تعداد میں موجود تھے، اسی لیے کوئی اس طرف کا رخ نہیں کرتا تھا۔ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اس جنگل کے کنارے پر کھڑے ہو کر ان درندوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

''اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم جنگل خالی کر دو۔ اس کے بعد تم میں سے جو کوئی بھی یہاں نظر آیا، ہم اسے قتل کر دیں گے۔''

تاریخ عالم میں ایسا نظارہ شاید کبھی نہ دیکھا گیا ہوگا۔ جنگل کے درندے اپنے بچوں کو اٹھا کر اس طرح بھاگے جیسے موت ان کے تعاقب میں ہو۔ سب کے سب ٹولیوں کی شکل میں نکل رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جنگل کاٹ ڈالا اور اس جگہ ایک شہر آباد کیا۔ اس شہر کا نام قیروان رکھا گیا۔ وہاں جامع مسجد بھی بنوائی۔ یہ شہر شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی چھاؤنی قرار پایا۔

ان فتوحات کے بعد قسطنطنیہ کی باری آئی۔ قسطنطنیہ اسی زمانے میں عیسائیوں کی طاقت کا مرکز تھا۔ اسی لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر چڑھائی کرنے سے پہلے بہت زیادہ زور شور سے تیاری کی۔

قسطنطنیہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''میری امت کا سب سے پہلا گروہ جو بحری جہاد کرے گا، ان کے لیے جنت واجب ہوگئی۔''

پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میری امت کا سب سے پہلا وہ لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا، اس کی مغفرت کر دی گئی ہے۔''

اس لشکر میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ بعض مؤرخین کے مطابق اس لشکر کی قیادت حضرت سفیان بن عوف رحمہ اللہ کے سپرد تھی اور بعض روایات کے مطابق یزید بن معاویہ کے سپرد تھی۔ اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ اس جنگ میں بڑے معرکے ہوئے۔ آخر جنگ کرتے ہوئے مسلمان خاص قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ جنگ کے دوران مسلمانوں میں شوقِ جہاد اور شہادت کا جذبہ اس قدر تھا کہ عبدالعزیز بن زرارہ بار بار شہادت کی تمنا میں صف سے آگے نکل جاتے تھے۔ آخر ایک بار جذبۂ ایمان نے جوش مارا تو تنہا رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ رومیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ حضرت عبدالعزیز بن زرارہ جس سمت میں رخ کرتے، صفیں کی صفیں الٹ دیتے۔ آپ نے ایک ایک وار میں کئی دشمنوں کو جہنم رسید کیا۔ آخر جب جنگ کرتے کرتے بری طرح تھک گئے اور آپ کے ہاتھ سست پڑنے لگے، تب رومیوں نے نیزوں کے پے در پے وار کر کے آپ کے مبارک جسم کو چھید ڈالا۔

اسی دوران حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شدید بیمار ہوئے۔ آپ پر نزع کی حالت طاری ہوگئی اور آپ اپنے اللہ سے جا ملے۔ آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کیا۔ آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دشمن کی سر زمین میں دفن کرنا۔ آپ کو دشمن کی زمین میں دفن ہونے کا بہت شوق تھا۔ اللہ نے آپ کا یہ شوق پورا فرمایا۔ آج بھی آپ کی قبر وہاں موجود ہے۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحری بیڑے نے جزیرہ روڈس کا رخ کیا۔ روڈس نامی جزیرہ اناطولیہ کے قرب و جوار، میں جنوب مغرب میں ایک شان دار جزیرہ تھا۔ اس جزیرے کو 52 ہجری میں حضرت جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کر کے فتح کیا اور وہاں مسلمانوں کو آباد کیا۔

54 ہجری میں جزیرہ ارواڈ پر حملہ ہوا اور یہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

ان تمام فتوحات کی روشنی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور نہایت شان دار اور پُر شوکت رہا۔ دمشق کے مرکز میں بیٹھ کر ایک طرف آپ نے بحرِ اوقیانوس اور دوسری طرف سندھ اور افغانستان تک اسلام کی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ (جاری ہے)

عبداللہ فارانی

127

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

انیس سال تک خلیفہ رہنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو کچھ لوگوں نے ان سے کہا:

''آپ کے بعد خلافت کے لائق اگر کوئی ہے تو وہ آپ کا فرزند یزید ہے، لہٰذا آپ اپنی زندگی ہی میں اس کے لیے بیعت لے لیں، ورنہ آپ کی وفات ہوگئی تو لوگ اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیں گے اور اس طرح پھر مسلمانوں میں فساد شروع ہو جائے گا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی بات سن کر ہچکچائے... انھوں نے حکومت کے کچھ لوگوں سے مشورہ کیا... جن سے مشورہ کیا، ان میں بھی اتفاق نہ ہوسکا... کسی نے یزید کی مخالفت کی تو کسی نے اس کے حق میں بات کی... ان حالات میں اس کی بیعت لینے کا فیصلہ کیا گیا... اور پھر ایسا ہو کر رہا...

☆

شام، عراق، کوفہ اور بصرہ میں جب یزید کے لیے بیعت لے لی گئی تو مدینہ منورہ میں بیعت لینے کا حکم ہوا... مدینہ کا گورنر اس وقت مروان بن حکم تھا... اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حکم سنانے کے لیے لوگوں کو جمع کیا... ان کے سامنے خطبہ دیا... اس خطبے میں اس نے کہا:

''امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بعد یزید کی خلافت کے لیے بیعت کر لی جائے... تو اے لوگو! تم یزید کی بیعت کرلو۔''

مدینہ منورہ میں اس وقت یہ بیعت نہ ہوسکی... پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ 51 ہجری میں خود مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور آپ نے یزید کی بیعت لی... آپ نے حضرت عبدالرحمٰن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بہت پیار اور محبت سے بات کی، یزید کی بیعت کر لینے کے لیے کہا، لیکن ان حضرات نے انکار کر دیا...

ان کے انکار پر آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان سے کہا:

''یہ حضرات میری مخالفت کرتے ہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میں نے سنا ہے کہ آپ ان پر جبر کرتے ہیں... آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔''

اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ بات درست نہیں... یہ حضرات میرے لیے قابلِ احترام ہیں... میں ایسا نہیں کرسکتا... اور بات یہ ہے کہ شام، عراق اور عام اسلامی شہروں کے لوگ یزید کی بیعت پر اتفاق کر چکے ہیں... اس لحاظ سے یہ بیعت مکمل ہو چکی ہے... اب یہ چند حضرات میری مخالفت کر رہے ہیں... آپ ہی بتائیں، مسلمانوں کا ایک شخص پر اتفاق ہو چکا ہے، ایک بیعت مکمل ہو چکی ہے... کیا میں اس بیعت کو مکمل ہونے کے بعد توڑ دوں۔''

یہ سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''یہ تو آپ کی رائے ہے، آپ جانیں، لیکن میں کہتی ہوں کہ ان حضرات پر تشدد نہ کریں۔ احترام اور محبت کے ساتھ ان سے بات کریں۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں، ایسا ہی کروں گا۔'' (ابن کثیر)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان چار حضرات سے ملاقاتیں کیں یا انھوں نے آپ سے ملاقاتیں کیں... ان میں جو گفتگو ہوئی، وہ یہ ہے...

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ سے پہلے جو خلیفہ گزرے ہیں، ان کی بھی اولاد تھی... انھوں نے تو اپنی اولاد کے لیے خلافت کی بیعت نہیں لی... یعنی انھوں نے تو اپنی اولاد کو خلیفہ بنانے کی کوشش نہیں کی، پھر آپ کیوں اپنے بیٹے کے لیے ایسا کر رہے ہیں... پھر بھی میں یہ کہتا ہوں کہ تمام مسلمانوں نے اگر یزید کی بیعت کر لی تو میں بھی کرلوں گا، میں مسلمانوں میں پھوٹ نہیں ڈالوں گا۔''

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''مجھے یہ بات منظور نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا:

''میں یزید کی بیعت نہیں کرسکتا۔''

آخر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ کے لیے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ آپ اپنے بیٹے کے لیے بیعت لیں... ہم آپ کے سامنے تین صورتیں رکھتے ہیں، پہلی صورت تو یہ ہے کہ آپ وہ کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا تھا... دوسری صورت وہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ نے کیا... انھوں نے ایک ایسے شخص کا نام پیش کیا جو نہ ان کے خاندان کا ہے، نہ ان کا کوئی قریبی رشتے دار اور ان کی اہلیت پر سب مسلمانوں کا اتفاق تھا... یا پھر وہ صورت اختیار کریں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کی... یعنی اپنے بعد کا معاملہ چھ آدمیوں پر چھوڑ دیا... یعنی ایک مجلس شوریٰ مقرر کر دی... اس مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ خلیفہ کون ہوگا... اس کے سوا ہم کسی چوتھی صورت کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تمام باتیں سن کر فرمایا:

"اب تو یزید کی بیعت ہو چکی ہے... اس کی مخالفت آپ لوگوں کو جائز نہیں۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک یہ معاملہ بس یہیں تک رہا... یعنی ان چار حضرات نے یزید کی بیعت نہ کی... یہ اپنی بات پر قائم رہے...

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی... وفات سے پہلے آپ نے یزید کو چند نصیحتیں کیں... ان میں سے ایک یہ تھی:

"میرا اندازہ ہے کہ عراق کے لوگ حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارے خلاف ابھاریں گے... اگر ایسا ہو اور مقابلہ ہو تو ان سے درگزر کرنا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں... ان کا احترام کرنا... ان کا سب مسلمانوں پر بڑا حق ہے۔" (ابن اثیر)

☆

یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی مدینہ منورہ کے گورنر کے نام خط لکھا... اس خط میں اس نے لکھا تھا:

"حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنھم کو بیعت پر مجبور کرو... اس معاملے میں انھیں کوئی مہلت نہ دو۔"

مدینہ منورہ کا گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان تھا... اسے یہ خط ملا تو پریشان ہوگیا، اس حکم کی تعمیل کس طرح کرے... اس سے پہلے مدینہ کا گورنر مروان بن حکم رہ چکا تھا... اس نے مشورے کے لیے اسے بلایا... اس نے کہا:

"ابھی تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر مدینہ منورہ میں نہیں پھیلی... مناسب یہ ہے کہ ان حضرات کو فوراً بلا لیا جائے، اگر یہ یزید کی بیعت کر لیں تو ٹھیک، ورنہ انھیں فوراً قتل کر دیا جائے۔"

ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمرو کو حکم دیا:

"تم جاؤ اور حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر کو بلا کر لے آؤ۔"

عبداللہ بن عمرو ان کی تلاش میں نکلا تو دونوں کو مسجد میں پایا... اس نے مدینہ کے گورنر کا حکم انھیں سنایا... اس پر دونوں نے کہا:

"تم چلو! ہم آتے ہیں۔"

عبداللہ بن عمرو کے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:

"یہ وقت امیر کی مجلس کا نہیں... اس وقت ہمیں بلانے میں خاص راز ہے۔"

ان کی بات سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا ہے... اب یہ لوگ چاہتے ہیں، ان کے انتقال کی خبر مشہور ہونے سے پہلے ہم سے یزید کی بیعت لے لیں۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میرا بھی یہی خیال ہے... اب کیا کیا جائے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں جا کر اپنے جوانوں کو جمع کرتا ہوں، پھر انھیں ساتھ لے کر اس کے پاس جاتا ہوں... میں خود اندر چلا جاؤں گا، اپنے جوانوں کو دروازے پر چھوڑ جاؤں گا تاکہ کوئی ضرورت پڑنے پر انھیں آواز دے سکوں۔"

اس کے بعد آپ اس پروگرام کے تحت ولید کے پاس پہنچے... وہاں اس وقت مروان بھی تھا... حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پہلے تو انھیں السلام علیکم کہا، پھر فرمایا:

"پہلے تم دونوں میں دوری تھی... اب میں تمھیں پاس بیٹھے دیکھ رہا ہوں... یہ بات خوشی کی ہے... اللہ تم دونوں کے تعلقات خوش گوار رکھے۔"

اس کے بعد ولید نے یزید کا خط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا... اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر تھا اور اس کے بعد یہ حکم لکھا تھا کہ ان حضرات سے بیعت لی جائے...

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا، پھر فرمایا:

"مجھ جیسے آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ پوشیدہ طور پر بیعت کر لوں... مناسب یہ ہے کہ آپ سب لوگوں کو جمع کر لیں... ان کے سامنے خلافت کی بیعت کا معاملہ رکھیں، اس وقت میں بھی وہاں ہوں گا، سب کے سامنے یہ کام ہوگا۔"

ولید عافیت پسند انسان تھا... اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بات کو پسند فرمایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو واپس جانے کی اجازت دے دی... (جاری ہے)

تین اجنبی چیزیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں دنیا میں اجنبی ہیں۔

1) قرآن ظالم کے سینے میں
2) نیک آدمی برے لوگوں میں
3) قرآن پاک کا نسخہ ایسے گھر میں جہاں اس کی تلاوت نہ ہوتی ہو۔ (بحوالہ: تنبیہ الغافلین)

حفصہ اسماعیل۔ جلال پور پیر والا ضلع ملتان

اسی وقت یہ دونوں حضرات اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے، کیونکہ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ لوگ بیعت لیے بغیر نہیں مانیں گے اور انکار کی صورت میں ان کی جان لینے سے باز نہیں آئیں گے۔ یہ حضرات مکہ مکرمہ پہنچے تو لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پھیل گئی۔

کوفے کے لوگوں کو جب یہ خبر ملی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وفات پاگئے ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے تو کچھ لوگ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

"ہم لوگ بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں... آپ فوراً کوفہ آجائیں... ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں... یزید کی طرف سے کوفے کا گورنر نعمان بن بشیر ہے... ہم اسے یہاں سے نکال دیں گے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تھے تو راستے میں انھیں حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ ملے تھے۔ انھوں نے پوچھا تھا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا:

"اس وقت تو مکہ مکرمہ کا ارادہ ہے، اس کے بعد استخارہ کروں گا کہ کہاں جاؤں۔"

اس پر حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"آپ مکہ مکرمہ میں ہی رہیں، خدا کے لیے آپ کوفے کا رخ نہ کریں... وہ بڑا منحوس شہر ہے... اس میں آپ کے والد ماجد کو قتل کیا گیا... آپ کے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔"

مکہ مکرمہ میں کوفہ والوں کے خطوط آنے کا پے در پے سلسلہ شروع ہوگیا... پہلے خط کے دو دن بعد دوسرا خط آگیا... اس میں لکھا تھا:

"آپ فوراً کوفہ آجائیں... ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔"

اس خط میں یزید کی شکایات بھی لکھی تھیں... پھر چند وفد بھی آپ کے پاس پہنچے... آپ ان خطوط سے اور وفود کے آنے سے متاثر ہوگئے... لیکن فوری طور پر خود نہیں گئے... پہلے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفے کی طرف روانہ کر دیا... آپ نے انھیں یہ خط لکھ دیا:

قدم بہ قدم

"مجھے آپ لوگوں کے خطوط ملے... حالات کا اندازہ ہوا... اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں... تاکہ یہ یہاں کے حالات کا جائزہ لے کر مجھے خط لکھیں... حالات جان کر اگر انھوں نے مجھے خط لکھا تو میں فوراً کوفہ پہنچ جاؤں گا۔"

حضرت مسلم بن عقیل کوفہ جانے سے پہلے مدینہ منورہ گئے... وہاں اپنے گھر والوں سے ملاقات کی اور ان سے رخصت ہوئے... کوفہ پہنچ کر آپ نے مختار بن عبید کے گھر قیام کیا... لوگوں کو ان کی آمد کی خبر ملی تو ان کے پاس آنے لگے... جمع ہونے لگے... آنے والوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط سنایا جاتا... اس خط کو سن کر لرزہ طاری ہو جاتا...

چند روز کے قیام کے بعد ہی حضرت مسلم بن عقیل نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہاں کے لوگ یزید سے نفرت کرتے ہیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے بے چین ہیں... یہ محسوس کر کے آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت شروع کر دی... چند دنوں میں ہی صرف کوفہ کے اٹھارہ ہزار لوگوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی... اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا...

ان حالات کو دیکھ کر حضرت مسلم بن عقیل نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لے آئیں تو پورا عراق ان کی بیعت کرے گا... حجاز کے لوگ پہلے ہی انھیں بہت پسند کرتے ہیں، اس طرح ایک درست اسلامی خلافت قائم ہو جائے گی، چنانچہ انھوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا... اس خط میں تمام حالات لکھ دیے اور لکھا کہ آپ تشریف لے آئیں... (ابن کثیر)

ادھر مسلم بن عقیل نے یہ خط لکھا، ادھر تقدیر کا لکھا ہوا، اس وقت یزید کی طرف سے کوفے کے گورنر نعمان بن بشیر تھے... انھیں، جب یہ اطلاع ملی کہ مسلم بن عقیل حضرت حسین کے لیے بیعت لے رہے ہیں تو انھوں نے لوگوں کو جمع کیا... ان کے سامنے تقریر کی... اس میں کہا:

''لوگو! ہم کسی سے لڑنے کے لیے تیار نہیں، نہ شبے کی بنیاد پر کسی کو پکڑنے کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر تم نے سرکشی اختیار کی اور یزید کی بیعت توڑی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں تلوار سے تمہیں سیدھا کردوں گا۔'' (ابن کثیر)

اس تقریر کے بعد بھی حضرت مسلم بن عقیل سے بیعت کا سلسلہ قائم رہا تو یزید کے ہمدرد عبداللہ بن مسلم نامی ایک شخص نے ایک خط یزید کو لکھا... اس میں مسلم بن عقیل کے آنے اور حضرت حسین کی بیعت لینے کا ذکر کیا اور لکھا:

''اگر تمہیں کوفے کی کچھ ضرورت ہے اور تم اسے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہو تو یہاں کے لیے کوئی طاقت ور آدمی بھیجو، جو تمہارے احکامات کو طاقت سے نافذ کر سکے ... موجودہ حاکم نعمان بن بشیر تو کمزور آدمی ہیں۔''

یزید کو یہ خط ملا تو اس نے کہا:

''بے شک اس نے ٹھیک لکھا۔''

اپنی وفات سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر کے لیے عبیداللہ بن زیاد کا نام تجویز کر چکے تھے ... یزید کے نائب سرجون نے یہ بات اسے بتائی... اس نے فوراً عبیداللہ بن زیاد کو کوفے اور بصرے دونوں شہروں کا حاکم مقرر کر دیا اور اسے حکم دیا:

''کوفہ پہنچ کر فوراً مسلم بن عقیل کو گرفتار اور قتل کر دو... یا کوفے سے نکال دو۔''

عبیداللہ بن زیاد اس وقت تک بصرے کا گورنر تھا اور بصرے میں ہی تھا... وہیں اسے یہ حکم ملا...

اس وقت ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک خط بصرے والوں کو خفیہ طور پر بھیجا... اس میں لکھا تھا:

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے... اور بدعات پھیلائی جا رہی ہیں، میں تم لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی حفاظت کرو... اس کے احکامات کو نافذ کرنے کی کوشش کرو۔''

یہ خط عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھ لگ گیا... خط لانے والے قاصد کو قتل کر دیا گیا... اس کے بعد اس نے بصرے کے لوگوں کو جمع کیا، ان کے سامنے ایک تقریر کی... اس میں اس نے کہا:

''جو شخص میری مخالفت کرے گا، میں اس کے لیے عذاب ثابت ہوں گا اور جو موافقت کرے گا، اس کے لیے راحت ہوں... اور مجھے امیر المومنین نے کوفہ جانے کا حکم دیا ہے۔''

اب عبیداللہ بن زیاد کوفہ پہنچا، اس نے خود کو ظاہر نہیں کیا... سیدھا کوفے کے دارالخلافہ میں پہنچ گیا اور دروازہ بند کر لیا... کیونکہ اس نے حالات کو بھانپ لیا تھا... سب لوگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کے لیے پرجوش نظر آ رہے تھے:

دوسرے دن اس نے کوفے کے لوگوں کو جمع کیا اور لوگوں کے سامنے تقریر کی۔

''لوگو! امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جو شخص اطاعت کرے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور جو سرکشی کرے، اس سے سختی سے نبٹا جائے۔ خوب سمجھ لو کہ میں امیر المومنین یزید کا تابع فرمان رہ کر ان کے احکام ضرور نافذ کروں گا۔ میرا گھوڑا اور میری تلوار صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو بغاوت کریں اور میرے احکام کی مخالفت کریں تو تم اپنی جانوں پر رحم کرو اور بغاوت سے باز آؤ۔''

حضرت مسلم بن عقیل تک عبیداللہ بن زیاد کی اس تقریر کی خبر پہنچی تو انھیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ ان کے بارے میں عبیداللہ بن زیاد کو یہ خبر ضرور دی جائے گی کہ وہ مختار بن عبید کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس خطرے کو محسوس کر کے وہ مختار کے گھر سے نکل آئے اور ہانی بن عروہ کے گھر چلے آئے۔ حضرت مسلم بن عقیل نے انھیں ساری بات بتائی اور فرمایا:

''میں تمہارے گھر میں پناہ لینا چاہتا ہوں۔''

ہانی بن عروہ یہ سن کر پریشان ہو گئے۔ انھوں نے کہا:

''آپ مجھے مصیبت میں ڈال رہے ہیں... اگر آپ میرے گھر میں نہ آئے ہوتے تو میں بھی یہی پسند کرتا کہ آپ واپس لوٹ جائیں... لیکن اب چونکہ آپ اندر آ گئے ہیں تو میں ذمے داری محسوس کر رہا ہوں۔''

اس طرح مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں چھپ گئے... کوفے کے لوگ خفیہ طور پر ان سے ملاقات کے لیے آتے رہے۔ (جاری ہے)

لیچی شمالی چین کا پھل ہے۔ یہ پھل سارا سال شمال مشرقی ایشیا میں کاشت ہوتا ہے۔ لیچی کے پھل کی نشوونما کے لیے نسبتاً گرم موسم بہتر رہتا ہے جب کہ اس کا پھل سرد موسم میں کھلتا ہے۔ لیچی کا درخت گھنا، خوب صورت اور اوپر سے گول ہوتا ہے۔ اگر مناسب ماحول ملے تو اس کا درخت 40 فٹ تک اونچا ہو سکتا ہے، لیکن زیادہ تر لیچی کے درخت چھوٹے ہوتے ہیں۔ لیچی کا پھل ایک چھڑے سے ملتے جلتے خول میں ہوتا ہے۔ جو کھردرا ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی ڈیڑھ انچ کے قریب ہوتی ہے۔ اندر کا حصہ نرم میٹھا سفید اور رس دار ہوتا ہے۔

لیچی کے ذائقہ میں مختلف ٹافیوں کے علاوہ مشروبات اور کولڈ ڈرنک بھی ملتے ہیں مگر ان سے لیچی کے فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ لیچی ایک ٹھنڈا پھل ہے۔ یہ جسم کی گرمی کو دور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بہت سے مفید اجزاء پائے جاتے ہیں۔ لیچی نہ صرف بچے اور بڑے شوق سے کھاتے ہیں، بلکہ پرندے بھی یہ کچے اور پکے پھل کھاتے ہیں۔ لیچی کے درختوں پر جال بچھا دیا جاتا ہے، تاکہ پرندے پھل کو نقصان نہ پہنچائیں۔

بہتر یہ ہے کہ اس پھل کو درخت پر ہی پکنے دیں۔ اگر یہ زیادہ پک جائے تو رنگ گہرا اور ذائقہ ترش ہو جاتا ہے۔ اس کو فریج میں پانچ ہفتوں تک محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اسے خشک کر کے بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اس کے درخت کو پانی کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی، لیکن ضروری ہے کہ مٹی تر رہے۔ بہار اور گرمیوں میں اس کا پھل وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔

قدم بہ قدم

ادھر عبیداللہ بن زیاد یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مسلم بن عقیل کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے ایک خاص دوست کو بلا کر اسے تین ہزار درہم دیے اور اسے اس کام پر مقرر کیا کہ وہ حضرت مسلم بن عقیل کا پتا لگائے۔

یہ شخص مسجد میں آیا... وہاں مسلم بن عوسجہ سے ملا، اس کے بارے میں اسے پتا چلا تھا کہ یہ مسلم بن عقیل کے راز دار ہیں... اس شخص نے انھیں الگ لے جا کر کہا:

"میں شام کا رہنے والا ہوں... اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا کہ مجھے اہلِ بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمائی... یہ تین ہزار درہم میں اس لیے لایا ہوں کہ اس شخص کے سپرد کردوں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لے رہا ہے... مجھے لوگوں سے پتا چلا ہے کہ آپ اس شخص کو جانتے ہیں۔"

مسلم بن عوسجہ اس کی چال میں آگئے...

انھوں نے اس سے وعدہ کرلیا کہ وہ اسے مسلم بن عقیل سے ملادیں گے، بات کو راز میں رکھو...

چند دن تک یہ شخص ان سے ملتا رہا... آخر مسلم بن عوسجہ کے ذریعے اسے معلوم ہوگیا کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں ہیں... اس نے ایک شخص اسما بن خارجہ سے کہا:

"تم ہانی بن عروہ کو بلا کر لے آؤ... میں ان سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اسما بن خارجہ ہانی بن عروہ کے گھر گئے اور انھیں عبیداللہ بن زیاد کا پیغام دیا... وہ اسما بن خارجہ کے ساتھ ہی چل پڑے... یہ قصرِ خلافت میں داخل ہوئے تو عبیداللہ بن زیاد کا چہرہ سرخ تھا... اس کا خاص ساتھی مروان بھی اس کے پاس تھا... عبیداللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ سے کہا:

"تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ مسلم بن عقیل کو ہمارے حوالے کردو۔"

ہانی بن عروہ بولے:

"ہرگز نہیں... میں انھیں آپ کے حوالے نہیں کروں گا۔"

جونہی انھوں نے یہ کہا، مروان نے انھیں بالوں سے پکڑ کر مارنا شروع کیا... اتنا مارا کہ ناک اور منہ سے خون جاری ہوگیا... عبیداللہ بن زیاد نے طیش کے عالم میں کہا:

"اب بھی وقت ہے، تم مسلم بن عقیل کو ہمارے حوالے کردو، ورنہ ہم تمہیں قتل کردیں گے۔"

اس حالت میں بھی ہانی بن عروہ بولے:

"میرا قتل تیرے لیے آسان نہیں ہوگا... تمہارے اس محل کو تلواریں گھیر لیں گی۔"

یہ سن کر عبیداللہ بن زیاد اور زیادہ غصے میں آگیا اور مار پیٹ شروع کردی... اسما بن خارجہ جو ہانی بن عروہ کو بلا کر لائے تھے، یہ سب دیکھ رہے تھے... اب ان سے یہ برداشت نہ ہوسکا... انھوں نے تیز لہجے میں کہا:

"اے غدار! تو نے ہمیں انھیں لانے کے لیے کہا، ہم لے آئے، اب تو ان کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔"

اس پر عبیداللہ بن زیاد نے مار پیٹ روکی... ہانی بن عروہ کو ایک کمرے میں بند کردیا گیا... ادھر جب ہانی واپس گھر نہ آئے تو شہر میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ ہانی بن عروہ کو قتل کردیا گیا ہے... اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ عمرو بن حجاج قبیلہ مذحج کے بہت سے جوانوں کو ساتھ لے کر قصرِ امارت پر چڑھ آئے اور اس کا محاصرہ کرلیا۔

اب تو عبیداللہ بن زیاد بہت پریشان ہوا... کیونکہ قصرِ امارت میں اس کے ساتھ صرف تیس آدمی تھے... قاضی شریح بھی اس وقت اس کے پاس تھے... عبیداللہ نے ان سے کہا:

"آپ محل کی چھت پر چڑھ کر ان لوگوں کو بتائیں کہ ہانی بن عروہ زندہ ہیں۔"

عبیداللہ بن زیاد نے قاضی شریح کے ساتھ اپنا ایک جاسوس بھی بھیجا کہ کہیں وہ مجمع کو کچھ اور نہ بتا دیں... جب قاضی نے اوپر جا کر لوگوں کو یہ بتایا کہ ہانی زندہ ہیں تو عمرو بن حجاج نے اپنے لوگوں سے کہا:

"اطمینان ہوگیا ہے... آؤ واپس چلیں۔"

ان تمام حالات کی خبر جب حضرت مسلم بن عقیل کو ہوئی تو آپ مقابلے کے لیے تیار ہوکر ہانی کے گھر سے نکلے اور جن اٹھارہ ہزار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی... انھیں اپنا ساتھ دینے کے لیے بلایا...

اٹھارہ ہزار کوفیوں میں سے چار ہزار آدمی جمع ہو گئے... آپ ان کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد کے محل کی طرف بڑھے... ابن زیاد نے محل کے دروازے بند کرلیے... حضرت مسلم بن عقیل نے محل کا محاصرہ کرلیا... مسجد اور بازار ان لوگوں سے بھر گئے... ان کی تعداد

میں شام تک اضافہ ہوتا رہا...

عبیداللہ بن زیاد کے ساتھ تیس سپاہی تھے ... ان کے علاوہ چند آدمی خاندانِ سادات کے بھی وہاں تھے ... ان میں سے ایسے بھی تھے جو محاصرہ کرنے والوں کے عزیز تھے یا ان پر اثر رکھتے تھے ... اس نے ان سے کہا... تم باہر جا کر اپنے اپنے لوگوں کو روکو ... انھیں مالی اور حکومت کا لالچ دو یا سزا کا خوف دلا کر واپس جانے پر مجبور کرو ... جیسے بھی ہو ... ان لوگوں کو مسلم بن عقیل سے الگ کر دو ...

کچھ سادات لوگوں کو اس نے محل کی چھت پر چڑھا کر لوگوں کو روکنے اور خوف دلانے کا حکم دیا... کیونکہ محاصرہ کرنے والوں میں بہت سے سادات تھے ... ان لوگوں نے جب چھت پر چڑھ کر تقریریں کرنا شروع کیں تو لوگ حضرت مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے ... یہاں تک کہ آپ کے ساتھ صرف تیس آدمی رہ گئے ... کہاں ہزاروں کا مجمع آپ کے ساتھ چلا تھا اور کہاں سب ساتھ چھوڑ گئے ... یہ حالت دیکھ کر آپ ان تیس آدمیوں کے ساتھ لوٹ آئے اور ابواب کندہ کی طرف چلے ... جب دروازے پر پہنچے تو دیکھا، ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں رہ گیا تھا...

اب آپ کوفے کے گلی کوچوں میں بے یارو مددگار پھرنے لگے ... یہ وہی شہر تھا جہاں کے لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط پر خط لکھے تھے اور اُن کی آمد سے پہلے ہی 18 ہزار آدمیوں نے بیعت کر لی تھی کہ بس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آجائیں ... پھر ہم کوفے کے گورنر کو نکال دیں گے ... لیکن ان میں سے اس وقت ایک بھی ایسا نہیں تھا، جو ان کے ساتھ نظر آتا...

ان کے سامنے اب سوال یہ تھا کہ کہاں جائیں ... ایسے میں انھیں ایک دروازے پر کھڑی عورت نظر آئی ... اس کا بیٹا اسی ہنگامے کے سلسلے میں گھر سے باہر تھا... وہ اس کے لیے پریشان تھی اور اس کا انتظار کر رہی تھی ... حضرت مسلم بن عقیل کی نظر اس پر پڑی تو آپ نے اس سے کہا:

"اے عورت تھوڑا سا پانی تو پلا دو۔"

اس عورت کا نام طوعہ تھا... اس نے انھیں پینے کے لیے پانی دے دیا... آپ نے وہاں بیٹھ کر پانی پیا اور پانی پینے کے بعد بھی وہیں بیٹھے رہے، کیونکہ مارے تھکن کے ان کا بہت برا حال تھا... طوعہ نے جب دیکھا کہ یہ شخص پانی پینے کے بعد بھی وہیں بیٹھا ہے تو اس نے کہا:

"آپ پانی پی چکے، اپنے گھر جائیں۔"

حضرت مسلم بن عقیل خاموش رہے... طوعہ نے ان سے تین بار یہ بات کہی، پھر اس نے سختی سے کہا:

"میں آپ کو اپنے دروازے پر نہیں بیٹھنے دوں گی ... آپ اپنے گھر کیوں نہیں جاتے۔"

اس وقت مجبور ہو کر حضرت مسلم بن عقیل نے کہا:

"میرا یہاں کوئی گھر نہیں ... میں مسلم بن عقیل ہوں ... میرے ساتھ یہاں کے لوگوں نے دھوکا کیا ہے ... کیا تم مجھے پناہ دو گی؟"

آپ کا نام سن کر طوعہ کو آپ پر رحم آگیا... اس نے آپ کو اندر آجانے کے لیے کہا... پھر آپ کے سامنے کھانا رکھا... آپ نے کھانا نہیں کھایا... اتنے میں اس عورت کا بیٹا بلال آگیا... طوعہ نے فوراً حضرت مسلم بن عقیل کو اندر چھپا دیا... اپنے بیٹے کو بھی ان کے بارے میں نہ بتانا، لیکن جب بیٹے نے اپنی ماں کو چوری چھپے کئی بار اندر جاتے دیکھا تو اسے شک گزرا... اس نے ماں سے پوچھا تو طوعہ نے کہا:

"پہلے اقرار کرو کہ کسی کو نہیں بتاؤ گے۔"

اس نے وعدہ کیا تو طوعہ نے بتا دیا کہ مسلم بن عقیل ہمارے گھر میں ہیں ... (جاری ہے)

تین حضرات

حافظہ نبیلہ خلیق۔ فیصل آباد

حضرت سلمہ بن کہیل فرماتے ہیں:

میں نے تین اشخاص ایسے دیکھے جو علم سے محض اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔

(1) حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ (2) حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ (3) حضرت ایاس بن معاویہ

امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک نے سلام کیا تو حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ نے بڑی بے نیازی کے سے انداز میں جواب دیا۔ حضرت سلیمان بن عبدالملک رحمہ اللہ نے حج کے مسائل دریافت کیے تو آپ نے ہر مسئلے کے تفصیلی اور مدلل جواب دیے۔ مسئلے دریافت کرنے کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے اپنے دونوں بیٹوں کو ساتھ لیا اور صفا مروہ کی طرف چل دیا۔ راستے میں شہزادوں نے ایک پکار سنی۔ "مسلمانوں اس مقدس جگہ پر عطا بن رباح رحمہ اللہ کے علاوہ کوئی فتویٰ نہیں جاری کر سکتا۔ اگر وہ موجود نہ ہوں تو عبداللہ بن ابی نجیح کو فتویٰ دینے کا حق ہے۔" اس پکار کو سن کر سلیمان کے ایک بیٹے نے کہا، ابا جان! ابھی حکومت کا ایک کارندہ ایسا اعلان کر رہا تھا کہ عطاء بن رباح رحمہ اللہ کے علاوہ کوئی فتویٰ نہیں دے سکتا، لیکن آپ تو ابھی ایک معمولی سے آدمی سے مسائل دریافت کر رہے تھے تو سلیمان نے جواب دیا، بیٹا وہی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تھے جن کی شانِ بے نیازی عاجزی وانکساری درماندگی کا تم خود مشاہدہ کر چکے ہو۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ علم اور عمل کے اس مقام پر دو عادتوں کی بنا پر فائز ہوئے۔ ایک تو انھیں اپنے نفس پر کامل درجے کا کنٹرول تھا۔ وہ اپنے نفس کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ دنیا کی لذت حاصل کر سکے۔ دوسرا انھیں وقت کا بہت احساس تھا اور انھوں نے کبھی بھی فضول باتوں یا فضول کاموں میں وقت ضائع نہیں کیا تھا۔

حضرت عامر بن عبداللہ رات بھر مصلے پر کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ہی نہیں تھے، بلکہ دن میں گھوڑے کی پشت پر میدان میں عظیم کارنامے انجام دینے والے جفاکش مجاہد بھی تھے، جب کسی نے جہاد کے لیے پکارا، سب سے پہلے میدان میں اترے۔ اور جہاد کے سفر پر روانہ ہونے والے قافلے کو مخاطب ہو کر کہتے "میرے آپ سے تین مطالبے ہیں:

(۱) میں آپ سب کا خادم بن کر شریک سفر رہوں گا اور آپ میں سے کسی کو اعتراض نہیں ہوگا (۲) جب بھی نماز کا وقت ہوگا، اذان میں دیا کروں گا اور آپ میں سے کوئی بھی میرا حق چھیننے کی کوشش نہیں کرے گا۔ (۳) میں اپنی حیثیت کے مطابق آپ پر اپنی گرہ سے خرچ کروں گا اور آپ میں سے کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔

حضرت ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ ایک یہودی کے پاس تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ اس کے پاس کچھ یہودی آئے اور دین اسلام کے متعلق باتیں کرنے لگے تو آپ بھی خاموشی سے قریب کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے بچہ سمجھ کر کوئی پروا نہ کی۔ آپ کے استاد کے ساتھیوں نے کہا کہ مسلمان کہتے ہیں، جنت میں جی بھر کر کھائیں گے بھی اور بول و براز بھی نہیں کریں گے احمق کہیں کے۔ ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ نے اجازت طلب کی اور فرمانے لگے، اس دنیا میں جو کچھ کھایا جاتا ہے، کیا تمام کا تمام بول و براز بن کر نکل جاتا ہے۔ استاد نے کہا نہیں، پھر آپ نے سوال کیا، پھر کہاں جاتا ہے؟ استاد نے جواب دیا: ہضم ہو کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ ایاس رحمہ اللہ نے جواب دیا، تو پھر جنت کو پاکیزہ اور صاف رکھنے کے لیے ساری غذا جزو بدن بنا دی جائے گی تو تمہیں کیا تعجب ہے، اس بات سے ان پر سناٹا چھا گیا اور ششدر رہ گئے۔ حضرت ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ ذہانت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

ادھر عبیداللہ بن زیاد کو اس کے ماتحتوں نے بتایا کہ قصرِ امارت کے آس پاس اب کوئی نہیں ہے تو وہ باہر نکلا ... مسجد آیا ... اپنے آس پاس اپنے لوگوں کو بٹھایا اور اعلان کروایا کہ سب لوگ مسجد میں حاضر ہو جائیں ... جب مسجد لوگوں سے بھر گئی تو اس نے لوگوں کے سامنے یہ تقریر کی:

''ابن عقیل نے جو کچھ کیا، وہ تم لوگوں نے دیکھ لیا ... اب ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ جس شخص کے گھر میں مسلم بن عقیل کو پائیں گے، ہمارا ذمہ اس گھر سے بری ہے، (یعنی وہ بھی پکڑا جائے گا) اور جو شخص اسے پکڑ کر ہم تک پہنچائے گا، اسے ہم انعام دیں گے۔''

یہ تقریر کرنے کے بعد اس نے اپنی پولیس کے افسر حصین بن نمیر کو حکم دیا:

''شہر کے تمام گلی کوچوں کے دروازوں پر پہرہ لگا دو تا کہ کوئی شہر سے باہر نہ جا سکے ... اور گھر گھر کی تلاشی لو۔''

اس اعلان کو سننے کے بعد طوعہ کے بیٹے بلال نے سوچا، اب گھر گھر تلاشی لی جائے گی تو مسلم بن عقیل ہمارے گھر سے مل جائیں گے، اس طرح ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے ... اور وہ پھر بھی پکڑے جائیں گے ... تو کیوں نہ خود ہی بتا دوں ... یہ سوچ کر اس نے یہ بات محمد بن اشعث کو بتا دی ... محمد بن اشعث نے فوراً ابن زیاد کو بتائی ... محمد بن اشعث اس کی فوج کا افسر تھا ... اس نے ستر سپاہیوں کے ساتھ اسے حضرت مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لیے بھیج دیا۔

یہ لوگ طوعہ کے گھر کی طرف بڑھے ... حضرت مسلم بن عقیل نے جب ان کا شور سنا تو تلوار ہاتھ میں لیے گھر سے نکل آئے ... وہ ستر تھے ... یہ اکیلے ... انہوں نے ان پر مل کر حملہ کیا، آپ نے مقابلہ کیا اور ان سب کے منہ پھیر کر رکھ دیے ... وہ بھاگ کھڑے ہوئے ... لیکن تھوڑی دیر بعد پھر آ گئے ... آپ گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے تھے ... کیونکہ مارے تھکن کے آپ کا برا حال تھا ... جونہی آپ نے انہیں دیکھا، پھر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے، انھوں نے مل کر حملہ کیا، لیکن وہ ان کے قابو میں پھر بھی نہ آئے ... آخر یہ لوگ چھت پر چڑھ گئے اور اوپر سے پتھر برسانے لگے ... اس حالت میں بھی آپ نے ان سب کا مقابلہ جاری رکھا ... ادھر جب محمد بن اشعث نے دیکھا کہ وہ کسی طرح قابو میں نہیں آ رہے تو پکار کر بولا:

''میں تمھیں امن دیتا ہوں ... اپنی جان کو ہلاک نہ کرو ... میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا ہوں ... یہ لوگ تمھارے چچا زاد ہیں ... تمھیں قتل نہیں کریں گے، نہ تمھیں ماریں گے۔''

حضرت مسلم بن عقیل تنہا ستر آدمیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تھک کر چور ہو چکے تھے ... آپ نے محمد بن اشعث کی بات مان لی ... آپ کو ایک گھوڑے پر سوار کیا گیا ... آپ کے ہتھیار ان سے لے لیے گئے ... جب ان سے ہتھیار لیے گئے تو آپ نے فرمایا:

''یہ پہلی عہد شکنی ہے کہ امان دینے کے بعد ہتھیار لیے جا رہے ہیں۔''

یہ سن کر محمد بن اشعث نے کہا:

''فکر نہ کریں ... آپ کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا جائے گا۔''

حضرت مسلم بن عقیل بولے:

''یہ سب باتیں ہیں ...'' یہ کہتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر محمد بن اشعث کے ساتھیوں میں سے ایک شخص عمرو بن عبید نے کہا:

''اب روتے ہو ... یہ کام کیا ہی کیوں تھا۔''

یہ شخص حضرت مسلم بن عقیل کو امان دینے کے خلاف تھا ... آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

''میں اپنی جان کے لیے نہیں رو رہا بلکہ میں تو اپنے بھائی حسین اور ان کی آل کے لیے رو رہا ہوں ... انہیں میرا خط مل چکا ہوگا اور وہ کوفہ پہنچنے والے ہوں گے ... وہ بھی تمھارے ہاتھوں اسی بلا میں گرفتار ہوں گے۔''

اس کے بعد آپ نے محمد بن اشعث سے کہا:

''اے محمد بن اشعث! تم نے مجھے امان دی ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ تم اپنی دی ہوئی امان میں پورے نہیں اتر سکو گے ... لوگ تمھاری دی ہوئی امان کو نہیں مانیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے تو اب کم از کم میری ایک بات مان لو ... وہ یہ کہ ایک آدمی فوراً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کرو ... وہ انہیں میری حالت کے بارے میں بتائے اور میری طرف سے یہ پیغام دے کہ آپ اپنے اہل بیت کو ساتھ لے کر واپس لوٹ جائیں ... کوفے والوں کے خطوط

کے دھوکے میں نہ آئیں... یہ وہی لوگ ہیں جن کی بے وفائی سے گھبرا کر آپ کے والد اپنی موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔"

یہ سن کر محمد بن اشعث نے کہا:

"میں آپ کو حلف دیتا ہوں کہ ایسا کروں گا۔"

اور محمد بن اشعث نے یہ وعدہ پورا کیا... اسی وقت ایک آدمی کو خط دے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت تک مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر زبالہ کے مقام تک پہنچ چکے تھے... یہ قاصد آپ کے پاس اس مقام پر پہنچا... اس نے حضرت حسین کو وہ خط دیا... خط پڑھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جو چیز ہو چکی، وہ ہو کر رہے گی... ہم صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی جانوں کا ثواب چاہتے ہیں... اور امت کے فساد کی فریاد کرتے ہیں۔"

مطلب یہ کہ یہ خط پا کر بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ تبدیل نہیں فرمایا... جو عزم لے کر چلے تھے... اسے لیے آگے بڑھتے رہے۔

☆

محمد بن اشعث، حضرت مسلم بن عقیل کو لے کر قصرِ امارت میں داخل ہوا... اس نے عبید اللہ بن زیاد کو بتایا:

"میں مسلم بن عقیل کو امان دے کر آپ کے پاس لایا ہوں۔"

عبید اللہ بن زیاد نے غصے کے عالم میں کہا:

"تم کون ہوتے ہو امان دینے والے، تمہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا، نہ کہ امان دینے کے لیے..."

محمد بن اشعث یہ سن کر خاموش رہا... وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا... اسی وقت عبید اللہ بن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا:

"انہیں قتل کر دیا جائے۔"

حضرت مسلم بن عقیل پہلے ہی یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ محمد بن اشعث کا انہیں امان دینا کوئی اہمیت نہیں رکھتا ... اور یہ کہ عبید اللہ بن زیاد انھیں قتل کا ہی حکم دے گا۔

قتل کا حکم سن کر آپ نے فرمایا:

"مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو۔"

عبید اللہ بن زیاد نے مہلت دے دی... آپ نے وہاں موجود عمر بن سعد سے فرمایا'

"میرے اور آپ کے درمیان قرابت داری ہے (یعنی رشتے داری ہے) میں اس قرابت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں، مجھے تم سے ایک کام ہے... میں وہ کام علیحدگی میں بتا سکتا ہوں۔"

عمر بن سعد نے ان کی بات علیحدگی میں سننے کی ہمت نہ کی ... یہ بات محسوس کر کے عبید اللہ بن زیاد نے کہا: "کوئی حرج نہیں... تم الگ لے جا کر ان کی بات سن لو۔"

کچھ دور ہو کر حضرت مسلم بن عقیل نے عمر بن سعد سے کہا:

"کام یہ ہے کہ میرے ذمے سات سو درہم قرض ہیں... یہ میں نے کوفے کے فلاں آدمی سے لیے تھے ... وہ میری طرف سے تم ادا کر دو... دوسرا کام یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی بھیج کر انہیں راستے سے لوٹا دو۔"

آپ کی دونوں باتیں سن کر عمر بن سعد عبید اللہ بن زیاد کے پاس آیا... اس نے کہا:

"مسلم بن عقیل نے مجھ سے یہ دو باتیں کہی ہیں ... کیا مجھے ان کی وصیت پوری کرنے کی اجازت ہے۔" (باقی صفحہ 15 پر)

عبداللہ فارانی

اسلامی جنگیں

132

قدم بہ قدم

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کوفے کے لوگوں کے تقریباً ڈیڑھ سو خط آ چکے تھے اور آپ سے ملاقات کے لیے کئی وفد بھی آ چکے تھے... ان سب کا کہنا یہی تھا کہ بس آپ چلیے... لوگ آپ کو خلیفہ بنانے کے لیے بری طرح بے چین تھے۔

اس کے ساتھ ہی آپ کو حضرت مسلم بن عقیل کی طرف سے یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ ان کے ہاتھ پر کوفے کے اٹھارہ ہزار لوگ بیعت کر چکے ہیں... بس آپ چلے آئیں۔"

ان تمام حالات کی بنا پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفے کا ارادہ فرما لیا۔

جب آپ کے اس ارادے کی خبر لوگوں کو ہوئی تو لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے:

"اے نواسۂ رسول! آپ ہرگز کوفہ نہ جائیں... وہاں کے لوگوں کے وعدوں اور ان کی بیعت پر بھروسہ نہ کریں... وہاں آپ کے لیے بڑا خطرہ ہے... وہاں کے لوگوں نے تو آپ کے والد محترم کے ساتھ وفا نہیں کی تھی... وہ آپ کو بھی دھوکا دیں گے۔"

عمر بن عبدالرحمٰن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے... انہوں نے کہا:

"آپ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں یزید کے حکام ہیں اور اس کے امرا ہیں... ان کے پاس بیت المال ہے اور لوگ عام طور پر درہم دینار کے شیدائی ہیں... مجھے ڈر ہے، کہیں وہی لوگ آپ کے مقابلے پر نہ آ جائیں... جنہوں نے آپ کو بلایا ہے اور آپ سے وعدے کیے ہیں۔"

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی نصیحت کو سنا اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا:

"میں آپ کی رائے اور مشورے کا خیال رکھوں گا۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں... ان خبروں کی کیا حقیقت ہے... آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں ارادہ کر چکا ہوں... اور آج کل میں جانے والا ہوں۔"

یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، آپ وہاں نہ جائیں... ہاں اگر انہوں نے اپنے اوپر مقرر امیر کو قتل کر دیا ہے اور شہر پر قابض ہو گئے ہیں... اپنے دشمن کو شہر سے نکال چکے ہیں تو اس صورت میں تو آپ ضرور چلے جائیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں آپ کو وہاں جانے کا ہرگز مشورہ نہیں دوں گا۔"

ان کے جواب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اچھا! میں استخارہ کرتا ہوں، پھر جو سمجھ میں آئے گا، میں اس پر عمل کروں گا۔"

آپ کی یہ بات سن کر حضرت ابن عباس چلے گئے، لیکن دوسرے دن پھر آئے اور فرمایا:

"میرے بھائی... میں نہیں آنا چاہتا تھا... لیکن مجھ سے رہا نہ گیا... مجھے ڈر ہے... اگر آپ گئے تو کہیں آپ اور آپ کے اہل بیت ہلاک نہ کر دیے جائیں... عراق کے لوگ بے وفا لوگ ہیں، اپنا وعدہ توڑ دیتے ہیں... اس لیے میں تو یہی کہوں گا، آپ ان کے پاس نہ جائیں... آپ یہیں مکہ میں رہیں... آپ اہل حجاز کے رہنما ہیں اور سردار ہیں... اگر عراق کے لوگ آپ سے زیادہ تقاضا کریں تو آپ انہیں لکھیں کہ پہلے اپنے امیر کو اور دوسرے حکام کو شہر سے نکال دو، اس کے بعد تم بلاؤ گے تو میں آ جاؤں گا اور میرے بھائی، اگر آپ جانے کا ارادہ ہی کر چکے ہیں تو خدا کے لیے عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں، مجھے ڈر ہے، کہیں آپ اسی طرح اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ قتل نہ کر دیے جائیں، جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تھے۔"

آپ نے پھر ان کا شکریہ ادا کیا... دراصل آپ دینی ضرورت سمجھ کر اللہ کے لیے عزم کر چکے تھے... مشورہ دینے والوں نے آپ کو خطرات سے آگاہ کیا مگر مقصد کی اہمیت نے انہیں خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے مجبور کر دیا... اور آخر آپ ذی الحجہ 60 ہجری کی تیسری تاریخ کو مکہ سے کوفے کے لیے روانہ ہو گئے۔

اس وقت یزید کی طرف سے مکہ مکرمہ کا حاکم عمرو بن سعید تھا... اسے آپ کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی

تو اس نے چند آدمیوں کو آپ کو روکنے کے لیے بھیجا ... حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی اور آگے بڑھ گئے...

☆

آپ کا سفر جاری تھا کہ عراق کی سمت سے فرزوق شاعر آتا نظر آیا... اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر پوچھا:

"کہاں کا ارادہ ہے؟"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس سے پوچھا:

"یہ تو بتاؤ! اہلِ عراق اور کوفے کے لوگوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟"

آپ کی بات کے جواب میں اس نے کہا:

"اچھا ہوا آپ نے ایک واقفِ حال اور تجربہ کار سے یہ بات پوچھی ہے... میں آپ کو بتاتا ہوں... اہل عراق کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں، مگر ان کی تلواریں بنی رقیہ کے ساتھ ہیں اور تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے، اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔"

آپ نے اس کی بات کے جواب میں فرمایا:

"تم سچ کہتے ہو... تمام کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں... اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے... اور ہمارا رب ہر روز نئی شان میں ہے اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر ادا کریں گے اور ہم شکر ادا کرنے میں اسی کی مدد طلب کرتے ہیں کہ شکر ادا کرنے کی توفیق ہو... اور اگر تقدیرِ الٰہی ہمارے راستے میں رکاوٹ بن گئی تو وہ شخص خطا پر نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خوفِ خدا ہو۔"

یہ کہہ کر آپ نے فرزوق شاعر کا بھی شکریہ ادا کیا اور آگے روانہ ہو گئے...

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے جب آپ کی روانگی کی خبر سنی تو ایک خط لکھ کر اپنے بیٹوں کے ہاتھ روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی:

"بہت تیزی سے جاؤ اور میرا یہ خط حضرت حسین کو دو۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے یہ خط لے کر روانہ ہوئے اور آپ کو راستے میں جالیا... خط پیش کیا... آپ نے پڑھا... خط میں لکھا تھا:

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں، جونہی آپ کو میرا خط ملے، آپ اپنا سفر روک دیں اور مکہ لوٹ آئیں... میں یہ آپ کی خیرخواہی کے لیے کہہ رہا ہوں، کیونکہ مجھے آپ کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور مجھے خوف ہے کہ آپ کے سب اہل بیت اور اصحاب کو ختم نہ کر دیا جائے... اگر خدانخواستہ آپ آج ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا، کیونکہ آپ مسلمانوں کے پیشوا ہیں... اور ان کی آخری امید ہیں... آپ چلنے میں جلدی نہ کریں... اس خط کے پیچھے میں خود بھی آ رہا ہوں، میرا انتظار فرمائیں۔ (ابن کثیر)

آپ نے یہ خط لکھ کر روانہ کیا اور خود مکے کے امیر عمرو بن سعید کے پاس تشریف لے گئے... اس سے کہا:

"آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے امان کا پروانہ لکھ دیں اور اس بات کا تحریری وعدہ دے دیں کہ اگر حضرت حسین واپس آ جائیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔"

مکے کے امیر عمرو بن سعید نے امان لکھ دی... یہ تحریری وعدہ بھی کر لیا کہ آپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔

اس طرح یہ حضرات آپ سے راستے میں ملے... مکے کے امیر کا پیغام آپ کو دیا... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا ہے... میں اس حکم کی بجا آوری کرنے جا رہا ہوں، چاہے مجھ پر کچھ بھی گزر جائے۔"

انہوں نے پوچھا:

"وہ خواب کیا ہے۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے آج تک وہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا، نہ کروں گا، یہاں تک کہ اپنے پروردگار سے جا ملوں۔"

آخر کار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کسی کے مشورے نہ روک سکے... آپ کے ارادے میں کسی قسم کی کوئی کمزوری پیدا نہ ہو سکی اور آپ کوفے کی طرف روانہ ہو گئے۔

عبیداللہ بن زیاد کو جب آپ کی روانگی کی خبر ملی تو اس نے فوج کے افسر حصین بن نمیر کو حکم دیا:

"مقابلے کی تیاری کرو اور روانہ ہو جاؤ۔"

راستے میں آپ کو جو ہمدرد ملتے رہے، آپ کو روکتے رہے، لیکن آپ مسلسل آگے بڑھتے رہے... اس دوران آپ نے کوفے کے لوگوں کے نام ایک خط لکھ کر قاصد کے ہاتھوں روانہ کیا... کوفے کی پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا... عبیداللہ بن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ قصرِ امارت کی چھت پر چڑھ کر حسین کو برا بھلا کہو... وہ چھت پر چڑھ گئے اور وہاں کھڑے ہو کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان کرنا شروع کر دی... یہاں تک کہ انہیں دھکا دے کر نیچے گرا دیا گیا... ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ (جاری ہے)

پیش گوئیاں

پاکستان کے بارے میں کچھ بزرگوں نے بہت پہلے کچھ پیش گوئیاں کی تھیں۔ ان پیش گوئیوں کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ آیئے ذرا آپ بھی حیران ہو لیں۔ لیجیے:

حضرت شاہ نعمت اللہ ولی رحمہ اللہ نے پیش گوئی کی تھی:

"ہند میں نصرانیوں (انگریزوں) کی حکومت سو سال سے زیادہ آگے نہیں جائے گی۔"

ایک جگہ فرمایا:

"انگریز ہندوستان کی حکمرانی چھوڑ دیں گے، لیکن اپنی برائیوں کا بیج بو دیں گے۔ ہندوستان دو حصوں میں بٹ جائے گا، لیکن دو حصوں میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔ (پیش گوئیاں شاہ نعمت اللہ ولی رحمہ اللہ)

شاہ لطیف المعروف امام بری قادری رحمہ اللہ نے آج سے تین سو سال پہلے فرمایا تھا:

"نور پور کے پاس ایک اسلامی شہر آباد ہو گا جو مستقبل میں دنیائے اسلام کا مرکز بنے گا۔ اس جگہ آج اسلام آباد آباد ہے۔ (مبشرات پاکستان)

پیر مہر علی گولڑوی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

"عنقریب اس ملک میں سب مسلمان ہوں گے۔"

آپ نے یہ فرماتے ہوئے مشرق کی طرف ہاتھ اٹھا دیا تھا۔ پھر فرمایا تھا، اس طرف کے مسلمانوں کو مصیبت پیش آئے گی۔

چنانچہ 1947ء میں ملک تقسیم ہوا۔

تہمینہ واحد انصاری۔ سرگودھا

ثعلبیہ کے مقام پر محمد بن اشعث کا بھیجا ہوا قاصد آپ تک پہنچا... اس سے آپ کو حضرت مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی... اب آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا:

''خدا کے لیے یہیں سے واپس لوٹ چلیے، کیونکہ کوفے میں آپ کا کوئی وفادار نہیں، بلکہ نظر آ رہا ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو خطوط لکھ کر بلایا ہے، وہی آپ کے مقابلے پر ہوں گے۔''

ان لوگوں کی یہ بات سن کر حضرت مسلم بن عقیل کے خاندان کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

''اللہ کی قسم! ہم مسلم بن عقیل کا بدلہ لیں گے، یا انھی کی طرح اپنی جانیں دے دیں گے۔''

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس وقت تک بخوبی یہ بات جان چکے تھے کہ کوفے میں ان کا کوئی وفادار نہیں، اور نہ وہاں پہنچنے پر دینی مقاصد حاصل ہونے کا کوئی امکان ہے... لیکن مسلم بن عقیل کے گھرانے کے لوگوں کے صدمے سے متاثر ہو کر آپ نے فرمایا:

''اب ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔''

اس طرح آپ کا بڑھنا رک نہ سکا... آپ نے سفر کرتے ہوئے زبالہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا... راستے میں کچھ لوگ آپ کے ساتھ شامل بھی ہوتے رہے... راستے ہی میں آپ کو قاصد کے قتل کی بھی اطلاع ملی... ان حالات میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع فرمایا اور ان سے فرمایا:

''کوفے کے لوگوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے... اب جس کا جی چاہے، واپس چلا جائے... میں کسی کی ذمے داری اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔''

اس اعلان کا سننا تھا کہ راستے میں جتنے لوگ ساتھ ہوئے تھے، وہ الگ ہو گئے اور دائیں بائیں چلے گئے... آپ کے ساتھ بس وہی افراد رہ گئے جو مکہ مکرمہ سے آپ کے ساتھ چلے تھے۔

یہاں سے روانہ ہو کر آپ مقام عقبہ پہنچے... اس مقام پر ایک عرب آپ کو ملے... انہوں نے کہا:

''میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں، آپ واپس لوٹ جائیں... آپ نیزوں، بھالوں اور تلواروں کی طرف جا رہے ہیں جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے، اگر وہ خود اپنے دشمنوں سے نبٹتے اور انہیں شہر سے باہر کرتے اور پھر آپ کو بلاتے تو وہاں جانا درست ہوتا، لیکن ان حالات میں آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں۔''

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم نے جو کہا، وہ بالکل درست ہے، میں جانتا ہوں، لیکن تقدیر پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔''

قدم بہ قدم

حضرت حسین رضی اللہ عنہ برابر آگے بڑھ رہے تھے کہ دوپہر کے وقت دور سے کچھ چیزیں حرکت کرتی نظر آئیں... غور کرنے پر معلوم ہوا کہ گھوڑے سوار فوج ہے... یہ دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ایک پہاڑ کے نزدیک پہنچ کر پڑاؤ ڈالا... یہ حضرات جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ایک ہزار گھوڑے سوار فوج وہاں پہنچ گئی اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے خیمہ زن ہو گئی... اس فوج کے سالار حضرت حر بن یزید تھے... حصین بن نمیر نے انہیں بھیجا تھا۔

ظہر کا وقت ہوا تو موذن نے اذان دی... پھر سب نماز کے لیے جمع ہوئے تو آپ نے حر بن یزید اور ان کی فوج کی طرف رخ کر کے فرمایا:

''لوگو! میں خود نہیں آیا... مجھے تم لوگوں نے خطوط لکھ کر بلایا ہے... ان خطوط میں لکھا تھا... ہمارا کوئی امام نہیں ہے، کوئی امیر نہیں ہے... آپ آ جائیں، امید ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا دیں گے... اب اگر تم لوگوں کی رائے بدل گئی ہے اور میرا آنا تمھیں ناگوار گزرا ہے، میں جہاں سے آیا تھا وہیں چلا جاتا ہوں... تم اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھو گے، یا ہمارے ساتھ۔''

حضرت حر نے کہا:

''ہم آپ کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی... نماز پڑھ کر حر اور اس کے فوجی واپس اپنی جگہ پر چلے گئے... اسی طرح عصر کی نماز ادا کی گئی... عصر کی نماز کے بعد آپ نے پھر خطبہ دیا:

''لوگو! اللہ سے ڈرو! اہل حق کا حق پہچانو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہوگا... ہم اہل بیت اس خلافت کے ان لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں جو حق کے خلاف اس کا دعویٰ کرتے ہیں اور ظلم و جور کی حکومت کرتے ہیں اور اگر تم ہمیں ناپسند کرتے ہو اور اب تمھاری رائے پہلی والی رائے نہیں رہی جو تمھارے خطوط اور وفود سے معلوم ہوئی تھی تو ہم واپس چلے

جاتے ہیں۔" (ابن اثیر)

اس پر حضرت حر نے کہا:

"ہمیں ان خطوط اور وفود کی کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں اور کس نے لکھے ہیں۔"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے نکالے... آپ نے ان دونوں تھیلوں کو ان سب کے سامنے الٹ دیا... یہ دیکھ کر حضرت حر نے کہا:

"بہر حال! یہ خطوط ہم نے نہیں لکھے... ہمیں امیر کی طرف سے حکم ملا ہے کہ ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفے نہ پہنچا دیں۔"

یہ سن کر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس سے موت بہتر ہے۔"

حر نے آپ سے کہا:

"مجھے آپ کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا... حکم یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ ساتھ رہوں... آپ سے جدا نہ ہوں... جب تک کہ آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں... اس لیے آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ کوفے کی طرف نہ جائیں... میں ابن زیاد کو خط لکھ دیتا ہوں... آپ بھی یزید کو اور ابن زیاد کو خط لکھیں... اس طرح شاید ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مجھے آپ سے جنگ نہ کرنی پڑے۔"

آپ کو حر بن یزید کا مشورہ مناسب لگا، چنانچہ غذیب اور قادسیہ کے راستے سے بائیں جانب چلنا شروع کیا... حر بن یزید بھی آپ کے ساتھ چلتا رہا... اس دوران سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ایک اور خطبہ دیا... آپ نے اس میں فرمایا:

"لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کو حلال سمجھے اور اللہ کے عہد کو توڑ دے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرے، اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور ظلم کا معاملہ کرے اور وہ شخص اس کے قول اور فعل کی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ اسے بھی اس ظالم بادشاہ کے ساتھ اس کے مقام (یعنی دوزخ) میں پہنچا دے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید اور اس کے امرائے شیطان کی پیروی کو اختیار کر رکھا ہے اور رحمان کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا دیا ہے... اللہ کی حدود کو توڑ ڈالا ہے... اسلامی بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے... اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے دیا ہے۔

اور میں دوسروں سے زیادہ حق دار ہوں اور میرے پاس تمہارے خطوط اور وفد تمہاری بیعت کا پیغام لے کر آئے ہیں، یہ کہ تم میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے اور میری جان کو اپنی جانوں کے برابر سمجھو گے۔

اب اگر تم اس بیعت پر قائم ہو تو ہدایت پاؤ گے... میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر فاطمہ کا بیٹا ہوں... تمہیں میری اطاعت کرنی چاہیے۔"

اس خطبے کے بعد آپ پھر روانہ ہوئے... نینویٰ کے مقام پر پہنچے (اسی مقام کو کربلا کہا گیا) اسی وقت کوفے کی طرف سے ایک سوار آتا نظر آیا... وہ نزدیک آیا تو اس نے حر بن یزید کو سلام کیا... آپ کی طرف دیکھا بھی نہیں... اس نے عبید اللہ بن زیاد کا ایک خط حر بن یزید کو دیا... ابن زیاد نے لکھا تھا:

"جس وقت تمہیں میرا یہ خط ملے تو حسین رضی اللہ عنہ پر میدان تنگ کر دو... انہیں کھلے میدان کے سوا کسی پناہ کی جگہ نہ اترنے دو... اور انہیں ایسے میدان کی طرف لے جاؤ جہاں پانی نہ ہو... جب تک تم اس حکم کی تعمیل نہیں کرو گے... میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا۔"

یہ خط پڑھ کر حر بن یزید نے اس کا مضمون سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی سنا دیا... گویا اپنی مجبوری ظاہر کر دی... اس وقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے زہیر بن قین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"آپ دیکھ رہے ہیں، ہر آنے والی گھڑی مشکلات میں اضافہ کر رہی ہے... اس وقت ہمارے لیے اس لشکر سے جنگ کرنا آسان ہے، اس لشکر کی نسبت جو آنے والا ہے۔"

ان کے جواب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔"

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر لے کر آ پہنچا... (جاری ہے)

ایک رودادِ سفر

یادگار اسلاف، شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے ساتھ اپنے ایک سفر کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کوئٹہ کے سفر میں میں علامہ بنوری رحمہ اللہ کے ہمراہ تھا۔ یہاں مولانا کو کل چوبیس گھنٹے ٹھہرنا تھا۔ جس میں تین مجلسوں سے خطاب کرنا تھا۔ ایک پریس کانفرنس تھی، گورنر بلوچستان سے ملاقات تھی اور عشاء کے بعد جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ عام تھا۔ سارا دن مولانا کو ایک لمحہ بھی آرام نہ مل سکا اور رات کو جب ہم جلسے سے فارغ ہو کر آئے تو بارہ بج چکے تھے۔ خود میں تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا۔ مولانا تو یقیناً مجھ سے زیادہ تھکے ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد میں سو گیا، رات کے آخری حصے میں آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولانا کی چارپائی خالی ہے اور وہ قریب بچھے ہوئے ایک مصلے پر سجدے میں پڑے ہوئے سسکیاں لے رہے ہیں، اللہ اکبر! ایسے سفر، اتنی تھکن اور مصروفیت میں بھی نالۂ نیم شبی جاری تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے ایک تو ندامت ہوئی کہ مولانا اپنے ضعف میں علالت اور سفر کے باوجود بیدار ہیں اور ہم صحت مند اور نوعمری کے باوجود محو خواب اور دوسری طرف اطمینان بھی ہوا کہ جس تحریک کے قائد کا رشتہ اپنے رب سے اتنا مستحکم ہو، ان شاء اللہ ناکام نہیں ہوگی۔ اس زمانے میں ملک بھر میں مولانا کا طوطی بول رہا تھا۔ اخبارات مولانا کی سرگرمیوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے اور ان کی تقریریں اور بیانات شہ سرخیوں سے شائع ہوتے تھے، چنانچہ جب صبح ہوئی تو میزبانوں نے اخبارات کا ایک پلندہ لا کر مولانا کے سامنے رکھ دیا۔ یہ اخبارات مولانا کے سفر کوئٹہ کی خبروں، بیانات، تقریروں سے بھرے ہوئے تھے، مولانا نے یہ اخبارات اٹھا کر ان پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر فوراً ہی انہیں ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے بعد جب کمرے میں کوئی نہ رہا تو مجھ سے فرمایا:

"آج کل کوئی تحریک دین کے لیے چلائی جائے، اس میں سب سے بڑا فتنہ نام و نمود کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ دینی تحریکوں کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ مجھے بار بار یہ ڈر لگتا ہے کہ میں اس فتنے کا شکار نہ ہو جاؤں اور اس طرح یہ تحریک ڈوب نہ جائے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس فتنے سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، ورنہ ہمارے اعمال کو تو بے وزن بنا ہی دے گا، اس مقدس تحریک کو بھی لے کر بیٹھ جائے گا۔ یہ بات فرماتے ہوئے مولانا کے چہرے پر کسی تصنع یا تکلف کے آثار نہیں تھے، بلکہ دل کی گہرائیوں سے پیدا ہونے والی پریشانی نمایاں تھی۔

انتخاب: حفصہ اسماعیل۔ جلال پور پیروالا

عبداللہ فارانی

134

اسلامی جنگیں

قدم بہ قدم

اس نے آتے ہی پوچھا:

"آپ یہاں کس لیے آئے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"مجھے کوفے کے لوگوں نے بلایا ہے... اب اگر ان لوگوں کی رائے بدل گئی ہے تو میں واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔"

آپ کا یہ جواب عمر بن سعد نے زیاد کو لکھ بھیجا کہ حسین رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لیے تیار ہیں۔

ابن زیاد نے ادھر سے حکم بھیجا:

"ان کے سامنے صرف ایک بات رکھو، یہ کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیں... جب یہ ایسا کر لیں گے تو پھر ہم غور کریں گے کہ ان کے معاملے میں کیا کیا جائے... ان کا پانی بند کر دو۔"

یہ واقعہ شہادت سے تین دن پہلے کا ہے... آپ کا پانی بند کر دیا گیا... آپ کے ساتھی پیاس سے بے تاب ہوئے تو آپ نے تیس سواروں کو پانی لانے کے لیے بھیجا... عمر بن سعد نے رکاوٹ ڈالی، جنگ ہوئی، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھی آخر کار بیس مشکیں پانی کی بھر کر لے آئے۔

پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی تین شرطیں پیش کیں، وہ یہ تھیں:

1۔ میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں واپس چلا جاتا ہوں۔

2۔ یا مجھے یزید کے پاس جانے دیا جائے تا کہ میں اپنا معاملہ اس سے طے کر لوں۔

3۔ یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر جانے دیا جائے جو حال وہاں کے لوگوں کا ہوگا، اس کے مطابق میں بسر کروں گا... (یعنی اگر وہاں جہاد ہو رہا ہوگا تو جہاد میں حصہ لوں گا)

بعض مورخوں نے پہلی دو شرطوں کا انکار کیا ہے... یعنی آپ نے یہ دو شرطیں نہیں رکھیں تھیں، صرف تیسری شرط رکھی تھی۔

عمر بن سعد نے عبیداللہ بن زیاد کو لکھا:

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنگ کیے بغیر واپس جانے کے لیے تیار ہیں... اس طرح ہم اس جنگ سے بھی بچ سکتے ہیں، ہمارے لیے ان کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔"

عبیداللہ بن زیاد بھی یہ سن کر رضا مند ہو گیا... اس نے کہا:

"یہ ایک اچھی تجویز ہے... ہم نے اسے قبول کر لیا۔"

اس کے پاس اس وقت شمر ذی الجوشن موجود تھا... اس نے کہا:

"آپ اس وقت حسین رضی اللہ عنہ کو مہلت دے رہے ہیں... وہ طاقت حاصل کر کے پھر مقابلے پر آئیں گے اور اگر اس وقت یہ آپ کے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے تو پھر یہ کبھی آپ کے ہاتھ نہیں آئیں گے... آپ پھر ان پر قابو نہیں پا سکیں گے... مجھے یہ عمر بن سعد کی سازش لگتی ہے... مجھے پتا چلا ہے... وہ رات میں حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقاتیں کرتا ہے... آپ انہیں مجبور کریں کہ وہ آپ کے پاس آ جائیں، پھر چاہے آپ انہیں سزا دیں، چاہیں معاف کریں۔"

ابن زیاد نے شمر کی رائے قبول کر لی... اور عمر بن سعد کو اس مضمون کا خط لکھ دیا... یہ خط شمر کے ہاتھ روانہ کیا گیا اور اسے حکم گیا:

اگر عمر بن سعد اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو تم اسے قتل کر دینا اور اس کی جگہ لشکر کی کمان تم سنبھال لینا۔"

شمر نے یہ خط عمر بن سعد کو دیا، وہ سمجھ گیا کہ یہ خط شمر کے مشورے سے لکھا گیا ہے... بہرحال اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس خط کے بارے میں بتا دیا۔

شمر یہ خط لے کر محرم کی نو تاریخ کو پہنچا تھا... سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے خیمے کے سامنے بیٹھے تھے... ایسے میں آپ کو اونگھ آ گئی... آپ کی آنکھ ایک آواز کے ساتھ کھلی... آپ کی بہن سیدنا زینب نے آپ کی آواز سنی تو دوڑ کر آئیں... بولیں:

"کیا ہوا بھائی۔"

آپ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے... آپ فرما رہے تھے، اب تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔"

سیدہ زینب یہ سن کر رونے لگیں... آپ نے انہیں تسلی دی... اسی حالت میں شمر کا لشکر آ پہنچا... شمر جنگ پر تلا ہوا تھا... اس کا ارادہ معلوم ہونے پر آپ نے فرمایا:

"آج کی رات تک ٹھہر جاؤ... تا کہ نماز پڑھ لوں، دعا کر لوں، استغفار کر لوں... اور وصیت کر سکوں۔"

شمر اور عمر بن سعد نے دوسرے لوگوں کے مشورے سے مہلت دے دی... آپ نے اپنے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

"میں اللہ تعالیٰ کا راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی شکر ادا کرتا ہوں... آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے... میں سمجھتا ہوں... کل ہمارا آخری دن ہے... میں آپ سب کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں... آپ سب اس رات کی تاریکی میں جہاں پناہ ملے چلے جاؤ... میرے اہل بیت میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ و اور نکل جاؤ، کیونکہ دشمن میری جان لینے کا خواہش مند ہے... وہ تم لوگوں کو نہیں روکے گا۔"

یہ سن کر سب کے سب بول اٹھے:

"اللہ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے... آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔"

غرض آپ کے تمام ساتھیوں میں سے کسی ایک نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانا منظور نہیں کیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت زینب سے فرمایا:

"میری بہن! میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں، میری شہادت کے بعد تم کپڑے نہ پھاڑنا، سینہ نہ پیٹنا، آواز سے رونے چلانے سے بچنا۔"

پہچان لے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک قبر کے پاس پہنچے۔ آپ نے اپنے ساتھی سے کہا:

"اس قبر والے کو سلام کہو۔"

ساتھی نے جواب میں کہا:

"کیا قبر کو سلام کہوں؟"

آپ نے فرمایا:

"اس میت نے اگر تجھے دنیا میں کبھی دیکھا ہوگا تو اب بھی تجھے پہچان لے گا۔" (المصنف صفحہ 576)

خنسا، فرحان کلیم

اس وصیت کے بعد آپ نے تمام رات دعا اور استغفار اور نماز کی حالت میں گزار دی... یہ نو محرم کی رات تھی... صبح کو دس محرم تھی اور جمعے کا دن... ابھی آپ صبح کی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ عمر بن سعد کا لشکر سامنے آ گیا۔

آپ کے ساتھ اس وقت کل 72 افراد تھے... 23 سوار اور چالیس پیادہ... آپ نے بھی مقابلے کے لیے اپنے اصحاب کی صف بندی شروع کر دی۔

☆

دونوں لشکر آمنے سامنے تھے... عمر بن سعد نے ایک دستے کا سالار حر بن یزید کو مقرر کیا تھا... یہ وہی حر بن یزید تھے جو اس سے پہلے ایک ہزار کا لشکر لے کر آئے تھے اور آپ کے ساتھ ساتھ رہے تھے... ان کے دل میں اس وقت تک اہل بیت کی محبت کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا... اس وقت انہیں بہت شرم محسوس ہوئی... انہوں نے اچانک اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی... اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے... کہنے لگے:

"یہ میں تھا جس نے آپ کو واپسی کا راستہ نہیں دیا... اس وقت جو صورتِ حال ہے، وہ اسی کے نتیجے میں ہے... اللہ کی قسم مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف اس حد تک پہنچ جائیں گے اور آپ کی کوئی بات نہیں مانیں گے... اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں آپ کو ہرگز نہ روکتا... میں اپنے فعل پر نادم ہوں اور میری سزا یہی ہے کہ آپ کے ساتھ شامل ہو کر ان لوگوں سے جنگ کروں اور جنگ کرتے ہوئے اپنی جان دے دوں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں خوش آمدید کہا... اس کے بعد آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور آگے بڑھ کر فرمایا:

"لوگو! میری بات سن لو! جلدی نہ کرو تاکہ میں نصیحت کا حق ادا کر سکوں، یہ میرے ذمے ہے، میں تمہیں یہاں آنے کی وجہ بتا دینا چاہتا ہوں... پھر اگر تم میرا عذر قبول کرو، میری بات کو سچا جانو، اور مجھ سے انصاف کرو تو اس میں تمہاری فلاح ہے، سعادت ہے... اس صورت میں تمہارے پاس مجھے قتل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی... اور اگر تم میرا عذر نہ مانو تو پھر سب مل کر اپنا کام کر گزرو، مجھے مہلت نہ دو۔"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے الفاظ بہنوں اور عورتوں کے کانوں میں پڑے تو وہ رونے لگیں... ان کے رونے کی آواز سن کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا:

"ان سے کہیں، خاموش رہیں۔"

اس وقت آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، انہوں نے کہا تھا، اگر میری بات نہیں مانتے تو کم از کم اتنی بات تو مان لیں کہ عورتوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔"

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے لوگو! تم میرا نسب دیکھو! میں کون ہوں... اپنے دلوں میں غور کرو، کیا تمہارے لیے میرا قتل جائز ہے... کیا تمہارے لیے جائز ہے کہ میری عزت پر ہاتھ ڈالو... کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا صاحب زادہ نہیں ہوں... کیا میں اس باپ کا بیٹا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے... کیا سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ میرے باپ کے چچا نہیں، کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں... کیا تم تک مشہور حدیث نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بھائی کو اور مجھے جنت کے جوانوں کے سردار فرمایا تھا اور اہل بیت کی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا تھا... کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی... مجھے بتاؤ، کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے جس کے بدلے میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، یا میں نے کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے ان لوگوں کو نام لے کر پکارا جنھوں نے آپ کو خطوط لکھے تھے... (جاری ہے)

قدم بہ قدم

آپ نے فرمایا:

''اے شبث بن ربعی، اے حجاز بن جراء، اے قیس بن اشعث، اے زید بن حارث، کیا تم لوگوں نے مجھے بلانے کے لیے خطوط نہیں لکھے۔''

یہ لوگ اس وقت عمر بن سعد کے ساتھ لشکر میں موجود تھے... انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

''ہم نے آپ کو کوئی خطوط نہیں لکھے۔''

یہ سن کر آپ نے وہ تھیلا اٹھایا، جس میں ان کے خطوط بھرے ہوئے تھے اور بعض روایات کی رو سے اس تھیلے میں تقریباً نو سو خطوط تھے... آپ نے اس تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ میرے پاس تمھارے خطوط موجود ہیں ... اے لوگو! اب اگر تمھیں میرا آنا پسند نہیں تو مجھے چھوڑ دو، میں کسی جگہ پر چلا جاؤں گا... جہاں مجھے امن مل جائے۔''

اس پر قیس بن اشعث نے کہا:

''آپ اپنے بھائی عبیداللہ بن زیاد کی بات کیوں نہیں مان لیتے... ان کے پاس چلے جائیں... وہ آپ کے بھائی ہیں، آپ سے برا سلوک نہیں کریں گے۔''

اس کے جواب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مسلم بن عقیل کے قتل کے بعد بھی تم یہ بات سمجھتے ہو، اللہ کی قسم! میں یہ بات کسی طرح قبول نہیں کروں گا۔''

آپ کے بعد حضرت زہیر بن قین کھڑے ہوئے... انہوں نے بھی ان لوگوں کو نصیحت کرنے کی کوشش کی اور فرمایا:

''لوگو! آل رسول کا خون بہانے سے باز آجاؤ... اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو ابن زیاد اس صورت میں بھی تم سے اچھا سلوک نہیں کرے گا۔''

ان لوگوں نے حضرت زہیر بن قیس کو برا بھلا کہا اور ابن زیاد کی تعریف کی اور بولے:

''ہم تم سب کو قتل کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجیں گے۔''

اس وقت شمر بن ذی الجوشن شقی نے دیکھا، اور محسوس کیا کہ بات چیت طول پکڑ رہی ہے... کہیں صلح کی کوئی صورت نہ بن جائے، اس لیے اس نے کمان میں تیر چڑھایا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف چلا دیا... اس تیر کے چلنے پر حضرت حر بن یزید آگے آگئے اور پکارے:

''اے اہل کوفہ! تم برباد ہو جاؤ، کیا تم نے انہیں اس لیے بلایا تھا کہ یہ آجائیں تو انھیں قتل کر دو... تم نے تو کہا تھا کہ اپنی جان اور مال ان پر قربان کر دو گے ... اب تم ہی ان کے قتل پر تل گئے ہو۔''

ان کی اس تقریر کے جواب میں حضرت حر پر بھی تیر چلائے گئے... لیکن انھیں کوئی تیر نہ لگا اور یہ واپس آ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑے ہو گئے ... اس کے بعد تیروں کی بارش شروع ہو گئی... گھمسان کی جنگ ہوئی... اس میں یزیدی لشکر کے بہت سے لوگ مارے گئے... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کچھ ساتھی شہید ہوئے... حر بن یزید نے بھی یزیدی لشکر کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا... اور آخر کار شہید ہو گئے ... اسی طرح حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ نے شدید جنگ کی اور زخمی ہو کر گر پڑے... حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو بولے:

''جب تک زندہ ہو، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرو۔''

اس کے بعد بد بخت اور شقی انسان شمر نے چاروں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے نہایت جواں مردی سے ان سب کا مقابلہ کیا... کوفے کے لشکر پر جس طرف سے بھی حملہ کرتے تھے، میدان کا میدان صاف ہو جاتا تھا۔

سوار دستے کے افسر عروہ بن قیس نے اپنی فوج کی یہ حالت دیکھی تو عمرو بن سعد کو پکارا:

''اور فوج بھیجو... کامیابی نہیں ہو رہی۔''

ساتھ ہی اس نے شیث بن ربعی سے کہا:

''تم کیوں آگے بڑھ کر جنگ نہیں کرتے۔''

اس وقت شیث بن ربعی نے کہا:

''تم سب لوگ گمراہ ہو، تم ان سے قتال کر رہے ہو جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بہتر ہیں اور سمیہ کے لڑکے کا ساتھ دیتے ہو۔''

اس وقت عمر بن سعد نے اور سپاہی بھیج دیے ... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے نہایت بہادری سے ان کا مقابلہ کیا... انہوں نے گھوڑے چھوڑ دیے اور پیادہ جنگ شروع کر دی... اس وقت حضرت حر بن یزید نے سخت جنگ کی... ایسے میں دشمنوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خیموں کو آگ لگا دی... اس وقت تک سیدنا حسین کے اکثر ساتھی

508 D

شہید ہو چکے تھے ... دشمن کے دستے آپ کے نزدیک پہنچ چکے تھے ... ان حالات میں آپ کے ساتھی ابوثمامہ صائدی نے عرض کیا:

"میری جان آپ پر قربان ہو، میں چاہتا ہوں، آپ کے سامنے شہادت پاؤں ... ادھر ظہر کا وقت ہو چکا ہے ... میرا جی چاہتا ہے، ظہر کی نماز ادا کروں پھر پروردگار کے سامنے جاؤں۔"

یہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں کہا:

"ہمیں نماز پڑھنے کی مہلت دو ... جنگ روک دو۔"

گھمسان کی جنگ میں کون سنتا ... دونوں طرف قتال جاری تھا ... ابوثمامہ اسی حالت میں شہید ہو گئے ... اس کے بعد حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نماز خوف ادا فرمائی اور نماز کے بعد پھر جنگ شروع کر دی ... اب عبید اللہ بن زیاد کے سپاہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچ چکے تھے ... آپ کے بچے کھچے ساتھی آپ کے سامنے آ گئے ... تیر پر تیر اور تلواروں کے زخم پر زخم کھاتے رہے ... حضرت زہیر بن قین نے بہت زبردست جنگ کی ... آخر شہید ہو گئے ... اس وقت حضرت حسین کے ساتھ صرف چند ساتھی رہ گئے تھے اور وہ جان چکے تھے کہ نہ ہم خود بچ سکتے ہیں، نہ سیدنا حسین کو بچا سکتے ہیں ... ان حالات میں ان سب کی خواہش تھی کہ آپ کے سامنے آپ سے پہلے شہید ہو جائیں ... اس لیے ہر شخص نہایت شجاعت سے لڑ رہا تھا ... ان حالات میں آپ کے بڑے صاحب زادے علی اکبر یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

ترجمہ! میں حسین بن علی کا بیٹا ہوں ... قسم ہے رب تعالیٰ کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔"

اسی وقت بدبخت مرہ بن منقذ نے نیزہ مار کر انھیں گرا دیا، پھر چند اور سنگ دل آگے بڑھے، انہوں نے آپ پر ان گنت وار کیے ... آخر کار آپ شہید ہو گئے ... حضرت حسین رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس قوم کو برباد کرے جس نے تجھے قتل کیا۔"

حضرت علی اکبر کی لاش اٹھا کر خیمے تک لائی گئی ... ادھر عمر بن سعد نے آپ کے بھائی حضرت حسن کے بیٹے قاسم کے سر پر تلوار ماری ... وہ زخم کھا کر پکارے:

"اے چچا!"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر انھیں سنبھالا ... عمر بن سعد پر تلوار کا وار کیا ... اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ گیا ... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے کی لاش کو کاندھے پر اٹھا کر لائے اور اپنے فرزند علی اکبر اور اہل بیت کی دوسری لاشوں کے برابر لٹا دیا ...

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اب تنہا رہ گئے تھے ... لیکن کسی میں ان کی طرف بڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ... کوئی آپ کو شہید کرنے کے لیے بڑھتا، لیکن پھر پیچھے ہٹ جاتا ... کافی دیر یہی کیفیت رہی دراصل ہر کوئی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کو اپنے سر نہیں لینا چاہتا تھا ... آخر قبیلہ کندہ کا ایک سنگ دل ... انسان مالک بن نسیر آگے بڑھا ... اس نے آپ کے سر پر تلوار سے حملہ کیا ... آپ شدید زخمی ہو کر بیٹھ گئے ... ایسے میں آپ کے چھوٹے بیٹے حضرت علی اصغر آ کر آپ کی گود میں بیٹھ گئے ... بنی اسد کے ایک بد نصیب نے حضرت علی اصغر کو تیر مارا اور وہ بھی شہید ہو گئے ... آپ نے اس معصوم بچے کا خون زمین پر اچھالا اور فرمایا:

"یا اللہ تو ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔"

اس وقت حضرت حسین کی پیاس انتہا کو پہنچ چکی تھی ... آپ پانی پینے کے لیے دریا کے راستے کی طرف گئے ... ایک ظالم حصین بن نمیر نے آپ کو تیر مارا ... تیر آپ کے منہ مبارک پر لگا ... آپ کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔

اس کے بعد شمر دس آدمی لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا ... آپ نے شدید زخموں اور شدت کی پیاس کے باوجود ان کا دلیرانہ مقابلہ کیا ... آپ جس طرف بھی بڑھتے تھے، وہ لوگ بھاگتے دکھائی دیتے تھے۔

مورخوں نے اس واقعے کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ ایک بے نظیر واقعہ ہے ... جس شخص کی اولاد اور اہل بیت قتل کر دیے گئے ہوں ... خود اسے شدید زخم آ چکے ہوں ... اور وہ ہو بھی شدید پیاس کی حالت میں ... اس وقت اس ثابت قدمی سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا، انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے آگے لگا لینا کوئی معمولی بات نہیں ... بے مثال واقعہ ہے۔"

جب شمر نے دیکھا کہ ہر شخص آپ کے قتل سے بچنا چاہتا ہے تو وہ بدبخت پکارا:

"سب مل کر حملہ کرو۔" (جاری ہے)

اِسلامی جنگیں

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

یہ سن کر بہت سے بدنصیب آگے بڑھے ... آپ پر نیزوں اور تلواروں سے وار کیے ... اور ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان ظالموں کا پوری جواں مردی سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے ...

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اب شمر نے خولی سے کہا:

''ان کا سر کاٹ لو۔''

وہ سر کاٹنے کے ارادے سے آگے بڑھا ... مگر اس کے ہاتھ کانپ گئے ... اس سے زیادہ سخت دل ایک شخص سنان بن انس آگے بڑھا، اس نے آپ کا سر تن سے الگ کر دیا۔

آپ کی لاش کو دیکھا گیا تو نیزوں کے 33 اور تلواروں کے چونتیس زخم تھے ... اب یہ ظالم لوگ حضرت زین العابدین کی طرف بڑھے ... شمر نے چاہا، انھیں بھی قتل کرے ... ایسے میں حمید بن مسلم بول اٹھے:

''سبحان اللہ! تم بچے کو قتل کرتے ہو جب کہ وہ بیمار بھی ہے۔''

یہ سن کر شمر پیچھے ہٹ گیا ... عمر بن سعد نے کہا:

''ان عورتوں کے خیمے کے پاس کوئی نہ جائے اور اس بیمار بچے کو ہاتھ نہ لگائے۔''

ابن زیاد نے حکم دیا تھا کہ لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا جائے ... چنانچہ عمر بن سعد نے چند سواروں کو حکم دیا ... انہوں نے یہ سنگ دلانہ کام بھی کیا۔

جنگ کے بعد مقتولین کو گنا گیا ... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے 72 ساتھی شہید ہوئے تھے ... عمر بن سعد کے لشکر کے اٹھاسی آدمی مارے گئے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو غاضریہ قبیلے کے لوگوں نے ایک دن بعد دفن کیا۔

خولی بن یزید اور حمید بن مسلم حضرت حسین باقی لوگوں کے سروں کو لے کر کوفے پہنچے ... ابن زیاد کے سامنے ان سروں کو رکھا گیا ... ابن زیاد چھڑی سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے منہ مبارک کو چھونے لگا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے ... انہوں نے فرمایا:

''چھڑی ان پاک ہونٹوں سے ہٹا لو ... قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ہونٹوں کو چومتے دیکھا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ رو پڑے۔

ابن زیاد نے طیش میں آ کر کہا:

''اگر تم بوڑھے نہ ہوتے تو میں تمھیں بھی قتل کر دیتا۔''

حضرت زید بن ارقم روتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

عمر بن سعد دوسرے دن باقی اہل بیت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں اور بہنوں کو ساتھ لے کر کوفے کی طرف روانہ ہوا ... عورتوں اور بچوں نے حضرت حسین اور ساتھیوں کی لاشیں پڑی دیکھیں تو رونے لگے ... عمر بن سعد نے اس سب کو ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔

''ابن زیاد نے ان سروں کو کوفے کے بازاروں میں پھرانے کا حکم دیا ... پھر ان سروں کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ یزید کے پاس دمشق میں بھیج دیا ... یہ لوگ شام پہنچے ... حر بن قیس نامی شخص ان سروں کو لے کر آیا تھا ... وہ یزید کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا:

''کیا خبر ہے۔''

اس نے کربلا کے میدان کی تفصیل بتا کر کہا:

''امیر المومنین! مکمل فتح ہوئی ہے ... وہ سب لوگ مارے گئے ... ان کے سر اور عورتیں اور بچے حاضر ہیں۔''

یہ سن کر یزید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ... پھر بولا:

''میں تم سے اتنی اطاعت چاہتا تھا کہ انہیں قتل کیے بغیر گرفتار کر لو، میں ہوتا تو انہیں معاف کر دیتا۔''

یہ کہا اور حر بن قیس سے بولا:

''تو کسی انعام کا حق دار نہیں۔''

جس وقت سیدنا حضرت حسین کا سر یزید کے سامنے لا کر رکھا گیا تو اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی ... اس نے اس چھڑی سے آپ کے دانتوں کو چھوا اور یہ اشعار پڑھے

ہماری قوم نے ہم سے انصاف نہ کیا تو ہماری خونی تلواروں نے انصاف کیا۔

انہوں نے ایسے مردوں کے سر پھاڑ دیے جو ہم پر سخت تھے اور وہ تعلقات کو قطع کرنے والے ظالم تھے۔''

حضرت ابو برزہ سلمی رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے ... آپ نے فرمایا:

"اے یزید اپنی چھڑی حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں سے ہٹالے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دانتوں کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے، اے یزید قیامت کے دن تو آئے گا تو تیری شفاعت ابن زیاد کرے گا اور حسین آئیں گے تو ان کی شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔"

جب یزید کی بیوی ہندہ بنت عبداللہ نے یہ خبر سنی کہ حضرت حسین قتل کر دیے گئے ہیں اور ان کا سر یزید کے دربار میں لایا گیا ہے تو کپڑا اوڑھ کر باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں:

"امیر المومنین! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔"

اس نے کہا:

"ہاں! خدا ابن زیاد کو ہلاک کرے، اس نے جلدی کی اور قتل کر ڈالا۔"

یہ سن کر ہندہ رو پڑی۔ اس کے بعد عورتیں اور بچے یزید کے سامنے لائے گئے ... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بھی یزید کے سامنے رکھا گیا ... آپ کی دونوں صاحب زادیاں سیدہ فاطمہ اور سیدہ سکینہ پنجوں کے بل کھڑے ہو کر سر مبارک کو دیکھنا چاہتی تھیں جب کہ یزید نہیں چاہتا تھا کہ وہ سر مبارک کو دیکھیں، اس لیے وہ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا، لیکن انہوں نے بھی سر مبارک دیکھ لیا اور بے ساختہ رونے لگیں ... ان کے رونے کی آواز سن کر یزید کی عورتیں بھی رونے لگیں۔

یزید کے دربار میں ایک شامی شخص نے صاحب زادی کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے تو ان کی پھوپھی زینب رضی اللہ عنھا نے نہایت سخت لہجے میں فرمایا:

"نہ تو تجھے اس پر کوئی حق ہے، نہ یزید کو۔"

یہ سن کر یزید بولا:

"مجھے سب اختیار حاصل ہے۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنھا نے فرمایا:

"تجھے کوئی حق حاصل نہیں۔"

یزید اور تیز لہجے میں بولا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنھا نے بھی اور زیادہ سخت جواب دیا ... آخر یزید خاموش ہو گیا ... اس کے بعد اس نے عورتوں کو زنان خانے میں اپنی عورتوں کے پاس بھیج دیا ... یزید کی تمام عورتیں ان کے پاس آئیں اور رونے لگیں ... جو زیورات وغیرہ ان سے لے لیے گئے تھے، ان سے زیادہ یزید کی عورتوں نے انھیں پیش کیے۔

اس کے بعد سیدنا علی اصغر رحمتہ اللہ علیہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں یزید کے سامنے لائے گئے ... آپ نے سامنے آ کر کہا:

"اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قید میں دیکھتے تو ہمیں کھولنے کا حکم فرماتے۔"

یزید نے یہ سن کر کہا:

"سچ کہا۔"

پھر اس نے انھیں کھول دینے کا حکم دیا ... اس کے بعد اس نے انھیں اور ان کی تمام عورتوں کو ایک الگ مکان میں ٹھہرانے کا حکم دیا ... یزید کھانا کھانے بیٹھتا تو سیدنا حسین کے صاحب زادے حضرت علی اکبر کو بلواتا اور اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتا ...

بعض روایات سے ثابت ہے کہ یزید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے خوش تھا ... اور جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو وہ خوش ہوا تھا، لیکن جب یزید کی بدنامی چاروں طرف پھیل گئی اور تمام مسلمان اس سے ناراض ہو گئے تو اس وقت بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا:

"کاش! میں تکلیف اٹھا لیتا اور حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھتا اور انھیں اختیار دے دیتا کہ وہ جو چاہیں کریں ... چاہے اس طرح میرے اقتدار کو نقصان ہی پہنچتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی قرابت کا یہی حق تھا ... اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے، اس نے مجبور کر کے قتل کر دیا ... حالانکہ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو یا کسی سرحدی مقام پر پہنچا دو ... مگر اس نالائق نے قبول نہ کیا ... اور انھیں قتل کر کے مجھے ساری دنیا کی نظروں میں گرا دیا ... ان کے دلوں میں میری دشمنی کا بیج بو دیا ... ہر نیک و بد مجھ سے بغض رکھنے لگا ہے ... اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے۔"

پھر یزید نے اہل بیت اطہار کو مدینہ واپس بھیجنے کا ارادہ کیا ... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"ان کے لیے ان کی شان کے مطابق سفر کا انتظام کیا جائے ... اور ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجا جائے ... ان کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ بھی بھیجا جائے جو انھیں مدینہ تک پہنچائے۔"

رخصت سے پہلے حضرت علی بن حسین رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے پاس بلایا اور آپ سے کہا:

"اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے ... اللہ کی قسم! اگر میں خود وہاں ہوتا تو حسین رضی اللہ عنہ جو کہتے، میں اسے قبول کر لیتا اور جہاں تک ممکن ہوتا، انھیں ہلاکت سے بچاتا، چاہے مجھے اپنی اولاد کو قربان کرنا پڑتا لیکن جو مقدر میں تھا، وہ ہو گیا ... صاحب زادے! تمھیں کوئی ضرورت ہو تو مجھے خط لکھ دیا کرنا ... اور میں نے ان لوگوں کو بھی یہ ہدایت کر دی ہے جو تمھارے ساتھ جائیں گے۔"

یزید کا ایسا کرنا اپنی بدنامی کے داغ کو مٹانے کی کوشش تھا یا حقیقت میں اسے خدا کا خوف آ گیا تھا، یہ تو اللہ علیم و خبیر ہی جانتے ہیں ... مگر اس کے بعد کے کارنامے اور افعال سب کے سب سیہ کاریوں سے بھرے پڑے ہیں ... اس نے مرتے مرتے بھی مکہ معظمہ پر چڑھائی کے لیے لشکر بھیجے ... مدینہ منورہ پر بھی چڑھائی کی اور وہاں قتل عام کرایا ...

(جاری ہے)

قدم بہ قدم

یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو مدینہ منورہ کے لوگ خون کے آنسو رونے لگے... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس سفر میں ان کی زوجہ محترمہ رُباب بنتِ امری القیس بھی تھیں ... انھیں بھی شام تک لے جایا گیا تھا... پھر اس قافلے کے ساتھ ہی وہ بھی مدینہ منورہ پہنچی تھیں... آپ نے ساری عمر اپنے مکان میں گزار دی... کوئی کہتا:

''دوسری شادی کر لو۔''

جواب میں کہتیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی کو اپنا خسر بنانے کے لیے تیار نہیں ہوں...'' آخر واقعہ کربلا کے ایک سال بعد وفات پا گئیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دو تین ماہ تک فضا کی یہ حالت رہی کی جب سورج طلوع ہوتا اور دھوپ دیواروں پر پڑتی تو سرخ ہوتی ... یوں لگتا جیسے دیواروں پر خون مل دیا گیا ہو۔ (ابن کثیر)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک رات خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، دوپہر کا وقت ہے اور آپ پریشان حال ہیں... آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے... اس میں خون ہے ... ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! اس میں کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس میں حسین رضی اللہ عنہ کا خون ہے، میں اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔''

خواب سے بیدار ہو کر حضرت ابن عباس نے اسی وقت لوگوں کو خبر دی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

اس خواب کے چند روز بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ٹھیک وہی دن تھا اور وہی رات تھی۔ (بیہقی، دلائل بسند)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر جنات کو روتے دیکھا ہے۔ (دلائل ابونعیم)

اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔

امام زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے ... ان میں سے ایک نہ بچا... جسے آخرت سے پہلے اس دنیا میں سزا نہ ملی ہو... کوئی قتل کیا گیا، کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا یا چند روز ہی میں ملک اور سلطنت چھن گئی... اور ظاہر ہے، یہ ان کے اعمال کی سزا اس دنیا میں تھی، یہ تو ایک نمونہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دکھایا۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں ایک بوڑھا آدمی شریک تھا... وہ اچانک اندھا ہو گیا... لوگوں نے اس سے پوچھا:

''یہ کیا ہوا؟''

اس نے بتایا:

''میں نے خواب میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا... آپ آستین چڑھائے ہوئے ہیں، ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے... اس پر قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں... اس کے بعد آپ نے مجھے ڈانٹا اور خونِ حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی... میں صبح اٹھا تو اندھا ہو چکا تھا۔ (اسعاف)

جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا... اسے دیکھا گیا، اس کا منہ کول تار کی طرح کالا ہو گیا تھا، لوگوں نے اس سے پوچھا:

''تم تو سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے، تمھیں کیا ہوا؟''

اس نے بتایا:

''جس روز میں نے حضرت حسین کا سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا، اسی روز سے میری حالت یہ ہے کہ جب سوتا ہوں تو دو آدمی مجھے پکڑ کر دہکتی آگ پر لے جاتے ہیں۔''

اسی حالت میں وہ چند دن بعد ہی مر گیا۔ (ابن جوزی)

☆

سدی نے ایک شخص کی دعوت کی... مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا، اسے دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی... اس شخص نے فوراً کہا:

''یہ بات بالکل غلط ہے، میں خود ان کے قتل میں شریک تھا، میرا تو کچھ بھی نہیں بگڑا۔''

یہ شخص اس مجلس سے اٹھ کر گیا... چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں کو آگ لگ گئی

...وہ وہیں جل کر مر گیا۔

''میں نے خود دوسری صبح اسے دیکھا، وہ جل کر کوئلہ ہو چکا تھا۔'' (ابن جوزی)

شہادتِ حسین کے بعد یزید کو بھی چین نصیب نہ ہوا... تمام اسلامی ممالک میں شہدا کے خون کا مطالبہ زور پکڑ گیا، بغاوتیں شروع ہوگئیں، اس عظیم سانحے کے بعد وہ صرف دو سال آٹھ ماہ زندہ رہا اور ایک روایت کے مطابق تین سال آٹھ ماہ زندہ رہا... دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل کیا اور اسی ذلت میں ہلاک ہوا، اس کی ہلاکت کے تقریباً پانچ سال بعد مختار ثقفی نے حضرت حسین کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا... تمام مسلمان اس کے ساتھ ہوگئے... اور وہ کوفے اور عراق پر حکمران ہو گیا... اس نے اعلان کیا:

''قاتلانِ حسین کے علاوہ سب کو امن دیا جاتا ہے۔''

اس نے قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی تلاشی اور پکڑ دھکڑ میں تمام قوت صرف کر دی، ایک ایک کو گرفتار کیا گیا اور لا لا کر قتل کیا گیا... ایک دن دو سو اڑتالیس آدمی لائے گئے... سب کو لٹا کر ذبح کیا گیا۔

ان کے بعد خاص لوگوں کی تلاش شروع ہوئی... عمرو بن حجاج زبیدی کو پکڑ کر ذبح کیا گیا... شمر ذی الجوشن جو اس معاملے میں سب سے زیادہ سنگ دل ثابت ہوا تھا اور آخر وقت تک قتلِ حسین پر ڈٹا رہا تھا، اسے قتل کر کے اس کی لاش کتوں کے آگے ڈال دی گئی... عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کو گھیر لیا گیا... سب کو قتل کیا گیا... عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط نے مسلم بن عقیل کے قتل میں مدد کی تھی... انھیں قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمر بن سعد جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر اپنے لشکر کی کمان کر رہا تھا، پکڑ کر قتل کیا گیا اور اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا... وہاں مختار نے عمر بن سعد کے لڑکے کو بٹھا رکھا تھا... باپ کا سر دکھانے کے بعد اسے بھی قتل کیا گیا... حکیم بن طفیل نے حضرت حسین کو تیر مارا تھا... اسے کھڑا کر کے اس کا جسم تیروں سے چھلنی کر دیا گیا... زید بن رفاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے، یعنی حضرت مسلم بن عقیل کے صاحب زادے عبداللہ کو تیر مارا تھا... تیر پیشانی پر لگا تھا... زید بن رفاد کی بھی پیشانی پر تیر مارا گیا، پھر اس پر پتھر برسائے گئے اور زندہ جلا دیا گیا... سلام بن انس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کاٹا تھا... وہ کوفے سے بھاگ نکلا... اس کے گھر کو گرا دیا گیا... پھر عبیداللہ بن زیاد کا سر کاٹ کر مختار کے سامنے لایا گیا... عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے:

''میں نے کوفے کے قصرِ امارت میں حضرت حسین کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے ایک تھال میں رکھا دیکھا... پھر اسی قصرِ امارت میں ابن زیاد کا کٹا ہوا سر مختار کے سامنے دیکھا (تاریخ الخلفا)

یہ سزا تو انھیں دنیا میں ملی، آخرت کی سزا ملنا باقی ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر نہیں تھے... وہ لوگ حضرت حسین کے اس خط کے الفاظ پڑھ لیں:

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے... بدعات پھیلائی جا رہی ہیں... میں تم لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور سنت رسول کی حفاظت کرو اور اس کے احکامات نافذ کرنے کی کوشش کرو۔''

(کامل ابن اثیر 94)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ سارا جہاد صرف اس لیے تھا کہ کتاب وسنت کے قانون کو صحیح طور پر نافذ کریں، اسلام کے نظام عدل کو از سر نو قائم کریں... اسلام میں خلافت نبوت کی بجائے ملوکیت اور آمریت آگئی تھی، اس بدعت کا مقابلہ کریں۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کی محبت عطا فرمائے اور ان کی کامل پیروی نصیب فرمائے۔ اسلامی جنگیں کی آخری قسط آیندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کورا کاغذ

حافظ صبغت اللہ قاسم۔ ملتان

میں مارکیٹ سے اسٹیشنری کا سامان خریدنے گئی۔ ایہاب بھی میرے ساتھ تھا۔ دو ہفتوں بعد چونکہ امتحان تھے۔ سوچا، امتحانوں کے دوران جن چیزوں کی ضرورت پڑے گی، لے آؤں۔ اگر خدانخواستہ واپڈا والوں کی کرم فرمائیاں اپنے عروج پر پہنچ جائیں تو اس کا بھی انتظام ہونا چاہیے اور امتحانوں کے زمانے میں صرف امتحان کی ہی فکر رہے، جاتے وقت رہیقہ اور ضرار کی طرف سے بھی بھاری بھرکم چیزوں کا آرڈر ملا۔ دونوں کی فرمائشیں تقریباً برابر برابر تھیں۔ آرزوؤں اور فرمائشوں کے ساتھ مارکیٹ میں داخل ہوئی۔ بک سینٹر کا داخلی دروازہ عبور کر کے میں نے مطلوبہ اشیاء کی فہرست سیلز مین کے سامنے رکھ دی۔

ادھر اُدھر مختلف چیزیں دیکھنے کے بعد میری نظریں ایک 5،6 سالہ بچے پر ٹھہر گئیں، جو اپنی ماں کے ساتھ خریداری کے لیے آیا ہوا تھا۔ بہت ہی پیارا بچہ لگا۔ چھوٹی چھوٹی خوب صورت سی مانو بلی کی طرح آنکھیں، سفید چٹا رنگ، ہلکے گلابی ہونٹ، میرا دل چاہا، آگے بڑھ کر اس کے ڈبل روٹی بھرے رخساروں پر ہلکے سے انداز میں پیار سے چٹکی بھر لوں۔ اس وقت وہ کلر بکس پر جھکا اپنی پسند کی کلر بک تلاش کر رہا تھا۔ میں نے ایہاب کو ٹہوکا مار کر اس کی جانب توجہ دلائی۔

پھر میں نے اس کے لیے ایک خوب صورت سا میجک پین خریدا۔ اس کی والدہ سے علیک سلیک کے بعد اس کو وہ پین گفٹ کیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھولوں کی مہک کی طرح اپنے چہرے پر تبسم کو بکھیرا۔ اپنی پلکوں کو جھکا کر میرے ہاتھ سے وہ گفٹ لے لیا۔

جب پیسے ادا کر کے اپنے سامان کا بل کاؤنٹر سے اٹھا کر ہم باہر نکلے، تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ کھڑا سڑک پار کرنے والا تھا۔ ہماری بائیک بھی زیبرا کراسنگ پر آ کر رک گئی۔ سرخ بتی جلنے میں چند لمحے باقی تھے۔ اس وقت اس کی ماں نے اس سے کہا:

''بیٹا! میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لو، کہیں ایسا نہ ہو، تم ٹریفک کی زد میں آ جاؤ۔''

اس نے جواب دیا: ''نہیں امی، بلکہ آپ میرا ہاتھ پکڑ لیں۔''

''بیٹا! اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہاتھ میں تمہارا پکڑوں یا تم میرا۔''

اس کی ماں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے تعجب سے پوچھا:

اسی لمحے ٹریفک کے بے ہنگم شور میں دبی اس کی آواز میرے کانوں میں ہل چل مچا گئی، اس کے الفاظ میرے دل کے کورے کاغذ پر ثبت ہوتے چلے گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا چھوٹا منہ ایسی نفیس بات کہے گا۔ میرا دل چاہا، جلدی سے اتر کر اس سے آٹوگراف کے طور پر وہ الفاظ اپنی ڈائری کے کورے کاغذ پر سونے کے پانی سے لکھوا کر ہر اس جگہ آویزاں کروں، جہاں سب کی نظریں پڑیں، اس کے الفاظ کی گلابی پتیوں کو ہر گلی، کوچے میں بکھیر دوں۔ اس نے اپنے دل کی کیفیت دو لفظوں میں بیان کر دی تھی۔

''دیکھیں امی! اگر میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا تو ممکن ہے، میں مشکل میں آپ کا ہاتھ چھوڑ دوں، لیکن اگر آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا تو مجھے یقین ہے، آپ میرا ہاتھ کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑیں گی۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یزید نے مکّے پر چڑھائی کی۔ اس جنگ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس کے بعد یزید فوت ہوگیا۔ یزید کا بیٹا تخت پر بیٹھا، لیکن بہت تھوڑی مدت تک حکمران رہا، پھر مرگیا۔ اس کے بعد ایک شخص مختار ثقفی اٹھا۔ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے قاتلوں کو گرفتار کرنے اور انھیں انجام تک پہنچانے کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے گرد بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے۔ اس طرح آہستہ آہستہ وہ طاقت پکڑتا چلا گیا۔ اس نے میدانِ کربلا میں ظلم ڈھانے والوں کو چن چن کر گرفتار کروایا اور انھیں قتل کروایا۔ پھر خود مختار ثقفی نے نبوت کا دعویٰ کر ڈالا اور قتل ہوا۔ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا سنہری دور آیا۔ آپ کا دور پر امن ترین دور تھا۔ آپ کے بعد پھر شورشوں کا دور آیا۔ اکھاڑ پچھاڑ ہوتی رہی۔ بنو امیہ کے دور کے بعد بنو عباس کا دور آیا، پھر علویوں کا دور آیا۔

قدم بہ قدم

واقعہ کربلا کے تقریباً دو سو سال بعد معزالدولہ حکمران بنا۔ یہ ویلمی خاندان سے تھا۔ علویوں کی تبلیغ سے یہ خاندان مسلمان ہوا۔ یہی وہ لوگ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آپ کے ساتھ رہے تھے۔ انھوں نے خود کو شیعانِ علی کا نام دیا۔ بنو امیہ کے دور میں یہ ابھر نہ سکے۔ عباسی خلفا کے دور میں بھی یہ ابھر نہ سکے، لیکن آخر عباسی خلفا کمزور ہوتے چلے گئے۔ اس طرح علوی ان پر غالب آگئے۔ انھی کی تبلیغ سے بویہ خاندان مسلمان ہوا تھا، لیکن ان کے خیالات علویوں جیسے تھے۔ معزالدولہ نے جب حکومت سنبھالی تو ایک اور گروہ سامنے آیا۔ انھوں نے عجیب عجیب باتیں شروع کر دیں۔ یہ باتیں بالکل عبداللہ بن سبا جیسی تھیں۔ عبداللہ بن سبا کہا کرتا تھا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ حلول کر گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہوگئے ہیں) (نعوذ باللہ) یا وہ کہتے تھے۔

''علی خود خدا ہیں۔''

اس گروہ کے لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے سنائی دینے لگے۔ ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا:

''مجھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روح حلول کر گئی ہے۔''

دوسرے نے دعویٰ کیا:

''مجھ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح داخل ہوگئی ہے۔ ایک اور نے دعویٰ کیا، مجھ میں حضرت جبرئیل کی روح ہے۔''

لوگوں نے ان کی اوٹ پٹانگ باتیں سنیں تو لگے انھیں مارنے پیٹنے۔ معزالدولہ کو پتا چلا، وہ خود غلط عقیدہ رکھتا تھا۔ اس کے خیالات علوی خاندان والوں جیسے تھے، یہ لوگ انھی خیالات کو اسلام سمجھتے تھے، چنانچہ معزالدولہ نے ان لوگوں کو بلوایا۔ ان کے خیالات سنے۔ اس کے تو اپنے خیالات ویسے ہی تھے۔ اسے یہ لوگ بہت پسند آئے۔ اس نے اعلان کروا دیا:

''کوئی انھیں نہ مارے نہ پیٹے، بلکہ سب لوگ ان کی عزت کریں۔''

معزالدولہ کا دارالخلافہ بغداد تھا، ان لوگوں کی وجہ سے وہاں اس قسم کے خیالات پھیلنے لگے۔ انھی لوگوں نے معزالدولہ کو مشورہ دیا:

''آپ ماتمی جلوس نکالا کریں، غمِ حسین میں تمام دکانیں بند کروایا کریں، لوگ دس محرم کو سیاہ لباس پہنا کریں۔ عورتیں اپنے بال کھول کر اس جلوس میں شرکت کیا کریں۔ سب اپنا سینہ کوٹا کریں، بال نوچا کریں، مرثیے پڑھا کریں، اس سے امام حسین رضی اللہ عنہ کا غم تازہ ہوا کرے گا۔

352 ہجری میں اس قسم کے جلوس کی ابتدا ہوئی۔ 353 ہجری میں بھی یہ جلوس نکالا گیا۔ اس سال سنیوں اور شیعوں میں فساد برپا ہوا۔ بہت سے لوگ مارے گئے، یہ گویا اس سلسلے کا سب سے پہلا فساد تھا۔ اس فساد نے گویا اسلامی معاشرے میں فساد کا بیج بو دیا۔ اس کے بعد تو ہر سال یہ جلوس نکالے جانے لگے۔ کسی نے نہ سوچا، نہ سمجھا، نہ تحقیق کی کہ یہ جلوس کہاں سے نکل آئے۔ کیوں نکل آئے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش ہے بھی یا نہیں۔

یہ تھی ماتم حسین رضی اللہ عنہ کی ابتدا۔ دو سو سال تک تو یہ لوگ بالکل خاموش رہے، کیونکہ بنو امیہ کے دور میں ان کا بس نہیں چل سکا تھا۔ جب بنو امیہ کمزور ہوگئے تو انھوں نے میدان میں نکلنے کی کوشش شروع کر دی۔ پھر اپنے اس روپ میں باہر آئے جس روپ میں عبداللہ بن سبا نکلا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو اپنے دور میں ایسے لوگوں کو زندہ جلا دیا تھا، جو یہ کہتے تھے:

''علی رضی اللہ عنہ میں خدا حلول کر گیا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان سب کو نہیں جلوا سکے تھے۔ ان میں سے بہت بچ گئے تھے اور انھوں نے ہی اپنے خیالات پھر سے شروع کر دیے تھے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ وہی ضرورت تھی جو عبداللہ بن سبا کو تھی، یعنی مسلمانوں کو گروہ در گروہ تقسیم کر دیا جائے، ان میں ایسی پھوٹ ڈال دی جائے کہ یہ پھر کبھی ایک قوم نہ بن سکیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے خطبے میں صاف طور پر فرمایا تھا:

''لوگو! جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ اس قوم کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں۔''

چار چیزیں

- دنیا کی زینت چار چیزیں ہیں۔
  (1) ماں باپ (2) نیک اولاد (3) نیک بیوی (4) دانا دوست۔
- آخرت کی زینت چار چیزیں ہیں۔
  (1) علم (2) تقویٰ (3) صدقہ (4) حقوق العباد کی پاس داری۔
- جسم کی زینت چار چیزیں ہیں۔
  (1) کم کھانا (2) کم سونا (3) کم بولنا (4) کم ہنسنا۔
- دل کی زینت چار چیزیں ہیں۔
  (1) صبر (2) ذکر (3) شکر (4) غور و فکر۔
- ایمان کی زینت چار چیزیں ہیں۔
  (1) حیا (2) پاکیزگی (3) سچائی (4) عدل۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام زینتوں سے آراستہ فرمائے۔

جنید احمد خان۔ حیدرآباد

سو قوم نے جب ہر سال غمِ حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں آنسو بہانے شروع کر دیے تو جہاد کا جذبہ اس کے اندر سے نکلتا چلا گیا۔ مسلمانوں کے دلوں اور وعدوں سے خلیفۂ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبے کے الفاظ نکل گئے، بلکہ پہلے خلیفہ سے بھی پہلے جہاد کا حکم تو قرآن میں بھی جگہ جگہ موجود ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک جہاد کرتے رہے۔

عبداللہ بن سبا یہودی تھا... اور یہودیوں نے مسلمانوں کی شان دار کامیابیوں کو دیکھا تھا... ان کے پاس ان کامیابیوں کا کوئی توڑ نہیں تھا... یہ توڑ انھیں عبداللہ بن سبا کی صورت میں ملا... مسلمانوں میں سے جہاد کی روح نکال باہر کرنا ہی انھیں علاج نظر آیا... جہاد کے جذبے کو سلانے کا انھیں یہی طریقہ نظر آیا کہ مسلمان ایک شہید کو ہی روتے رہیں، ان کی یاد میں آنسو ہی بہاتے رہیں... روتے رہیں، پیٹتے رہیں... اس طرح یہ جہاد سے روز روز دور ہوتے جائیں گے اور ہم وہ مقصد حاصل کر لیں گے جو حاصل کرنا چاہتے ہیں...

آج دیکھ لیں! ہمارا حال کیا ہے... جو قوم کبھی جہاد کی خوگر تھی... اب جہاد کے نام سے بھی دور بھاگتی ہے... جہاد کا خیال تک دل میں لانے سے ڈرتی ہے ... ماتم کی رونقیں مزیادہ سے زیادہ ہوتی چلی گئیں اور جہاد کا شوق کم سے کم ہوتا چلا گیا...

عبداللہ بن سبا کی اولاد نے اپنا کام بے شک جاری رکھا، لیکن وہ ایک بات بھول گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

"میری امت میں سے ایک قوم ہمیشہ حق کی خاطر جہاد کرتی رہے گی۔"

اس جماعت نے اپنا کام جاری رکھا... جہاد کا بول بالا کرتی رہی اور کر رہی ہے... اور ان شاء اللہ جہاد جاری رہے گا... دشمن لاکھ ہمارے اندر سے جہاد کا جذبہ نکالنے کی کوشش کرتا رہے... لیکن وہ مکمل طور پر کبھی نہیں نکال سکے گا...

عبداللہ بن سبا کی جماعت نے جھوٹے نبیوں کا شوشہ بار بار کھڑا کیا... اس سے بھی یہی مقصد ہے کہ جہاد کے جذبے کو سلا دیا جائے... آج امریکہ اور بیالیس ملک اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں میں سے جہاد کے جذبے کو نکال باہر کیا جائے... لیکن ہم نے دیکھ لیا... ہم نے جان لیا کہ دس سال تک افغانستان پر بیالیس ملکوں کی مدد سے مسلسل حملے کرتے رہنے کے بعد بھی امریکہ کامیاب نہیں ہو سکا... اور اب افغانستان سے کسی طرح نکل جانا چاہتا ہے...

آج کی دنیا یہ سمجھتی ہے، امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے... لیکن سب سے بڑی طاقت دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک کے مٹھی بھر لوگوں کو شکست سے دوچار نہیں کر سکی... بلکہ خود امریکہ شکست سے دوچار ہو گیا ہے... دراصل یہ جہاد کا جذبہ ہے اور اس جذبے کو شکست دینا سبائیوں کے بس کی بات نہیں...

اسلامی جنگوں کا میدان بہت وسیع ہے... اسلامی جنگیں تو دنیا کے کونے کونے میں لڑی گئیں... اور لڑی جا رہی ہیں... ہمارے لیے ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں... اس لیے بچوں کا اسلام میں اس سلسلے کو اس قسط پر ختم کرتے ہیں... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، مجاہدین کو ہمت عطا فرمائے، وہ جہاد کی روح سے سرشار رہیں... یہاں تک کہ ظہورِ مہدی علیہ الرضوان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ پوری دنیا کے کفار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں... آمین ثم آمین...

اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ جس طرح بچوں کا اسلام میں شائع ہونے والے تمام قدم بہ قدم سلسلے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں... اس سلسلے یعنی اسلامی جنگیں قدم بہ قدم کو بھی کتابی شکل میں شائع ہونا نصیب ہوگا... ان شاء اللہ...